عام فہم اردو تفسیر

انوار البیان

فی کشف اسرار القرآن

سلیس اور عام فہم زبان میں اردو کی سب سے پہلی مفصل اور جامع تفسیر، تفسیر القرآن بالقرآن
اور تفسیر القرآن بالحدیث کا خصوصی اہتمام، دلنشین انداز میں احکام و مسائل اور مواعظ و نصائح
کی تشریح، اسباب نزول کا مفصل بیان، تفسیر و حدیث اور کتب فقہ کے حوالوں کیساتھ

محقق العصر مدظلہ العالی
حضرۃ مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنی

اضافہ شدہ ایڈیشن

عام فہم اردو تفسیر

انوار البیان

فی کشف اسرار القرآن

جلد-۳

سورۃ المائدہ تا سورۃ الأعراف

سلیس اور عام فہم زبان میں اردو کی سب سے پہلی مفصل اور جامع تفسیر، تفسیر القرآن بالقرآن اور تفسیر القرآن بالحدیث کا خصوصی اہتمام، دلنشین انداز میں احکام و مسائل اور مواعظ و نصائح کی تشریح، اسباب نزول کا مفصل بیان، تفسیر و حدیث اور کتب فقہ کے حوالوں کیساتھ

محقق العصر
حضرۃ مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنی قدس سرہ

ادارۂ تالیفات اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان، پاکستان فون: 540513

نام کتاب.................. انوار البیان جلد۳

نام مؤلف.............. محمد عاشق الٰہی مدنی رحمہ اللہ

باہتمام.............. محمد اسحاق عفی عنہ

تاریخ اشاعت.............. محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

مطبع............. سلامت اقبال پریس ملتان

ملنے کے پتے

☆ ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان

☆ ادارہ اسلامیات انارکلی ، لاہور

☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

☆ مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ

☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

☆ یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

☆ دارالاشاعت اردو بازار کراچی

☆ صدیقی ٹرسٹ لسبیلہ چوک کراچی نمبر ۵

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح واصلاح کیلئے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اس کی اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔

تاہم چونکہ یہ سب کام انسان کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لئے پھر بھی کسی غلطی کے رہ جانے کا امکان موجود ہے۔

لہٰذا قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اگر کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر دی جائے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔

(ادارہ)

﴿فہرست مضامین﴾

مضامین	صفحہ

سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۂ مائدہ مدینہ میں نازل ہوئی ﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾ اس میں ایک سو بیس آیات اور سولہ رکوع ہیں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۬ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ

اے ایمان والو! اپنے عہدوں کو پورا کرو، حلال کئے گئے تمہارے لئے چوپائے انعام میں سے مگر وہ جن کے بارے میں تمہیں بتادیا جائے گا اس حال میں کہ

مُحِلِّى الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ① يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَاۗىِٕرَ اللّٰهِ وَلَا

جس وقت تم احرام میں ہو شکار کو حلال کرنے والے نہ ہو۔ بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے اے ایمان والو! مت حلال کرو اللہ کے

الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَاۗىِٕدَ وَلَآ اٰۗمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ

شعائر کو اور نہ شہر حرام کو اور نہ ہدی کو اور نہ پٹے ڈالے ہوئے جانوروں کو اور نہ اُن لوگوں کو جو بیت حرام کا قصد کرکے جارہے ہوں! وہ اپنے رب کا فضل

وَرِضْوَانًا ۭ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۭ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ

اور رضا مندی تلاش کرتے ہیں۔ اور جب تم حلال ہو جاؤ تو شکار کرلو اور ہرگز کسی قوم کی دشمنی کہ انہوں نے تمہیں مسجد

الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَي الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠

حرام سے روکا ہے اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم زیادتی کرو اور آپس میں نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر آپس میں مدد نہ کرو

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ②

اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سخت عذاب والا ہے۔

ایفائے عہود کا حکم اور چوپایوں اور شکاری جانوروں سے متعلقہ بعض احکام

تفسیر: سورۂ مائدہ کی ابتداء ایفائے عقود یعنی عہدوں کو پورا کرنے کے حکم سے ہے ارشاد فرمایا یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اے ایمان والو! اپنے عہدوں کو پورا کرو۔ عہدوں کو پورا کرنا ایمانی تقاضا ہے اور بدعہدی ایمان کے خلاف ہے اس میں وہ عہد بھی داخل ہے جو بندوں نے اللہ سے کیا ہے، جب کسی نے اسلام قبول کرلیا تو اس نے یہ عہد کرلیا کہ میں اللہ کے تمام اوامر کو مانوں گا اور جو بھی احکام ہونگے ان سب پر عمل کروں گا اور جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ان سب سے بچتا رہوں گا۔ خواہ اللہ کی کتاب قرآن مجید میں اوامر و نواہی ہوں اور خواہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعے بھیجے ہوں۔

دُرِّ منثور ص ۲۵۳ ج ۲ بحوالہ بیہقی وغیرہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے اوفوا بالعقود ای بالعهود

ما أحل اللہ وما حرم وما فرض وما حد فی القراٰن کلہ لا تغدروا ولا تنکثوا (یعنی عہد پورے کرو اللہ نے جو حلال قرار دیا ہے اور جو حرام قرار دیا ہے اور جن چیزوں کو فرض کیا اور جو قرآن میں حدود بیان کیں ان سب احکام پر عمل کرو۔ ان کی ادائیگی میں کوئی غدر نہ کرو اور عہد شکنی نہ کرو)۔

سورۂ نحل میں فرمایا وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ (اور تم اللہ کا عہد پورا کرو جب تم عہد کرو، اور مت توڑو قسموں کو ان کو پکا کرنے کے بعد حالانکہ تم نے اپنے اوپر اللہ کو ضامن بنالیا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو) سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (اور تم عہد کو پورا کرو بے شک عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا)۔ سورۂ رعد میں فرمایا اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ (وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں جو پورا کرتے ہیں اللہ کے عہد کو اور عہد کو نہیں توڑتے)۔

سورۂ نحل میں وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ فرمایا اور سورۂ مائدہ میں اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ فرمایا عقود، عقد کی جمع ہے عقد عربی زبان میں باندھنے کو کہتے ہیں آپس میں جو معاملات طے کئے جاتے ہیں ان کو عقد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے عہد ہوا ہے وہ بھی عقد ہے جس میں نذر بھی داخل ہے اور جو بندوں سے معاملات طے کئے جائیں وہ بھی عقد ہے۔

عقود کی قسمیں: حضرت زید بن اسلم تابعی نے سورۂ مائدہ کی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا عقود پانچ ہیں (۱) عقد نکاح (۲) عقد شرکت (۳) عقد یمین (یعنی قسم) (۴) عقد حلف (حلف سے یہ مراد ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کا حلیف ہو جائے اور آپس میں یہ طے کرے کہ فلاں فلاں امور میں ہم آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرینگے) (۵) عقد عہد، وہ وعدہ یعنی جو آپس میں کرلیا جائے۔ اگرچہ دونوں جانب سے نہ ہو۔ جماعتوں یا حکومتوں کے جو باہمی معاہدات ہیں یا دو انسانوں کے آپس میں جو معاملات ہیں نکاح اور شرکت اور مضاربت اجارہ وغیرہ ان سب معاہدات میں ان سب شرطوں کی پابندی لازم ہے جو آپس میں طے ہو جائیں بشرطیکہ خلاف شرع نہ ہوں اگر کوئی شخص نذر مان لے تو اس کا پورا کرنا بھی واجب ہے لیکن گناہ کی نذر ماننا جائز نہیں اگر کوئی شخص گناہ کی نذر مان لے تو اس پر عمل نہ کرے اور خلاف ورزی کا کفارہ دیدے اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم توڑنے کا کفارہ ہے وفی الحدیث ومن نذر نذرًا فی معصیۃ فکفارتہ کفارۃ یمین' وفی حدیث اخر انہ لا وفاء لنذر فی معصیۃ اللہ ولا فیما لا یملکہ ابن ادم رواھما ابو داؤد۔ (اور حدیث میں ہے جس آدمی نے کسی گناہ کی منت مانی تو اس کا کفارہ قسم والا کفارہ ہے اور ایک دوسری حدیث میں ہے جس منت میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو اسے پورا کرنا ضروری نہیں اور نہ ہی اس منت کا پورا کرنا ضروری ہے جو آدمی کی طاقت سے باہر ہو) عقود کو پورا کرنے کا حکم دینے کے بعد بعض احکام ذکر فرمائے۔

بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ حلال کردیئے گئے: پہلا حکم بیان فرمایا کہ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ (کہ تمہارے لئے چوپائے حلال کئے گئے جو انعام کے مشابہ ہیں) بہیمہ ہر اس جانور کو کہتے ہیں جس کے چار

پاؤں ہوں اور انعام عموماً اونٹ گائے بکری کے لئے بولا جاتا ہے۔ اَنعام کا حلال ہونا پہلے سے مخاطبین کو معلوم تھا۔ جن جانوروں پر اَنعام کا اطلاق نہیں ہوتا لیکن وہ شکل وصورت میں انعام کی طرح سے ہیں جیسے ہرن، نیل گائے، شترمرغ ان کا حلال ہونا مشروع فرمادیا۔ لفظ بَهِيمَة کی اضافت جو لفظ اَنعام کی طرف ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے بعض حضرات کا یہ قول لکھا ہے کہ یہ اضافت بیانیہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مشابہت بیان فرمانے کے لئے اضافت کو اختیار فرمایا اور مطلب یہ ہے کہ وہ بہائم جو اَنعام کے مشابہ ہیں وہ تمہارے لئے حلال کئے گئے اور مشابہت اس بات میں ہے کہ وہ دوسرے جانوروں کو چیر پھاڑ کر نہیں کھاتے۔

پھر جب بَهِيمَةُ الْاَنْعَام کی حلت ذکر فرمادی (اور اس میں وحشی جانور بھی داخل ہو گئے جن کا شکار کیا جاتا ہے) تو اس سے شکار کی اجازت بھی معلوم ہوگئی لیکن چونکہ حالت احرام میں شکار کرنا ممنوع ہے (حج کا احرام ہو یا عمرہ کا) اس لئے ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ" کہ تمہارے لئے یہ جانور حلال کئے گئے اس حال میں کہ حالت احرام میں تم ان کا شکار کرنے کو عملاً و اعتقاداً احلال نہ سمجھو۔

بہیمۃ الانعام کی حلت بیان فرماتے ہوئے بطور استثناء اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فرمایا مطلب یہ ہے کہ جو جانور تمہارے لئے حلال کئے گئے ہیں ان میں سے وہ جانور مستثنیٰ ہیں جن کا تذکرہ ایک آیت کے بعد حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ (الآیۃ) میں فرمایا ہے سورۂ بقرہ اور سورۂ انعام اور سورۂ نحل میں بھی ان میں سے بعض چیزوں کا ذکر ہے۔ پھر فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ: (بے شک اللہ حکم فرماتا ہے جو چاہتا ہے) اس کی مشیت حکمتوں کے مطابق ہے۔ قال صاحب الروح من الاحكام حسب ما تقتضيه مشيته المبنية على الحكم البالغة التى تقف دونها الْاَفكار فيدخل فيها ما ذكره من التحليل والتحريم دخولا اوليا۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ اپنے حکمتِ کاملہ کے مطابق احکام دیتا ہے کہ جس حکمت تک رسائی سے پہلے ہی ہمارے افکار کی انتہاء ہوجاتی ہے پس ان احکام میں چیزوں کی حلت وحرمت کا حکم سب سے پہلے داخل ہے)

لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰه کا سبب نزول: اس کے بعد فرمایا يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ (الآیۃ) اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں مفسرین نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ شریح بن ضبیعہ کندی یمامہ سے مدینہ منورہ آیا (یمامہ ایک علاقہ کا نام ہے) اس نے اپنے ساتھیوں کو جو گھوڑوں پر سوار تھے مدینہ منورہ کے باہر چھوڑ دیا اور تنہا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگیا اور کہنے لگا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں آپ نے فرمایا میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کی اور نماز قائم کرنے کی اور زکوٰۃ ادا کرنے کی دعوت دیتا ہوں، کہنے لگا کہ یہ تو اچھی بات ہے مگر میرے چند امراء ہیں میں ان کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا امید ہے کہ میں مسلمان ہو جاؤں گا اور ان کو بھی ساتھ لے آؤں گا اس کے آنے سے پہلے ہی آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمادیا تھا کہ ایک آدمی آرہا ہے جو شیطان کی زبان سے بات کریگا جب وہ چلا گیا تو آپ نے فرمایا کافر کا چہرہ لے کر داخل ہوا اور دھوکہ باز کے پاؤں کے ذریعہ باہر چلا گیا اور یہ

شخص مسلم نہیں ہے جب یہ شخص مدینہ سے باہر نکلا تو وہاں جو جانور (اونٹ وغیرہ) چر رہے تھے انہیں لے کر چلا گیا حضرات صحابہ نے اس کا پیچھا کیا لیکن اسے پکڑ نہ سکے اس کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ جب رسول اللہ ﷺ عمرۃ القضاء کے موقع پر تشریف لے جا رہے تھے تو یمامہ کے حجاج کے تلبیہ کی آواز سنی آپ نے فرمایا یہ حُطم ہے اور اس کے ساتھی ہیں (حُطم شریح بن ضبیعہ کا لقب ہے) ان لوگوں نے ان جانوروں کے گلے میں قلادے یعنی پٹے ڈال رکھے تھے جو مدینہ کے باہر چرنے والے جانوروں میں سے لوٹ کر لے گئے تھے اور ان جانوروں کو بطور ھدی کعبہ شریف کی طرف لے جا رہے تھے اور ان کے ساتھ بہت سا تجارت کا سامان بھی تھا مسلمانوں نے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! یہ حُطم جا رہا ہے حج کے لئے نکلا ہے آپ اجازت دیجئے ہم اس کو لوٹ لیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس نے ھدی کے جانوروں کو قلادہ ڈال رکھا ہے (لہٰذا ان کا لوٹنا صحیح نہیں) مسلمانوں نے کہا (یہ تو کوئی رکاوٹ کی چیز معلوم نہیں ہوتی) یہ کام تو ہم جاہلیت میں کیا کرتے تھے آنحضرت سرور عالم ﷺ نے انکار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی جس میں شعائر اللہ کی بے حرمتی سے منع فرمایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا شعائر اللہ سے مناسک حج مراد ہیں مشرکین حج بھی کرتے تھے اور کعبہ شریف کی طرف جانوروں کو بھی لے جایا کرتے تھے مسلمانوں نے ان کو لوٹنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا۔ حضرت عطاء سے مروی ہے کہ شعائر سے اللہ تعالیٰ کے حدود اور اوامر اور نواہی اور فرائض مراد ہیں۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ شعائر اللہ سے صفا مروہ اور وہ جانور مراد ہیں جو کعبہ شریف کی طرف بطور ھدی لے جائے جاتے ہیں۔

شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم: اللہ تعالیٰ نے شعائر کی تعظیم کے بارے میں سورۂ حج میں ارشاد فرمایا وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ (یعنی جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ قلوب کے تقویٰ کی بات ہے)۔

شعائر اللہ کی بے حرمتی کی ممانعت کے بعد الشھر الحرام کی بے حرمتی سے بھی منع فرمایا کہ اس میں کافروں سے جنگ نہ کی جائے، اور ھدی کی بے حرمتی کرنے سے بھی منع فرمایا۔ ھدی وہ جانور ہے جو کعبہ شریف کی طرف لے جایا جائے اور حدود حرم میں اللہ کی رضا کے لئے ذبح کر دیا جائے، اور قلائد کی بے حرمتی سے بھی منع فرمایا، یہ قلادہ کی جمع ہے ھدی کے جانوروں کے گلوں میں پٹے ڈال دیا کرتے تھے تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ ھدی ہے اور کوئی اس سے تعرض نہ کرے۔ قلائد کی بے حرمتی کی ممانعت سے مراد یہ ہے کہ جن جانوروں کے گلوں میں یہ پٹے پڑے ہوں ان کی بے حرمتی نہ کی جائے اُن کو لوٹا نہ جائے۔

بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس سے اصحاب قلائد مراد ہیں کیونکہ زمانہ جاہلیت میں عرب کے لوگ مکہ معظمہ کے درختوں کی چھال لے کر اپنے گلوں میں ڈال لیا کرتے تھے۔

جب اشہر الحرم گزر جاتے اور گھروں کو واپس جانا چاہتے تو اپنے گلوں میں اور جانوروں کے گلوں میں یہ پٹے ڈالے

رکھتے تھے تاکہ اپنے گھروں میں امن سے پہنچ جائیں۔

پھر فرمایا وَلَا آمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ یعنی جو لوگ بیت حرام کا قصد کر کے جا رہے ہوں ان کی بھی بے حرمتی نہ کرو اور ان سے تعرض نہ کرو۔ لفظ "آمِّيْنَ" أَمَّ يَأُمُّ بمعنی قَصَدَ يَقْصُدُ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اس کے عموم میں حج کی نیت سے جانے والے اور عمرہ کی نیت سے جانے والے سب داخل ہو گئے ان کی صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا يَبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَاناً (کہ یہ لوگ اپنے رب کا فضل اور اس کی رضامندی چاہتے ہیں) فضل سے مال تجارت کا نفع مراد ہے اور رضوان سے اللہ کی رضامندی مراد ہے مشرکین جو حج کرتے تھے اپنے خیال میں وہ اللہ کو راضی کرنے کیلئے حج کرتے تھے جس وقت آیت نازل ہوئی اس وقت تک مشرکین کو حج کرنے سے منع نہیں کیا گیا تھا اور مکہ معظمہ فتح نہیں ہوا تھا۔ بعد میں جب ۸ھ میں مکہ معظمہ فتح ہو گیا اور ۹ھ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امارت میں حج ہوا تو یہ اعلان فرما دیا کہ اَلَا لَا يَحُجَّنَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَ لَا يَطُوْفَنَّ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ ! کہ خبردار اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف نہ کرے (مشرکین ایسا کیا کرتے تھے) اور سورۂ براءۃ میں فرمایا يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا (کہ اے ایمان والو! مشرکین نجس ہیں سو مسجد حرام کے قریب نہ جائیں اس سال کے بعد) لہٰذا اب کسی کافر کو حج کرنے کی اجازت نہیں۔ وہ ھدی اور قلائد لے کر آئے گا تو مامون نہ ہوگا مسلمانوں کے حق میں بدستور آیت کا سب مضمون باقی ہے حجاج بیت اللہ کو اور عمرہ کی نیت سے جانے والوں کو اور ھدی کو تعرض کرنا ممنوع ہے اشہر حرم میں جو کافروں سے قتال کی ممانعت تھی وہ منسوخ ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا۔

احرام سے نکل کر شکار کرنے کی اجازت: پھر فرمایا وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا (کہ جب تم حلال ہو جاؤ یعنی قاعدہ شرعیہ کے مطابق احرام سے نکل جاؤ تو شکار کرلو) یہ امر اباحت ہے مطلب یہ ہے کہ حالت احرام میں جو خشکی کا شکار کرنے کی ممانعت تھی اب احرام سے نکلنے کے بعد ختم ہو گئی۔ البتہ حرم کا شکار کرنا حالت غیر احرام میں بھی ممنوع ہے جس کی تصریح احادیث شریفہ میں آئی ہے۔

کسی قوم کی دشمنی زیادتی پر آمادہ نہ کرے: پھر فرمایا وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا (کہ تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس وجہ سے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روک دیا اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم زیادتی کرو) ۶ھ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کے ساتھ عمرہ کرنے کیلئے تشریف لے جا رہے تھے تو مشرکین مکہ نے آپ کو عمرہ نہیں کرنے دیا اور حدیبیہ کے مقام پر آپ کو روک دیا لہٰذا آپ اور آپ کے صحابہؓ محصر ہونے کی وجہ سے جانور ذبح کر کے احرام سے نکل گئے اور مشرکین سے چند شرطوں پر صلح ہو گئی۔ آپ مدینہ منورہ تشریف لائے اور اگلے سال عمرہ کی قضا کی مشرکین مکہ نے صلح کی بعض شرطوں کی خلاف ورزی کی جس کی وجہ سے آپ

اپنا لشکر لے کر ۸ھ میں تشریف لے گئے اور مکہ معظمہ فتح ہوا۔ اب جب مسلمانوں کے ہاتھ میں اقتدار آ گیا تو یہ صحابہ مشرکین مکہ سے بدلہ لے سکتے تھے۔ لہٰذا ان کو منع فرمایا کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں ظلم و زیادتی کرنے پر آمادہ نہ کرے۔

جب مسجد حرام سے روکنے والوں کے بارے میں یہ ارشاد ہے کہ اس کی دشمنی تمہیں ظلم و زیادتی پر آمادہ نہ کرے تو دنیاوی اعتبار سے جو رنجشیں اور دشمنیاں پیدا ہو جاتی ہیں ان کی وجہ سے کسی پر ظلم و زیادتی کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے اگر کوئی شخص ظلم کرے تو بہت سے بہت اس کے ظلم کے بقدر بدلہ لیا جا سکتا ہے اور معاف کر دینا افضل ہے۔ ظلم کے بدلے ظلم کرنا یعنی جس سے کوئی تکلیف پہنچی ہے اس سے زیادہ تکلیف پہنچانا جائز نہیں ہے۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ ہمیشہ عدل و انصاف پر قائم رہیں اس میں دوست دشمن سب برابر ہیں۔

اسی سورت کے دوسرے رکوع میں ارشاد ہے وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے)۔

نیکی اور تقویٰ پر تعاون کرنے کا حکم: اس کے بعد ارشاد فرمایا وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (کہ آپس میں نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو) اس عمومی حکم میں سینکڑوں مسائل داخل ہیں۔ تعاون یعنی آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کی بہت سی صورتیں تو ایسی ہیں جو لوگوں نے اپنی دنیاوی ضروریات کیلئے اختیار کر رکھی ہیں کسی نے کپڑے کا کارخانہ جاری کر رکھا ہے اور کوئی شخص اپنی فیکٹری میں جوتے بناتا ہے کسی نے پھلوں کے باغ لگائے ہیں کسی نے کھیتی پر توجہ دی ہے۔ کسی نے انجینئر نگ کو اختیار کیا ہے اور تعمیرات کے نقشے بنانے کو اپنا پیشہ بنا رکھا ہے اور کسی نے نقشوں کے مطابق مکانات تعمیر کرنے کا کام اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔ اسی طرح سے مل ملا کر دنیاوی حاجات اور ضروریات پوری ہو رہی ہیں۔

جو بھی کوئی شخص کوئی بھی نیکی کرنے کا ارادہ کرے کسی بھی گناہ سے بچنا چاہے ہر شخص بقدر اپنی قوت و طاقت کے اس کی مدد کرے، جو لوگ علم دین حاصل کرنا چاہیں انکی سب مدد کریں۔ مدرسے بنانے والوں کی، مسجد تعمیر کرنے والوں کی، مبلغین کی، مصنفین کی، مجاہدین کی اور ہر نیک کام کرنے والوں کی مدد کی جائے یہ مومن کی زندگی کا بہت بڑا اصول ہے۔

یہ جو آجکل فضا بنی ہوئی ہے کہ جو شخص خیر کی دعوت لے کر کھڑا ہو خیر کے کام کرنے کے لئے فکر مند ہو اس کی مدد کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ یہ اہل ایمان کی شان کے خلاف ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ جتنی زمین پر مسلمانوں کا قبضہ ہے سب ایک ہی حکومت ہوتی ایک امیر المومنین ہوتا سب مل کر آپس میں تعاون کی زندگی گزارتے۔ امیر اور مامور مل کر باہمی ایک دوسرے کی مدد کرتے لیکن اب جب بہت سی حکومتیں بنا لیں اور ایک ہونے کو تیار نہیں تو کم از کم آپس میں تعاون تو رکھیں نہ ایک دوسرے سے لڑیں نہ ایک دوسرے کو نقصان پہنچائیں اور ہر کار خیر میں اور دینی امور میں ہر حکومت دوسری حکومت کے ساتھ تعاون کرے افراد ہوں یا جماعت سب باہمی تعاون کی زندگی اختیار کریں۔

مسلمانوں کی عجیب حالت: اگر مسلمانوں کا کوئی سربراہ اسلام کے مطابق حکومت چلانے کا اعلان کردے یا اعلان کرنا چاہے تو عوام بھی مخالفت کرتے ہیں اور مغربی ذہن رکھنے والے پڑھے لکھے لوگ بھی، اور کافروں کی حکومتیں بھی رخنہ ڈال دیتی ہیں اور مسلمانوں کی حکومتیں تعاون نہیں کرتیں۔ اس صورت حال کی وجہ سے اجتماعی اور انفرادی اعمال خیر میں جو تعاون ہوسکتا تھا اس کی صورتیں بنتی ہوئی بھی بگڑ جاتی ہیں۔

گناہ اور ظلم پر مدد کرنے کی ممانعت: پھر فرمایا وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (اور نہ مدد کرو گناہ پر اور ظلم پر اور اللہ سے ڈرو! بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے) ان الفاظ میں دوسرے رخ پر تنبیہ فرمائی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بر اور تقویٰ پر تو آپس میں تعاون کرو لیکن گناہ، ظلم اور زیادتی پر ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو۔ قرآن کریم کی یہ نصیحت بھی بہت اہم ہے۔ آجکل جہاں بر اور تقویٰ پر مدد کرنے کے جذبات سے مسلمان خالی ہیں وہاں دوسرے رُخ کے جذبات ان میں موجود ہیں گناہ اور ظلم وزیادتی پر کھلے دل سے مدد کی جاتی ہے۔

تعصب کی تباہ کاری: آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا معیار دنیاداری کے اصول پر رہ گیا ہے عموماً اپنوں کی مدد کی جاتی ہے اپنوں میں اپنے رشتہ دار اپنے ہم زبان اپنے ہم وطن اپنی جماعت کا فرد اپنی پارٹی کا ممبر دیکھا جاتا ہے حق اور ناحق کو نہیں دیکھا جاتا۔ اگر دو آدمیوں میں کسی قسم کا جھگڑا ہو تو جو بھی (کوئی شخص اپنا ہو جس کی قدرے تفصیل ابھی بیان ہوئی) بس اس کی مدد کی جاتی ہے اس کا دعویٰ ناحق ہو اور فریق ثانی پر ظلم کر رہا ہو تب بھی اس کا ساتھ دیں گے اور اسی کی طرف سے بولیں گے یہ نہ دیکھیں گے کہ اس شخص کی زیادتی ہے جسے ہم اپنا سمجھ رہے ہیں، ہم ظالم کے ساتھ کیوں ہوں۔ یہ ایک ایسی وباء ہے جس میں بہت سے دینداری کے دعویدار بھی ملوث ہو جاتے ہیں۔ گناہ اور ظلم پر مدد کرنا حرام ہے۔ ظالم اپنا ہو یا پرایا اس کی مدد کرنے کا شرعاً کوئی جواز نہیں۔ حضرت اوس بن شرحبیل رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کسی ظالم کے ساتھ اس لئے گیا کہ اسے تقویت پہنچائے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ ظالم ہے تو یہ شخص اسلام سے نکل گیا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳٦ از شعب الایمان)۔

گناہوں کی مدد کرنے کی چند صورتیں جو رواج پذیر ہیں: جس نوکری یا جس عہدہ کی وجہ سے گناہ کرنا پڑتا ہو ایسی نوکری اور ایسا عہدہ قبول کرنا حرام ہے گناہ کا قانون بنانا بھی حرام ہے کیونکہ اس سب میں گناہ کی مدد ہے گناہ کی اجرت بھی حرام ہے۔ اگر کوئی شخص شراب کے کارخانے میں کام کرے یا بنک میں کام کرے (کوئی بھی چھوٹا بڑا کام ہو) سٹے بازوں کے ہاں ملازم ہو یا کسی بھی طرح ان کا تعاون کرتا ہو، پولیس میں ملازم ہو جو غیر شرعی امور میں دوسروں کی مدد کرتا ہو یا رشوت لیتا ہو یا رشوت دینے دلانے کا واسطہ بنتا ہو یا جو شخص کسی ایسے محکمے کا ملازم ہو جس میں ٹیکس وصول کرنا پڑتا ہو تو یہ ملازمتیں حرام ہیں اور ان کی تنخواہیں بھی حرام ہیں۔ چوروں کی مدد، ڈاکوؤں کی مدد، لوٹنے والوں کی

مدد، غصب کرنے والوں کی مدد، ظالمانہ مار پیٹ کرنے والوں کی مدد یہ سب حرام ہے۔ کسی بھی گناہ کے ذریعہ جو پیسہ کمایا جائے وہ بھی حرام ہے۔

بہت سے لوگ دوسروں کی دنیا بنانے کیلئے اپنی آخرت تباہ کرتے ہیں یعنی ظلم اور گناہ پر مدد کرتے ہیں تاکہ کسی دوسرے کو نوکری یا عہدہ مل جائے یا قومی یا صوبائی اسمبلی کا ممبر ہو جائے الیکشن ہوتے ہیں ووٹر اور سپوٹر یہ جانتے ہوئے کہ جس امیدوار کے لئے ہم کوشش کر رہے ہیں یا جسے ہم ووٹ دے رہے ہیں یہ فاسق فاجر ہے ممبر ہو کر اس کا فسق و فجور اور زیادہ بڑھ جائے گا پھر بھی اس کی مدد میں لگے ہوئے ہیں اس کو کامیاب کرنے کیلئے اس کے مقابل کی غیبتیں بھی کرتے ہیں اور اس پر تہمتیں بھی دھرتے ہیں حتیٰ کہ اس کی جماعت کے لوگوں کو قتل تک بھی کر دیتے ہیں۔ یہ کتنی بڑی حماقت ہے کہ دنیا دوسرے کی بنے اور آخرت کی بربادی اپنے سر تھوپ لیں۔ اسی کو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا **من شر الناس منزلة یوم القیامة عبد اذھب اخرته بدنیا غیره** (قیامت کے دن بدترین لوگوں میں سے وہ شخص بھی ہوگا جس نے دوسرے کی دنیا کی وجہ سے اپنی آخرت برباد کر دی)۔ (رواہ ابن ماجہ باب اذا التقی المسلمان بسیفیہما)

دیکھا جاتا ہے کہ جو شخص سنت کے مطابق کپڑے پہننا چاہے شکل و صورت وضع قطع اسلامی رکھنا چاہے اس کے گھر والے، دفتر والے، بازار والے کوشش کرتے ہیں کہ یہ نیکی کا کام چھوڑ دے اور گناہ والی زندگی اختیار کرے اور ہمارے جیسا فاسق فاجر ہو جائے۔ خیر کے کاموں میں مدد دینے کو تیار نہیں لیکن اگر کوئی شخص گناہگاری کے کام کرنے لگے تو اس کی مدد کرنے کو تیار ہیں۔ حرام کمائے، رشوت لے، ڈاڑھی مونڈے بیوی بھی خوش، ماں باپ بھی خوش اور اپنے ماحول اور سوسائٹی کے لوگ بھی خوش۔ اور اگر حلال پر گزارہ کرنے کا خیال کرے تو سب ناراض۔ اپنے پاس سے ٹکٹ کے پیسے خرچ کر کے دوستوں کو سینماؤں میں، رقص و سرود کی مجلسوں میں لے جاتے ہیں دھوکہ دے کر بال بُر کی دکان میں لے جا کر اپنے دوست کی ڈاڑھی منڈوا دیتے ہیں اور پیسے بھی اپنے پاس سے دیدیتے ہیں، موجودہ...... معاشرہ کا یہ جاہلانہ مزاج بنا ہوا ہے کہ نیکی کی مدد سے جان چراتے ہیں اور گناہوں کی مدد کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں **وقنا اللہ من شرھم**۔

سب کو معلوم ہے کہ یہ زندگی ہمیشہ نہیں ہے اور دنیا ختم ہو جائے گی اس کے ختم ہونے سے پہلے موجودہ دور کے افراد اپنی موت مر جائیں گے اس ذرا سی زندگی کو گناہوں میں پڑ کر اور گناہوں کی مدد کر کے برباد کرنا جس کے نتیجہ میں آخرت برباد ہو کوئی سمجھ داری کی بات نہیں ہے، ہر معاملہ میں آخرت کے لئے فکر مند ہونا لازم ہے ہمیشہ اللہ سے ڈریں اور بار بار اس کا مراقبہ کریں کہ اللہ جل شانہٗ سخت عذاب دینے والا ہے۔ آیت کے ختم پر اسی کی طرف متوجہ فرمایا اور ارشاد فرمایا **وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ** (اللہ سے ڈرو بلاشبہ اللہ سخت عذاب والا ہے۔)

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ

حرام کیا گیا تم پر مردہ جانور اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا اور وہ جانور جو گلا گھٹنے سے مر جائے اور وہ جانور جو کسی ضرب سے مر جائے

وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ

اور وہ جانور جو اوپر سے گر کر مر جائے اور وہ جانور جو کسی سے ٹکرا کر مر جائے اور وہ جانور جسے کسی درندہ نے کھالیا مگر وہ جسے تم ذبح کر لو اور حرام کیا گیا وہ جانور جو ذبح کیا گیا پرستش گاہوں پر اور یہ بھی حرام کیا گیا کہ

تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ

تقسیم کرو تیروں کے ذریعہ یہ سب گناہ کے کام ہیں۔

جن جانوروں کا کھانا حرام ہے ان کی تفصیلات

تفسیر: گزشتہ آیت میں بتایا تھا کہ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ تمہارے لئے حلال کر دیئے گئے ساتھ یہ بھی فرمایا تھا "إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ" کہ ان حلال جانوروں میں جو جانور حرام ہیں وہ تمہیں بتا دیئے جائیں گے، چنانچہ اس آیت میں ان جانوروں کا ذکر ہے جو زندہ ہونے کی صورت میں شرعی طریقے پر ذبح کر لئے جائیں تو ان کا کھانا حلال ہو جاتا ہے لیکن جب ان میں بعض صفات ایسی پیدا ہو گئیں جن کی وجہ سے حرمت آ گئی تو ان کا کھانا حلال نہ رہا۔

مَيْتَة (مردار): ان میں اول مَیتہ کی حرمت کا ذکر فرمایا، میتہ ہر وہ جانور ہے جو شرعی طریقے پر ذبح کئے بغیر مر جائے خواہ یوں ہی اس کی جان نکل جائے خواہ کسی کے مار دینے سے مر جائے، گائے، بیل، بھینس اونٹ اونٹنی بکرا بکری ہرن نیل گائے اور تمام وہ جانور جن کا کھانا حلال ہے اگر وہ ذبح شرعی کے بغیر مر جائیں تو ان کا کھانا حرام ہو جاتا ہے۔ البتہ مچھلی چونکہ ذبح کئے بغیر ہی حلال ہے اس لئے اگر خشکی میں آنے کے بعد اپنی موت مر جائے تو اس کا کھانا جائز ہے اور خشکی کے جانوروں میں سے ٹڈی بھی بغیر ذبح کئے ہوئے حلال ہے اگر وہ اپنی موت مر جائے تو اس کا کھانا بھی حلال ہے۔

مسئلہ: ذبح شرعی سے پہلے زندہ جانور سے جو کوئی جسم کا حصہ کاٹ لیا جائے تو وہ بھی میتہ (مردار) کے حکم میں ہے اور اس کا کھانا بھی حرام ہے۔ حضرت ابو واقدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے اور اس سے پہلے اہل مدینہ کی یہ عادت تھی کہ زندہ اونٹوں کے کوہان اور دنبوں کی چکتیاں کاٹ لیتے تھے اور ان کو کھا جاتے تھے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زندہ جانور سے جو حصہ کاٹ لیا جائے وہ میتہ ہے یعنی مُردار ہے۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

جس طرح مردار جانور کا کھانا حرام ہے اسی طرح اس کی خرید و فروخت بھی حرام ہے۔ حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے سال ارشاد فرمایا جبکہ آپ مکہ معظمہ ہی میں تشریف فرما تھے کہ بلاشبہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے شراب اور میتہ (مردہ جانور) اور خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام قرار دیا۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ مردہ جانور کی

چربیوں کے بارے میں ارشاد فرمائیے (کیا ان کا بیچنا بھی حرام ہے؟) ان سے کشتیوں کو روغن کیا جاتا ہے اور چمڑوں میں بطور تیل کے استعمال کی جاتی ہیں اور ان کے ذریعہ لوگ چراغ جلاتے ہیں آپؐ نے فرمایا چربی بھی حلال نہیں ہے وہ بھی حرام ہے پھر فرمایا اللہ لعنت فرمائے یہودیوں پر بلاشبہ اللہ نے ان پر مردہ جانور کی چربی حرام فرمائی تھی انہوں نے اسے خوب صورت چیز بنادی (یعنی اسے پگھلا کر اس میں کچھ اور چیز ملا کر اپنے خیال میں اسے اچھی شکل دیدی) پھر اسے بیچ کر اس کی قیمت کھا گئے (رواہ البخاری ومسلم)۔

معلوم ہوا کہ مردار جانور کا گوشت اور چربی دونوں حرام ہیں ان کا کھانا بھی حرام ہے اور ان کا بیچنا بھی حرام ہے حدیث بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حرام چیز کو خوب صورت بنادینے سے اس میں کچھ ملا دینے سے اس کا نام بدل دینے سے اسے خوب صورت پیکٹوں میں پیک کردینے سے حلال نہیں ہوجاتی اس کا بیچنا اس کی قیمت کھانا حسب سابق حرام ہی رہتا ہے۔

مُردار کی کھال کا حکم: جو جانور بغیر ذبح شرعی کے مرجائے اس کی کھال بھی ناپاک ہے اور اس کھال کا بیچنا بھی حرام ہے لیکن اگر اس کی دباغت کردی جائے یعنی کوئی مصالحہ لگا کر یا دھوپ میں ڈال کر اسے سڑنے سے محفوظ کردیا جائے تو یہ کھال پاک ہوجاتی ہے پھر اس سے نفع اٹھانا اور بیچنا اور اس کی قیمت لینا حلال ہوجاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کچے چمڑے کی دباغت کردی جائے تو وہ پاک ہوجاتا ہے (رواہ مسلم)۔ نیز حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ ایک باندی کو ایک بکری بطور صدقہ دے دی گئی تھی وہ بکری مرگئی۔ رسول اللہ ﷺ وہاں سے گزرے تو ارشاد فرمایا کہ تم نے اس کا چمڑہ لیکر اس کی دباغت کیوں نہ کرلی۔ دباغت کرکے اس سے نفع حاصل کرتے عرض کیا کہ یہ میتة یعنی مُردار ہے آپ نے فرمایا اس کا کھانا ہی حرام کیا گیا ہے (یعنی چمڑا دباغت کے بعد ناپاک نہیں رہتا اس سے انتفاع جائز ہے البتہ اس کا گوشت حلال نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۲)

خون کھانے کی حرمت: دوسرے نمبر پر الدّم یعنی خون کا ذکر ہے اس سے دم مسفوح (بہتا ہوا خون) مراد ہے۔ جس کی تصریح سورۂ انعام کی آیت میں کردی گئی ہے۔ اور فرمایا ہے قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْمَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّکُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا (الآیۃ) مَسْفُوْحًا کی قید لگانے سے تلی اور جگر کھانے کی حلت معلوم ہوگئی تو وہ دونوں بھی خون ہیں لیکن جمے ہوئے خون ہیں بہتا ہوا خون نہیں ہے۔

حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دو ایسے جانور ہمارے لئے حلال کردیئے گئے ہیں جو اپنی موت مرجائیں۔ مچھلی اور ٹڈی اور دو خون ہمارے لئے حلال کردیئے گئے ہیں جگر اور تلی۔

(رواہ احمد، ابن ماجہ ودار قطنی مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۶۱)

مسئلہ: شرعی ذبح کے بعد گلے کی رگوں سے دم مسفوح نکل جاتا ہے اس کے بعد جو خون بوٹیوں میں رہ جاتا ہے وہ پاک ہے اس کا کھانا جائز ہے کیونکہ وہ دم مسفوح نہیں ہے البتہ ذبح کے وقت جو خون نکلا ہے وہ کھال یا گوشت یا پَروں میں لگ جائے وہ ناپاک ہے۔

ہمارے دیار میں خون کھانے کا رواج نہیں ہے قرآن کریم سارے عالم کے لئے ہدایت ہے۔ نزول قرآن کے وقت سے لیکر قیامت قائم ہونے تک جس علاقے میں جہاں بھی جس طرح سے بھی لوگ خون کھائیں ان سب کے لئے قرآن نے حرمت کی تصریح کر دی۔

بعض اکابر سے سنا ہے کہ اہل عرب خون کو آنتوں میں بھر کر تیل میں تل لیا کرتے تھے پھر اسے کباب کی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھاتے تھے۔

مسئلہ: خون کا کھانا پینا بھی حرام ہے اس کی خرید و فروخت بھی حرام ہے اس کے ذریعے جو آمدنی ہو وہ بھی حرام ہے ۔بعض لوگ ہسپتالوں میں خون فروخت کرتے ہیں وہ حرام ہے اس کی قیمت بھی حرام ہے۔

خنزیر کا گوشت: تیسرے نمبر پر لحم الخنزیر یعنی سؤر کو گوشت حرام ہونے کی تصریح فرمائی۔ سور کا ہر ہر جزو ناپاک اور نجس العین ہے اس کا گوشت ہو یا چربی یا کوئی بھی جزو ہو اس کا کھانا حرام ہے۔ اور بیچنا خریدنا بھی حرام ہے۔ سورۂ انعام میں فرمایا فَاِنَّهٗ رِجْسٌ (بلاشبہ وہ ناپاک ہے) نجس العین ہونے کی وجہ سے اس کی کھال بھی دباغت سے پاک نہیں ہو سکتی۔ اس جانور کے کھانے سے انسانوں میں بے حیائی پیدا ہوتی ہے۔ جو قومیں اسے کھاتی ہیں ان کی بے حیائی کا جو حال ہے ساری دنیا کو معلوم ہے۔ یورپ امریکہ آسٹریلیا وغیرہ میں بعض مسلمان ایسے ہیں جنہوں نے محلوں میں دکانیں کھول رکھی ہیں وہ سور کا گوشت اور دوسرا حرام گوشت بھی فروخت کرتے ہیں یہ سب حرام ہے اور اس کی قیمت بھی حرام ہے جو لوگ ان کی دکانوں میں کام کرتے ہیں وہ چونکہ گناہ کے مددگار ہیں اس لئے ان کا سیل مین بننا اور خریداروں کو یہ چیزیں اٹھا کر دینا بھی حرام ہے۔

مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ: چوتھے نمبر پر جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ہے لفظ اُهِلَّ اھل یھل اہلالاً سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے اہلال کا معنی ہے آواز بلند کرنا۔ یہاں جانورں کو ذبح کرتے وقت جو کسی کا نام پکارا جاتا ہے اس کیلئے یہ لفظ استعمال فرمایا ہے جو جانور حلال ہو اور اسے اللہ کا نام لے کر ذبح کر دیا جائے تو اس کا کھانا حلال ہے اور اگر اللہ کے نام کے علاوہ کسی دوسرے کا نام لے لیا جائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے جو میتۃ یعنی مردار کے حکم میں ہے۔

مشرکین بتوں کا اور دیوی دیوتا کا نام لے کر جانور کو ذبح کرتے ہیں ایسے جانور کا کھانا حرام ہے۔ جو لوگ کتابی یعنی یہودی یا نصرانی نہیں ہیں (جیسے ہندوستان کے ہندو) وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کریں تب بھی جانور مردار کے حکم میں ہوگا،

جس جانور کو غیر اللہ کے لئے نامزد کر دیا جائے لیکن ذبح کیا گیا اللہ کا نام لے کر اس کے بارے میں چند صفحات کے بعد وضاحت کی جائے گی۔ انشاء اللہ العزیز!

مُنْخَنِقَه: پانچویں چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی ہے وہ اَلْمُنْخَنِقَةُ ہے انخناق سے اسم فاعل کا صیغہ ہے خنق یخنق گلا گھونٹنا اور انخنق ینخنق گلا گھٹ جانا۔ اگر کسی جانور کا گلا گھونٹ کر مار دیا جائے اگرچہ اس پر اللہ کا نام لیا جائے یا جانور گلا گھٹنے سے مر جائے (مثلاً جانور کے گلوں میں جو رسی بندھی ہوتی ہے وہ کس جائے جس سے جانور مر جائے) تو یہ جانور حرام ہے۔

مَوْقُوْذَةٌ: چھٹی چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ موقوذہ ہے یہ وَقَذَ یَقِذُ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ جس جانور کو لاٹھی یا پتھر وغیرہ سے مار کر ہلاک کر دیا جائے وہ موقوذہ ہے اور اس کا کھانا حرام ہے اس میں وہ جانور بھی داخل ہے جس کو شکاری نے تیر مارا لیکن اس کے تیر کی دھار جانور کے نہ لگی بلکہ لمباؤ میں تیر جا کر لگا اور اس کی ضرب سے جانور مر گیا۔ ایسے جانور کا کھانا بھی حرام ہے اگرچہ شکاری نے بسم اللہ پڑھ کر تیر پھینکا ہو۔

حضرت عدی بن حاتم ﷺ سے روایت ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں ایسے تیر سے شکار کرتا ہوں جس میں پر نہیں ہوتے (تو کیا اس کا کھانا حلال ہے؟) آپ نے فرمایا جس جانور کو تیرا تیر زخمی کر دے اس کو کھالے اور جس جانور کو تیرے مذکورہ تیر کا چوڑائی والا حصہ قتل کر دے تو وہ موقوذہ ہے اس کو مت کھا (رواہ البخاری و مسلم)

بندوق کا شکار: بندوق کی گولی سے جو شکار ہلاک ہو جائے وہ بھی حرام ہے اگرچہ بسم اللہ پڑھ کر گولی ماری گئی ہو ہاں اگر گولی لگنے کے بعد میں اتنی جان باقی ہے جس کا ذبح کے وقت ہونا شرط ہے اور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کر دیا جائے تو حلال ہو جائیگا۔

مُتَرَدِّیه: ساتویں چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ مُتَرَدِّیه ہے یعنی وہ جانور جو کسی پہاڑ یا ٹیلہ یا کسی بھی اونچی جگہ سے گر کر مر جائے اس جانور کا کھانا بھی حرام ہے۔

نطیحه: آٹھویں چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ نطیحہ ہے یہ لفظ فعیلۃ کے وزن پر ہے جو نطح ینطح سے ماخوذ ہے جو جانور کسی تصادم سے مر گیا مثلاً دو جانوروں میں لڑائی ہوئی ایک نے دوسرے کو مار دیا کسی جانور کو دیوار میں ٹکر لگی اس سے مر گیا۔ ریل گاڑی کی زد میں آکر مر گیا یا کسی گاڑی سے اکسیڈنٹ ہو گیا جس سے موت واقع ہو گئی یہ سب نطیحہ کی صورتیں ہیں اگر ان سب صورتوں میں جانور کی موت واقع ہو جائے تو اس کا کھانا حرام ہو جاتا ہے۔

درندہ کا کھایا ہوا جانور: نویں چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ جانور ہے جس کو کوئی درندہ کھا جائے شیر بھیڑیئے نے کسی جانور کو پکڑا اور اس کو قتل کر دیا تو اس کا کھانا حرام ہو گیا وہ بھی مردار ہے کیونکہ ذبح شرعی سے اس کو موت نہیں آئی۔

حرام چیزوں کی مذکورہ نو قسمیں بیان فرمانے کے بعد اِلَّا مَاذَکَّیْتُمْ فرمایا یہ استثناء منخنقہ، موقوذہ، متردیہ، نطیحہ اور مَا اکل السبع سب سے متعلق ہے مطلب یہ ہے کہ جس جانور کا گلا گھٹ گیا یا اوپر سے گر پڑا یا کسی کے لاٹھی مارنے سے مرنے لگا

یا ٹکر لگنے سے مرنے لگا یا کسی درندہ سے چھڑا لیا اور اس میں ابھی تک اتنی زندگی باقی ہے جو ذبح کے وقت ہوتی ہے تو یہ جانور ذبح شرعی کرنے کی وجہ سے حلال ہو جائے گا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک بھیڑیئے نے ایک بکری کو اپنے دانت سے پکڑ لیا (پھر وہ کسی طرح سے چھوٹ گئی جسے) اس کے مالکوں نے دھاردار پتھر سے ذبح کر دیا پھر آنحضرت سرور عالم ﷺ سے پوچھا تو آپ نے اس کے کھانے کی اجازت دیدی (رواہ النسائی ص۲۰ ج۲)

بتوں کے استھانوں پر ذبح کئے ہوئے جانور: پھر فرمایا وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ (اور جو نصب پر ذبح کیا جائے اس کا کھانا بھی حرام ہے) اصنام وہ مورتیاں جن کی اہل عرب عبادت کیا کرتے تھے، اور ان کے علاوہ جن دوسرے پتھروں کی عبادت کرتے تھے ان کو نصب اور انصاب کہا جاتا تھا ان کو کہیں کھڑا کر کے عبادت گاہ اور استھان بنا لیتے تھے اگر مطلق کھڑی کی ہوئی چیز کے معنی لیے جائیں تو بت بھی نصب کے عموم میں داخل ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ بھی پتھر ہوتے ہیں اور ان کو مختلف جگہوں میں نصب کر دیا جاتا ہے۔ اصنام وانصاب کے پاس جو کچھ ذبح کیا جاتا ہے چونکہ وہ ذبح لغیر اللہ ہے اس لئے وہ بھی مردار ہے اور اس کا کھانا حرام ہے۔

تیروں کے ذریعہ جوا کھیلنے کی حرمت: پھر فرمایا وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ (اور یہ بھی حرام کیا گیا کہ تقسیم کرو تیروں کے ذریعہ) اہل عرب کا طریقہ تھا کہ تیروں کے ذریعہ اونٹ کا گوشت تقسیم کیا کرتے تھے اور یہ ان کا ایک قسم کا قمار یعنی جوا تھا جس کا طریقہ یہ تھا کہ ایک اونٹ میں دس آدمی برابر کے شریک ہوتے تھے پھر اس اونٹ کو تیروں کے ذریعہ تقسیم کرتے تھے یہ دس تیر ہوتے تھے سات تیروں پر حصے لکھے رہتے تھے اور تین تیر ایسے ہوتے تھے جن کا کوئی حصہ مقرر نہ تھا۔ پھر ان دس تیروں کو کسی تھیلہ میں ڈالتے تھے اور شرکاء کے نام سے ایک ایک تیر نکالتے تھے جن تین تیروں کا کوئی حصہ مقرر نہ تھا جس کے نام پر ان تیروں میں سے کوئی تیر نکل آتا تھا اسے کوئی حصہ نہ ملتا تھا حالانکہ اونٹ کی قیمت میں وہ بھی شریک تھا اس کا حصہ دوسروں کو مل جاتا تھا اور اس طرح سے یہ شخص جوئے میں ہار جاتا تھا اور دوسرے لوگ جیت جاتے تھے۔

پھر ان میں بعض لوگ جوئے میں جیتے ہوئے گوشت کے ان حصوں کو غرباء مساکین اور یتیموں پر خرچ کرتے تھے اور اس پر فخر کیا کرتے تھے۔ لبید بن ربیعہ ؓ کے قصیدہ میں ہے (جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے)۔

وجزور ایسار دعوت لحتفها بمغالق متشابه اجسامها
باؤوا بهن لعاقرا و مطفل بذلت لجيران الجميع لحامها

(اور تیروں کے ذریعہ تقسیم ہونے والے اونٹ جن کے ذبح کی میں نے دعوت دی' ایسے جن کے جسم مشابہ تھے' ان کے ذریعہ وہ بانجھ یا بچوں والی کو دیا' میں نے تو سب کے ہمسایوں میں ان کے گوشت تقسیم کئے)

علامہ حضرت قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں ازلام کی تین قسمیں بتائی ہیں ان میں سے تیسری قسم بتاتے ہوئے لکھتے ہیں

هوا الميسر وهی عشرة. سبعة منهما حظوظ وثلثة اغفال وكانوا يضربون بها مقامرة لهوا والعبا وكان عقلائهم

یقصدون بھا طعام المساکین والمعدم فی زمن الشتاء و کلب البرد وتعذر المتحرف. (یہ جواء ہے اور وہ دس تیر ہیں ان میں سے سات کے حصے ہیں اور تین خالی ہیں انہیں تیروں کا لہو ولعب کے طور پر جواء کرتے تھے۔ ان میں سے جو عقل مند ہوتے وہ اس سے مسکینوں کے کھلانے اور سردیوں کے موسم میں سردی کی شدت سے بچانے کے لئے بے سروسامانوں کی مدد کرنے اور پیشہ ور محتاجوں کو دینے کا ارادہ کرتے تھے)

اس کے بعد لکھتے ہیں وھو من اکل المال بالباطل وھو حرام وکل مقامرة بحمام او بنرد او شطرنج او بغیر ذالک من ھذا الباب فھو استقسام بما ھو فی معنی الازلام حرام کلہ۔ (استقسام بالازلام والا تیر اور اس بات کو ترجیح دی گئی ہے کہ اس کا ذکر کھانے کی حرام چیزوں کے ساتھ مناسب تھا)

یعنی اس طرح سے مال لے لینا باطل طریقے پر لینا ہے حرام ہے اور ہر جوا حرام ہے خواہ کبوتر اڑانے کے ذریعہ ہو خواہ نرد کے ذریعے ہو خواہ شطرنج کے ذریعہ ہو خواہ کسی بھی کھیل کے ذریعہ ہو۔ (تفسیر القرطبی ص ۵۹ جلد ۶)

سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (وہ آپ سے سوال کرتے ہیں شراب اور جوئے کے بارے میں، آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کیلئے منافع ہیں) سورۂ مائدہ میں فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور انصاب اور ازلام سب گندی چیزیں ہیں شیطان کے کام ہیں سو تم اس سے بچ کر رہو۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ)۔

شراب اور جوئے کے بارے میں تفصیلی احکام ان شاء اللہ العزیز ہم سورۂ مائدہ کی اسی آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ الآیۃ کے ذیل میں...... بیان کریں گے۔ یہاں بالاجمال یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جوئے کی جتنی بھی قسمیں ہیں وہ سب حرام ہیں اور ان سے جو مال حاصل کر لیا ہو وہ بھی حرام ہے۔

استقسام بالازلام کا دوسرا معنی: استقسام بالازلام کی ایک تفسیر تو وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی یعنی تیروں کے ذریعہ بطور جوا مال تقسیم کرنا، اس تفسیر کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں (ص ۶۹ ج ۴) ورجح انہ یناسب ذکرہ مع محرمات الطعام.

اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ تیروں کے ذریعے جو غیب کی خبریں معلوم کرتے تھے اس کی حرمت بیان فرمائی ہے۔ اہل عرب میں اس کا طریقہ یہ تھا کہ تین تیر اپنے پاس رکھتے تھے ان میں سے ایک پر لکھا ہوتا تھا اَمَرَنِیْ رَبِّیْ (میرے رب نے مجھے حکم دیا) اور دوسرے تیر پر لکھا رہتا تھا نَهَانِیْ رَبِّیْ (میرے رب نے مجھے منع کیا) اور تیسرے تیر پر کچھ بھی لکھا ہوا نہ ہوتا تھا۔ جب کسی کام میں یا سفر میں جانے کا ارادہ کرتے تھے تو تھیلے میں تیروں کو گھما کر ایک تیر کو نکال لیتے تھے اگر پہلے نمبر کا تیر نکل آیا تو کام کر گزرتے تھے اور سفر میں چلے جاتے تھے اور دوسرا تیر نکل آتا تو اس کام کے کرنے اور سفر میں کرنے سے رک جاتے تھے اور اگر تیسرا تیر نکل آتا جس پر کچھ بھی لکھا ہوا نہ ہوتا تھا تو پھر تینوں تیروں کو گھماتے تھے اور برابر گھماتے اور دیکھتے رہتے تھے یہاں تک کہ پہلے دو تیروں میں سے کوئی تیر نکل آئے اور کچھ تیر ایسے تھے جو ''ہبل'' بت کے پاس کعبے شریف کے اندر رکھے رہتے تھے وہاں کے مجاور کے پاس جاتے تھے۔ اور اس سے کہتے تھے کہ تیروں کو گھمائے اور تھیلے میں

سے نکالے اس سے آئندہ کے حوادث اور نوازل معلوم کرتے تھے اور جس کسی کے نسب میں شریک ہوتا تھا اس کے نسب کا فیصلہ بھی ان تیروں سے کروالیتے تھے۔ (تفسیر قرطبی ج۶ ص ۵۸)

روح المعانی ج۶ ص ۵۸ میں لکھا ہے کہ اس صورت کو استقسام بالازلام سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ گھر سے باہر جانے اور سفر کیلئے نکلنے میں طلب معاش کا مقصد سامنے ہوتا تھا اور تیروں سے یہ پوچھتے تھے کہ جو رزق میری قسمت میں ہے وہ اس وقت باہر جانے سے ملے گا یا نہیں۔

وقال القرطبی وانما قیل لهٰذا الفعل استقسام لا نهم کانوا یستقسمون الرزق وما یریدون کما یقال الاستقساء فی الاستدعاء بالسقی اھ۔ (علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں اس عمل کو استقسام اس لئے کہا گیا ہے کہ اسی طریقہ سے وہ کھانے کی چیزیں اور دوسرے مقاصد میں تقسیم کرتے تھے جیسا کہ سیرابی کی دعاء کو استقاء کہا جاتا ہے)

کاہنوں کے پاس جانے کی ممانعت: عرب میں زمانہ اسلام سے پہلے بت پرستی تو تھی ہی کاہنوں کا بھی بہت زور تھا جو غیب کی خبریں بتایا کرتے تھے اور اس کے مختلف طریقے نکال رکھے تھے کچھ لوگ ستاروں کے ذریعہ غیب کی خبریں بتاتے تھے (جنہیں مُنَجِّم کہا جاتا تھا) شریعت اسلامیہ نے سب کو باطل قرار دیا جو بھی کوئی غیب کی خبریں بتائے اس کے پاس جا کر آئندہ کی خبریں پوچھنا حرام ہے اور اس بارے میں جو کچھ مال لیا دیا جائے وہ بھی حرام ہے۔ ام المومنین حضرت حفصہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص عراف (غیب کی خبریں بتانے والے) کے پاس آیا اور اس سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا تو چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہ ہوگی (رواہ مسلم)۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی کاہن کے پاس آیا (جو غیب کی خبریں بتاتا ہے) اور اس کی بات کو سچا بتایا یا حیض کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کیا یا اپنی عورت کے پچھلے حصے میں اپنی حاجت پوری کی تو وہ اس چیز سے بیزار ہو گیا جو محمد ﷺ پر نازل ہوئی۔ (رواہ احمد وابوداؤد، مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۹۳)

حضرت قتادہ (تابعی) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو تین چیزوں کیلئے پیدا فرمایا آسمان کی زینت بنایا ہے، شیاطین کے مارنے...... کا ذریعہ بنایا، راستہ دکھانے کیلئے علامتیں بنائیں جس نے اس کے سوا اور کوئی کام تجویز کیا تو اس نے غلط بات کہی اور اپنا نصیب ضائع کیا اور جس چیز کو نہیں جانتا خواہ مخواہ اس کے جاننے کا دعویٰ کیا (رواہ البخاری تعلیقا)

غیب کی خبریں بتانے کے جتنے بھی طریقے جاری ہیں شرعاً ان پر اعتماد کرنا حرام ہے نجومی، رمل والے، جفر والے جو خبریں بتاتے ہیں ان کی تصدیق کرنا حرام ہے۔ بعض لوگ چڑیاں پال کر رکھتے ہیں چڑیا کے منہ میں دانے دیدیتے ہیں وہ بہت سے لفافوں میں سے ایک لفافہ کھینچ لیتی ہے وہ لفافہ پڑھ کر سناتے ہیں پوچھنے والا اس کو اپنا حال سمجھتا ہے اور اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں یہ یقین کرتا ہے کہ اس کے مطابق ہوگا یہ بھی حرام ہے۔ اس طرح کے لوگوں کو جو مال لیا دیا جاتا ہے اس کا لینا دینا بھی حرام ہے۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت سے اور زنا کاری کی اجرت سے اور غیب کی خبریں بتانے والے کو جو کچھ بطور منہ میٹھا کرنے کے دیا جاتا ہے اس سے منع فرمایا۔ (رواہ مسلم)

ذٰلِكُمْ فِسْقٌ: پھر فرمایا ذٰلِكُمْ فِسْقٌ یہ جو چیزیں بیان ہوئیں ان کو خالق و مالک جل مجدہٗ نے حرام قرار دیا ہے اس کی خلاف ورزی فسق ہے یعنی فرمانبرداری سے باہر نکل جانا ہے جو گناہ کبیرہ ہے۔

محرمات کی تصریح فرما کر اخیر میں تنبیہ فرمادی کہ ان کے ارتکاب کو معمولی نہ سمجھا جائے ان سب میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی نافرمانی ہے اور بڑی نافرمانی ہے۔ قال صاحب الروح فسق ای ذنب عظیم خروج عن طاعة اللہ تعالیٰ الی معصیته۔ (صاحب روح المعانیؒ فرماتے ہیں فسق کا معنی مطلب یہ ہے کہ بڑا گناہ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل کر اس کی نافرمانی کی طرف جانا ہے۔)

مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں کیا کیا چیزیں داخل ہیں

ہم نے چند صفحات پہلے لکھا ہے کہ اہلال کا معنی یہ ہے کہ ذبح کے وقت کسی کا نام پکارا جائے، اب سمجھنا چاہیے کہ جس جانور کا کھانا حلال ہو اللہ کا نام لے کر اس کو ذبح کیا جائے اور اس کا ذبح کرنے والا مسلم غیر مُحرِم ہو یا کتابی ہو اور اس کے ذبح کرنے سے تقرب الی غیر اللہ مقصود نہ ہو تو اس کا کھانا حلال ہے۔ اور جو جانور حلال ہو لیکن اس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے وہ حرام ہے خواہ کوئی مدعی اسلام ذبح کرے خواہ کوئی دوسرا شخص ذبح کرنیوالا ہو، اور خواہ اس پر کسی بت کا نام لیا جائے یا کسی نبی یا ولی یا پیر فقیر کا اور اس کی حرمت نص صریح سے ثابت ہے اور باجماع الامة حرام ہے۔ اور یہ جانور میتة کے حکم میں ہے۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ کسی جانور کو تقرب الی غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جائے یعنی اس کا خون بہانے سے غیر اللہ کی خوشنودی مقصود ہو اور بوقت ذبح اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے جیسا کہ قبروں پر اس طرح کے ذبیحے ہوتے ہیں۔ اس صورت میں بھی وہ جانور حرام ہے اور مذبوحہ میتة کے حکم میں ہے اس کی حرمت کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ یہ مَاذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ کے عموم میں داخل ہو جاتا ہے دوسرے اشتراک علت یعنی تقرب الی غیر اللہ کی وجہ سے مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کے ساتھ ملحق ہے۔

درمختار میں ہے ذبح لقدوم الامیر ونحوه کواحد من العظام یحرم لانه اهل به لغیر اللہ ولو ذکر اسم اللہ (درمختار ص ۱۹۶ ج ۵ برھامش شامی)

قبروں پر جو چیزیں لیجاتے ہیں ان کا حکم: اب رہی وہ مٹھائی اور دوسری چیزیں جو لوگ قبروں پر یا تعزیوں پر چڑھاتے ہیں اور اس کی نذریں مانتے ہیں۔ سو یہ مااُهِلَّ به لغیر اللہ کے مفہوم صریح میں داخل نہیں لیکن چونکہ قبروں پر یہ چیزیں لے جانے والوں کا مقصد صرف فقراء کو بانٹنا نہیں ہوتا بلکہ اول صاحب قبر یا تعزیہ کی خوشنودی کیلئے نذریں مانتے ہیں پھر یہ چیزیں وہاں لے جاتے ہیں اس لئے ان کا لینا اور کھانا مجاوروں اور سجادہ نشینوں کو اور ان کے مہمانوں کو اور ہر مسلمان کیلئے حرام ہے۔ صاحب درمختار قبیل باب الاعتکاف تحریر فرماتے ہیں:

اعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یؤخذ من الدراھم والشمع والزیت ونحوھا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیھم فھو بالاجماع باطل وحرام مالم یقصد واصرفھا لفقراء الانام وقد ابتلی الناس بذلک ولا سیمافی ھذہ الاعصار انتھی قال الشامی فی حاشیتہ قولہ مالم یقصد والخ ای بان تکون صیغۃ النذر للہ تعالیٰ للتقرب الیہ ویکون ذکر الشیخ مرادا بہ فقراءہ کما مر. (جان لو کہ اکثر عوام جو مُردوں کے لئے نذر مانتے ہیں۔اور اسی طرح دراہم بتیاں تیل وغیرہ جو اولیائے کرام کے مزارات کی طرف ان کے قرب حاصل کرنے کیلئے جائے جاتے ہیں وہ بالاجماع باطل اور حرام ہیں۔جب تک کہ ان کو فقیر لوگوں پر خرچ کرنے کا ارادہ نہ کریں۔لوگ اسی میں مبتلاء ہیں خصوصاً آج کے زمانہ میں۔علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کے حاشیہ میں فرماتے ہیں ان کے قول مالم یقصد والخ کا مطلب یہ ہے کہ نذر اللہ تعالیٰ کے لئے اسی کا قرب حاصل کرنے کے لئے ہو اور بزرگ کے ذکر سے مراد وہاں کے فقیر ہوں جیسا کہ گذر چکا۔)

صاحب بحرالرائق تحریر فرماتے ہیں: وقد قدمنا ان النذر لا یصح بالمعصیۃ للحدیث لا نذر فی معصیۃ اللہ تعالیٰ فقال الشیخ قاسم فی شرح الدرر واما النذر الذی ینذرہ اکثر العوام علی ما ھو مشاھد کان یکون لانسان غائب او مریض اولہ حاجۃ ضروریۃ فیأتی بعض الصلحاء فیجعل سترہ علی رأسہ فیقول یاسیدی فلان ان رد غائبی او عوفی مریضی او قضیت حاجتی فلک من الذھب کذا اومن الفضۃ کذا أومن الطعام کذا أومن الماء کذا اومن الشمع کذا او من الزیت کذا فھذا النذر باطل بالاجماع لو جوہ منھا انہ نذر مخلوق والنذر للمخلوق لا یجوز لانہ عبادۃ والعبادۃ لا تکون للمخلوق ومنھا ان المنذور لہ میت والمیت لا یملک ومنھا انہ ان ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ تعالیٰ واعتقادہ ذلک کفر اللّٰھم الا ان قال یا اللہ انی نذرت لک ان شفیت مریضی اورددت غائبی او قضیت حاجتی ان اطعم الفقراء الذین بباب الامام الشافعی او الامام اللیث او اشتری حصیرا لمساجدھم او زیتا لوقودھا او دراھم لمن یقوم بشعائرھا الی غیر ذالک مما یکون فیہ نفع للفقراء والنذر للہ عزوجل (الی ان قال) ولا یجوز لخادم الشیخ اخذہ ولا اکلہ ولا التصرف فیہ بوجہ من الوجوہ الا ان یکون فقیرا اولہ عیال فقراء عاجزون عن الکسب وھم مضطرون فیا خذونہ علی سبیل الصدقۃ المبتدأۃ فأخذہ ایضا مکروہ مالم یقصد بہ الناذر التقرب الی اللہ تعالیٰ وصرفہ الی الفقراء ویقطع النظر عن نذر الشیخ فاذا علمت ھذا فما یؤخذ من الدراھم والشمع والزیت وغیرھا وینقل الی ضرائح الاولیاء تقربا الیھم فحرام باجماع المسلمین مالم یقصد وابصرفھا للفقراء الاحیاء قولا واحدا اھ (یہ بات ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ گناہ کی نذر صحیح نہیں ہے اس حدیث کی وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کاموں کی کوئی نذر نہیں ہے۔چنانچہ شیخ قاسم دُرر کی شرح میں فرماتے ہیں وہ نذر جو اکثر عوام مانتے ہیں جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ کسی انسان کا کوئی (عزیز) غائب ہو یا کوئی مریض ہو یا اس کی کوئی اہم ضرورت ہو تو وہ کسی بزرگ کے مزار کے پاس جا کر اپنا ہاتھ تو اس کی قبر کے سر پر رکھتا ہے اور کہتا ہے اے فلاں میرے سردار اور اگر میرا آدمی غائب سے واپس لوٹا دیا گیا یا میرا مریض درست کر دیا گیا یا میری ضرورت پوری کر دی گئی تو اتنا سونا' یا اتنی چاندی یا اتنا کھانا' یا اتنا پانی یا اتنے چراغ یا اتنا تیل دوں گا تو یہ نذر بالاجماع باطل ہے کئی وجوہ سے'ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ یہ مخلوق کی نذر ہے اور مخلوق کے لئے منت ماننا جائز نہیں ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور مخلوق کے لئے عبادت نہیں ہوتی اور ایک وجہ یہ ہے کہ جس کے لئے منت مانی گئی ہے وہ میت ہے اور میت کسی چیز کی مالک نہیں ہوسکتی اور ایک وجہ یہ ہے کہ اگر اس کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ یہ میت بھی ان امور میں متصرف ہے تو اس کا یہ اعتقاد کفر ہے۔ہاں اگر اس طرح کہے کہ اے اللہ! میں نے تیرے لئے یہ منت مانی ہے کہ اگر تو نے میرے مریض کو شفاء دیدی یا تو نے میرے گمشدہ کو لوٹا دیا یا اگر تو نے میری ضرورت پوری کر دی تو میں ان فقیروں کو کھانا کھلاؤں گا جو امام شافعیؒ کے دروازے پر ہیں یا امام لیث کے دروازے پر ہیں یا میں ان حضرات کی مساجد کے لئے کارڈ خریدوں گا یا ان کے چراغوں کے لئے تیل خریدوں گا یا جو ان مساجد میں نماز واذان وغیرہ شعائر کی خدمت سرانجام دے گا اسے دراہم دوں گا وغیرہ ذلک ایسی تمام صورتیں جن میں کہ فقراء کو نفع ہو اور نذر اللہ تعالیٰ کے لئے ہو......اور فرمایا کہ بزرگ کے خادم کے لئے ان کا لینا اور ان کا کھانا اور کسی بھی طرح کا تصرف جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ فقیر ہو یا اس کا عیال فقیر ہو جو کمانے سے عاجز ہو حالتِ مجبوری میں ہوں اور اس کو بطور ابتدائی صدقہ کے لے لیں تو بھی ان چیزوں کا لینا ان کے لئے مکروہ ہے جب تک نذر ماننے والا اللہ تعالیٰ کے تقرب حاصل کرنے اور فقراء پر خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرے اور اس بزرگ کے لئے منت کا خیال ختم نہ کر دے جب یہ تفصیل آپ نے جان لی تو اب جو بھی دراہم' چراغ اور تیل وغیرہ بزرگوں کے مزارات پر ان کے تقرب کے لئے لے جایا جاتا ہے وہ مسلمانوں کے اجماع سے حرام ہے۔جب تک کہ لے جانے والے وہاں کے زندہ فقراء کے لئے خرچ کرنے کا پختہ ارادہ نہ کرلیں)

نذر لغیر اللہ حرام اور کفر ہے: درمختار اور البحر الرائق کی مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ نذر لغیر اللہ حرام ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ ہی کیلئے ہے۔اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اموات کے لئے جو نذر مانی جاتی ہے اس نذر کی وجہ سے عوام الناس روپیہ پیسہ موم بتی تیل وغیرہ جو اولیاء اللہ کی قبروں کے پاس لے جاتے ہیں تا کہ ان کا تقرب حاصل ہو تو یہ بھی بالاجماع باطل ہے اور حرام ہے۔اسی طرح جو مٹھائی وغیرہ لے جاتے ہیں تا کہ قبروں پر چڑھائیں

اور قبر والوں کا تقرب حاصل کریں یہ مٹھائی بھی حرام ہے۔ اس مٹھائی کا لینا اور کھانا اسی طرح سے نقدی اور تیل وغیرہ اور وہ چادر جو قبروں پر چڑھائی جاتی ہیں ان سب کا لینا اور خرچ کرنا اور کھانا اور کھلانا سب حرام ہیں جس میں قبروں کے خدام سجادہ نشین اور ان کے پاس قیام کرنے والے اور آنے جانے والے مہمان سب مبتلا ہیں ہاں اگر کسی نے یوں نذر مانی کہ اے اللہ ! میرا فلاں کام ہو جائے تو فلاں بزرگ کے پاس جو فقراء ہوں ان کو اتنے پیسے دوں گا یا فلاں مسجد میں تیل دوں گا اور اس نذر کے مطابق عمل کر لیا تو ان چیزوں کا خرچ کرنا اور لینا جائز ہے لیکن مالداروں کو ان کا لینا اور خرچ کرنا پھر بھی حلال نہ ہوگا۔ نذر لغیر اللہ کی صورت میں جو چیزیں قبروں پر لے کر گئے پھر اس سے توبہ کر لی اور اس مال کو فقراء پر خرچ کر دیا تو فقراء کو اس کا لینا جائز ہوگا۔

نذر لغیر اللہ کفر ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے نیز یہ عقیدہ رکھنا کہ اموات اپنی قبروں میں تصرف کرتے ہیں اور اس تصرف میں مختار ہیں اور بغیر اذن اللہ تصرف کرتے ہیں یہ بھی کفر ہے اور جو جانور غیر اللہ کے تقرب کے لئے ذبح کیا جائے اگرچہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا جائے وہ بھی حرام ہے چونکہ اس کے ذبح سے تقرب لغیر اللہ مقصود ہے اس لئے یہ بھی کفر ہے ہاں ! اگر کوئی جانور مہمانوں کے کھلانے کیلئے ذبح کیا جائے اور خون بہانے سے تقرب الٰی غیر اللہ مقصود نہ ہو تو وہ حلال ہے جیسے ولیمہ اور عقیقہ میں ذبح کیا جاتا ہے۔

اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ
آج کافر تمہارے دین سے نا امید ہو گئے سو اُن سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے پورا کر دیا تمہارا دین
وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ
اور میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو دین کے طور پر اختیار کرنے کے لئے پسند کر لیا سو جو کوئی شخص مجبور ہو جائے سخت بھوک میں جو گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو
فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝
سو یقیناً اللہ غفور رحیم ہے

کافروں کی نا اُمیدی اور دین اسلام کا کمال

تفسیر : یہ بھی آیت بالا کا ایک حصہ ہے۔ مَیۡتَۃ وغیرہ کی حُرمت بیان فرمانے کے بعد بطور جملہ معترضہ ارشاد فرمایا کہ آج کافر تمہارے دین کی طرف سے نا امید ہو گئے سو اُن سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میں نے اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند فرمایا' اس کے بعد پھر مضمون متعلقہ حیوانات بیان فرمایا اور بھوک کی مجبوری میں ان میں سے کچھ کھانے کی اجازت فرما دی۔

آیت بالا حجۃ الوداع کے موقعہ پر عرفہ کے دن عرفات میں نازل ہوئی رسول ﷺ اور آپ کے صحابہؓ جن کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی اُس وقت عرفات میں موجود تھے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مسلمانوں کا اتنا بڑا اجتماع کبھی نہیں ہوا یہ ذوالحجہ ۱۰ھ کا واقعہ ہے۔ حج کا احرام، میدان عرفات جبل رحمت کا قُرب جمعہ کا دن ایسے متبرک زمان، مکان اور حال میں اس آیت کا نزول ہوا۔ مکہ معظمہ ۸ھ میں فتح ہو چکا تھا اور سارا عرب مسلمان ہو گیا تھا جو لوگ اس انتظار میں تھے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور اہل مکہ کی مخالفت کا کیا انجام ہوتا ہے اُسے دیکھ کر اپنے بارے میں فیصلہ کریں گے یہ لوگ بھی فتح مکہ کے بعد مُسلمان ہو گئے مختلف قبائل جزیرۃ العرب کے اطراف و اکناف سے وفود کی صورت میں آتے رہے، اور مسلمان ہوتے رہے۔

یہ وفود اپنے قوموں کے نمائندے بن کر آتے تھے اور پھر اسلام کے نمائندے بن کر جاتے تھے۔ جزیرہ عرب میں جو اہل شرک اور اہل کفر کی مخالفت تھی وہ ختم ہوگئی۔ یہ کافروں نے سمجھ رکھا تھا کہ دین اسلام کو دَبا دیں گے۔ صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے جس کے لئے انہوں نے جنگیں بھی لڑیں اور بہت سی تدبیریں کیں جزیرۃ العرب سے باہر دوسرے لوگوں سے بھی مدد لینے کا پروگرام بنایا۔ الحمدللہ ان کے یہ ارادے خاک میں مل گئے اور ساری تدبیریں ملیامیٹ ہوگئیں اور اب وہ اس سے نا امید ہو گئے کہ دین اسلام کو ختم کریں۔ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ کہ آج کافر تمہارے دین کی طرف سے نا امید ہو گئے اب انہیں یہ خیال نہیں رہا کہ تمہارے دین پر غالب ہوں کیونکہ اللہ کا جو وعدہ تھا کہ دین اسلام کو غالب کرے گا وہ اس نے پورا فرما دیا اور کافروں نے اس کا مشاہدہ کر لیا۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے غلبہ عطا فرما دیا تو کافروں سے جو ظاہری ڈر تھا وہ ختم ہوا اب تو بس ظاہراً و باطناً اللہ ہی سے ڈرنا ہے اُسی کی فرمانبرداری کرو اور اسکی نافرمانی سے بچو اسکو فرمایا فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ (پس تم اُن سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو)

دین اسلام کا کامل ہونا: اس کے بعد فرمایا اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کہ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین پورا کر دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ تک جو بھی انبیاء و رُسل علیہم السلام تشریف لائے اور جو اللہ تعالیٰ نے کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے ان میں جو احکام اور مسائل نازل ہوتے رہے آج ان سب کی تکمیل کر دی گئی۔ احکام کی بھی تکمیل ہوگئی اور اخلاق کی بھی، رسول اللہ ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰہَ بعثنی لتمام مکارم الاخلاق و کمال محاسن الافعال (اللہ نے مجھے برگزیدہ اخلاق اور اچھے افعال کی تکمیل کے لئے بھیجا ہے) (رواہ فی شرح السنۃ کما فی المشکوٰۃ ص ۵۱۴)

اس سے پہلے جو احکام نازل ہوئے ان میں سے بعض منسوخ بھی ہوئے جن کے عوض ان سے بہتر یا انہی جیسے احکام نازل فرما دیئے گئے اب دین کامل ہے کوئی حکم اب منسوخ نہ ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے فرمایا کہ یہ (نزول

احکام) کے اعتبار سے قرآن مجید کی آخری آیت ہے اس کے بعد کوئی آیت احکام کے متعلق نازل نہیں ہوئی جو چند آیات اس کے بعد نازل ہوئیں وہ ترغیب وترہیب کے متعلق تھیں اس پر بعض مفسرین نے آیت کلالہ سے متعلق اشکال پیش کیا ہے کہ بعض حضرات نے اُسے آخری آیت بتایا ہے لیکن اگر اُسے آخری آیت ، ـــــــــــ بحیثیت احکام کے مان لیا جائے تب بھی اس اعتبار سے...... اشکال ختم ہو جاتا ہے کہ اس میں نسخ واقع نہیں ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اسلام انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے: دین اسلام انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے اجتماعی اور انفرادی اعمال واحوال سب کے بارے میں احکام موجود ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے کے حقوق کیا کیا ہیں عزیز و اقارب آپس میں مل کر کس طرح رہیں۔ میاں بیوی دونوں مل کر کس طرح زندگی گزاریں' اولاد کی پرورش کن اصولوں پر اور کس طرح کی جائے پڑوسی کے ساتھ کیسے برتاؤ ہو۔ مہمان اور میزبان کس طرح ایک دوسرے کا خیال رکھیں دشمنوں سے صلح اور جنگ کیسے ہو' معاہدہ کس طرح ہو مردوں اور عورتوں کا لباس کیسا ہو' کھانے پینے اور پہننے میں کن امور کی رعایت رکھی جائے۔ بیع وشرا کے احکام رہن واجارہ کے احکام اور اُن کی تفصیلات۔ حدود وقصاص جاری کرنے کے احکام خلیفہ اور امیر کی ذمہ داریاں۔ عوام الناس کا اُمراء اور خلفاء کے ساتھ سلوک' اور اسی طرح سینکڑوں عنوانات کے جوابات شریعت اسلامیہ میں موجود ہیں۔ اسلام صرف عبادات ہی کا مجموعہ نہیں اعتقادیات' عبادات' معاملات' اخلاق وآداب۔۔۔ یہ سب اسلام میں موجود ہیں اسلام کے علاوہ کوئی بھی دین ایسا نہیں ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہو۔ بجز چند تصورات اور خیالات کے دوسرے ادیان میں کچھ بھی نہیں۔ اگر اسلام میں کسی آنکھیں بند کرنے والے کو کچھ بھی نظر نہ آئے تو یہ دین کا جامع اور کامل ہونا ہی ایک منصف مزاج سمجھدار انسان کے لئے اسلام کے دین حق ہونے کی دلیل کے طور پر کافی ہے۔

اس اعتبار سے انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کا دین بھی کامل تھا کہ اسکو اختیار کرنے پر ان کے اپنے اپنے زمانے میں آخرت کی نجات کا مدار تھا اور اسکو اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کافی تھا۔ سیدنا محمد ﷺ جو دین لائے وہ تمام انسانوں تمام جہانوں اور آئندہ آنے والے تمام زمانوں کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ کا آخری دین ہے اور کوئی دین اس کے بعد آنے والا نہیں جو اسکو منسوخ کردے اور انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے احکام پر حاوی ہے دنیا کتنی بھی ترقی کر جائے اور کیسے ہی حوادث ونوازل کا ظہور ہو جائے اُن سب کا حکم شرعی موجود ہے اور مدار نجات تو بہر حال ہے ہی' ان سب وجوہ سے اس کو کامل فرمایا۔

اتمام نعمت: پھر فرمایا وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (اور پوری کردی میں نے تم پر اپنی نعمت) صاحب روح المعانی ج ٦ ص ٦٠ لکھتے ہیں کہ مخاطبین پر نعمت کا پورا فرمانا اس طرح ہُوا کہ اُن کے لئے مکہ معظمہ فتح ہوا اور وہ مکہ معظمہ میں امن وامان کے ساتھ غلبہ اسلام کے ساتھ داخل ہوئے اور جاہلیت کی چیزیں ختم کردی گئیں اور مشرکین کو حج کرنے سے روک دیا گیا۔

اتمام نعمت کی تفسیر میں دیگر اقوال بھی لئے مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت پوری فرمادی اور اس کے اسباب مکمل فرمادیئے اور بعض حضرات نے فرمایا اتمام نعمت سے اکمال دین ہی مُراد ہے (گویا پہلے جملے کی تاکید ہے) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کو جو علم و حکمت سے نوازا جو اور کسی کو عطا نہیں فرمایا اتمام نعمت سے وہ مراد ہے۔ صاحب معالم التنزیل اسکی تفسیر کرتے ہوئے بعض حضرات سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وہ وعدہ پورا فرمادیا جو وَلأُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ میں فرمایا تھا۔ ج۲ص۱۱

دین اسلام ہی اللہ تعالیٰ کے یہاں معتبر ہے: پھر فرمایا وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کرلیا۔ دین اسلام ہی امن وامان اور آخرت کی نجات کا ضامن ہے جس کا دین اسلام نہ ہوگا وہ اصحابِ نار میں سے ہوگا یعنی اس کے لئے ہمیشہ ہمیش دوزخ ہی ہے۔ اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین اللہ تعالیٰ کے یہاں معتبر نہیں کوئی کیسی ہی عبادتیں اور۔۔ ریاضتیں کرے تارک دُنیا ہو راہب ہو وہ دوزخی ہی ہوگا اگر دین اسلام قبول کئے بغیر مرگیا۔

حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول ﷺ نے کہ (قیامت کے دن اعمال آئیں گے) نماز آئے گی وہ کہے گی کہ اے رب! میں نماز ہوں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ تو خیر پر ہے پھر صدقہ آئے گا وہ عرض کرے گا اے رب! میں صدقہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا تو خیر پر ہے۔ پھر روزے آئیں گے وہ کہیں گے کہ اے رب! ہم صیام ہیں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو خیر پر ہے۔ پھر دوسرے اعمال اسی طرح آتے رہیں گے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ تم خیر پر ہو پھر اسلام آئے گا وہ عرض کرے گا اے رب! آپ سلام ہیں میں اسلام ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ تو خیر پر ہے۔ تیری ہی وجہ سے میں آج مواخذہ کروں (جس نے تجھے قبول نہ کیا تھا وہ خیر سے محروم ہوگا اور عذاب میں جائے گا) اور تیری وجہ سے عطا کروں گا۔ (آج جو انعامات ملنے ہیں تیری وجہ سے ملیں گے)

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ اور جو کوئی شخص اسلام کے علاوہ کسی دین کا طلب گار ہوگا۔ تو اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا۔ (رواہ احمد کمافی المشکوٰۃ ص۴۴۵)

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کو تین خصوصی انعام عطا فرمائے (۱) اکمالِ دین (۲) اتمام نعمت (۳) نعمت اسلام۔ جس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں اور جس کے بغیر کسی کے لئے آخرت میں کسی نعمت کا کوئی حصہ نہیں۔ امت محمدیہ افضل الامم ہے اس کا نبی (ﷺ) افضل الانبیاء ہے اس کے پاس افضل الکتب ہے۔ اس کا دین اکمل

الادیان ہے، جو رہتی دنیا تک کے لئے ہے اس میں جامعیت ہے اور نسخ تبدیل نہیں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک یہودی نے کہا کہ اے امیر المومنین! تمہاری کتاب میں ایک آیت ہے جسے تم پڑھتے ہو اگر ہم پر یعنی یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید منا لیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ کونسی آیت ہے اس شخص نے کہا وہ آیت یہ ہے اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا حضرت عمرؓ نے اس کے جواب میں فرمایا ہمیں معلوم ہے وہ دن اور وہ جگہ جس میں یہ آیت نبی اکرم ﷺ پر نازل ہوئی آپ عرفات میں وقوف کئے ہوئے تھے (اور) جمعہ کا دن تھا۔ (صحیح بخاری ص ۱۱ ج ۱) فتح الباری ج ۱ ص ۱۰۵ میں طبرانی سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نزلت یوم جمعة و یوم عرفة وکلاھما باللہ لنا عید (کہ یہ آیت جمعہ کے دن عرفہ کے روز نازل ہوئی اور الحمد للہ یہ دونوں ہمارے لئے عید ہیں) سنن ترمذی میں بھی یہ واقعہ مروی ہے اور اس کے بعد دوسرا واقعہ لکھا ہے اور وہ یہ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی تو ایک یہودی نے کہا کہ اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اُس دن کو عید منا لیتے جس دن اس کا نزول ہوتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت ایسے دن نازل ہوئی ہے جس دن میں ہمارے لئے دو عیدیں ہیں یہ یوم جمعہ تھا اور یوم عرفہ تھا (قال الترمذی حدیث حسنٌ)

حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں کوئی نئی عید منانے کی ضرورت نہیں۔ جس دن یہ آیت نازل ہوئی وہ ہمارے لئے پہلے ہی سے عید کا دن تھا۔ ایک نہیں اس دن ہماری دو عیدیں تھیں اُن میں سے ایک عید تو ہر ہفتہ ہوتی ہے یعنی جمعہ کے دن اور دوسری عید ہر سال حج کے موقعہ پر حجاج کرام کو نصیب ہوتی ہے۔ ہمیں عید میں لعب و لہو نہیں ہے یہ ہماری عید اللہ کی فرمانبرداری اور اطاعت اور اُس کے ذکر کی مشغولیت ہے چنانچہ ہم ہمیشہ وہ عید مناتے ہیں جو ہمارے لئے رب العزت ذوالجلال کی طرف سے مقرر کی گئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فراست: جب آیت بالا نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور انہوں نے اس آیت سے یہ سمجھا کہ اب نبی اکرم ﷺ اس دنیا میں تشریف نہیں رکھیں گے چونکہ جس مقصد کے لئے آپ کو مبعوث فرمایا تھا وہ پورا ہو گیا۔ حقیقت میں انہوں نے ٹھیک سمجھا اور نزول آیت کے اکیاسی دن کے بعد آنحضرت ﷺ کی وفات ہو گئی۔

(من روح المعانی و معالم التنزیل)

مجبوری میں حرام چیز کھانا: آخر میں فرمایا فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (سو جو شخص مجبور ہو جائے سخت بھوک میں جو گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو۔ سو یقیناً اللہ غفور ہے رحیم ہے) اوپر جو حرام جانور کی تفصیل مذکور ہوئی ان کے بارے میں اب یہاں ارشاد ہے کہ جو شخص سخت بھوک سے ایسا مجبور ہو کہ

جان پر بن رہی ہو اور اس کے پاس حلال چیزوں میں سے کھانے کے لئے کچھ بھی نہ ہو تو وہ حرام چیزوں میں سے اپنی جان بچانے کے لئے اتنا سا کھالے کہ جس سے جان بچ جائے اور صرف اتنا ہی کھا سکتا ہے جس سے جان بچ جائے۔ مجبوری کو گناہگاری کا ذریعہ نہ بنائے یعنی اس سے زیادہ نہ کھائے جتنی کہ اس وقت حاجت ہے اسکو یہاں غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ سے تعبیر فرمایا اور سورہ بقرہ (ع ۲۱) اور سورہ نحل (ع ۱۵) میں غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ سے تعبیر فرمایا کہ حد سے آگے بڑھنے والا نہ ہو اور لذت کا طالب نہ ہو۔ مثلاً اگر بھوک سے جان جارہی ہو تو شراب اور سور کھالے اور حرام گوشت کھانے کی اجازت کو بہانہ بنا کر جان بچانے والی ضروری مقدار سے زیادہ کھائے گا تو گناہ گار ہوگا۔

آخر میں جو یہ فرمایا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جان بچانے کے لئے جو تھوڑا سا کھانے کی اجازت ہے وہ درجہ معافی میں ہے اللہ تعالیٰ اسکو معاف فرما دے گا یوں کہیں گے کہ اس موقعہ پر ذرا سا کھانا حلال ہوگیا البتہ حرام اپنی جگہ حرام ہی ہے اس کے بارے میں مزید تنبیہ اور توضیح سورہ بقرہ کی آیت فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ
وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کیا ہے جو اُن کے لئے حلال کیا گیا ہے؟ آپ فرما دیجئے حلال کی گئیں تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں اور جن شکاری جانوروں کو تم نے تعلیم دی
مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
اس حال میں کہ تم ان کو سدھانے والے ہو اُن کو سکھاتے ہو اُس طریقہ سے جو اللہ نے تمہیں سکھایا سو اس میں سے کھالو جو انہوں نے تمہارے لئے روک لیا اور اُس پر اللہ کا نام لو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ
سَرِيْعُ الْحِسَابِ ④
جلد حساب لینے والا ہے۔"

پاکیزہ چیزوں اور جوارح معلّمہ کے شکار کی حِلّت

تفسیر: اس آیت میں اول تو یہ بتایا کہ تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں۔

پاکیزہ چیزیں اور خبیث چیزیں کیا ہیں؟ صاحب روح المعانی الطیبات کا مطلب بتاتے ہوئے لکھتے ہیں ای مالم تستخبثه الطباع السليم ولم تنفر عنه یعنی پاکیزہ چیزیں وہ ہیں جن کو طبائع سلیمہ خبیث نہیں سمجھتیں اور جن سے نفرت نہیں کرتیں۔ اس کے عموم میں ہر پاکیزہ چیز کا حلال ہونا اور ہر خبیث چیز کا حرام ہونا داخل ہے۔ اور یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جس کی طبیعت پاکیزہ ہوگی۔ وہی پاکیزہ چیزوں میں رغبت کرے گا اور خبیث چیزوں سے اُسے نفرت ہوگی۔ بہت سے ملکوں میں ایسے انسان بستے ہیں جو ہر چیز کو کھا جاتے ہیں خنزیر کھانے والے تو معلوم ہی ہیں اُسے عموماً نصرانی

لوگ کھاتے ہیں لیکن بندر، کتا، سانپ، گرگٹ، چھپکلی اور ہر طرح کے کیڑے مکوڑے کھانے والے لوگ کروڑوں کی تعداد میں مشرقی ایشیا کے مُلکوں میں موجود ہیں چونکہ ان لوگوں کے طبائع سلیمہ اور طیبہ نہیں ہیں اسلئے ان کی طبعی رغبت اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ جو کچھ کھاتے ہیں وہ طیب ہے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات سے محروم ہونے کی وجہ سے کُفر میں بھی غرق ہیں اور ان کی روحوں پر تہہ بہ تہہ ظلمت اور گندگی چڑھ گئی ہے اسلئے ہر جانور کھانے کے لئے تیار ہیں۔

طیّبات کی تخصیص سے تمام ناپاکیوں اور غلاظتوں کے کھانے کی حُرمت بھی معلوم ہو گئی۔ حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) کھانا بھی حرام ہیں کیونکہ طبائع سلیمہ کے نزدیک یہ طیّبات سے خارج ہیں۔ پاکیزہ طبیعتیں ان سے نفرت کرتی ہیں۔

حلال اور حرام کی تفصیل: حلال جانوروں کی تفصیل تو عموماً سب ہی کو معلوم ہی ہے گائے، بیل، بھینس، بھینسا، بکرا، بکری، بھیڑ، بھیڑا، دُنبہ، دُنبی، پالتوں جانوروں میں اور ہرن نیل گائے خرگوش جنگلی جانوروں میں حلال ہیں اور پرندوں میں کبوتر، فاختہ، مُرغی، بطخ، بُلبل، مور، تیتر، بٹیر، مرغابی، چڑیا، طوطا، مینا بھی حلال ہیں اور جو شکار کر کے کھاتا ہو ٹانگوں والا ہو یا پروں والا اس کا کھانا حرام ہے۔

غذا کھانے والے کے اخلاق پر غذا کا اثر پڑتا ہے، پھاڑ چیر کر کھانے والے جانوروں کو کھایا جائے تو انسان میں بھی اسی طرح کے اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں اس لئے ان کے کھانے سے منع فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر ایسے جانور کے کھانے سے منع فرمایا جو اپنے دانتوں سے چیر پھاڑ کر کھاتا ہے (جیسے شیر۔ بھیڑیا۔ چیتا۔ بلی۔ کتا وغیرہ) اور ہر ایسے پرندوں کے کھانے سے منع فرمایا جو پنجے والا ہو۔ یعنی پنجے سے دوسرے جانور کو شکار کر کے کھاتا ہو (رواہ مُسلم) گِدھ، چیل مُردار کھاتے ہیں وہ بھی حرام ہیں اور شکرہ۔ باز جو دوسرے پرندوں کو شکار کر کے کھاتے ہیں وہ بھی حرام ہیں۔ حضرت خزیمہ بن جزء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے بجو کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کیا بجو کو بھی کوئی کھائے گا اور آپ سے بھیڑیئے کے بارے میں معلوم کیا تو آپ نے فرمایا کہ بھیڑیئے ایسا شخص کھائے گا جس میں کوئی خیر ہو؟ یہ سُنن ترمذی کی روایت ہے اور سُنن ابن ماجہ میں بھی ہے لیکن اس میں بجو کی جگہ لومڑی کا ذکر ہے۔ سُنن ابوداوٗد میں ہے کہ رسول ﷺ کے پاس بیٹھنے والوں نے قُنفذ۔ (یعنی سیہ) کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا خبیثۃ من الخبائث کہ یہ خبیث چیزوں میں سے ایک خبیث ہے۔ خیبر کی جنگ کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے پالتو گدھوں کے کھانے سے بھی منع فرما دیا (بُخاری و مسلم) اور چونکہ خچر گھوڑے اور گدھے کے ملاپ سے پیدا ہوتا ہے اس لئے اس کا کھانا بھی حرام ہے۔

علامہ دمیری کتاب الحیوان ج ۲ ص ۲۴۶ میں علامہ ابن عبدالبر سے نقل کرتے ہیں کہ میرے علم میں علماء مسلمین کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ بندر کا گوشت نہ کھایا جائے اور کتا اور ہاتھی اور دوسرے نوکیلے دانتوں والے جانور سب کا

ایک ہی حکم ہے (یعنی ان کا کھانا حلال نہیں) پھر لکھتے ہیں کہ بندر اور اُس جیسی چیزوں کے کھانے کی حُرمت کے لئے مُستقل نہی کی ضرورت نہیں کیونکہ ذاتی طور پر وہ ایسی چیز ہے جس سے طبیعتیں بچتی ہیں۔ پھر حضرت شعبی (تابعی) سے ایک حدیث مرسلاً نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بندر کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔

شکاری جانوروں کے احکام: اس کے بعد شکاری کا ذکر فرمایا جو شکاری جانوروں کے ذریعہ کیا جائے۔ عام طور سے کتوں کو سکھانے اور سدھانے کا رواج ہے ان کے ذریعہ شکار کیا جاتا ہے۔ کُتے پر منحصر نہیں ہے اگر کسی دوسرے جانور کو سدھالیا اور اس کے ذریعہ شکار کیا جائے تو شرائط کے ساتھ اس کا کھانا بھی حلال ہے۔ جانور کا سدھانا یہ ہے کہ اس کو اس بات کی تربیت دی جائے کہ جب اُسے شکار پر چھوڑا جائے تو وہ اُسے پکڑ کر لے آئے یا قتل کردے لیکن اس میں سے خود نہ کھائے اگر کسی جانور کو سدھایا اور تربیت دی اور اس نے تین مرتبہ ایسا کیا کہ شکار کو مارا اور اس میں سے نہ کھایا تو یہ جانور تربیت یافتہ کہلائے گا اگر بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر اس کو کسی ایسے جانور پر چھوڑا جس کا کھانا حلال ہے اور وہ اس جانور کو زندہ پکڑ کر لے آیا تو شکاری آدمی بسم اللہ پڑھ کر اپنے اختیار سے خود ذبح کرے تو اس کا کھانا حلال ہے اور اگر شکاری جانور نے اسکو زخمی کردیا پھر وہ مرگیا تو وہ بھی حلال ہے۔ ذبح کرنے کی ضرورت نہیں، کتے کو جو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا تھا اس کے زخمی کرنے کے بعد مرجانے ہی سے اس جانور کا کھانا حلال ہوگیا۔ اگر جانور تربیت یافتہ نہ ہو یا اُسے بسم اللہ پڑھ کر نہ چھوڑا جائے اور وہ زخمی کردے جس سے وہ جانور مرجائے تو اس کا کھانا حلال نہیں۔ ہاں اگر کسی جانور کو کتے یا شیر نے پکڑ لیا اور وہ ابھی زندہ ہے تو اسکو ذبح کر کے کھالینا جائز ہے اس کا ذکر وَمَا اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ کے ذیل میں آچکا ہے اگر سدھائے ہوئے شکاری کُتے کو کسی جانور پر چھوڑا اور اس نے اُسے گلا گھونٹ کر ماردیا اور کسی جگہ سے زخمی نہ کیا تو اُس جانور کا کھانا حلال نہیں اگرچہ شکاری کُتے کو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا تھا۔ آیت شریفہ میں شکاری جانور کو سدھانے اور تعلیم دینے کی شرط وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ سے معلوم ہوئی اور بسم اللہ کی شرط وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ سے معلوم ہوئی اور زخمی کرنے کی شرط لفظ الجوارح سے مفہوم ہوئی۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا فرمایا کہ جب تو اپنے کتے کو چھوڑے تو اللہ کا نام لے پھر وہ اگر شکار کو پکڑے اور تو اُسے زندہ پالے تو ذبح کرلینا۔ اور اگر تو نے اسے اس حال میں پایا کہ وہ اُسے قتل کرچکا ہے اور اُس میں سے اُس نے نہیں کھایا تو اس کو کھالینا اور اگر کُتے نے اس میں سے کھالیا تو اس میں سے نہ کھانا کیونکہ اُس نے وہ اپنے لئے روک کر رکھا ہے (جس سے معلوم ہوا کہ وہ کتا مُعَلَّم نہیں ہے) اور اگر تو اپنے کتے کے ساتھ کسی دوسرے کتے کو بھی پالے اور جس جانور پر حملہ کیا ہے وہ مقتول ہوچکا ہے تو اس میں سے مت کھانا کیونکہ تجھے معلوم نہیں کہ دونوں کتوں میں سے کس نے قتل کیا۔ (رواہ مسلم ج ۲ ص ۱۴۶)

شکاری جانوروں کا سدھانا اور تعلیم دینا جو اوپر بتایا گیا (کہ وہ شکار کو پکڑ لیں اور خود نہ کھائیں) یہ اُن جانوروں سے متعلق ہے جو چوپائے ہیں کتا' شیر چیتا وغیرہ۔

شکاری پرندہ کی تعلیم: لیکن اگر کسی شکاری پرندہ کو سدھایا جائے تو اس کا تعلیم دینا اور سدھانا یہ ہے کہ جب اُسے شکار پر چھوڑنے کے بعد بُلایا جائے تو وہ آ جائے جب تین مرتبہ ایسا ہو جائے تو اسکو مُعَلَّم (یعنی تعلیم دیا ہوا) مانا جائے گا۔ اور پھر اس کے شکار کا وہی حکم ہے جو شکاری کتے کے شکار کا حکم ہے۔ یعنی سدھائے ہوئے شکاری پرندہ باز' شکرہ وغیرہ کو اگر بسم اللہ پڑھ کر کسی جانور پر چھوڑا پھر وہ زندہ پکڑ کر لے آیا تو ذبح کر دینے سے حلال ہو جائے گا۔ اور اگر اس نے زخمی کر دیا جس سے وہ مر گیا وہ بھی حلال ہو گیا اور اگر زخمی نہ کیا۔ بغیر زخم کے مار دیا تو وہ جانور حلال نہ ہو گا۔ البتہ کُتے اور باز میں یہ فرق ہے کہ کتے نے اگر اس میں سے کھا لیا تو اس کا کھانا حلال نہ ہو گا۔ کیونکہ وہ اس صورت میں مُعَلَّم نہ رہا۔ اور اگر باز نے کھا لیا تو وہ تب بھی حلال رہے گا کیونکہ شکار میں سے نہ کھانا پرندہ کی تعلیم میں مشروط نہیں' اس کی تعلیم یہ ہے کہ اسکو بُلایا جائے تو آ جائے۔

پرندہ شکار سے متعلقہ احکام: اگر بِسْمِ اللّٰہ پڑھ کر کسی حلال جانور کو تیر مارا اور اُسے زندہ پالیا تو اس کے حلال ہونے کے لئے ذبح اختیاری ضروری ہے اور اگر تیر مارنے سے وہ جانور زخمی ہو گیا تھا اور زخمی ہو کر مر گیا تو اس کا کھانا بغیر ذبح کئے حلال ہے۔

مسئلہ: اگر کسی پرندہ کو بسم اللہ پڑھ کر تیر مارا پھر وہ پانی میں گر گیا یا کسی مکان کی چھت پر گرا پھر وہاں سے تڑپ کر زمین پر گر کر مر گیا تو اس کا کھانا حرام ہے کیونکہ متردیہ کے حکم میں ہے۔

مسئلہ: شکار حلال ہونے کی جو صورتیں بیان ہوئی ہیں اس میں یہ شرط ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر شکاری جانور یا شکاری پرندہ شکار پر چھوڑا ہو یا بسم اللّٰہ پڑھ کر تیر پھینکا ہو۔ لیکن اگر بسم اللّٰہ پڑھنا بھول گیا ہو تب بھی شرائط مذکورہ کے ساتھ اُس کا کھانا حلال ہے۔

مسئلہ: ان مسائل میں جو مُسلمان کے شکار کا حکم ہے وہی کتابی یعنی یہودی و نصرانی کے شکار کا حکم ہے۔

مسئلہ: بُت پرست' آتش پرست' مُرتد اور ہر وہ کافر جو یہودی یا نصرانی نہیں ہے اُن کا شکار کیا ہوا جانور حرام ہے اگرچہ بسم اللہ پڑھ پر شکار کیا ہو۔

مسئلہ: جن جانوروں کا کھانا حلال نہیں ان کا شکار کرنا جائز ہے اُن کی کھال دباغت کر کے کام میں لائی جا سکتی ہے۔

آخر میں فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (کہ اللہ سے ڈرو بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے) جیسے

دیگر آیات میں احکام بیان فرمانے کے بعد اللہ سے ڈرنے اور آخرت کا فکر مند ہونے کی طرف توجہ دلائی ہے یہاں بھی ایسا ہی فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو جانور اصول شریعت کے مطابق حلال نہ ہو اُسے نہ کھائیں اور شکار کرنے میں جو انہماک ہو جاتا ہے جس سے نماز تک چلی جاتی ہے اور حقوق العباد تلف ہو جاتے ہیں شکار کا ایسا کھیل نہ کھیلیں، جو لوگ شکاری ہیں وہ جانتے ہیں کہ عموماً شکاری حدود شرعیہ کے پابند نہیں رہتے شکار کے پیچھے لگے تو سب کچھ بھول گئے۔

سنن ابوداؤد (باب فی اتباع الصید) میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دیہات میں رہا وہ سخت دل ہو گیا۔ اور جو شخص بادشاہ کے پاس گیا وہ فتنہ میں پڑا اور جو شخص شکار کے پیچھے لگا وہ غافل ہوا۔ (صدق رسول اللہ ﷺ)

اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ ۪ وَطَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ
آج تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی اُن کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا اُن کے لئے حلال ہے
مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ اِذَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ
اور پاک دامن عورتیں جو مسلمان ہیں اور وہ پاک دامن عورتیں جو اُن لوگوں میں سے ہیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تمہارے لئے حلال ہیں جبکہ
مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ وَلَا مُتَّخِذِیْۤ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ
تم اُن کو اُن کے مہر دیدو اس طریقہ پر کہ تم پاک دامنی اختیار کرنے والے ہو، خفیہ طریقے پر دوستی کرنے والے نہ ہو۔ اور جو کوئی شخص ایمان کا انکار کر دے تو اس کے اعمال
فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۟
اکارت ہو گئے اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا۔

اہل کتاب کا کھانا حلال ہے

تفسیر: اس آیت میں چند احکام بیان فرمائے۔ اوّل تو پاکیزہ چیزوں کے حلال کئے جانے کا دوبارہ تذکرہ فرمایا اور لفظ الیوم کا اضافہ فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ طیبات جو پہلے حلال تھیں اب بھی حلال ہیں اُن میں کوئی نسخ واقع نہیں ہوا پھر فرمایا کہ تم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی اُن کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے، جن لوگوں کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی اُن سے یہود و نصاریٰ مُراد ہیں اور اُن کے کھانے کی چیزوں سے ان کا ذبیحہ مراد ہے۔ یہود و نصاریٰ اگر بسم اللہ پڑھ کر کسی ایسے جانور کو ذبح کریں جس کا کھانا اسلام میں حلال ہے اور پھر اس گوشت میں سے مسلمانوں کو کھلائیں تو مسلمان کو اس میں سے کھانا حلال ہے آیت شریفہ میں جو وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ حِلٌّ لَّکُمْ فرمایا ہے اس سے یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ مُراد ہے مطلق کھانا مُراد نہیں کیونکہ روٹی سبزی پھل چاول اور دوسری چیزیں ہر کافر مشرک کی دی ہوئی اور بیچی ہوئی

حلال ہیں اس میں اہل کتاب کی کوئی خصوصیت نہیں اہل کتاب کا ذبیحہ اسی لئے حلال قرار دیا کہ مسلمانوں کی طرح ان کے نزدیک بھی اس جانور کا کھانا حلال نہیں ہے جو ذبح نہ کیا گیا ہو۔ اور جس پر ذبح کے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اگر اہل کتاب قصداً و ارادۃً کسی جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ نہ پڑھیں تو اس کا کھانا مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے سورۃ انعام میں فرمایا ہے وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ (اور ان جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور یہ بڑا گناہ ہے)

اس آیت کے عموم سے ہر اُس جانور کے کھانے کی حُرمت معلوم ہوگئی جس کے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ ذبح کرنے والا مسلم ہو یا کتابی ہاں! اگر مسلم یا کتابی ذبح کرتے وقت بھول کر بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دے تو اس جانور کا کھانا جائز ہے بشرطیکہ اس جانور کا کھانا حلال ہو مسلم اور یہودی اور نصرانی کے علاوہ کسی کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہے اگرچہ وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرے۔

مصنف عبدالرزاق (ص ۴۸۱ ج ۴) میں حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد نقل کیا ہے ان فی المسلم اسم اللہ فان ذبح ونسی اسم اللہ فلیاکل وان ذبح المجوسیُّ وذکر اسم اللہ فلا تاکلہ (مسلمان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا نام ہے اس لئے اگر مسلمان نے ذبح کیا اور اللہ تعالیٰ کا نام لینا بھول گیا تو وہ کھائے اور کوئی مجوسی اللہ تعالیٰ کا نام لیکر ذبح کرے تو اسے نہ کھاؤ) اس میں صاف بتا دیا کہ اگر مجوسی اللہ کا نام لے کر ذبح کرے تب بھی اس کا ذبح حلال نہیں ہے۔ مجوسی (آتش پرست) اور بت پرست بدھ مت وغیرہ کا ذبیحہ حلال نہیں کیونکہ یہ لوگ کتابی نہیں ہیں بلکہ یہودیوں اور نصرانیوں کے بارے میں بھی غور کر لینا چاہئے جو یہودی نصرانی اپنے اس دین پر ہیں جو ان کا دین نزول قرآن کے وقت تھا ان کا ذبیحہ حلال ہے بشرطیکہ اللہ کا نام لے کے ذبح کریں لیکن جو لوگ محض مردم شماری کے لحاظ سے یہودی اور نصرانی کہلاتے ہیں لیکن کسی مذہب کے قائل نہیں نہ خدا تعالیٰ کے وجود کے قائل ہیں نہ توریت انجیل کو خدا تعالیٰ کی کتابیں مانتے ہیں ان کا ذبیحہ حلال نہیں اگرچہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کریں۔ اسی لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نصاریٰ بنی تغلب کے بارے میں فرمایا لا تاکلوا من ذبائح نصاری بنی تغلب فانھم لم یتمسکوا من النصرانیۃ بشئی الاشر بھم الخمر (یعنی بنی تغلب کے نصاریٰ کا ذبیحہ نہ کھاؤ۔ کیونکہ انہوں نے دین نصرانیت میں سے شراب پینے کے سوا کسی چیز کو نہیں پکڑا)

مسئلہ: مرتد (جو اسلام چھوڑ کر کسی دوسرے دین میں داخل ہو جائے) اس کا ذبیحہ حلال نہیں اگرچہ نصرانی یا یہودی ہو گیا ہو۔

مسئلہ: جو لوگ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کو نبی مانتے ہیں ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں۔

مسئلہ: جو لوگ نام کے مسلمان ہیں عقیدۃً ملحد اور زندیق ہیں ضروریات دین کے منکر ہیں یا دین کی کسی چیز کا مذاق اُڑاتے ہیں قرآن کی کسی آیت میں تحریف کرتے ہیں یا تحریف کے قائل ہیں یہ لوگ بھی کافر ہیں ان میں سے کسی کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

جس جانور پر ذبح کرتے وقت قصداً بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو اس کا کھانا حلال نہیں

یہود و نصاریٰ اگر قصداً و ارادۃً اللہ کا نام ذکر کیئے بغیر جانور ذبح کر دیں تو اس جانور کا کھانا مُسلمان کے لئے حلال نہیں جیسا کہ مسلمان کے اس ذبیحہ کا بھی یہی حکم ہے جس کے ذبح کرتے وقت قصداً بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دیا ہو۔ اور اگر غیر اللہ کا نام ذکر کر کے کسی جانور کو ذبح کیا جائے تو اس کا کھانا بھی حلال نہیں۔

نئے مجتہدین کی گمراہی: بعض لوگوں نے جو آیت کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ خود جو کچھ کھاتے ہوں اُس سب کا کھانا مسلمانوں کے لئے حلال ہے خواہ انہوں نے ذبح کیا ہو یا بلا ذبح کے مار دیا ہو خواہ بسم اللہ پڑھی ہو خواہ نہ پڑھی ہو۔ یہ ان مجتہدین کی گمراہی ہے یورپ امریکہ آسٹریلیا وغیرہ میں ایسے گوشت ملتے ہیں جن کے بارے میں یقین ہوتا ہے کہ ان پر نصرانیوں نے ذبح کرتے وقت بسم اللہ نہیں پڑھی پھر بھی وہاں کے رہنے والے یہ کہہ کر کھا جاتے ہیں کہ یہ نصرانیوں کا کھانا ہے اسلیئے ہمارے لئے حلال ہے یہ ان کی جہالت اور ضلالت ہے۔ یہ ان لوگوں کی بڑی ناسمجھی ہے کہ میتۃ موقوذہ نطیحہ متردیہ اس صورت میں مسلمان کے لئے حرام ہو جب اس کے گھر میں مر جائے اور نصرانی یا یہودی کے ہاتھ سے مر جائے تو حلال ہے۔ اللہ تعالیٰ جاہل مُفتیوں سے اُمت کو محفوظ رکھے۔ اگر اہل کتاب کا ہر کھانا بغیر کسی شرط یا بغیر کسی قید حلال مان لیا جائے تو خنزیر اور ہر وہ چیز حلال ہو جائے گی جو وہ کھاتے ہیں العیاذ باللہ! یہ جو فرمایا وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ اس کا مطلب یہ ہے کہ مومنین اگر اپنا کھانا اہل کتاب کو کھلائیں تو یہ درست ہے ان کو اپنا کھانا کھلا سکتے ہیں۔

پاکدامن مؤمنات سے اور کتابی عورتوں سے نکاح کرنا: اس کے بعد فرمایا وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ یعنی پاک دامن مومن عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئیں اُن سے نکاح کرنا درست ہے اس کے بعد فرمایا وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ یعنی تم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی ان میں جو پاکدامن عورتیں ہیں وہ بھی تمہارے لئے حلال ہیں ان سے بھی نکاح کر سکتے ہو۔ معلوم ہوا کہ مسلمان کو پاک دامن یہودی یا نصرانی عورت سے نکاح کرنے کی بھی اجازت ہے۔ اجازت تو ہے لیکن۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے کتابی عورتوں سے نکاح کرنے کی ممانعت: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت ہی میں اس سے روک دیا تھا۔ امام محمد بن الحسن نے کتاب الآثار میں لکھا ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے مدائن میں ایک یہودی عورت سے نکاح کر لیا تھا حضرت عمرؓ کو خبر ملی تو انہوں نے خط لکھا کہ اس کو چھوڑ دو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو خط ملا تو انہوں نے حضرت عمر کو خط لکھا کہ اے امیر المومنین! کیا یہودیہ سے نکاح کرنا حرام ہے حضرت عمر نے جواب میں تحریر فرمایا کہ میں تمہیں مضبوطی کے ساتھ پختہ طور پر حکم دیتا ہوں کہ میرا یہ خط پڑھ کر اس وقت تک نیچے نہ

رکھنا جب تک کہ تم اس عورت کو چھوڑ نہ دو کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ دوسرے مسلمان بھی تمہارا اقتداء کرلیں گے اور اس طرح سے ذمی عورتوں سے نکاح کرنے کو ترجیح دیں گے کیونکہ ان میں حُسن و جمال ہے اور مسلمان عورتوں کو چھوڑ دیں گے اور یہ مسلمان عورتوں کے لئے ایک بہت بڑا فتنہ ہوگا۔ روایت ختم کرنے کے بعد امام محمد لکھتے ہیں۔ وبہ نا خذ لانراہ حواما ولکنا نریٰ ان یختار علیھن نساء المسلمین وھو قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ (یعنی حضرت عمرؓ نے جو فرمایا ہمارا بھی وہی مذہب ہے ہم اس کو حرام تو نہیں قرار دیتے لیکن اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ مسلمان عورتوں سے نکاح کیا جائے اور انہیں یہودی اور نصرانی عورتوں پر ترجیح دی جائے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے)

حضرت عمرؓ نے جو ارشاد فرمایا کہ یہودی اور نصرانی عورتوں سے نکاح کرنے کا سلسلہ جاری ہو جائے تو چونکہ ان میں حُسن و جمال نظر آتا ہے (اگرچہ حسین و جمیل نہ ہوں) اسلئے عموماً لوگ انہی کی طرف مائل ہونگے اور مسلمان عورتوں کو چھوڑ دیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت سی مُسلمان لڑکیاں بے بیاہی رہ جائیں گی ان کا یہ اندیشہ بالکل صحیح تھا آج امریکہ اور یورپ اور آسٹریلیا وغیرہ میں ایسا ہی ہو رہا ہے۔

احقر سے ایک امام صاحب کی ملاقات ہوئی جو کینیڈا میں امامت کے فرائض انجام دیتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ مسلمان لڑکے میرے پاس نکاح پڑھوانے کے لئے آتے ہیں اور سو میں سے تقریباً نوے نکاح ایسے ہوتے ہیں کہ نصرانی لڑکیوں ہی کو نکاح پڑھوانے کے لئے لے آتے ہیں اور مسلمان لڑکیوں کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اور اس سے بڑھ کر آجکل ایک بڑا فتنہ اور ہے اور وہ یہ کہ نصاریٰ اپنے مذہب کے پھیلانے کے لئے جو طریقے سوچتے رہتے ہیں ان میں جہاں مال تقسیم کرنا ہے اور ہسپتال بنانا ہے اور اسکول اور کالج کھولنا ہے وہاں ان کے مشن میں یہ بھی ہے کہ مسلمان لڑکوں کو لڑکیاں پیش کرتے ہیں۔ مسلمان لڑکے یہ کہہ کر کہ ہمارے مذہب میں یہود و نصاریٰ سے نکاح جائز ہے ان سے نکاح کر لیتے ہیں یہ لڑکیاں چونکہ سکھائی پڑھائی ہوتی ہیں اور نکاح کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ شوہر کو اور پیدا ہونے والی اولاد کو نصرانیت پر ڈال دیں اسلئے وہ برابر اپنا کام کرتی رہتی ہیں اور شوہر اور اولاد کو نصرانی بنا کر چھوڑتی ہیں ان حالات کے اعتبار سے بھی ضروری ہے کہ مسلمان اپنے نکاح کے لئے مسلمان عورتیں تلاش کریں اور ان کو ترجیح دیں۔

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کی حلال کی ہوئی چیز سے کیوں منع کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے حلال کو حرام قرار نہیں دیا بلکہ امت کی مصلحت کے پیش نظر منع فرمایا ہے وہ خلفاء راشدین میں سے تھے جن کا اقتداء کرنے کا رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا تھا۔

پھر فرمایا اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ (یعنی پاک دامن عورتیں اور پاک دامن کتابی عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں جبکہ تم ان کے مہر انکو دیدو) معلوم ہوا کہ کتابی عورتوں سے نکاح کیا جائے تو ان کے بھی مہر مقرر کئے جائیں۔ اور ادا بھی کئے جائیں۔

اس بات کو یہاں ذکر کرنے کی اہمیت اسلئے بھی ہے کہ جو یہود و نصاریٰ ذمّی ہیں یعنی مسلمانوں کی عمل داری میں رہتے ہیں اگر ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے تو ان کے مہر ادا کرنے کی بھی فکر کی جائے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ دباؤ میں رہنے کی وجہ سے مہر طلب نہ کریں اس لئے مقررہ مہر کی ادائیگی کی خود فکر کرو۔

پھر فرمایا غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ وَلَا مُتَّخِذِیْٓ اَخْدَانٍ یعنی تم نکاح کر کے پاک دامنی اختیار کرو نہ کھلم کھلا زنا کرنے والے بنو نہ خفیہ طریقے پر دوستی کرنیوالے بنو۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی نفسانی خواہش کو غیر شرعی طریقہ پر پورا نہ کرو۔ نہ کھلے ہوئے زانی بنو اور نہ چھپ چھپا کر عورتوں سے دوستی اور آشنائی پیدا کرو۔ کتابی عورتوں سے نکاح کرنے کا جواز بتانے کے بعد خاص طور سے اس بات کا ذکر فرما دینا کہ علانیہ یا خفیہ زنا نہ کرو اس بات پر تنبیہ ہے کہ ذمّی عورتیں خفیہ آشنائی کی راہیں نکال سکتی ہیں تم ہر طرح کے زنا سے بچو اعلانیہ بھی زنا نہ کرو اور خفیہ بھی۔ اللہ جلّ شانہٗ علام الغیوب ہے اسے ہمیشہ سے سب کچھ معلوم ہے آئندہ کیا کچھ ہونے والا ہے اسے اس سب کا علم ہے۔

دور حاضر میں یورپ اور امریکہ وغیرہ میں جو مردوں اور عورتوں میں دوستی کا سلسلہ چلا ہوا ہے کہ آپس میں فرینڈز بن جاتے ہیں اور برسوں نیچر ملاتے رہتے ہیں حرام کی اولاد پیدا ہوتی رہتی ہے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے پہلے سے اس کی پیش بندی فرمادی کہ پاک دامن کتابی عورتوں سے نکاح تو کر سکتے ہیں لیکن علانیہ زنا یا خفیہ دوستی سے باز رہیں خود بھی پاک دامن رہیں اور بیویاں بھی پاک دامن تلاش کریں۔

مرتد کے اعمال اکارت ہوجاتے ہیں: آخر میں فرمایا وَمَنْ یَّکْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ (اور جو شخص ایمان کا انکار کردے تو اس کا عمل اکارت ہوگیا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا) آخرت کی بربادی ظاہر ہے کیونکہ مرتد ہو یا اصلی کافر اس کے لئے آخرت میں نجات نہیں ہے دائمی عذاب ہے جس کی تفصیلات جگہ جگہ قرآن مجید میں مذکور ہیں۔

مرتد کے احکام سورہ بقرہ کی آیت وَمَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ (الآیۃ) کے ذیل میں بیان کر دیئے گئے ہیں وہاں مراجعت کر لی جائے۔ (دیکھو انوار البیان ص ۴۰۱ جلد ۱)

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ
اے ایمان والو! جب تم نماز کی طرف اُٹھو تو اپنے مونہوں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرلو
وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَیْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ
اور دھولو اپنے پیروں کو ٹخنوں تک، اور اگر حالت جنابت میں ہو تو اچھی طرح سے پاک ہو جاؤ، اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں
اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ
ہو یا تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت کی جگہ سے آیا ہو۔ یا تم نے عورتوں سے قربت کی ہو پھر تم پانی کو نہ پاؤ تو ارادہ کرلو پاک مٹی کا۔

وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ

سو اس سے اپنے چہروں کا اور اپنے ہاتھوں کا مسح کرلو۔ اللہ ارادہ نہیں فرماتا کہ تم پر کوئی تنگی ڈالے لیکن وہ ارادہ فرماتا ہے تا کہ تم کو پاک کرے اور تا کہ تم پر اپنی نعمت

عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۞ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ ۙ اِذْ قُلْتُمْ

پوری کرے تا کہ تم شکر کرو اور اللہ کی نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہے اور اس پختہ عہد کو یاد کرو جو تم نے اللہ سے مضبوطی کے ساتھ کیا ہے جبکہ تم نے کہا کہ

سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۞

ہم نے سنا اور مانا اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ جاننے والا ہے ان باتوں کو جو سینوں میں ہیں۔"

وُضو اور غسل کا حکم اور تیمم کی مشروعیت

تفسیر: ان آیات میں وُضو کا حکم اور اس کا طریقہ بیان فرمایا ہے اول تو وضو کا حکم دیا اور فرمایا کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اپنے چہروں کو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولیا کرو اور سروں کا مسح کرلو اور پاؤں کے ٹخنوں تک دھولیا کرو۔

اِذَا قُمْتُمْ کا مطلب: چونکہ عام طور پر بیٹھے ہوئے اور کام کاج میں لگے ہوئے باوضو نہیں رہتے اسلئے یہ فرمایا کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو منہ اور ہاتھ اور پاؤں دھونے اور سر کا مسح کرنے کا عمل کرلیا کرو۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ پہلے سے وضو ہو تب بھی وضو کرو۔ غالب احوال کے پیش نظر یوں فرمایا ہے کہ جب نماز کی طرف کھڑے ہو تو یہ عمل کرو رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقعہ پر ایک وُضو سے چار نمازیں پڑھی تھی۔ حضرت زید بن اسلم نے فرمایا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب نیند سے اُٹھ کر نماز کے لئے کھڑے ہو تو وضو کرلیا کرو کیونکہ اس وقت تو بالیقین بے وضو ہی ہوتے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس خطاب کا مطلب یہ ہے کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہو تو وضو کرلیا کرو اگر پہلے سے وضو ہے تب بھی وضو کرلینا افضل ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے وُضو پر وضو کیا اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

فقہاء نے لکھا ہے کہ جب پہلے وضو سے کوئی نماز پڑھ لے گا یا ایسا کوئی عمل کرے گا جو بلا وُضو جائز نہیں تب یہ فضیلت حاصل ہوگی، یہ مطلب نہیں ہے کہ وضو پر وضو کرتا رہے اور ان اعمال میں سے کوئی عمل نہ کرے جو باوضو ادا کئے جاتے ہیں۔

وضو کا طریقہ: آیت شریفہ میں وضو کا طریقہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اپنے چہروں کو دھولو۔ چہرہ کی لمبائی پیشانی کے بالوں سے لیکر ٹھوڑی کے نیچے تک ہے اور چوڑائی ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک ہے۔ اگر ڈاڑھی ہلکی ہو تو اس کے نیچے پانی پہنچانا کھال کا دھونا ضروری ہے اور اگر گھنی ڈاڑھی ہو جس میں اندر کی کھال نظر نہ آ رہی ہو تو ڈاڑھی کا اوپر سے دھو دینا کافی ہے۔ بہت سے لوگ ایسا وضو کرتے ہیں کہ کانوں اور رخساروں کے درمیان جگہ سوکھی رہ جاتی ہے ان

لوگوں کا وضو نہیں ہوتا۔

بے وضو ہونے کو حدث اصغر اور غسل فرض ہونے کو حدث اکبر کہا جاتا ہے دونوں حالتوں میں نماز پڑھنا ممنوع ہے اگر کوئی شخص حدث اکبر یا حدث اصغر کی حالت ہوتے ہوئے نماز پڑھ لے گا تو اس کی نماز نہ ہوگی دوبارہ پڑھنا لازمی ہوگا۔ ساری امت کا اس پر اجماع ہے۔ خوب احتیاط کے ساتھ اعضاءِ وضو پر ہر جگہ پانی پہنچانے کا فکر کرنا لازم ہے۔

چہرہ کی حد تو اوپر بیان ہوئی اور ہاتھوں کو انگلیوں سے لیکر کہنیوں سمیت اور پاؤں کو انگلیوں سے لے کر ٹخنوں سمیت دھونا فرض ہے۔ ذرا سی جگہ بھی پانی پہنچے بغیر رہ جائے گی تو وضو نہ ہوگا۔ پورے سر کا مسح کرنا سنت ہے۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ عموماً پورے سر کا مسح فرماتے تھے حدیث شریف میں ہے۔

فاقبل بهما وادبر. بدء بمقدم رأسه حتى ذهب بهما الى قفاه ثم ردّهما حتى رجع الى المكان الذى بدأ منه ثم غسل رجليه

(پس آپ ﷺ دونوں ہاتھوں کو آگے لے آئے پھر پیچھے لے گئے۔ سر کے اگلے حصہ سے مسح کا آغاز کیا یہاں تک کہ دونوں ہاتھوں کو اپنی گدی تک لے گئے پھر انہیں لوٹایا یہاں تک وہاں لوٹ آئے جہاں سے ابتداء کی تھی۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے پاؤں دھوئے) (رواہ البخاری ص ۳۱ جلد نمبر ۱)

اور بعض مرتبہ آپ نے صرف اپنی پیشانی پر یعنی سر کے سامنے کے حصہ پر مسح فرمایا (کما رواہ مسلم عن المغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ عنہ) اسی لئے حضرت امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ پورے سر کا مسح کرنا سنت ہے اور چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے۔

قرآن مجید میں جن چار چیزوں کا ذکر ہے۔ (۱) یعنی چہرہ کا دھونا (۲) ہاتھوں کو دھونا (۳) سر کا مسح کرنا (۴) پاؤں کو دھونا۔ وضو میں یہ چار چیزیں فرض ہیں۔ سر کا مسح ایک ہی مرتبہ کرنا مسنون ہے البتہ چہرہ کا اور ہاتھوں کا پاؤں کا تین تین مرتبہ دھونا سُنت ہے اور ایک مرتبہ دھونے سے فرض ادا ہو جاتا ہے۔ دھونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر جگہ پانی پہنچ جائے۔

وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا تین بار کلی کرنا مسواک کرنا تین بار ناک میں نرم جگہ تک پانی پہنچانا جس کو استنشاق کہتے ہیں اور تین بار ناک کو جھاڑنا اور انگلیوں کا خلال کرنا اور ہاتھ اور پاؤں دھونے میں داہنی طرف سے ابتداء کرنا اور ڈاڑھی کا خلال کرنا۔ مسنون ہے۔ کانوں کا مسح کرنا بھی سُنت ہے کانوں کے اندر کا اور باہر کا مسح کرنا اور کنپٹیوں پر ہاتھ پھیرنا اور کانوں میں مسح کرتے وقت انگلیاں داخل کرنا بھی احادیث سے ثابت ہے۔

فائدہ: جب سو کر اُٹھے تو بغیر دھوئے پانی میں ہاتھ نہ ڈالے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو جب تک اپنا ہاتھ تین بار نہ دھو لے اُسے پانی میں نہ گھسائے کیونکہ اُسے معلوم نہیں کہ رات بھر اُس کا ہاتھ کہاں رہا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

فائدہ: استنشاق کے ساتھ استنثار (یعنی ناک جھاڑنے کا) بھی اہتمام کرنا چاہئے خاص کر جب سو کر اُٹھے تو اس کا اہتمام زیادہ کرے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنی نیند سے بیدار ہو تو اپنی ناک کو جھاڑ لے کیونکہ شیطان رات کو اس کے ناک کے بانسے میں رہتا ہے۔ (رواہ البخاری و مسلم)

فائدہ: وضو میں خوب اچھی طرح پانی پہنچائے چپڑا چپڑی نہ کرے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ معظمہ سے واپس ہوئے۔ چلتے چلتے عصر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ راستہ میں ایک جگہ پانی ملا۔ تو کچھ لوگ جلدی سے آگے بڑھ گئے اور جلدی جلدی وضو کر لیا ہم جب ان کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ انکی ایڑھیاں ظاہر ہو رہی ہیں جن کو پانی نہ پہنچا آنحضرت ﷺ نے انکو دیکھ کر فرمایا کہ ایڑھیوں کے لئے ہلاکت ہے جو دوزخ کی آگ کی صورت میں ظاہر ہو گی۔ اچھی طرح پانی پہنچایا کرو (رواہ مسلم ص ۱۲۵ ۔ واختصرہ البخاری ج ۱ ص ۲۸)

وضو میں پانی خوب اچھی طرح پہنچائے لیکن اسراف کرنا اور ضرورت سے زیادہ بہانا جائز نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا سعدؓ پر گذر ہوا وہ وضو کر رہے تھے آپ نے فرمایا یہ کیا اسراف (فضول خرچی) ہے انہوں نے عرض کیا۔ کیا وضو میں بھی اسراف ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہاں وضو میں بھی اسراف ہے اگر چہ تم جاری نہر پر ہو۔ (رواہ احمد وابن ماجہ کمافی المشکوٰۃ ج ۱ ص ۴۷)

امت محمدیہ کی امتیازی شان: وضو پہلی اُمتوں میں بھی تھا اور اس امت میں بھی ہے لیکن ایک بات میں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو امتیازی شان حاصل ہے اور وہ یہ کہ قیامت کے دن وضو کے اثر کی وجہ سے ان کے ہاتھ پاؤں روشن ہونگے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں سب سے پہلا وہ شخص ہوں جسے قیامت کے دن سجدہ کرنے کی اجازت دی جائے گی اور میں سب سے پہلا وہ شخص ہوں جسے (سجدہ سے) سر اُٹھانے کی اجازت دی جائے گی۔ سر اُٹھا کر میں اپنے آگے دیکھوں گا تو ساری اُمتوں کے درمیان سے اپنی اُمت کو پہچان لوں گا اور پیچھے دیکھوں گا تب بھی اسی طرح پہچان لوں گا اور داہنی طرف دیکھوں گا تب بھی اسی طرح پہچان لوں گا اور بائیں طرف دیکھوں گا تب بھی اسی طرح پہچان لوں گا۔ یہ سن کر ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ تمام اُمتوں کے درمیان سے اپنی اُمت کو کیسے پہچان لیں گے۔ جبکہ نوح علیہ السلام کی اُمت سے لیکر آپ کی امت تک سب اُمتیں موجود ہونگی۔ آپ نے فرمایا کہ میری امت کے لوگوں کے چہرے اور ہاتھ پاؤں وضو کے اثر سے روشن ہوں گے۔ ان کے علاوہ کسی کو بھی یہ بات حاصل نہ ہوگی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۴۰)

غسل جنابت کا حکم اور اس کا طریقہ: وضو کا طریقہ بیان فرمانے کے بعد غسل کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا (اور اگر تم جُنب ہو تو خوب اچھی طرح سے پاکی اختیار کرو) جس مرد یا عورت پر غسل فرض ہو جائے (خواہ میاں بیوی کے ملاپ سے خواہ احتلام ہو جانے سے خواہ اور کسی طرح شہوت کے ساتھ منی خارج ہونے سے) اس پر فرض ہے کہ سر سے پاؤں تک پورے بدن پر ایک بار پانی پہنچائے۔

چونکہ فَاطَّهَّرُوْا مبالغہ پر دلالت کرتا ہے اسلئے حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ غسل فرض میں مضمضہ یعنی ایک

بار کُلی کرنا بھی فرض ہے جب کُلی کرلے تو پورے منہ میں خوب پانی بھر کر حلق تک پہنچائے نیز غُسل فرضی میں استنشاق بھی فرض ہے یعنی ناک میں جہاں تک نرم جگہ ہے وہاں تک کم از کم ایک بار پانی پہنچائے' جب غسل کرنے لگے تو پہلے چھوٹا بڑا استنجاء کرے اور بڑا استنجاء خوب کھل کر کرے تاکہ جہاں تک پانی پہنچ سکے وہاں تک پہنچ جائے اس کے بعد نجاست کو دُور کرے جو بدن پر لگی ہوئی ہے اس کے بعد وُضو کرے جیسا کہ وُضو کا مسنون طریقہ ہے اور مضمضہ و استنشاق میں مبالغہ کرے اگر روزہ نہ ہو پھر تین بار سارے بدن پر پانی پہنچائے غسل فرض ہے ایک بار ہر جگہ پانی پہنچانا فرض ہے اور تین بار سُنّت ہے۔ (غیر فرض غسل کرے تو اس میں بھی تین بار پانی بہانا سُنّت ہے) ناف میں بغلوں اور جس جگہ بغیر دھیان کئے پانی نہ پہنچنے کا اندیشہ ہو وہاں خوب دھیان سے پانی پہنچائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہے لہٰذا بالوں کو دھوؤ اور جس جگہ پر بال نہیں ہیں اس کو صاف کرو (یعنی اچھی طرح پانی پہنچاؤ تاکہ میل کچیل بھی دُور ہو جائے)

رواہ الترمذی وابوداؤد

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ غسل جنابت میں جس نے ایک بال کے برابر بھی جگہ چھوڑ دی تو اُسے دوزخ میں ایسا ایسا عذاب دیا جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس ڈر سے سر پر بال ہی نہیں رکھتے تھے ایسا نہ ہو کہ غسل فرض میں کسی جگہ پانی پہنچنے سے رَہ جائے اور جَنابت دُور نہ ہو' حدیث بالا بیان فرما کر اُنہوں نے تین بار فرمایا کہ میں نے اسی لئے اپنے سر سے دشمنی کر رکھی ہے (بال بڑھنے نہیں دیتا مُنڈا تار رہتا ہوں)

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸)

مسئلہ: غسل فرض ہونے کے لئے میاں بیوی کے ملاپ میں یہ ضروری نہیں ہے کہ منی خارج ہو صرف حشفہ (یعنی سپاری) غائب ہونے سے مرد عورت دونوں پر غسل فرض ہو جاتا ہے۔ البتہ احتلام ہونے کی حالت میں منی خارج ہونے سے غسل فرض ہو جاتا ہے۔

فائدہ: جس طرح جنابت کی وجہ سے غسل فرض ہو جاتا ہے اسی طرح حیض اور نفاس کے ختم ہونے سے بھی غسل فرض ہو جاتا ہے اور اس غسل کا طریقہ بھی وہ ہی ہے جو اوپر غسل جنابت میں بیان ہوا۔

تیمّم کا بیان: غسل جنابت کا حکم دینے اور اجمالاً اس کا طریقہ بتانے کے بعد تیمم کی اجازت ذکر فرمائی اور ارشاد فرمایا وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ (آخر تک) اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں ہو یا آئے تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت کی جگہ سے یا تم نے عورتوں سے قُربت کی ہو اور پھر تم پانی نہ پاؤ تو ارادہ کرلو پاک مٹی کا سو اُس سے اپنے چہروں کا اور اپنے ہاتھوں کا مسح کرلو۔ تیمم کا طریقہ اور اس کے ضروری مسائل آیت سورۂ نساء يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

لَاتَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ (ع ۷) کی تفسیر میں بیان ہو چکے ہیں اس کی مراجعت کر لی جائے۔

پھر فرمایا مَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰکِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَھِّرَکُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ٥ (اللہ ارادہ نہیں فرماتا کہ تم پر کوئی تنگی ڈالے لیکن وہ ارادہ فرماتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور تم پر اپنی نعمت پوری کرے تاکہ تم اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو جو تم پر ہے)۔ اوپر جو وضو اور غسل کا حکم ہوا اور پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کی جو اجازت مذکور ہوئی اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو تم پر حدثِ اصغر ہو جانے پر وضو اور حدثِ اکبر ہو جانے پر غسل فرض فرمایا اس میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ نہیں ہے کہ تمہیں تنگی میں ڈالے لیکن اس کا ارادہ یہ ہے کہ تمہیں پاک کرے۔ لِیُطَھِّرَکُمْ سے دونوں قسم کی طہارت مراد لی جاسکتی ہے طہارت ظاہری بھی اور طہارت باطنی بھی۔ طہارت ظاہری یہ ہے کہ نجاست حکمیہ (حدثِ اکبر و حدثِ اصغر) دور ہو جائے اور طہارت باطنی یہ ہے کہ گناہ معاف ہو جائیں۔

وضو اور تیمم حکم تطہیر میں برابر ہیں: اللہ تعالیٰ کا مزید فضل یہ ہے کہ پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کو بھی وضو اور غسل کے قائم مقام قرار دے دیا۔ نجاست حکمیہ جیسے وضو اور غسل سے دُور ہو جاتی ہے تیمم سے بھی دُور ہو جاتی ہے اور جو کام پانی سے وضو غسل کرنے والے کے لئے جائز ہو جاتے ہیں (مثلاً نماز پڑھنا' طواف کرنا' قرآن مجید کا چھونا) تیمم کے ذریعہ بھی جائز ہو جاتے ہیں جب تک پانی نہ ملے اور کوئی ناقض وضو اور موجب غسل پیش نہ آجائے تیمم سے وہ سب کام جائز رہتے ہیں جو وضو اور غسل کرنے سے جائز ہوتے ہیں جب تیمم کر لیا تو اس سے جتنی چاہئے فرض نفل نمازیں پڑھنے کا اختیار ہے پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کی اجازت ہونا مستقل ایک نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

پھر جیسے نماز پڑھنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں اسی طرح وضو کرنے سے بھی معاف ہوتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا اس کے جسم سے اس کے گناہ نکل جائیں گے یہاں تک اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی نکل جائیں گے۔ (رواہ مسلم ج ۱ ص ۱۲۵)

وضو غسل اور تیمم کا حکم فرمانے میں جہاں ظاہری اور باطنی طہارت کا فائدہ ہے وہاں اتمام نعمت کا فائدہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے نماز وضو غسل اور تیمم کا حکم دے کر اپنی نعمت کامل فرمادی۔ یہ نعمت عزیمت کو بھی شامل ہے اور رخصت کو بھی' جب اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت پوری فرمادی تو شکر لازم ہوا اسلئے اخیر میں لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ فرمایا۔

اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو: پھر فرمایا وَاذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو جن سے اس نے تمہیں نوازا ہے یہ نعمتیں ظاہری بھی ہیں اور باطنی بھی' جسمانی بھی ہیں اور روحانی بھی' مزید فرمایا وَمِیْثَاقَہُ الَّذِیْ وَاثَقَکُمْ بِہٖ کہ اللہ کے اس عہد کو یاد کرو جو تم نے مضبوطی کے ساتھ عہد کیا جب تم سے عہد لیا تو تم نے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا

کہہ کر پکا اور مضبوط عہد کرلیا۔ صاحب روح المعانی ج ۶ ص ۸ لکھتے ہیں کہ اس سے وہ عہد مراد ہے جو ۱۳ نبوی میں لیلۃ العقبہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے لیا تھا جو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور ہے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس پر بیعت کی کہ ہم بات سنیں گے اور فرماں برداری کریں گے۔ آسانی میں بھی اور سختی میں بھی خوشی میں بھی اور ناگواری میں بھی (یعنی اگر کوئی حکم نفسوں کو ناگوار ہوگا تب بھی عمل کریں گے) (اخرجہ مسلم ج ۲ ص ۱۲۵)

اس کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یثاق مذکور سے بیعت رضوان بھی مراد ہو سکتی ہے جو حدیبیہ کے موقع پر ہوئی تھی (جس کا ذکر سورۂ فتح کے تیسرے رکوع کے شروع میں ہے) پھر لکھتے ہیں کہ چونکہ یہ بیعت اللہ کی طرف سے تھی اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر تھی اسلئے اس یثاق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف فرمائی کما بہ نطق قولہ تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ۔ چونکہ ہر مسلمان جب توحید اور رسالت پر ایمان لانے کا اقرار کرتا ہے تو ہر بات کے ماننے اور ہر حکم کے تسلیم کرنے کا اعلان کردیتا ہے۔ اسلئے یثاق مذکور سے تمام مسلمانوں کا توحید و رسالت کا اقرار اور اعلان مراد لینا مناسب ہے اور یہ اقرار ہی پختہ عہد ہے لہٰذا لیلۃ العقبۃ یا حُدَیبیہ کے موقع کی بیعت مراد لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

آخر میں فرمایا کہ وَاتَّقُوا اللّٰہَ کہ (اللہ سے ڈرو) اس کی نعمتوں کو نہ بھول جاؤ اور اس سے جو پختہ عہد کیا ہے اسے نہ توڑو۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ٥ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ سینوں کی اندر کی چیزوں کو جانتا ہے) اسے ظاہری اعمال کا بھی علم ہے اور دلوں کے ارادوں اور نیتوں کی بھی اسے خبر ہے وہ حساب لے گا اور بدلہ دے گا۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ٘ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى
اے ایمان والو! اللہ کے لئے پوری پابندی کرنے والے انصاف کے ساتھ شہادت ادا کرنے والے ہو جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ہرگز اس بات پر آمادہ
اَلَّا تَعْدِلُوْا١ؕ اِعْدِلُوْا١۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى٘ وَاتَّقُوا اللّٰهَ١ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۸
نہ کردے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ ان کاموں سے باخبر ہے جنہیں تم کرتے ہو
وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ١ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ۹ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا
اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ فرمایا جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے کہ ان کے لئے مغفرت ہے اور اجر عظیم ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری
بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ۱۰
آیات کو جھٹلایا یہ لوگ دوزخ والے ہیں

انصاف پر قائم ہونے کا حکم

تفسیر: سورہ نساء میں فرمایا ہے یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ کہ اللہ کے لئے خوب انصاف کے ساتھ قائم رہنے والے بنو اگرچہ انصاف تمہارے اپنی جانوں یا تمہارے ماں باپ یا تمہارے رشتہ داروں کے خلاف پڑ جائے اور یہاں فرمایا ہے یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا (یعنی ہو جاؤ اچھی طرح سے کھڑے ہو جانے والے اللہ کے لئے" گواہی دینے والے انصاف کے ساتھ' اور تمہیں کسی قوم کا بغض ہرگز اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم انصاف نہ کرو) بات یہ ہے کہ انسان کو عدل و انصاف سے اور سچی گواہی دینے سے روکنے والی دو چیزیں ہوتی ہیں ایک تو اپنا نفس اور اپنے قرابت والوں اور دوستوں کی طرف داری' دوسرے کسی قوم کی دشمنی۔ سورہ نساء میں جس بات کی طرف توجہ دلائی ہے وہ یہ ہے کہ اپنی جانوں اور رشتہ داروں کی رعایت کر کے سچی گواہی سے نہ رُکنا اور عدل و انصاف کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دینا' اور سورہ مائدہ کی اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ کسی قوم کا بُغض اور دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم عدل و انصاف نہ کرو' مسلمان کے خاص اوصاف میں سے یہ بھی ہے کہ ہمیشہ حق کا ساتھ دے حق کی گواہی دے کبھی کسی حالت میں بھی عدل و انصاف کو نہ چھوڑے مزید تشریح و توضیح کے لئے سورہ نساء کی آیت مذکورہ کی تفسیر اور سورہ مائدہ کی آیت وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

پھر فرمایا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (انصاف تقویٰ سے قریب تر ہے) جب کوئی شخص عدل و انصاف کی صفت سے متصف ہوگا تو تقویٰ کی صفت سے بھی متصف ہوگا۔ عدل تقویٰ کی طرف اور تقویٰ عدل کی طرف کھینچتا ہے پھر فرمایا۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ اس میں یہ بتایا کہ قیامت کی پیشی کا دھیان رکھو اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے جب اللہ کا خوف ہوگا اور یہ یقین ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے عمل کا علم ہے' روز جزا میں پیشی ہوگی اور اعمال کے بدلے ملیں گے تو جھوٹی گواہی سے بچنا سچی گواہی دینا اور انصاف کرنا آسان ہوگا۔

اس کے بعد ان لوگوں سے اجر عظیم اور مغفرت کا وعدہ فرمایا جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ اختیار کئے' اور جن لوگوں نے کفر کیا اور آیات الٰہیہ کو جھٹلایا اُن کے بارے میں فرمایا کہ یہ دوزخ والے ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ فَكَفَّ

اے ایمان والو! تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اُسے یاد کرو' جبکہ ایک قوم نے تم پر دست درازی کا ارادہ کیا سو اس نے ان کے

اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

ہاتھوں کو تم تک پہنچنے سے روک دیا' اور اللہ سے ڈرو اور ایمان والے اللہ ہی پر بھروسہ کریں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا ایک خاص واقعہ اور اللہ کی نعمت کی یاد دہانی

تفسیر: اسباب النزول ص ۱۸۶ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص جس کا نام غورث تھا اس نے اپنی قوم بنی غطفان اور بنی محارب سے کہا کہ کیا میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل نہ کر دوں؟ وہ لوگ کہنے لگے کہ تو کیسے قتل کرے گا اس نے کہا کہ اچانک ایسی صورت بنا کر قتل کر دوں گا کہ اس کی طرف دھیان بھی نہ جائے گا۔ یہ کہہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اُس وقت آپ کی گود میں آپکی تلوار تھی۔ یہ شخص کہنے لگا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں آپ کی تلوار کو دیکھ سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں دیکھ لے! اُس نے تلوار لے لی اور نیام سے باہر نکال لی وہ ہاتھ میں تلوار لے کر ہلاتا رہا۔ اور ارادہ کرتا رہا کہ آپ پر حملہ کرے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے ارادہ میں ناکامی ہوتی رہی۔ پھر وہ کہنے لگا اے محمد! کیا آپ مجھ سے نہیں ڈرتے آپ نے فرمایا نہیں! کہنے لگا کہ آپ مجھ سے نہیں ڈرتے حالانکہ میرے ہاتھ میں تلوار ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ میری حفاظت فرمائے گا اُس کے بعد اُس نے تلوار نیام میں رکھ دی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس کر دی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت بالا نازل فرمائی۔

اللہ جل شانہٗ نے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نعمت یاد دلائی کہ اس نے ان کے نبی کی حفاظت فرمائی جس میں اُمت پر بھی انعام واحسان ہے۔

تقویٰ اور توکل کا حکم: آخر میں تقویٰ کا حکم دیا اور ساتھ ہی توکل کا حکم فرمایا کہ اہل ایمان کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے تقویٰ اور توکل بہت بڑی چیزیں ہیں۔ اہل ایمان کے سب کام ان دونوں سے چلتے ہیں جسے اللہ پر توکل ہو وہ مخلوق سے نہیں ڈرتا۔ تقویٰ گناہوں سے بچنے کا نام ہے۔ جو شخص اللہ کی رضا کے لئے گناہوں سے بچے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر مشکل سے بچنے کا راستہ نکال دے گا۔

سورہ طلاق میں فرمایا وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (اور جو شخص اللہ سے ڈرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے مشکلوں سے نکلنے کا راستہ بنا دیگا اور اللہ اس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہو اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے اللہ اس کے لئے کافی ہے)

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ

اور بلا شبہ اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ہم نے اُن میں سے بارہ نمائندے بھیجے اور اللہ نے فرمایا

إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ

کہ بلا شبہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور اُن کی مدد کرو اور

اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

اللہ کو اچھے طور پر قرض دیتے رہو میں ضرور تمہارے گناہوں کا کفارہ کردوں گا اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے

الْأَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿۱۲﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ

نہریں جاری ہوں گی۔ سو اس کے بعد تم میں سے جو شخص کفر اختیار کرے وہ راہ راست سے دور جا پڑا، سو اُن کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے

لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قٰسِيَةً ۖ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ ۙ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا

اُن کو ملعون قرار دے دیا اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت بنا دیا وہ کلمات کو اُن کے مواقع سے بدل دیتے ہیں اور وہ اس نصیحت کا بہت بڑا حصہ

ذُكِّرُوا بِهِ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَائِنَةٍ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۚ

بھول گئے جو انہیں کی گئی تھیں اور آپ برابر ان کی طرف سے کسی نہ کسی خیانت پر مطلع ہوتے رہیں گے باستثناء تھوڑے سے لوگوں کے سو آپ انہیں معاف فرمائیے اور در گزر کیجئے

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۳﴾

بلا شبہ اللہ خوبی کا معاملہ کرنے والے کو پسند فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل سے عہد لینا پھر اُن کا عہد کو توڑ دینا

تفسیر: اس سے پہلے مسلمانوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ جو اللہ سے عہد کیا ہے اور سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا کہہ کر جو فرمانبرداری کرنے کی ذمہ داری لے لی ہے اس کو پورا کرو۔ ان آیات میں بنی اسرائیل سے جو عہد لیا تھا اس عہد کو پورا کرنے پر جس انعام کا وعدہ فرمایا تھا اس کا ذکر ہے پھر اس عہد شکنی پر جو انہیں سزا ملی اس کا تذکرہ فرمایا' اس میں مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ عہد پورا نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت ہو جاتی ہے ایسا نہ کرو کہ عہد شکنی کر کے اپنے اوپر وبال آنے کا ذریعہ بن جاؤ۔

اول یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا (جو اُن کے نبی سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ سے لیا گیا تھا) پھر فرمایا کہ ہم نے اُن میں سے بارہ سردار مقرر کر دیئے (بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے ہر ہر قبیلہ کا ایک سردار مقرر فرما دیا جو اُن کو اللہ کے عہد یاد دلاتا رہے اور عہد پر چلنے کی تلقین کرتا رہے) اللہ تعالیٰ شانہٗ نے یہ بھی فرمایا کہ بلا شبہ میں تمہارے ساتھ ہوں مجھے تمہارے ہر عمل کی خبر ہے نیکی اور گناہ ہر چیز کا علم ہے۔

بنی اسرائیل سے جو عہد لیا تھا اُسے لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ سے قَرْضًا حَسَنًا تک بیان فرمایا پھر لَأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ

سے تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ تک عہد پورا کرنے کا اجر بتایا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم نماز قائم کرتے رہے اور زکوٰۃ دیتے رہے اور میرے رسولوں پر ایمان لائے اور رسولوں کی مدد کرتے رہے اور اللہ کو قرض اچھا دیتے رہے تو تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کردوں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی۔ معلوم ہوا کہ نماز اور زکوٰۃ کا حکم پہلی اُمتوں کو بھی تھا' رسولوں پر ایمان لانے اور ان کی مدد کرنے کا عہد اسلئے لیا کہ بنی اسرائیل میں بہت سے نبی ہوئے ایک نبی چلا جاتا تو دوسرا آ جاتا۔ جیسا کہ عنقریب ہی آیت کریمہ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا میں اس کا بیان آ رہا ہے ان شاء اللہ العزیز!

جب کوئی نبی آ جاتا تو اس پر ایمان لانا اور اسکی مدد کرنا اُن پر فرض ہو جاتا تھا حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا اور ان کے بعد خاتم الانبیاء سید المرسلین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی لیکن بنی اسرائیل عموماً ان دونوں رسولوں کی رسالت کے منکر ہو گئے۔

یہ جو فرمایا وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا اس کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے مصارف الخیر میں بھی خرچ کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ نے اسکو قرض حَسن سے تعبیر فرمایا قرض اسلئے فرمایا کہ اس کا بدلہ اُدھار ہے جو آخرت میں ملے گا اور حَسن اسلئے فرمایا کہ وہ بدلہ بہت بڑا ہے ذرا سا خرچ کرنے پر آخرت میں بڑے بڑے اجور ملیں گے۔

سورۂ حدید میں فرمایا مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ (کون ہے جو قرض دے اللہ کو اچھا قرض سو اللہ بڑھا دے اُسے چند در چند اور اس کے لئے اجر ہے بہت عمدہ) یہ اللہ پاک کا کتنا بڑا احسان ہے کہ مال اسی کا دیا ہوا ہے جب کوئی اسے خرچ کرتا ہے (اور خرچ بھی اپنوں پر یا اپنے ہم جنس دوسرے افراد پر) تو اللہ تعالیٰ اسکو اپنے ذمہ قرض شمار فرما لیتا ہے جس نے دیا اُسے تو پورا اختیار ہے کہ سارے مال کو خرچ کرنے کا حکم فرما دے اور ذرا سا بھی اجر نہ دے لیکن یہ محض اس کا کرم ہے کہ جو کچھ اسکی رضا کے لئے خرچ کیا جائے اُسے اپنے ذمہ قرض شمار فرما لیا اور اس کا اجر خوب بڑھا چڑھا کر دینے کا وعدہ فرمایا۔

پھر فرمایا فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ (کہ اس کے بعد جو شخص تم میں سے کفر اختیار کرے سو وہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا) عہد لیتے وقت یہ تنبیہ فرما دی تھی لیکن انہوں نے عہد کو توڑ دیا جس کا ذکر آئندہ آیت میں ہے۔

بنی اسرائیل کی عہد شکنی کا وبال: پھر بنی اسرائیل کی عہد شکنی اور اس کے وبال کا تذکرہ فرمایا فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِیَةً یعنی چونکہ انہوں نے عہد کو توڑ دیا اسلئے ہم نے ان پر لعنت کر دی یعنی اپنی رحمت سے دُور کر دیا اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ جن میں حق ماننے اور حق کی طرف متوجہ ہونے اور حق قبول

کرنے کی صلاحیت ہی نہ رہی اس ملعونیت اور قساوت قلب کی وجہ سے وہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب بھی کرتے تھے اور انہیں قتل بھی کرتے تھے اپنی اسی عادت کے مطابق انہوں نے خاتم النبیین ﷺ کی بھی تکذیب کی اور یہ جانتے ہوئے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں حضرت کے منکر ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ○ (بلکہ اللہ نے اُن کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کردی سو ان میں کم ہیں جو مومن ہوں گے) اُن کی قساوت قلبی کا ذکر فرماتے ہوئے سورہ بقرہ میں فرمایا ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً (اور پھر تمہارے دل سخت ہو گئے سو وہ پتھروں کی طرح ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت ہیں) جب انسان بار بار گناہ پر گناہ کرتا رہے تو اس میں سرکشی کی شان پیدا ہو جاتی ہے اور اس سرکشی سے دل میں قساوت اور سختی آ جاتی ہے جس کی وجہ سے توبہ کی طرف توجہ نہیں ہوتی اور موعظت اور نصیحت کی بات بھی بُری لگتی ہے اللہ پاک نے اہل ایمان کو توجہ دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ (کیا ایمان والوں کے لئے اس کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی نصیحت کے لئے اور جو دین حق نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جائیں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے پہلے کتاب ملی تھی پھر ان پر ایک زمانہ دراز گذر گیا پھر ان کے دل سخت ہو گئے اور بہت سے آدمی ان میں سے فاسق ہیں)

یہودیوں کا توریت شریف میں تحریف کرنا: مزید یہود کی شناعت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ (یہ لوگ کلمات کو بدلتے ہیں اُن کے مواقع سے اور انہوں نے ایک بڑا حصہ چھوڑ دیا جس کے ذریعہ انہیں نصیحت کی گئی) اس میں یہودیوں کی قساوت قلبی اور سخت دلی کا بیان فرمایا کہ ان کے دل ایسے سخت ہو گئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو بدل دیا۔ ان کے علماء توریت شریف کو بدلتے تھے اور جو کچھ اپنے پاس سے بناتے اور لکھتے تھے اپنی عوام سے کہتے تھے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ عوام کو راضی رکھ کر اُن سے پیسے لینا اور علم کی بجائے ان کو جہل میں مبتلا کر دینا اور ہدایت کی بجائے انہیں گمراہی پر ڈالنا اور اللہ سے نہ ڈرنا آخرت کے حساب و کتاب سے بے پرواہ ہو جانا کتنی بڑی قساوت ہے لیکن انہیں اس کا کچھ احساس نہیں۔

جب تحریف کرلی تو توریت شریف کا بہت بڑا حصہ ان کے حافظہ سے نکل گیا جو شخص اپنی تحریف کو اصل میں ملانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اصل کتاب کے الفاظ و معانی سے محروم ہو جاتا ہے۔

یہودیوں کی خیانتیں: پھر فرمایا وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ (اور آپ ہمیشہ ان کی طرف سے کسی نہ کسی خیانت پر مطلع ہوتے رہیں گے۔ سوائے تھوڑے سے لوگوں کے) اس میں یہود کی خیانت بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ برابر یہ خیانتیں کرتے رہیں گے اور آپ کو ان کی خیانتوں کا علم ہوتا رہے گا خیانت ان کے مزاج میں

داخل ہو گئی ہے ان کے اسلاف نے خیانتیں کیں۔ حد یہ کے اللہ کی کتاب میں بھی تحریف کر بیٹھے جو بہت بڑی خیانت ہے۔ ان کے اخلاف (موجودہ یہودی) اس عادت کو چھوڑیں گے نہیں ہاں ان میں سے چند لوگ جو مسلمان ہو گئے ہیں (حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ) یہ حضرات خیانت سے دُور ہو گئے اور صفت ایمان نے ان کو امانت دار بنا دیا۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ٥ (آپ انکو معاف کیجئے اور ان سے درگذر کیجئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوبی کا معاملہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے)

صاحب روح المعانی ج۶ ص۹۰ اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں اَیْ اِذَا تَابُوْا اَوْ بذلوا الجزیۃ۔ یعنی جب وہ توبہ کر لیں (اسلام قبول کر لیں اور خیانت سے باز آ جائیں) یا جزیہ دیکر عہد کی پابندی کرتے رہیں تو ان کو معاف کیجئے درگذر کیجئے اگر یہ معنی لئے جائیں تو آیت میں کوئی نسخ نہیں ہے اس کے بعد صاحب روح المعانی نے علامہ طبری سے یہ نقل کیا ہے کہ معافی اور درگذر کرنے کا حکم پہلے تھا۔ جب کافروں سے جنگ کرنے کا حکم آ گیا تو منسوخ ہو گیا۔ صاحب بیان القرآن رحمہ اللہ اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب تک شرعی ضرورت نہ ہو ان کی خیانتوں کا اظہار اور ان کی فضیحت نہ کیجئے یہ معنی اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ سے قریب تر ہے۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ

اور جن لوگوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں ان سے ہم نے پختہ عہد لیا سو وہ اس چیز کا بڑا حصہ بھول گئے جس کے ذریعہ ان کو نصیحت کی گئی

الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾

سو ہم نے قیامت کے دن تک ان کے درمیان دشمنی اور بُغض کو ڈال دیا اور عنقریب اللہ انہیں جتلا دیگا جو کام وہ کیا کرتے تھے اے اہل کتاب تحقیق آیا

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ

تمہارے پاس ہمارا رسول جو تم سے بہت سی ان چیزوں کو بیان کرتا ہے جن کو تم اللہ کی کتاب میں سے چھپاتے تھے اور بہت سی چیزوں سے درگذر کرتا ہے بے شک

وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ

تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور ایک ایسی کتاب آئی ہے جو واضح بیان کرنے والی ہے اللہ اس کے ذریعہ ان لوگوں کو سلامتی کے راستے بتاتا ہے

رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ

جو اُس کی رضا مندی کی طلب میں لگے رہتے ہیں اور ان کو اپنے حکم سے اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا ہے اور انہیں سیدھے

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ

راستہ کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ البتہ تحقیق انہوں نے کفر کیا جنہوں نے یوں کہا کہ بیشک اللہ مسیح ابن مریم ہے آپ فرما دیجئے کہ اگر

اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ

اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم اور ان کی والدہ کو اور جو کچھ بھی زمین میں ہے ان سب کو ہلاک فرمانے کا ارادہ فرمائے تو کون ہے جو انہیں اللہ سے بچا سکے اور اللہ ہی کے لئے ہے

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾

ملک آسمانوں کا اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے وہ پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

نصاریٰ سے عہد لینا اور اُن کا اسکو بھول جانا

تفسیر: ان آیات میں نصاریٰ کی طرف روئے سُخن ہے ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں ان سے بھی ہم نے پختہ عہد لیا وہ لوگ بھی عہد پر قائم نہ رہے جو کچھ ان کو نصیحتیں کی گئی تھیں ان میں سے ایک بہت بڑا حصہ بھول گئے ان کے اس عہد کو توڑنے اور جو نصیحتیں کی گئی تھیں ان کے بھولنے کی وجہ سے ہم نے ان کے درمیان دشمنی اور بغض کو ڈال دیا وہ قیامت تک آپس میں دشمن رہیں گے اور ایک دوسرے سے بُغض رکھیں گے نصاریٰ میں متعدد فرقے تھے اور اب بھی ہیں ان میں سے بعض کا یہ کہنا تھا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہے اس طرح سے اتحادِ ذاتی کے قائل تھے اور ایک فرقہ کہتا تھا کہ تین معبود ہیں اللہ اور مریمؑ اور عیسیٰ ابن مریم یہود کی طرح نصاریٰ بھی نصیحت کا بہت بڑا حصہ چھوڑ بیٹھے اور اُسے بھول بھلیاں کر دیا۔ اسی نصیحت میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا بھی تھا جن کے بعثت کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی اور جن کی نبوت اور رسالت کی خبر توریت اور انجیل میں دی گئی تھی (اَلَّذِيْنَ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِى التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ) اس عہد شکنی اور خلاف ورزی کی انہیں سزا مل گئی اور ملتی رہے گی۔ پھر ارشاد فرمایا وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ یعنی عنقریب اللہ انہیں جتلا دے گا جو کام وہ کیا کرتے تھے۔

اس کے بعد اہل کتاب (یعنی یہود و نصاریٰ دونوں) کو خطاب فرمایا کہ اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول ﷺ آیا ہے وہ بہت سی وہ باتیں بیان کرتا ہے جو اللہ کی کتاب میں سے تم چھپاتے تھے۔ اور بہت سی چیزوں سے درگذر کرتا ہے اس رسول کا اتباع فرض ہے۔ مزید فرمایا کہ تمہارے پاس اللہ کا نور آیا ہے اور واضح بیان کرنے والی کتاب آئی ہے نور سے مُراد سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے اور کتاب مُبین سے قرآن کریم مراد ہے دونوں کے ذریعہ اللہ سلامتی کے راستہ کی ہدایت فرماتا ہے یہ ہدایت ان لوگوں کو ملتی ہے جو رضاءِ الٰہی کے طالب ہوں اللہ تعالیٰ انکو ہدایت بھی دیتا ہے اور طرح طرح کی اندھیریوں سے نکال کر (جو شرک و کفر کی صورت میں باطل افکار اور اہواء کی وجہ سے انسان کو گھیر لیتی ہیں) نور کی طرف لے آتا ہے۔ کفر کے راستے چونکہ بہت سے ہیں اسلئے لفظ ظُلُمَات بصیغۂ جمع استعمال فرمایا اور نور چونکہ ایک ہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ہدایت اسلئے لفظ نور کو واحد لایا گیا۔

نصاریٰ کا کفر جنہوں نے مسیح ابن مریم کو معبود بنایا: اس کے بعد نصاریٰ کی گمراہی بیان فرمائی ان میں سے ایک فریق کہتا تھا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے ان کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم کو اور اس کی ماں کو اور روئے زمین کے تمام افراد کو ہلاک کرنا چاہے تو انہیں کون بچا سکتا ہے چونکہ وہ لوگ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ علیہما السلام کی موت کے قائل تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ ان کو اللہ نے موت دی ہے اسلئے ان سے سوال کرکے خود ان ہی پر حجت قائم کی گئی جسے موت آ جائے وہ کیسے خدا ہو سکتا ہے۔ (اور لفظ ''ان اراد'' اس لئے فرمایا کہ حضرت مسیح علیہ السلام ابھی تک زندہ ہیں (اگر چہ یہود و نصاریٰ ان کی موت سے قائل ہیں)

پھر فرمایا وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا کہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے، جو مملوک ہو وہ کیسے معبود ہو سکتا ہے اور اپنے خالق کے ساتھ اُلوہیت میں کیسے شریک ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے وہ جو چاہے پیدا فرمائے اس نے مریم کو بھی پیدا فرمایا اور مریم کے بیٹے عیسیٰؑ کو بھی پیدا فرمایا چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش عادت معروفہ کے مطابق نہ تھی اسلئے وہ ان کو خدا اور خدا کا بیٹا کہنے لگے۔ مخلوق معبود نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کا وجود اس کے خالق کا دیا ہوا ہے۔ خالق جل مجدہٗ نے جس طرح بھی وجود دیا ہو بہر حال مخلوق مخلوق ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرما کر اپنی قدرت دکھا دی اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عین خُدا یا مستقل معبود ہو جائیں۔

رسول اللہ ﷺ نور بھی تھے اور بشر بھی: آیت بالا میں جو قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ فرمایا ہے اس میں نور سے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی مُراد ہے۔ نور روشنی کو کہتے ہیں آپ کی تشریف آوری سے پہلے سارا عالم کفر و شرک کی تاریکیوں سے بھرا ہوا تھا توحید کے ماننے والے خال خال ہی دنیا کے کسی گوشہ میں اکا دُکا پائے جاتے تھے، خاتم النبیین شمس الرسالۃ سیدنا محمد رسول ﷺ مبعوث ہوئے تو آپ نے توحید کی دعوت دی اور اس بارے میں بہت زیادہ محنت کی اور بڑی بڑی مشقتیں اُٹھائیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سارا عالم جگمگا اُٹھا کفر و شرک کی ظلمتیں چھٹ گئیں اور ایمان و یقین کے نور سے قلوب منور ہو گئے۔

بَلَغَ الْعُلٰى بِكَمَالِهٖ كَشَفَ الدُّجٰى بِجَمَالِهٖ حَسُنَتْ جَمِيْعُ خِصَالِهٖ صَلُّوْا عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ

آپ ﷺ اپنے کمال سے بلندیوں پر پہنچ گئے آپ ﷺ کے حُسن سے اندھیرے چھٹ گئے آپ کی تمام ادائیں حسین ہیں تم سب آپ ﷺ اور آپ کی آل پر درود پڑھو۔

بہت سے لوگ نور ہونے کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ آپ بشر نہیں تھے ان کی اس جاہلانہ بات سے قرآن کریم کی یہ آیت قُلْ سُبْحَانَ رَبِّىْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (آپ فرما دیجئے کہ میں اپنے رب کی پاکی بیان کرتا ہوں میں نہیں ہوں مگر بشر رسول) کا انکار لازم آتا ہے اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ آپ فرما دیں کہ بشر ہوں رسول ہوں۔ لیکن محبت کے دعوے دار کہتے ہیں کہ بشر نہیں تھے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو جھٹلاتے ہیں پھر بھی اسلام کے دعوے دار ہیں اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔

فائدہ: یہ جو فرمایا یَهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا طالب ہوگا اللہ تعالیٰ اسے ضرور ہدایت عطا فرمائے گا جو لوگ اسلام کے مخالف ہیں اور جو لوگ مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں (لیکن ضروریات دین کے منکر ہیں) انہیں علماء اسلام متنبہ کرتے ہیں کہ تمہارے عقائد کفریہ ہیں لیکن انہوں نے ضد اور عناد پر کمر باندھ رکھی ہے ہداھم اللہ تعالیٰ۔

فائدہ: جنت میں لے جانے والے اعتقادیات اور اعمال کو سُبُلَ السَّلٰم فرمایا اور جنت کو دارالسلام فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کا نام اسلام رکھا اور اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام السلام بھی ہے اور جب مسلمانوں میں آپس میں ملاقات ہو اس کے لئے سلام کو مشروع فرمایا اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ (اخیر تک) تعلیم فرمائی درحقیقت اللہ کے دین میں سلامتی ہی سلامتی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ
اور یہود و نصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اُسکے پیارے ہیں آپ فرمادیجئے کہ پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کے سبب کیوں عذاب دے گا؟
اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
بلکہ تم اُسکی مخلوق میں سے بشر ہو وہ بخشے گا جس کو چاہے اور عذاب دے گا جس کو چاہے' اور اللہ ہی کا ملک ہے آسمان اور زمین
وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ
اور جو کچھ انکے درمیان ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول آیا ہے جو ایسے وقت میں تمہارے لئے بیان کرتا ہے جبکہ
مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ؗ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ
رسولوں کا سلسلہ موقوف تھا تا کہ تم یوں نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا سو تمہارے پاس بشارت دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا ہے
وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾
اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے

یہود و نصاریٰ کی گمراہی جنہوں نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اسکے پیارے ہیں

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہود و نصاریٰ کا ایک دعویٰ باطلہ نقل فرمایا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے محبوب اور پیارے ہیں (والعیاذ باللہ) یہ بھی انکے اپنے تراشیدہ باطل دعوں میں سے ایک دعویٰ ہے۔ شیطان

انسان کے پیچھے پڑا رہتا ہے ایمان اور اعمال صالحہ سے روکنے اور باز رکھنے کے لئے طرح طرح کی باتیں سمجھاتا ہے انہی باتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے یہود و نصاریٰ کو یہ سمجھایا کہ تم تو اللہ کی اولاد ہو اور اسکے محبوب ہو' تم محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ کیسے ہی اعمال کرو تمہارا سب کچھ معاف ہے۔ ان لوگوں نے شیطان کی اس بات کو مان لیا اور اپنے بارے میں یہ عقیدہ رکھ لیا کہ ہم اللہ کی اولاد اور اسکے پیارے ہیں اسی لئے ہم کو عذاب نہیں ہوگا۔ "دروغ گو را حافظہ نہ باشد"۔

تفسیر قرطبی ص۲۰ ج۶ میں لکھا ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ یہود کے پاس تشریف لائے اور ان کو دعوت دی کہ اللہ تعالیٰ کو ماننے کی طرح مانیں اور اس کے عذاب سے ڈریں۔ یہ سنکر کہنے لگے کہ اے محمد! ہمیں کیا ڈراتے ہو ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے محبوب ہیں۔ نصاریٰ نے یہ بات کہی تھی یہود بھی کہنے لگے' اس پر اللہ جل شانہ نے آیت وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ نازل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا قول نقل فرما کر ان کی تردید فرمائی جو الزامی جواب کے پیرایہ میں ہے اور وہ یہ کہ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ (آپ ان سے فرمادیجئے کہ پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کے سبب کیوں عذاب دیگا) جب تم اس کے بیٹے اور محبوب ہو تو عذاب سے کیوں ڈرتے ہو۔ عذاب کے اقراری بھی ہو کیونکہ تم لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً بھی کہتے ہو۔ کوئی شخص اپنے بیٹے یا محبوب کو ایک منٹ کیلئے بھی دنیا والی آگ میں ڈالنے کو تیار نہیں اور تم کہتے ہو کہ ہم چند دن کے لئے آخرت کے عذاب میں ڈالے جائیں گے۔ جھوٹے کو کچھ خیال نہیں رہتا کہ میں نے پہلے کیا کہا تھا۔ نصاریٰ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تنبیہ فرمائی تھی کہ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰهُ النَّارُ (بلاشبہ جو شخص شرک کرے اللہ کے ساتھ تو اللہ اس پر جنت کو حرام فرما دیگا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے) شرک بھی کرلیا اللہ کی اولاد بھی تجویز کر دی جو حسب تصریح سیدنا عیسیٰ علیہ السلام دوزخ میں داخل ہونے کا ذریعہ ہیں اور دعویٰ یہ ہے کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور محبوب ہیں' ہمیں عذاب نہیں ہوگا اللہ کے نبی نے یہ فرمایا کہ مُشرک دوزخ میں داخل ہوگا' اور نبی کا فرمانا برحق ہے اور تم یہ کہتے ہو کہ ہمیں عذاب نہ ہوگا نبی کی تکذیب کفر ہے اور باعث دخول نار ہے۔ [1]

اس کے بعد فرمایا بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ کہ تم بھی اللہ کی مخلوق میں سے ہو۔

بشر ہو آدمی ہو جیسے دوسرے انسان ہیں ایسے ہی تم ہو جیسے دوسروں سے اللہ کا کوئی رشتہ ناطہ نہیں ہے تم سے بھی نہیں' اس کا بیٹا تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ رہا محبوب ہونا تو محبوبیت کا تعلق ایمان اور اعمال صالحہ سے ہے اللہ کے رسول کی تکذیب کر کے کافر بنے ہوئے ہو۔ پھر بھی محبوب ہونے کا دعویٰ ہے یہ بہت بڑی گمراہی ہے يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ

---

[1] علامہ قرطبی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے يُعَذِّبُكُمْ کو عَذَّبَكُمْ کے معنی میں لیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر تم اپنے دعوے کے اعتبار سے اللہ کے بیٹے اور محبوب ہو تو تمہیں مسخ کر کے بندر اور خنزیر کیوں بنادیا اور تم سے پہلے جو یہود و نصاریٰ گزرے ہیں تمہارے ہی جیسے تھے انہیں اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کے عذابوں میں کیوں مبتلا فرمایا۔ (تفسیر القرطبی ص۱۲۱ جلد۲)

(اللہ تعالیٰ جس کی چاہے مغفرت فرمائے اور جسے چاہے عذاب دے) کوئی شخص بھی اس سے زبردستی بخشش نہیں کرواسکتا۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ اور اللہ ہی کے لئے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اس کا قانون ہے کہ مشرک اور کافر کی بخشش نہ ہوگی۔ اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے وہاں جھوٹے دعوے جھوٹی باتیں سب سامنے آجائیں گی اور ان پر عذاب ہوگا۔ یوم الحساب کو سامنے رکھو اور جھوٹ اور افتراء پردازی سے باز آجاؤ۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت ایسے وقت میں ہوئی جبکہ رسولوں کی آمد کا سلسلہ کئی سَو سال سے منقطع تھا

اس کے بعد فرمایا يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ کہ اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا رسول آیا ہے جو واضح طور پر تمہیں بتاتا ہے اور اس کی آمد ایسے وقت میں ہوئی ہے جبکہ رسولوں کے آنے کا سلسلہ (مدت دراز سے) موقوف تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے نبیوں کی تشریف آوری کا سلسلہ جاری تھا ایک نبی وفات پاجاتا تو اس کی جگہ دوسرا نبی مبعوث ہوجاتا تھا لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد سلسلہ نبوت منقطع ہوگیا تھا انہوں نے بشارت دی تھی کہ میرے بعد ایک رسول آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا۔ احمد سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا دوسرا نام ہے۔

حضرت عیسیٰ رسول اللہ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی نبی نہیں تھا، سورہ مائدہ کی آیت میں جو عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ ہے اس سے اور سورہ صف میں جو مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں حضرات کے درمیان کوئی نبی نہیں تھا۔ بلکہ صحیح بخاری ص ۴۸۹ ج ۲ میں اسکی تصریح ہے کہ آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا اور فرمایا لَيْسَ بَيْنَنَا نَبِيٌّ کہ ہمارے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔

بعض علماء نے بعض ایسے اشخاص کے بارے میں نبی ہونے کا احتمال ظاہر کیا ہے جو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ سے کچھ عرصہ پہلے گذرے تھے جن میں سے خالد بن سنان ایک نام ذکر کیا جاتا ہے لیکن یہ بات صحیح نہیں کیونکہ صحیح اور صریح حدیث کے خلاف ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھے اور بعض حضرات نے ان کی شخصیت کے موجود ہونے ہی میں شک کیا ہے۔ بہر حال اگر وہ نبی تھے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھے۔

فترۃ من الرسل کا زمانہ کتنا تھا: زمانہ فترۃ جس میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے آنے کا

سلسلہ منقطع رہا اس کی کتنی مدت تھی اس کے بارے میں حضرات مفسرین کرام نے متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ امام بخاری نے اپنی سند سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد ﷺ کے درمیان چھ سو سال کا فاصلہ تھا۔ (بخاری ص۵۶۲ ج۲)

بعض حضرات نے پانچ سو ساٹھ سال کا فاصلہ بتایا ہے۔ ان دونوں میں اسی طرح تطبیق ہو سکتی ہے کہ حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عیسیٰ کے رفع سماء کے بعد سے آنحضرت ﷺ کی بعثت تک چھ سو سال مراد لئے ہوں اور جس نے پانچ سو سال والی بات کہی ہے اس نے آپ کی ولادت تک کا زمانہ مراد لیا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

مفسر ابن کثیر نے ص۳۵ ج۲ میں ایک قول چھ سو بیس سال کا بھی نقل کیا ہے اور پھر فرمایا ہے کہ چھ سو اور چھ سو بیس میں کوئی منافات نہیں جس نے چھ سو سال کہا اس نے چھ سو سال شمسی مراد لئے ہیں اور جس نے چھ سو بیس کہا اس نے چھ سو بیس قمری مراد لئے ہیں کیونکہ سو سال شمسی میں (تقریباً) تین سال قمری زائد ہو جاتے ہیں۔ یہ جو فترۃ کا زمانہ تھا اس میں جہالت کفر و شرک اور گمراہی کا جو حال تھا اس کے بارے میں جامع الفاظ میں مفسر ابن کثیر نے کیسی اچھی تعبیر کی ہے وہ فرماتے ہیں۔

وَالمقصود ان اللہ بعث محمدا ﷺ علیٰ فترۃ من الرسل وطموس من السبل وتغیّر الادیان وکثرۃ عبادۃ الاوثان والنیران والصّلبان فکانت النعمۃ بہ اتم النعم والحاجۃ امر عمم فان الفساد کان قد عم جمیع البلاد' والطغیان والجہل قد ظہر فی سائر العباد الاقلیلا من المتمسکین ببقایا من دین الانبیاء الاقدمین من بعض احبار الیہود و عباد النصاریٰ و الصّابئین اھ (ص۳۵ ج۲)

(یعنی اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو ایسے وقت مبعوث فرمایا جب رسولوں کی آمد کا سلسلہ منقطع تھا اور ہدایت کے راستے مٹ گئے تھے اور دین بدل گئے تھے اور بُت پرستی اور آتش پرستی اور صلیب پرستی کی کثرت ہو گئی تھی لہٰذا آپ کو مبعوث فرمانا اللہ تعالیٰ کی کامل ترین نعمت ہے اور آپ کی تشریف لانے کی سب کو ضرورت تھی تمام شہروں میں فساد عام تھا' سرکشی اور جہالت تمام بندوں میں پھیل گئی تھی بجز چند ایسے لوگوں کے جو انبیاء کرام علیہم السلام کے دین کو پکڑے ہوئے تھے جن میں بعض احبار یہود تھے اور بعض وہ لوگ تھے جو نصاریٰ اور صائبین میں سے اللہ کی عبادت میں لگے ہوئے تھے)

حضرت عیاض بن حمار مجاشعی ؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ میرے رب نے مجھے حکم دیا کہ میں تمہیں ان چیزوں میں سے بتا دوں جو چیزیں آج اللہ نے مجھے تعلیم دی ہیں اور وہ تم نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو مال میں کسی بندہ کو دوں وہ اس کے لئے حلال ہے (لوگوں کے اپنے طور پر حرام قرار دینے

سے اللہ کا دیا ہوا مال حرام نہ ہوگا۔ مشرکین بعض چیزوں کو حرام قرار دیتے تھے جو اللہ کے قانون میں حلال تھیں ان کی تردید فرمائی) اللہ تعالیٰ شانہ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے اپنے بندوں کو دین حق پر پیدا کیا اور ان کے پاس شیاطین آ گئے جنہوں نے اُن کو اُن کے دین سے ہٹا دیا۔ اور شیاطین نے ان پر وہ چیزیں حرام کر دیں جو میں نے ان کے لئے حلال کی تھیں اور شیاطین نے ان کو حکم دیا کہ وہ میرے ساتھ شرک کریں جس کی میں نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ (پھر فرمایا کہ) بلاشبہ اللہ نے زمین والوں کو دیکھا تو عرب اور عجم سب کو بہت زیادہ مبغوض قرار دیا بجز ان چند لوگوں کے جو اہل کتاب میں سے باقی رہ گئے تھے' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہیں رسول بنا کر بھیجتا ہوں تا کہ تم کو آزمائش میں ڈالوں اور تمہارے ذریعہ دوسروں کو آزماؤں اور میں نے تم پر ایسی کتاب نازل کی جسے پانی نہیں دھوئے گا (کیونکہ وہ سینوں میں محفوظ ہوگی) آپ اُسے سوتے ہوئے بھی پڑھیں گے اور جاگتے ہوئے بھی' پھر فرمایا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا کہ میں قریش کو جلا دوں میں نے عرض کیا کہ اے میرے رب! ایسا کرنے سے تو وہ میرا سر پھوڑ دیں گے اور اسے کچل کر روٹی کی طرح بنا دیں گے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم انہیں (جنگ کے لئے) نکالو جیسے انہوں نے تمہیں نکالا اور ان سے جنگ کرو ہم تمہاری مدد کریں گے اور خرچ کرو ہم تم پر خرچ کریں گے اور تم اپنا لشکر بھیجو ہم اس سے پانچ گنا زیادہ لشکر بھیجیں گے۔ (الحدیث رواہ مسلم ص ۳۸۵ جلد ۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمانہ فترۃ میں چند ہی لوگ تھے جو توحید پر قائم تھے اور ان کے علاوہ عرب اور عجم کے لوگ مشرک اور گمراہ تھے اللہ جل شانہ نے کرم فرمایا نبی آخر الزمان سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا اور آپ کی مشقتوں اور محنتوں اور آپ کے صحابہؓ کی قربانیوں اور مجاہدوں سے کفر کی فضائیں چھٹ گئیں شرک کی جگہ توحید پھیل گئی' لوگوں پر ایمان اور کفر پوری طرح واضح ہو گیا۔ حق اور ہدایت کے راستے کھل گئے عرب و عجم کے شہروں میں اور دیہاتوں میں اور دور افتادہ قبیلوں میں ایمان کی لہریں دوڑ گئیں اور قلوب ہدایت کے نور سے جگمگا اٹھے۔

اللہ تعالیٰ نے سب پر اپنی حجت پوری فرما دی کسی کو یہ بات کہنے کا موقع اور بہانہ نہ رہا کہ ہمارے پاس کوئی بشیر و نذیر نہیں آیا تھا فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ (سو تمہارے پاس بشیر اور نذیر آ گیا) کسی بھی حجت اور حیلے سازی کا بہانہ نہ رہا جو نبی آخر الزمان ﷺ کو نہ مانے وہ عذاب دائمی کا مستحق ہوگا۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے) اُسے پوری قدرت ہے کہ اپنے نافرمانوں کو سزا دے اور فرمانبرداروں کو انعامات سے نوازے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ

اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! تم اللہ کی نعمت کو یاد کرو جو اُس نے تمہیں عطا فرمائی جبکہ اُس نے تم میں انبیاء بنائے

مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ

اور تمہیں بادشاہ بنایا۔ اور تم کو وہ کچھ دیا جو جہانوں میں سے کسی کو نہیں دیا' اے میری قوم! مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ

الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۲۱﴾ قَالُوْا یٰمُوْسٰۤى اِنَّ

جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے اور پیچھے واپس مت لوٹو ورنہ نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے، وہ کہنے لگے کہ اے موسیٰ! بیہ واقعی

فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى یَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾

بات ہے کہ اس سرزمین میں بڑے زبردست لوگ ہیں اور بیشک ہم اس بستی میں ہرگز داخل نہ ہوں گے جب تک لوگ نہ نکل جائیں۔ سو اگر وہ اس

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَیْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ

سے نکل جائیں تو ہم داخل ہو جائیں گے۔ دو آدمیوں نے کہا جو ڈرنے والے تھے اللہ نے اُن پر انعام فرمایا تھا کہ تم لوگ اُن پر دروازے سے داخل ہو جاؤ۔

فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ۬ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۳﴾ قَالُوْا یٰمُوْسٰۤى اِنَّا لَنْ

سو جب تم اس میں داخل ہو گے تو بلاشبہ تم غلبہ پانے والے ہو گے اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر تم مومن ہو، وہ کہنے لگے کہ اے موسیٰ! ہم ہرگز

نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ

کبھی بھی اس میں داخل نہ ہوں گے جب تک کہ وہ لوگ اس میں موجود ہیں لہٰذا تو اور تیرا رب دونوں جائیں پھر دونوں جنگ کر لیں

رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَاِنَّهَا

بے شک ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ موسیٰ نے کہا کہ اے میرے رب! بے شک میرے بس میں صرف میری جان اور میرا بھائی لہٰذا ہمارے اور فاسق قوم کے درمیان فیصلہ فرما دیجئے،

مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۚ یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۶﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو یہ سرزمین ان لوگوں پر چالیس سال تک حرام رہے گی۔ زمین میں حیران پھرتے رہیں گے سو آپ نافرمان قوم پر رنج نہ کیجئے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلانا اور انہیں ایک بستی میں داخل ہونے کا حکم دینا اور اُن کا اس سے انکاری ہونا

تفسیر: ان آیات میں بنی اسرائیل کا ایک واقعہ ذکر فرمایا ہے اس واقعہ میں عبرت ہے اور اس بات کی دلیل بھی ہے کہ بلاشبہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں سورۂ مائدہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی وہاں یہود موجود تھے اُنہیں اپنے آباؤ واجداد کے قصے معلوم تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے واقعات کو بتانا (جن کے جاننے کا آپ کے لئے وحی کے سوا کوئی راستہ نہ تھا) اس امر کی صریح دلیل ہے کہ آپ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں، یہودیوں میں سے چند افراد ہی ایمان لائے مگر حجت سب پر پوری ہوگئی۔

واقعہ یہ ہے کہ جب فرعون کا لشکر سمندر میں ڈوب کر ختم ہو گیا اور فرعون بھی ہلاک ہو گیا اور بنی اسرائیل سمندر پار ہو کر شام کے علاقہ میں داخل ہو گئے تو اب انہیں اپنے وطن فلسطین میں جانا تھا یہ لوگ کئی سو سال کے بعد مصر سے واپس لوٹے

تھے ''جائے خالی راد یومی گیرد'' ان کے پیچھے عمالقہ نے ان کے وطن پر قبضہ کر لیا تھا یہ لوگ قوم عاد کا بقیہ تھے اور بڑے قد وقامت اور بڑے ڈیل ڈول والے اور قوت و طاقت والے تھے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے مقدر فرما دیا تھا کہ یہ سرزمین بنی اسرائیل کو ملے گی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اول تو ان کو اللہ کی نعمتیں یاد دلائیں اور انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی تم پر بڑی بڑی مہربانیاں ہیں۔ آئندہ زمانہ میں تم میں کثرت کے ساتھ نبی ہوں گے اور تم میں بہت سے بادشاہ ہوں گے اس نعمت کے رکھ رکھاؤ کے لئے اپنی جگہ ہونی چاہئے جس میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام آزادی کے ساتھ تبلیغ کر سکیں اور احکام الٰہیہ پہنچا سکیں اور جس میں تمہارے بادشاہ اپنے اقتدار کو کام میں لاسکیں اور معاملات کو نمٹا سکیں۔ اب تک تم قبط (مصری قوم) کے ماتحت تھے۔ جنہوں نے تمہیں غلام بنا رکھا تھا اب تم اپنے وطن میں داخل ہو جاؤ یہ مقدس سرزمین تمہارے لئے اللہ نے مقدر فرما دی ہے، تم پشت پھیر کر واپس نہ ہو آگے بڑھو۔ جنگ کرو، جن لوگوں نے قبضہ کر رکھا ہے وہ وہاں سے نکل جائیں گے ہمت کرو اور حوصلہ سے کام لو ورنہ نقصان اُٹھاؤ گے۔ اس موقع پر چند آدمی بطور نقیب قوم عمالقہ کی خیر خبر لینے کے لئے بھیجے گئے تھے انہوں نے جو عمالقہ کا ڈیل ڈول اور قد وقامت دیکھا تو واپس آ کر موسیٰ علیہ السلام سے آ کر بیان کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اُن کا حال پوشیدہ رکھو لشکر والوں میں سے کسی کو نہ بتانا ورنہ بُزدلی اختیار کر لیں گے اور لڑنے سے گریز کریں گے، لیکن وہ نہ مانے انہوں نے اپنے اپنے رشتہ داروں کو بتا دیا البتہ ان میں سے دو حضرات یعنی حضرت یوشع بن نون اور حضرت کالب بن یوقنا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات پر عمل کیا اور نہ صرف یہ کہ بنی اسرائیل سے عمالقہ کا حال پوشیدہ رکھا بلکہ بنی اسرائیل کو ہمت اور حوصلہ دلایا کہ چلو آگے بڑھو دروازہ میں داخل ہو! دیکھو اللہ کی کیسی مدد ہوتی ہے تم داخل ہو گے تو وہ نکل بھاگیں گے اور تم کو غلبہ حاصل ہوگا اگر مومن ہو تو اللہ ہی پر بھروسہ کرو۔ مومن کا کام اللہ پر توکل کرنا ہے۔ پیچھے ہٹنا نہیں ہے خصوصاً جبکہ تمہیں بشارت دی جا رہی ہے کہ یہ زمین اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے تو پھر کیوں پشت پھیرتے ہو۔ بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی سمجھایا اور یوشع بن نون اور کالب نے بھی زور دیا کہ چلو آگے بڑھو لیکن انہوں نے ایک نہ مانی۔ آپس میں کہنے لگے کہ کاش! ہم مصر سے نہ آتے وہیں رہ جاتے (جب غلامی کا ذہن بن جاتا ہے اور ذلت اور پستی دلوں میں رچ اور بس جاتی ہے تو انسان تھوڑی سی تکلیف سے جو عزت ملے اسکی بجائے ذلت ہی کو گوارا کر لیتا ہے) دھاڑیں مار کر رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ ہم مصر ہی میں ہوتے تو اچھا تھا کبھی کہتے تھے کہ کاش! ہم اسی جنگل میں مر جاتے اور ہمیں عمالقہ کی سرزمین میں داخل ہونے کا حکم نہ ہوتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انہوں نے برملا کہہ دیا کہ ہم ہرگز اس سرزمین میں داخل نہ ہوں گے جب تک کہ وہ وہاں سے نہ نکل جائیں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم داخل ہو سکتے ہیں (گویا یہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر احسان ہے کہ وہ نکلیں گے تو ہم داخل ہو جائیں گے) انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ بھی کہا کہ جب تک وہ لوگ اس میں موجود ہیں ہم ہرگز کبھی بھی اس میں داخل نہیں ہو سکتے۔ (لڑنا ہمارے بس کا نہیں) تو اور تیرا رب دونوں جا کر لڑ لیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔

جب سیدنا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی اسرائیل کا یہ ڈھنگ دیکھا اور اُن کے ایسے بے تکے جواب سنے تو بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے میرے رب! میرا بس ان لوگوں پر نہیں چلتا' مجھے اپنے نفس پر قابو ہے اور میرا بھائی یعنی ہارون علیہ السلام بھی فرماں برداری سے باہر نہیں ہم دونوں کیا کر سکتے ہیں لہٰذا ہمارے اور فاسقوں کے درمیان فیصلہ فرما دیجئے۔ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ یہ سرزمین ان لوگوں پر چالیس سال تک حرام ہے اپنی حرکتوں کی وجہ سے اس وقت داخلہ سے محروم کئے جا رہے ہیں۔ اس چالیس سالہ مدت میں زمین میں حیران پھرتے رہیں گے' چنانچہ چالیس سال تک چھ فرسخ یعنی اٹھارہ میل جگہ میں گھومتے رہے صبح کو جہاں سے چلتے تھے شام کو وہیں کھڑے ہوئے ہوتے تھے اس وقت انکی تعداد چھ لاکھ تھی۔ اس عرصہ میں حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کی وفات بھی ہو گئی اور اس وقت جتنے بنی اسرائیلی موجود تھے تقریباً سب کو اسی میدان میں اس چالیس سالہ مُدت کے اندر اپنے اپنے وقت پر موت آ گئی' البتہ حضرت یوشع اور حضرت کالب زندہ تھے اور جب چالیس سال پورے ہو گئے اور نئی نسل تیار ہو گئی تو حضرت یوشع علیہ السلام کی سرکردگی میں وہ مقدس سرزمین فتح ہوئی اور بنی اسرائیل اس میں داخل ہوئے۔ (من ابن کثیر ومعالم التنزیل)

فوائد متعلقہ واقعہ بنی اسرائیل: (۱) یہ جو فرمایا کہ وَاٰتٰـكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ (اور تم کو وہ دیا جو جہانوں میں سے کسی کو نہیں دیا) بظاہر اس سے جو یہ ایہام ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کو باقی تمام اُمتوں پر فضیلت دیدی گئی (حالانکہ امت محمدیہ سب سے افضل ہے) اس ایہام کا دفعیہ یوں ہے کہ بنی اسرائیل کے زمانہ تک جو امتیں تھیں اُن کو جو عطا فرمایا تھا ان میں سے سب سے زیادہ بنی اسرائیل کو دیا تھا۔ اگلی پچھلی تمام امتیں اس سے مراد نہیں ہیں اسی لئے مفسرین کرام اَلْعٰلَمِيْنَ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں یعنی عالمی زمانهم ۔ اور صاحب معالم التنزیل نے مجاہد سے یوں نقل کیا ہے یعنی المن والسلوىٰ والحجر و تظليل الغمام ۔ یعنی آیت میں جو یہ فرمایا ہے کہ تمہیں وہ کچھ دیا ہے جو کسی کو نہیں دیا اس سے من وسلویٰ نازل فرمانا اور پتھر سے پانی کے چشمے نکالنا اور بادلوں کا سایہ کرنا مراد ہے۔ یہ چیزیں بحثیت امت کے بنی اسرائیل کے علاوہ اور کسی کو نہیں دی گئیں۔

(۲) چھ فرسخ جگہ جس میں چالیس سال تک سرگرداں پھرتے رہے اس کے بارے میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کہاں جانا چاہ رہے تھے جس بستی میں جانے کا حکم ہوا تھا وہاں تو جانا گوارہ نہ تھا پھر صبح سے شام تک کا سفر جو کرتے تھے وہ کس مقصد سے تھا؟ اس کے بارے میں علمائے تفسیر نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ مصر جانا چاہتے تھے کیونکہ وہاں کئی سو سال رہے تھے وہاں کی سرزمین سے مانوس ہو گئے تھے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ بظاہر مقصد کچھ بھی نہ تھا یہ جو انہوں نے کہا تھا کہ ہم ہرگز اس بستی میں داخل نہ ہونگے جبکہ جبر وقوت والی قوم وہاں سے نہ نکل جائے اس کی سزا انہیں یہ ملی کہ جب حکم کے مطابق ایک جگہ قیام پذیر ہونا نہیں چاہتے تو اب چلتے ہی رہو۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ دعا کی کہ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ (کہ ہمارے اور فاسقوں کے درمیان فیصلہ کر دیجئے) اس کا یہ مطلب تھا کہ ہمارے اور نافرمان قوم کے درمیان میں فیصلہ فرما دیجئے۔ یہ لوگ جس سزا کے مستحق ہیں ان کو وہ سزا دیدیجئے اور جس انعام کی ہمیں ضرورت ہے اس انعام سے ہمیں نواز دیجئے قال صاحب الروح بان تحکم لنا بما نستحقه علیهم بما یستحقونه کما هو المروی عن ابن عباس والضحاک رضی الله عنهم.

(۴) بنی اسرائیل کے قول قبیح کے برخلاف حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدر کے موقع پر کیا ہی اچھا جواب دیا۔ رسول اللہ ﷺ غزوۂ بدر کے موقع پر مشرکین سے جنگ کرنے کے بارے میں مشورہ فرما رہے تھے۔ اس موقع پر حضرت مقداد بن الاسود نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم ایسا نہیں کہیں گے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ آپ چلیئے (جنگ کیجئے) ہم آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے جنگ کریں گے۔ ان کی بات سن کر رسول اللہ ﷺ کو بہت خوشی ہوئی چہرۂ انور چمکنے لگا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۴ اور ج ۲ ص ۶۶۳)

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ

اور آپ اُن کو آدم کے دو بیٹوں کا قصہ صحیح طور پر پڑھ کر سنایئے جب کہ اُن دونوں نے ایک ایک نیاز پیش کی سو اُن میں سے ایک کی نیاز قبول کرلی گئی اور دوسرے کی نیاز قبول نہ کی

مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ

گئی اُس نے کہا کہ میں تجھے ضرور بالضرور قتل کردونگا دوسرے نے کہا کہ اللہ صرف تقویٰ والوں سے قبول فرماتا ہے یہ یقینی بات ہے کہ اگر تو نے میرے قتل کرنے کے لئے

لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾

میری طرف ہاتھ بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے تیری طرف اپنا ہاتھ بڑھانے والا نہیں ہوں گا۔ بیشک میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو سب جہانوں کا پروردگار ہے

اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾

بلاشبہ میں چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ اور اپنے گناہ اپنے سر دھر لے پھر تو دوزخ والوں میں سے ہو جائے اور یہ ظالموں کی سزا ہے۔

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا

سو اس کے نفس نے اُسے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کرلیا سو اس نے اُسے قتل کر دیا، جس کی وجہ سے وہ نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو گیا۔

يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ

پھر اللہ نے ایک کوا بھیجا وہ زمین کو کرید رہا تھا تا کہ وہ اُسے دکھا دے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو کیسے چھپائے۔ کہنے لگا افسوس میری حالت پر! کیا میں اس سے عاجز

مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ ۛۚ

ہو گیا کہ اس کوے کی طرح ہو جاؤں سو اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دوں۔ پھر وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا''۔

حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا واقعہ

ایک کا دوسرے کو قتل کرنا، پھر اس کی لاش کو لئے ہوئے پھرنا

تفسیر: یہاں قرآن مجید میں حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا واقعہ نقل فرمایا ہے مشہور یہی ہے کہ یہ دونوں حضرت آدم علیہ السلام کے صلبی بیٹے تھے اور آیت کریمہ کے ظاہری الفاظ بھی اس پر دلالت کرتے ہیں۔ کیونکہ حقیقی معنی صحیح ہو سکتے ہوں تو مجازی معنی لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی، اگرچہ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ دونوں بھائی (قاتل و مقتول) بنی اسرائیل میں سے تھے اور مجازاً دور دراز پوتوں کو اِبْنَیْ اٰدَمَ (آدم کے دو بیٹوں) سے تعبیر فرمایا ہے۔

قصہ کیوں پیش آیا اور اس کے اسباب و محرکات کیا تھے اس کے بارے میں جو کچھ ملتا ہے وہ سب اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہے قرآن کریم میں اجمالی قصہ ذکر فرمایا ہے اور پھر آخر میں بطور عبرت من اجل ذلک کتبنا (الیٰ اخرہٖ) فرما دیا۔ تفصیل کے ساتھ قصہ معلوم نہ ہو تب بھی مضمون عبرت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مفسر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۱ نے بحوالہ سُدّی حضرت ابن عباسؓ و ابن مسعودؓ وغیرھم سے نقل کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی جو اولاد ہوئی تھی اس میں ہر بار ایک لڑکا اور ایک لڑکی جڑواں پیدا ہوتے تھے (اس زمانہ میں نسل بڑھانے کی ضرورت تھی اور اولاد کا آپس میں نکاح کرنے کے لئے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ تھا کہ ایک ہی شخص کی صُلبی اولاد کا آپس میں نکاح کر دیا جائے تاہم اتنا فرق ضرور کرتے تھے کہ ایک ہی بطن سے ایک ساتھ جو جڑواں لڑکا لڑکی پیدا ہوتے ان کا آپس میں نکاح نہیں کرتے تھے بلکہ) ایک بطن کے لڑکے کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوتی تھی اس کا نکاح دوسرے بطن سے پیدا ہونے والے لڑکے سے کیا جاتا تھا، حتیٰ کہ دو لڑکے پیدا ہوئے ایک کا نام قابیل تھا جو کھیتی کرنے والا تھا اور دوسرے کا نام ہابیل تھا جس کے پاس دودھ دینے والے مویشی تھے، قابیل بڑا تھا اس کے ساتھ جو بہن پیدا ہوئی تھی وہ ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی بہن سے زیادہ خوبصورت تھی ہابیل نے چاہا کہ قابیل کی بہن سے نکاح ہو جائے اور ضابطہ کے مطابق اس کا نکاح ہابیل سے ہی ہونا چاہئے تھا۔ قابیل اس بات پر نہ مانا اور اس نے کہا کہ یہ میری بہن ہے میرے ساتھ پیدا ہوئی ہے جو تیرے ساتھ پیدا ہونے والی بہن سے زیادہ خوب صورت ہے اور میں اس کا زیادہ مستحق ہوں کہ میرا نکاح اس سے ہو (قانون شرعی کے خلاف نفس کی خواہش پر عمل کرنے کا ارادہ کیا)

حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل سے کہا کہ یہ لڑکی جو تیرے ساتھ پیدا ہوئی ہے اس کا نکاح ہابیل سے کر دیں لیکن قابیل نہیں مانا پھر جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے دونوں نے الگ الگ اللہ کی بارگاہ میں نیاز پیش کی کہ جس کی نیاز قبول ہو جائے وہی اس لڑکی سے نکاح کرنے کا حق دار ہوگا۔ دونوں نے جب نیاز پیش کی تو ہابیل کی نیاز قبول ہوگئی، آسمان سے آگ آئی اور اس کو جلا دیا قابیل کی نیاز رکھی رہ گئی۔ جب اسکی نیاز قبول نہ ہوئی اور آسمانی فیصلہ بھی اس کے خلاف ہو گیا تو

کٹ حجتی کرنے والوں کی طرح ہابیل سے کہا کہ میں تجھے قتل کر دونگا اس میں ہابیل کا کچھ قصور نہ تھا اس کی نیاز قبول ہونے کا فیصلہ اللہ کی طرف سے تھا لیکن قابیل غصہ ہونے لگا جیسا کہ ہٹ دھرموں کا طریقہ ہے۔ ضدی آدمی جب دلیل سے عاجز ہو جاتا ہے تو فریق مخالف سے کہتا ہے کہ میں تجھے ماروں گا یا قتل کر دوں گا۔ ہابیل نے متانت کے ساتھ جواب میں کہا کہ انما یتقبل اللہ من المتقین (اللہ تعالیٰ متقی بندوں سے ہی قبول فرماتا ہے) بات کہنے کا کیسا اچھا اسلوب اختیار کیا نہ تو اپنی تعریف کی کہ میں مخلص ہوں اور نہ قابیل سے یوں کہا کہ تو مخلص نہیں ہے اور ایک قانونی بات بتا دی اور اچھے پیرایہ میں یہ سمجھا دیا کہ اگر تو متقی ہوتا تو تیری نیاز قبول ہو جاتی۔

ہابیل نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے تیری طرف ہاتھ نہ بڑھاؤں گا۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو رب العالمین ہے' مفسرین نے لکھا ہے کہ ہابیل قابیل سے قوت اور طاقت میں زیادہ تھا لیکن اس نے مقتول ہو جانا گوارہ کر لیا۔ اور اپنے بھائی پر ہاتھ اٹھانا گوارہ نہ کیا۔ دفاع کے لئے جوابی طور پر ہتھیار اٹھانا مشروع تو ہے لیکن ہابیل نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ مظلوم ہو کر مقتول ہو جانا قاتل ہونے سے بہتر ہے صبر کر لیا (یہاں بعض چیزوں میں ہماری شریعت کے اعتبار سے بعض اشکالات بھی سامنے آ سکتے ہیں لیکن چونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام انبیاء کی شرائع احکام کے اعتبار سے متفق ہوں اسلئے یہ اشکال رفع ہو جاتے ہیں)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد کہ فتنوں کے زمانہ میں کیا کریں: اخیر زمانہ میں فتنہ بہت زیادہ ہوں گے۔ اس وقت قتل و خون بہت ہوگا اس وقت بھی ہابیل کا طریقہ اختیار کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت سے پہلے اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح فتنہ ہوں گے ان فتنوں میں انسان صبح مؤمن ہوگا اور شام کو کافر ہوگا اور شام کو مؤمن ہوگا اور صبح کو کافر ہوگا بیٹھے والا کھڑے ہونے والے سے اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا اس وقت تم اپنی کمانوں کو توڑ دینا اور ان کی تانتوں کو کاٹ دینا اور اپنی تلواروں کو پتھروں سے کچل دینا' اور اپنے گھروں میں اندر بیٹھ جانا پھر بھی تم میں سے کسی کے پاس کوئی شخص قتل کرنے کے لئے پہنچ جائے تو آدم کے دو بیٹوں میں جو اچھا بیٹا تھا اس کی طرح ہو جانا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۴۶۴)

یعنی ہابیل کی طرح ہو جانا قتل ہو جانا منظور کر لینا اور خود قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہ اُٹھانا۔ حضرت ایوب سختیانی نے فرمایا کہ اس امت میں سے سب سے پہلے جس نے مَا اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْکَ لِاَقْتُلَکَ پر عمل کیا وہ حضرت عثمان بن عفان ؓ تھے وہ امیر المومنین تھے قتال اور دفاع سب کچھ کر سکتے تھے لیکن انہوں نے مقتول ہونا پسند کر لیا اور قتال کرنا منظور نہ کیا رضی اللہ عنہ۔

ہابیل نے مزید سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓأَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِکَ فَتَکُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ یہ قابیل کو خطاب ہے اور مطلب یہ ہے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تو اپنے گناہ بھی لے اور میرے گناہ بھی لے ان سب کو

اپنے اوپر اُٹھالے اور دوزخ والوں میں سے ہوجائے' وَذَالِکَ جَزآؤُ الظّٰلِمِیْنَ اور یہ ظالموں کی جزا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تیرے جو گناہ ہیں ان کا بوجھ تو تیرے اوپر ہے ہی اور ان میں میرے قتل کا گناہ بھی اپنے سر دھرنے کو تیار ہے۔ یہ سب گناہ مل کر تیرے دوزخ میں جانے کا سبب بن جائیں گے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب: یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ایک مومن کو اپنے بھائی کا خیر خواہ ہونا چاہیے ہابیل نے جو یہ کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تو اپنا اور میرا گناہ اپنے سر رکھ لے اور دوزخیوں میں سے ہوجائے یہ تو خیر خواہی کے جذبہ کے خلاف ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے ہر طرح سے اپنے بھائی کو سمجھا لیا تھا جب اس نے نصیحت قبول نہ کی اور کسی طرح تفہیم فائدہ مند نہ ہوئی تو پھر ہابیل نے دوسرا رخ اختیار کیا اور بتا دیا کہ جو کچھ تو کرنا چاہتا ہے اس کا نتیجہ برا ہے جو دوزخ میں جانے کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ میرا ہاتھ نہ اُٹھانا تیرے دوزخ میں جانے کا ذریعہ بن جائے گا۔

ممکن ہے کہ ہابیل کی نصیحت سے اور کچھ اپنی سمجھ میں قابیل کو تردّد ہوا ہو کہ قتل کرے یا نہ کرے لیکن بالآخر اس کے نفس نے اس پر آمادہ کر ہی دیا کہ اپنے بھائی کو قتل کردے' چنانچہ اس نے قتل کر ہی ڈالا' قتل کر کے زبردست نقصان میں پڑ گیا' دنیا میں بھی نقصان ہوا کہ ایک بھائی سے محروم ہوا اور والدین بھی ناراض ہوئے اور خالق کائنات جل مجدہٗ کو بھی ناراض کر دیا اور آخرت کا عذاب اس کے علاوہ رہا۔

قتل کا طریقہ ابلیس نے بتایا: قابیل نے قتل کا ارادہ تو کرلیا لیکن قتل کیسے کرے یہ بھی ایک سوال تھا کیونکہ اس سے قبل دنیا میں کوئی مقتول نہ ہوا تھا۔ قتل کرنا چاہا تو گردن مروڑنے لگا لیکن اس سے کچھ حال نہ ہوا اس موقعہ پر ابلیس ملعون پہنچ گیا اور اس نے ایک جانور لیا اور اس کا سر ایک پتھر پر رکھ کر دوسرے پتھر سے مار دیا۔ قابیل دیکھتا رہا اور پھر اُس نے اپنے بھائی کے ساتھ بھی ایسا کیا اور قتل کردیا اس بارے میں مفسرین نے دوسری صورتیں بھی نقل کی ہیں لیکن کیفیتِ قتل کی تعیین پر کوئی حکم شرعی موقوف نہیں ہے اسلئے کسی صورت کے متعین کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ یقینی بات ہے کہ اس نے قتل کردیا جس کی تصریح لفظ فقتلهٗ میں موجود ہے۔

قابیل کو پریشانی کہ مقتول بھائی کی لاش کا کیا کرے؟ قتل تو کردیا لیکن اس سے پہلے کوئی میت دیکھی نہ تھی کوئی مرجائے تو کیا کیا جائے اس کے بارے میں کچھ علم نہ تھا اب قابیل حیران تھا کہ بھائی کی اس لاش کو کیا کرے اسی حیرانی اور پریشانی میں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دو کوّے بھیجے دونوں آپس میں لڑے اور ایک نے دوسرے کو مار دیا پھر اسی مارنے والے کوّے نے زمین کو کریدا اور مردہ کوّے کی لاش کو دفن کردیا فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَاباً یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ لِیُرِیَهٗ كَیْفَ یُوَارِیْ سَوْءَةَ اَخِیْهِ۔ (سو اللہ نے بھیج دیا ایک کوا جو کرید رہا تھا زمین کو تاکہ وہ اُسے دکھائے کہ کیسے چھپائے

اپنے بھائی کی لاش کو) جب قابیل نے یہ منظر دیکھ لیا تو زمین کھود کر اپنے بھائی کی لاش کو دفن کر دیا اور یہ بھی کہا یٰوَیْلَتٰۤی اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوْءَةَ اَخِیْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ (ہائے افسوس! میری حالت پر! کیا میں اس سے بھی عاجز ہو گیا کہ اس کوے کی طرح ہو جاؤں پھر اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دوں۔ خسران یعنی نقصان عظیم کا تو مستحق ہوا ہی تھا! اپنی ناسمجھی پر نادم بھی ہوا کہ میں کوے جیسا بھی نہ ہو سکا جو اپنے بھائی کی لاش کو اپنی سمجھ سے کہیں ٹھکانہ لگا دیتا)

فوائد متعلقہ واقعہ ہابیل وقابیل

(۱) واقعہ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اولاد میں شروع ہی سے توحید پھیلائی تھی اور جو احکام ان کے لئے مشروع کئے گئے تھے ان احکام پر عمل کرتے تھے اور اپنی اولاد کو بھی ان کے مطابق چلاتے تھے اسی لئے تو یہ سوال پیدا ہوا کہ فلاں بطن کی لڑکی فلاں بطن کے لئے حلال ہے اور فلاں بطن کے لئے حرام ہے' پھر جب اختلاف ہوا تو دونوں لڑکوں نے بارگاہ خداوندی میں قربانی پیش کی اور قربانی کے ذریعہ اختلاف کا فیصلہ کرنا چاہا کہ اللہ تعالیٰ جس کی قربانی قبول کرے گا وہ صحیح راہ پر ہوگا۔

انسان اپنے عہد اوّل سے توحید کا عقیدہ رکھنے کا پابند ہے اور اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرے جو اُسے اس کے نبی کے ذریعہ پہنچے ہوں' حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان بھی تھے اور سب سے پہلے نبی بھی وقد جاء تصریح ذلک فی الحدیث کما فی المشکوٰۃ (ص ۵۱۱ و ص ۵۱۲)

(۲) جب دونوں بھائیوں نے اللہ کی بارگاہ میں نیاز پیش کی (ہابیل نے ایک مینڈھا پیش کیا اور قابیل نے کچھ بالیں پیش کیں) تو اللہ تعالیٰ نے ہابیل کی نیاز کو قبول فرمالیا، آسمان سے آگ آئی اور اُس کو جلا دیا، قابیل نے جو کچھ پیش کیا تھا وہ یوں ہی رکھا رہ گیا اس پر اُسے غصہ آیا اوّل تو پہلے ہی سے ناراض تھا۔ اب مزید نفسانیت میں اُبھار آیا۔ اس اُبھار کا باعث یہ بھی ہے کہ لوگوں کو جب یہ معلوم ہوگا کہ اسکی نیاز قبول نہیں ہوئی تو اُن کی نظروں میں خفیف ہوں گا، قابیل ہابیل سے کہنے لگا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا اس میں ہابیل کا کوئی قصور نہ تھا، جس لڑکی کے بارے میں جھگڑا ہو رہا تھا اس بارے میں ہابیل کی بات قانون خداوندی کے مطابق تھی اور جب نیاز قبول نہ ہوئی تو اس میں بھی ہابیل کا کوئی قصور نہ تھا، قابیل کو حسد ہوا کہنے لگا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا اس پر ہابیل نے اچھے انداز میں اسکو سمجھایا اور یہ کہہ دیا کہ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (کہ اللہ تعالیٰ متقین ہی سے قبول فرماتا ہے) مطلب یہ تھا کہ اگر تو متقی ہوتا تو تیری نیاز قبول ہوتی، اوّل تو پہلے ہی حکم شرعی کی خلاف ورزی پر اصرار ہے اور اب مجھے قتل کرنے کا ارادہ کر رہا ہے ان سب باتوں کو چھوڑ کر تقوےٰ اختیار کرنا چاہیئے تاکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اعمال قبول ہوں۔

تقویٰ کے عموم میں کفر شرک سے بچنا اور ہر طرح کے گناہوں سے بچنا سب آجاتا ہے اور کافر کا تو کوئی عمل قبول ہی نہیں ہے، کسی عمل کا اللہ کی بارگاہ میں قبول ہو جانا بہت بڑی نعمت ہے، عمل تو بہت کیے جاتے ہیں لیکن ثواب اُسی عمل پر ملے گا جو اللہ کے یہاں قبول ہو جائے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ، نے فرمایا۔

لان استیقن ان اللّٰہ تقبل لی صلوٰۃ واحدۃ احب الیَّ من الدنیا ومافیھا، ان اللّٰہ یقول انما یتقبل اللّٰہ منَ المتقین (ابن کثیر)

(اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ میری ایک نماز مقبول ہوگئی تو یہ میرے لیے ساری دنیا اور اس میں جو کچھ ہے اس سب سے بہتر ہوگا) تو گویا ایک اچھے پیرائے میں ہابیل نے قابیل کو سمجھا دیا کہ تقویٰ اختیار کر چونکہ اس میں حسد کی آمیزش بھی تھی وہ بھی گناہ ہے اسلئے تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت میں حسد سے باز رہنے اور بچنے کی تنبیہ ہوگئی، حاسد یہ دیکھتا ہے کہ فلاں شخص کو ایسی ایسی نعمت مل گئی ہے اور خواہ مخواہ صاحب نعمت سے جلتا ہے حالانکہ صاحب نعمت کا اس میں کچھ بھی قصور نہیں ہوتا اس میں تو اللہ تعالیٰ سے ناراضگی ہے کہ فلاں کو کیوں دیا مجھے کیوں نہیں دیا، ہابیل نے جو قابیل کو نصیحت کی اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ صاحب نعمت کی نعمت کے زوال کی فکر میں پڑنے کی بجائے حاسد کو تقویٰ اختیار کرنا چاہیئے۔ در حقیقت تقویٰ بہت بڑی چیز ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے **اوصیکَ بتقوَی اللّٰہ فانہ ازین لامرک کُلّہ** (کہ میں تجھے اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ تیرے ہر کام کو زینت دینے والا ہے) مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۵۔

(۳) مفسرین لکھتے ہیں کہ ہابیل سب سے پہلا مقتول بھی تھا اور سب سے پہلا میت بھی تھا اس سے پہلے کسی انسان کی موت نہ ہوئی تھی لہٰذا قتل کرنے کے بعد قابیل کو پریشانی تھی کہ نعش کو کیا کرے لہٰذا بوری وغیرہ میں بھر کر نعش کو کمر پر اُٹھائے ہوئے پھرتا رہا، اوّل تو بوجھ اُٹھا کر لیے پھرنے کی مُصیبت! دوسرے اس کے اردگرد مُردہ خور جانوروں کی بھیڑ کہ یہ اسے چھینکے تو کھائیں دونوں باتیں وبال جان بنی ہوئی تھیں، جب ایک کوّے نے دوسرے کوّے کو قتل کر کے اور دفن کر کے دِکھا دیا تو اپنے بھائی کی لاش کو دفن کیا، لاش کو ختم کرنے کے اور بھی طریقے تھے مثلاً آگ میں جلا دیا جائے یا سمندر میں پھینک دیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین میں دفن کرنے کا طریقہ بتایا گیا جو ایک طبعی اور فطری طریقہ ہے انسان مٹی سے پیدا ہوا ہے مٹی ہی میں مل جاتا ہے۔ گلے سڑے جو کچھ ہو مٹی کے اندر ہو اس کے بعد سے عموماً تمام انسان نعشوں کو دفن ہی کرتے ہیں سوائے ہندوستان کے مشرکوں کے کہ وہ جلاتے ہیں اور سوائے پارسیوں کے کہ وہ اپنی نعشوں کو گِدھوں کو کھلا دیتے ہیں انسان کا اکرام اسی میں ہے کہ موت کے بعد اُسے دفن کر دیا جائے، اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا یہی طریقہ ہے۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جو بھی کوئی شخص کسی شخص کو بلا عوض جان کے یا بغیر کسی فساد کے قتل کر دے جو زمین میں ہو تو گویا قتل

فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ۚ وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ۚ

کرنے والے نے سب لوگوں کو قتل کر دیا، اور جس نے کسی جان کو زندہ رکھا تو گویا اس نے سب لوگوں کو زندہ کر دیا، اور یہ واقعی بات ہے کہ

وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ بَعْدَ ذَٰلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ ﴿۳۲﴾

ان کے پاس ہمارے رسول کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آئے پھر اس کے بعد ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں زیادتی کرنے والے ہیں

جس نے ایک جان کو قتل کیا گویا تمام انسانوں کو قتل کیا

تفسیر: یعنی اس وجہ سے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے نے اپنے بھائی پر ظلم و زیادتی کرتے ہوئے قتل کر دیا ہم نے بنی اسرائیل پر یہ بات لکھدی یعنی ان کے لئے شریعت بنادی اور اس کا اعلان کر دیا کہ جو بھی کوئی شخص کسی شخص کو قتل کر دے اور یہ قتل کرنا کسی جان کے عوض نہ ہو اور زمین میں جو فساد ہو اُسے روکنے کے لئے نہ ہو تو گویا کہ اس قاتل نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی جان کو زندہ کر دیا یعنی کسی جان کو ہلاکت سے بچالیا تو گویا اُس نے تمام انسانوں کو زندہ کر دیا۔

علامہ قرطبی ج ۶ ص ۱۴۶ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں جو تشبیہ ہے اس کے بارے میں مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں پھر حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کے اقوال نقل کئے ہیں۔ ان میں ایک قول حضرت مجاہد تابعی کا بھی ہے اور وہ یہ کہ جو شخص کسی بھی ایک جان کو بلا وجہ شرعی قصداً قتل کر دے تو اسکی سزا جہنم کا داخلہ ہے اور اللہ کا اس پر غضب ہو گا اور اللہ کی اس پر لعنت ہو گی اور اس کے لئے بڑا عذاب ہے جیسا کہ سورہ نساء میں اسکی تصریح ہے اگر کوئی شخص تمام لوگوں کو قتل کر دے تو اسکی سزا اس سے زیادہ نہیں ہے لہٰذا ایک جان، کا قتل کرنا اور سب جانوں کا قتل کرنا برابر ہوا لہٰذا کوئی شخص کسی ایک جان کو بھی قتل نہ کرے، اسی طرح سے جو شخص قتل کر رہا تھا اور وہ قتل سے رُک گیا تو گویا اس نے سب آدمیوں کو بچالیا۔

اور ایک قول علامہ قُرطبی نے یہ نقل کیا ہے کہ ایک جان کو قتل کرنے والے کو ایسا گناہ ہوتا ہے جیسا کہ سب لوگوں کو قتل کرنے کا گناہ، یہ قول آیت کے ظاہری الفاظ سے قریب تر ہے اور حدیث شریف میں جو یہ فرمایا ہے کہ لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كِفْلٌ مِنْ دَمِهَا لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ (کہ جو شخص بھی ظلماً قتل ہو گا آدم کے پہلے بیٹے پر بھی اس کے قتل کی شرکت رہے گی کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کی بنیاد ڈالی۔ رواہ البخاری و مسلم) اس حدیث سے بھی اس قول کی تائید ہوتی ہے، علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ یہ بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص ہے ان پر عذاب میں تغلیظ اور تشدید فرمائی، اس تغلیظ کی وجہ بعض مفسرین نے لکھی ہے کہ بنی اسرائیل پر سب سے پہلے کتاب اللہ یعنی توریت شریف میں قتل نفس کا ممنوع ہونا نازل ہوا تھا اگر چہ اس سے پہلے بھی قتل نفس ممنوع تھا لیکن کسی کتاب الٰہی میں ممانعت وارد نہیں ہوئی تھی۔ اور ان لوگوں میں سرکشی اور طغیانی بھی بہت تھی حتیٰ کہ بہت سے انبیاء علیہم السلام کو بھی انہوں نے قتل کر دیا

اس کے بعد کسی جان کو بچانے کی فضیلت بیان فرمائی۔ وَمَنْ اَحْیَاھَا فَکَاَنَّمَآ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا (اور جس کسی نے جان کو زندہ رکھا یعنی کسی کی زندگی کے بچنے کا ظاہری سبب بن گیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندہ کیا)

اس کے بعد بنی اسرائیل کی نافرمانی کا ذکر فرمایا وَلَقَدْ جَآءَتْھُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ کَثِیْرًا مِّنْھُمْ بَعْدَ ذٰلِکَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ (اوران کے پاس ہمارے رسول کھلی کھلی دلیلیں لے کر آئے پھر بھی ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں اسراف کرنے والے یعنی حد سے بڑھنے والے ہیں)

فائدہ: حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جو بھی کوئی شخص دنیا میں ظلماً قتل کریگا اس کے گناہ میں آدم کے اس بیٹے کا حصہ بھی ہوگا جس نے دنیا میں سب سے پہلے قتل کیا تھا' عذاب وثواب کا ایک یہ بھی قانون ہے کہ جو شخص کسی خیر کی ابتداء کرے گا اسے اپنے عمل کا بھی ثواب ملے گا اور جو لوگ اسکی دیکھا دیکھی یا اس کی تعلیم وتبلیغ سے اس پر عمل کریں گے ان کے عمل کا بھی اس ابتداء کرنے والے شخص کو ثواب ملے گا اور عمل کرنے والوں کے ثواب میں بھی کچھ کمی نہ ہوگی' اسی طرح اگر کسی شخص نے اپنے عمل سے یا قول سے کسی برائی کی بنیاد ڈال دی تو اس برائی کو جو لوگ اختیار کریں گے ان کے گناہوں کا بوجھ بھی اس بنیاد ڈالنے پر ہوگا اور عمل کرنے والوں کو گناہوں میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ (کما جاء مصرحاً فی حدیث ابی مسعودؓ عند مسلم مشکوٰۃ المصابیح ج اص ۳۳)

مومن بندوں کو خیر کا داعی اور خیر کا رواج دینے والا اور خیر کا پھیلانے والا بننا چاہیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس بندہ کے لیے خوش خبری ہو جسے اللہ نے خیر کی چابی بنایا ہو اور خیر کا تالا بنایا ہو، اور خرابی ہے اس شخص کے لیے جسے اللہ تعالیٰ نے شر کی چابی بنایا ہو اور شر کا تالا بنایا ہو (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۴) بدعتوں کو رواج دینے والے اپنے بارے میں غور کرلیں۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا
جو لوگ اللہ سے اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد کے لئے دوڑتے ہیں ان کی سزا یہی ہے کہ اُن کو قتل کیا جائے
اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ
یا اُنکو سولی پر چڑھایا جائے یا اُن کے ہاتھ پاؤں جانب مخالف سے کاٹ دیئے جائیں یہ دنیا میں اُن کی
لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۳۳﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ
رسوائی اور اُن کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے توبہ کر لی اس سے پہلے کہ
تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۴﴾
تم ان پر قدرت پاؤ' سو جان لو کہ بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے

دُنیا اور آخرت میں ڈاکوؤں کی سزا

تفسیر: ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے ڈاکوؤں اور راہزنوں کی سزا بیان فرمائی ہے جو دنیاوی احکام سے متعلق ہے اور آخر میں فرمایا کہ یہ دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہوگا۔ آیت شریف میں چار سزاؤں کا ذکر ہے ایک قتل دوسرے سولی پر چڑھانا تیسرے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دینا۔ یعنی داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں، چوتھے زمین سے دور کرنا۔ ڈکیتی اور رہزنی کو اللہ اور رسول سے لڑنے سے تعبیر فرمایا کیونکہ یہ لوگ اللہ کی شریعت کا مقابلہ کرتے ہیں۔ جو رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ بندوں تک پہنچی ہے اور زمین میں جو امن وامان ہے اُسے تباہ کرتے ہیں۔

آیت کریمہ اَنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ کا سببِ نزول: زمانہ نبوت میں ایک واقعہ پیش آیا جو آیت بالا کے نازل ہونے کا سبب بن گیا اور ڈکیتی کرنے والوں کے بارے میں مستقل ایک قانون نازل ہو گیا۔ علامہ واحدی نے اسباب النزول میں حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے۔

کہ بنی عکل اور بنی عرینہ کے چند آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو آٹھ افراد تھے ان لوگوں نے (ظاہری طور پر) اسلام قبول کر لیا اور آپ سے بیعت اسلام بھی کر لی پھر ان کو مدینہ کی آب وہوا راس نہ آئی بیمار ہو گئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ان کے مرض کی کیفیت بیان کی گئی آپ نے ان سے فرمایا کہ تم چاہو تو صدقہ کے اونٹوں کی طرف نکل جاؤ جہاں وہ چرتے ہیں جانوروں کو جو چرانے والا ہے اسی کے ساتھ رہو ان اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پیتے رہو۔ ان لوگوں نے اسے منظور کیا وہاں جنگل میں رہنے لگے۔ اُنہوں نے اونٹوں کا پیشاب بھی پیا اور دودھ بھی، جب تندرست ہو گئے تو چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہانک کر لے گئے جب آنحضرت ﷺ کو ان کی اطلاع ہوئی تو ان کے پیچھے آدمی بھیجے ان کو پکڑ کر لایا گیا اور خدمت عالی میں پیش کیا گیا پھر آپ کے حکم سے ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے گئے اور ان کے آنکھوں میں گرم سلائی پھیر دی گئی (جس سے وہ اندھے ہو گئے) پھر دھوپ میں ڈال دیئے گئے یہاں تک کہ وہ مر گئے۔

یہ واقعہ امام مسلم نے ج۲ص۵۷ مختلف اسانید سے نقل کیا ہے۔ صحیح بخاری ج۲ص۶۰۲ میں بھی مذکور ہے اسباب النزول میں ہے کہ حضرت قتادہ تابعی نے فرمایا کہ آیت اَنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ (آخر تک) کے بارے میں ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ مذکورہ بالا واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ علماء نے فرمایا ہے کہ پیشاب پینے کی جو اجازت ان لوگوں کو دی گئی تھی وہ اس وجہ سے تھی کہ ان کے بارے میں آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دیدی گئی تھی کہ وہ مرتد ہو جائیں گے وفیہ توجیہات اخر مذکورۃ فی شروح الحدیث۔

ڈاکوؤں کی چار سزائیں: آیت بالا میں چار سزاؤں کا ذکر ہے (۱) قتل کرنا (۲) سولی پر چڑھانا (۳) جانب

مخالف سے ہاتھ پاؤں کاٹنا (۴) زمین سے دُور کر دینا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ چار سزائیں مختلف جرائم کے اعتبار سے ہیں اگر ڈاکوؤں نے قتل بھی کیا ہو مال بھی لیا ہو تو وہ قتل کئے جائیں گے اور سولی پر چڑھائے جائیں گے اور اگر قتل کیا ہو مال نہ لیا ہو تو قتل کئے جائیں گے اور اگر مال لیا ہو اور قتل نہ کیا ہو تو ہاتھ پاؤں جانب مخالف سے کاٹ دیے جائیں گے' اور اگر کہیں رہزنی کے لئے بیٹھ گئے ہوں جس سے لوگ خوف زدہ ہوں تو ان کو زمین سے دُور کر دیا جائے۔ زمین سے دور کرنے کا مطلب کیا ہے اس کے بارے میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جلاوطن کر دیا جائے اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جیل میں ڈال دیا جائے جب تک کہ توبہ نہ کرے جیل ہی میں رکھا جائے۔ محمد ابن جریر طبری نے دونوں باتوں کو جمع کر دیا وہ کہتے ہیں کہ اسے اپنے شہر سے دور کسی دوسرے شہر کی جیل میں ڈالدیا جائے یہاں تک کہ توبہ کرے۔ حضرت مکحول تابعی نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے جیل میں رکھنے کا سلسلہ جاری کیا اور فرمایا کہ میں بند رکھوں گا جب تک مجھے اس کی توبہ کا علم نہ ہو جائے اور میں جلاوطن نہ کروں گا تا کہ یہ وہاں کے لوگوں کو تکلیف نہ دے۔

بعض علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ امیر المومنین کو اختیار ہے کہ چاروں سزاؤں میں سے جو بھی سزا جس ڈاکو کے لئے اختیار کرے کر سکتا ہے ان حضرات کے نزدیک یہ چاروں سزائیں مختلف احوال کے اعتبار سے نہیں ہیں لیکن حضرت امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما نے اُسی تفسیر کو اختیار کیا ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اوپر منقول ہوئی ہے۔

سولی دینے کا جو اوپر ذکر آیا ہے اس کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان کو قتل کر کے سولی پر لٹکا دیا جائے اور بعض ائمہ نے فرمایا ہے کہ زندہ سولی پر لٹکا کر نیچے سے پیٹ میں نیزہ گھونپ دیا جائے اور وہ اسی حالت میں مر جائے بعض حضرات کا یہ بھی فرمانا ہے کہ تین دن تک زندہ سولی پر لٹکا دیا جائے اور پھر اسے اُتار کر قتل کر دیا جائے (معالم التنزیل ج ۲ ص ۳۳) مال لینے کی صورت میں جو یہ فرمایا ہے جانب مخالف سے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں اس کے بارے میں فقہاء لکھتے ہیں کہ داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے۔

فائدہ: یہ قتل کرنا اور ہاتھ پاؤں کاٹنا شرعی سزا کے طور پر ہے جس کو قتل کرنا ہو اس کے اولیاء اگر معاف کر دیں تب بھی معاف نہ کیا جائے گا۔ ان کے معاف کرنے کے باوجود اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اسی طرح سے اگر اس نے مال معاف کر دیا جس کا مال لیا ہے تب بھی سزا معاف نہ ہوگی۔ ڈکیتی کے طور پر مال لوٹنے میں چونکہ چوری سے بڑھ کر جُرم ہے جس کی وجہ سے امن عام فوت ہو جاتا ہے اسلئے ڈکیتی کی سزا دوہری ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ چوری کرنے کی وجہ سے پہلی بار داہنا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور دوبارہ چوری کرے تو بایاں پاؤں کاٹا جاتا ہے لیکن ڈکیتی میں پہلی ہی مرتبہ دونوں سزائیں مشروع کی گئی ہیں۔

اسی طرح سے قتل کرنے کی صورت میں تمام ڈاکوؤں کو قتل کر دیا جائیگا جنہوں نے کسی جگہ جماعتی طور پر بیٹھ کر کسی کو قتل کیا

ہو۔ اگر ان میں سے ایک ہی شخص نے قتل کیا ہو اور ایک ہی شخص کو قتل کیا ہو۔ تب بھی سب کو قتل کیا جائیگا کیونکہ یہ قتل قصاص کے اصولوں پر نہیں ہے بلکہ عامۃ الناس کا امن فوت کرنے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرنے کے لئے نکلنے کی سزا کے طور پر ہے۔

ڈاکوؤں کی سزائیں بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا ذٰلِکَ لَھُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ کہ یہ ان لوگوں کی اس دنیا میں رسوائی ہے۔ مقتول ہوں گے اور سولی پر چڑھیں گے اور ہاتھ پاؤں کٹے پھریں گے اور آخرت میں بھی انکے لئے بڑا عذاب ہے۔

ایک پانچویں صورت رہ گئی اسے صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے اور وہ یہ کہ نہ تو انہوں نے مال لیا اور نہ ہی قتل کیا بلکہ کسی شخص کو زخمی کر دیا اس کے بارے میں صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ جن زخموں میں قصاص لیا جاتا ہے ان میں قصاص لیا جائے گا اور جن میں دیت لی جاتی ہے ان میں دیت لی جائے گی۔

پھر فرمایا اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْھِمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (مگر وہ لوگ جنہوں نے اس سے پہلے توبہ کر لی کہ ان پر قائم قابو پاؤ تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے) اس کے بارے میں حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ حکومت کے گھراؤ میں آنے اور قابو پانے سے پہلے ڈاکو توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی توبہ قبول ہے لیکن اس توبہ سے صرف حد شرعی ساقط ہو جائے گی۔ حق العبد معاف نہ ہوگا۔ اگر عمداً کسی کو قتل کیا تو مقتول کے اولیاء کے اختیار ہے کہ قتل کر دیں یا معاف کر دیں اور جو مال لیا ہے اس کا واپس کرنا بھی واجب ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ توبہ سے حد شرعی معاف ہوگئی حق العبد معاف نہیں ہوا۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾
اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرو اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔
اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَھُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَہٗ مَعَہٗ لِیَفْتَدُوْا بِہٖ مِنْ عَذَابِ
بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اگر ان کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اس جیسا اس کے ساتھ اور بھی ہوتا کہ وہ قیامت کے دن کے عذاب
یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ مَا تُقُبِّلَ مِنْھُمْ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۳۶﴾ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا ھُمْ
سے جان چھڑانے کے لئے دیدیں تو یہ اُن سے قبول نہ کیا جائے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ وہ ارادہ کریں گے کہ دوزخ سے نکلیں حالانکہ وہ اس میں سے
بِخٰرِجِیْنَ مِنْھَا وَلَھُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ﴿۳۷﴾
نکلنے والے نہیں اور ان کے لئے ہمیشہ باقی رہنے والا عذاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے اور اُسکی راہ میں جہاد کرنے کا حکم

تفسیر: ان آیات میں اوّل تو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا اور اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرنے کا حکم دیا ہے تمام طاعات فرائض واجبات سنن ونوافل یہ سب اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہیں۔

قال النبی ﷺ ان اللہ قال من اذی لی ولیًّا فقد اٰذنتهٗ بالحرب وما تقرب الی عبدی بشیء احب الی مما افترضته ولا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببتهٗ (الحدیث) (صحیح بخاری ص ۹۶۳) (حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے میرے ولی کو تکلیف پہنچائی تو میں اس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں اور بندہ جن اعمال کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ اعمال ہیں جنہیں میں نے فرض کیا ہے اور میرا بندہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اسے پسند کرنے لگتا ہوں)

پھر اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا حکم دیا اور اس سب کو ذریعہ کامیابی بتایا۔

قیامت کے دن اہل کفر کو عذاب کا سامنا اور جان چھڑانے کیلئے سب کچھ دینے پر راضی ہونا

اس کے بعد اہل کفر کے بارے میں فرمایا کہ جب قیامت کے دن عذاب میں ڈال دیئے جائیں گے تو ان کی یہ آرزو اور تمنا ہوگی کہ زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اور اس کے ساتھ اس کے بقدر اور بھی ہو اور یہ سب دے کر خلاصی پالیں اور جان چھڑا لیں تو ان سے قبول نہیں کیا جائے گا اول تو وہاں کچھ ہونے کا ہی نہیں تا کہ اس کو جان کے بدلہ میں دیا جا سکے اور بالفرض ہو بھی اور اس کو دے کر جان چھڑانا چاہے تو کوئی بدلہ اور فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا اور جو دردناک عذاب ان کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ بہر حال اس عذاب میں ہمیشہ ہمیش رہنا ہی ہوگا۔ سورۂ اٰل عمران میں فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ کُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰی بِهٖ اُولٰٓئِکَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ (یعنی بے شک جنہوں نے کفر اختیار کیا اور وہ اس حالت میں مر گئے کہ کافر تھے تو اُن سے ہرگز بھی زمین بھر کر سونا قبول نہ کیا جائے گا اگر چہ وہ اس کو جان کے بدلہ میں دینا چاہیں، یہ لوگ ہیں جن کو دردناک عذاب ہوگا اور کوئی بھی اُن کا مددگار نہ ہوگا)

اور سورۂ رَعد میں فرمایا وَالَّذِیْنَ لَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَا فْتَدَوْا بِهٖ اُولٰٓئِکَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ وَمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ (اور جنہوں نے اس کا کہنا نہ مانا اگر اُن کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اسی قدر اس کے ساتھ اور ہو تو یہ لوگ اپنی جان چھڑانے کے لئے اس کو دے ڈالیں، ان لوگوں کے لئے حساب کی سختی ہے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہے)

اور سورۂ زُمر میں فرمایا وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَا فْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ (اور ظلم کرنے والوں کے پاس اگر دنیا بھر کی تمام چیزیں ہوں اور اُن کے ساتھ اُسی قدر اور بھی ہو تو

یہ لوگ قیامت کے دن بُرے عذاب سے چھوٹنے کے لئے اپنی جان کے بدلہ میں دینے کو تیار ہوں گے) قیامت کے دن جب عذاب دیکھیں گے تو نہ صرف مال بلکہ آل اولاد اعزہ واقرباء سب کو اپنی جان پر قربان کرنے اور اپنے جان کو عذاب سے چھڑانے کی آرزو کریں گے۔ سورہ معارج میں فرمایا یَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ یَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ یَوْمِئِذٍۢ بِبَنِیْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِیْهِ وَفَصِیْلَتِهِ الَّتِیْ تُؤْوِیْهِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ یُنْجِیْهِ كَلَّا یعنی گنہگار تمنا کرے گا کہ کاش اس دن عذاب سے چھوٹنے کے عوض میں ایک بیٹوں کو اور اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی اور اپنے کنبہ کو جس میں رہا کرتا تھا و نیز جتنے لوگ زمین پر ہیں سب کو دیدے پھر یہ معاوضہ اس کو بچالے نہیں۔

کافر دوزخ سے نکلنا چاہیں گے مگر کبھی نہ نکل سکیں گے:

پھر فرمایا یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنْهَا کہ وہ دوزخ سے نکلنا چاہیں گے لیکن وہ اس سے نکلنے والے نہیں، سورۂ الٓمّٓ سجدہ میں فرمایا كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِیْدُوْا فِیْهَا (کہ جب بھی اس میں سے نکلنے کا ارادہ کریں گے اس میں واپس لوٹا دیئے جائیں گے)

پھر فرمایا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ۝ اور ان کے لئے عذاب ہے، جو ہمیشہ رہے گا۔ اوپر ڈاکہ زنی کی دُنیا میں سزا بیان فرمائی اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ یہ ان کی دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے، پھر چند آیات کے بعد چوروں کی سزا بیان فرمائی (جو آیت ذیل میں آ رہی ہے) ان دنوں کے درمیان ایک تو اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا دوسرے اللہ کی نزدیکی تلاش کرنے کا حکم دیا تیسرے جہاد فی سبیل اللہ کا حکم دیا چوتھے کافروں کا عذاب بیان کیا اور یہ بتایا کہ جب وہ عذاب میں داخل ہونگے تو اگر یہ دنیا اور اس قدر اور بھی کچھ ان کے پاس ہو تو یہ سب جان چھڑانے کے لئے خرچ کرنے کو تیار ہو جائیں گے، پہلے جو دو حکم ہیں یعنی تقویٰ اختیار کرنا اور اللہ کا قرب تلاش کرنا ان دونوں میں چوری ڈاکہ زنی سے بچنا پھر داخل ہے اور یہ حکم تمام فرائض واجبات اور مستحبات کی ادائیگی کو بھی شامل ہے تیسرا حکم یعنی جہاد فی سبیل اللہ کا جو حکم دیا اس میں یہ بتادیا کہ فساد فی الارض اور چیز ہے اور جہاد فی سبیل اللہ دوسری چیز ہے جہاد فساد فی الارض کو دبانے کے لئے ہے اگر اس سلسلہ میں قتل و خون ہو جائے کافر و مشرک مارے جائیں ڈاکوؤں کا خون ہو جائے تو یہ فساد فی الارض نہیں ہے اس سے تو اللہ کی رضا اور اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے جو لوگ ڈاکہ زنی یا چوری کرتے ہیں وہ مال جمع کرنے کے لئے یہ کام کرتے ہیں ان کو بتادیا کہ جو مال اور دولت لوٹ مار کر کے اور چوری اور ڈکیتی کے ذریعہ جمع کرو گے وہ آل اولاد اور دنیا کی مثل اور کچھ بھی مل جائے تو اس سب کو جان چھڑانے کے لئے خرچ کرنے کو تیار ہو جاؤ گے مگر وہاں مال موجود نہ ہو گا عذاب بھگتنا ہی ہو گا اپنی ذات کو عذاب میں داخل کرنا اور لوگوں کو تکلیف دیکر حرام مال جمع کرنا اور اولاد کے لئے چھوڑ جانا اور آخرت میں عذاب میں گرفتار ہونا یہ تو اپنے اوپر سراپا ظلم ہے۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ

جو چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت ہو سو ان کے کردار کے عوض ان کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہ بطور سزا کے اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ غالب ہے

عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۞ فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ

حکمت والا ہے سو جو شخص اپنے ظلم کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے سو بلا شبہ اللہ اسکی توبہ قبول فرمالے گا بے شک اللہ

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۞ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ

غفور ہے رحیم ہے کیا تجھے معلوم نہیں کہ بلا شبہ اللہ کے لئے ہے مُلک آسمانوں کا اور زمینوں کا' وہ عذاب دیتا ہے جسے چاہے

وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۞

اور بخشتا ہے جسے چاہے بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے

چوروں کی سزا کا بیان

تفسیر: چند آیات پہلے ڈاکوؤں کی سزائیں ذکر فرمائیں اب چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کی سزا بیان کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت کا ہاتھ کاٹ دو یہ ان کے کرتوت کی سزا ہے جس میں دوسرے کے لئے عبرت بھی ہے۔ احادیث شریفہ میں اسکی تفصیلات وارد ہوئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ چور کا داہنا ہاتھ گٹہ سے کاٹ دیا جائیگا اس کے بارے میں علماء اُمت کے مختلف اقوال ہیں کہ کم از کم کتنی مالیت کے چرانے پر قطع ید یعنی ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اور عمر بن عبدالعزیز اور امام اوزاعی اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا کہ ۱/۴ دینار کی مالیت کا سامان چرا لے تو ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور حضرت امامؒ مالک نے فرمایا کہ تین درہم یا اتنی مالیت کا مال چُرائے تو ہاتھ کاٹا جائیگا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا کہ دس درہم یا انکی مالیت کی چوری کرنے پر ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ اس سے کم میں نہیں (اگر اس سے کم کی چوری کا ثبوت ہو جائے تو دوسری کوئی سزا دے دی جائے ہاتھ نہ کاٹا جائے)

شرعی سزا نافذ کرنے میں کوئی رعایت نہیں اور کسی کی سفارش قبول نہیں

جو بھی شخص چوری کرلے مرد ہو یا عورت اور چوری بقدر نصاب ہو (جس کا اوپر بیان ہوا) تو ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اس میں کوئی رُو رعایت نہ ہوگی' اور نہ کسی کی سفارش قبول کی جائے گی' مکہ معظمہ میں ایک عورت بنی مخزوم میں سے تھی اس نے چوری کرلی تھی۔ بنی مخزوم قریش کا ایک قبیلہ تھا اور یہ لوگ دنیاوی اعتبار سے اونچے سمجھے جاتے تھے قریش چاہتے تھے کہ اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ سرور دو عالم ﷺ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ فرما دیا تو قریش اس کے لئے فکرمند ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اس بارے میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں کسی سے سفارش کرائی جائے؟

پھر آپس میں کہنے لگے کہ اُسامہؓ بن زید کے علاوہ کون جُرأت کرسکتا ہے' وہ نبی اکرم ﷺ کے پیارے ہیں اُن سے عرض کیا گیا تو اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بات کی' آپ نے فرمایا کہ تم حدود اللہ میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟ آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا کہ تم سے پہلے لوگ اسی لئے ہلاک ہوئے کہ ان میں سے شریف آدمی چوری کرتا تھا (جسے حسب نسب اور دنیاوی اعتبار سے شریف سمجھا جاتا تھا) تو اسکو چھوڑ دیا جاتا تھا اور اگر کمزور آدمی چوری کرتا تھا تو اس پر حد قائم کردیتے تھے (پھر فرمایا) اللہ کی قسم! محمد کی بیٹی فاطمہ (اعاذہا اللہ تعالیٰ) اگر چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔

جب کوئی مرد یا عورت پہلی بار چوری کرے تو اس کا سیدھا ہاتھ گٹے سے کاٹ دیا جائے اس کے بعد دوبارہ چوری کرے تو ٹخنہ سے بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے یہاں تک کہ تمام ائمہ کا اتفاق ہے' اسکے بعد تیسری مرتبہ چوری کرے تو کیا کیا جائے اس کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ' سے مروی ہے کہ اب کوئی ہاتھ یا پاؤں نہ کاٹا جائے بلکہ اسکو جیل میں ڈال دیا جائے یہاں تک کہ توبہ کرلے' حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور امام اوزاعیؒ کا یہی قول ہے' اور حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ تیسری بار چوری کرے تو بایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے اور چوتھی بار چوری کرے تو دایاں پاؤں کاٹ دیا جائے اگر اس کے بعد بھی چوری کرے تو اسے دوسری کوئی سزا دی جائے یہاں تک کہ توبہ کرلے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا مروی ہے۔

چور کا ہاتھ کاٹنے کا قانون حکمت پر مبنی ہے اسکی مخالفت کرنیوالے بے دین ہیں

چور اور چورنی کی سزا بیان کرنے کے بعد فرمایا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا کہ یہ سزا ہے اس فعل کو جو انہوں نے کیا اور ساتھ ہی نَكَالًا مِّنَ اللهِ بھی فرمایا' نَكَال اُس سزا کو کہتے ہیں جو دوسروں کے لئے عبرت ہو اللہ جل شانہٗ عالم الغیب ہے اسے معلوم تھا کہ چوری کی سزا جو ہاتھ کاٹنے کی صورت میں کی جارہی ہے اس پر اعتراض کر کے ایمان کھو بیٹھنے والے بھی پیدا ہوں گے۔ ایسے احمقوں کے اعتراض کا جواب جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللهِ میں دیدیا اللہ جل شانہٗ خالق و مالک ہے احکم الحاکمین ہے اسے اختیار ہے کہ بندوں کو جو چاہے حکم دے اور جو قانون چاہے تشریعی طور پر نافذ فرمائے پھر وہ عزیز بھی ہے وہ سب پر غالب ہے' اور حکیم بھی ہے اس کا ہر فعل ہر فیصلہ اور ہر قانون حکمت کے مطابق ہے وہ اپنی مخلوق کو جانتا ہے انسانوں میں کیسے کیسے جذبات ہیں ان میں مصلحین بھی اور مفسدین بھی' چور بھی ہیں اور ڈاکو بھی اور ان فسادیوں کا فساد کون سے قانون کے نافذ کرنے سے روکا جاسکتا ہے اور کونسی ایسی عبرت ناک سزا ہے جو مفسدین کو فساد سے باز رکھ سکتی ہے اور عامۃ الناس کے جان و مال کی حفاظت کسی قانون کے نافذ کرنے سے ہوسکتی ہے اللہ تعالیٰ کو اس سب کا علم ہے سورۂ ملک میں فرمایا اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (کیا وہ نہ جانے جس نے پیدا کیا اور وہ باریک بین ہے باخبر

ہے) جو لوگ اسلام کی بتائی ہوئی مجرمین کی سزاؤں کو وحشیانہ یا ظالمانہ کہتے ہیں ان میں سب سے آگے آگے تو یہود و نصاریٰ ہیں جن میں مستشرقین بھی ہیں یہ تو کھلے کافر ہیں ان کا اسلام کی حقانیت ایمان ہی نہیں ہے یہ اعتراض کریں تو چنداں تعجب نہیں کیونکہ انہیں نہ حق قبول کرنا ہے نہ حق ماننا ہے اپنے اپنے دین کو باطل سمجھتے ہوئے بھی اسی پر جمے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کر کے اور انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کر کے خوش ہیں دوزخ میں جانے کو تیار ہیں۔

حیرت اُن لوگوں پر ہے جو اسلام کے بھی دعویدار ہیں اور قرآن کریم کی مقررہ سزاؤں کو وحشیانہ بھی کہتے ہیں، یہ لوگ نام کے مسلمان ہیں مسلمانوں کے درمیان رہنے اور مسلمانوں سے دُنیاوی منافع وابستہ ہونے کی وجہ سے یوں نہیں کہتے کہ ہم مسلمان نہیں ہیں مگر حقیقت میں یہ لوگ مسلمان نہیں وہ کیا مسلمان ہے جو اللہ پر، اللہ کی کتاب پر اور اللہ کے قانون پر اعتراض کرے اور اللہ کے قانون کو وحشیانہ اور ظالمانہ بتائے، یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ عزیز ہے علیم ہے خبیر ہے اُسے یہ معلوم ہے کہ امن و امان کیسے قائم رہ سکتا ہے اور شر و فساد کے خوگر کس قانون کے نافذ کرنے سے دب سکتے ہیں، پہلے آپ یورپین حکومتوں کے جاری کردہ قوانین کو لے لیں (جنہیں ایشیاء وغیرہ کے ممالک نے بھی قبول کر لیا) ان لوگوں کے یہاں چور اور ڈاکو کی یہ سزا ہے کہ انہیں جیل میں ڈال دیا جائے جو لوگ جرائم کے عادی ہوتے ہیں ان کے نزدیک جیل میں رہنا معمولی سی بات ہے جیلوں میں جاتے ہیں واپس آتے ہیں پھر چوری ڈکیتی کر لیتے ہیں پھر پکڑے جاتے ہیں پھر جیل میں چلے جاتے ہیں۔ مشہور ہے کہ اپنے ساتھیوں سے یہ کہہ کر جیل سے باہر جاتے ہیں کہ میرا چولہا ایسے ہی رہنے دینا چند دنوں بعد میں پھر واپس آ ؤں گا۔

اگر جیل کی سزا دینے سے امن و امان قائم ہو سکتا ہے اور چوری ڈکیتی کی وارداتیں ختم ہو سکتی تھیں تو اب تک ختم ہو جاتیں لیکن وہ تو روز افزوں ہیں چور ڈاکو دندناتے پھرتے ہیں مال داروں پر ان کی نظریں رہتی ہیں کبھی کسی کو قتل کیا کبھی پستول دکھا کر کسی شہری کو لوٹ لیا کبھی کسی بس کو روک کر کھڑے ہو گئے۔ کبھی ریل میں چڑھ گئے اور مسافروں کے پاس جو کچھ مال تھا وہیں دھروا لیا کبھی کسی کے گھر میں گھس گئے کبھی سونے کی دوکان لوٹ لی، اوّل تو انکو پکڑا نہیں جاتا اور اگر پکڑ بھی لیا گیا تو بعض مرتبہ رشوت چھڑوا دیتی ہے اور بعض مرتبہ یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ ان کو پکڑنے پر مامور ہیں اس ڈر سے کہ کہیں موقع دیکھ کر ہم پر حملہ نہ کر دیں انہیں چھوڑ بھاگتے ہیں اور اگر پکڑ ہی لیا اور حاکم کے سامنے پیش کر ہی دیا اور اس نے رشوت لیکر نہ چھوڑا بلکہ سزا تجویز کر ہی دی تو وہ جیل کی سزا ہوتی ہے جیل میں سزا کے مقررہ دن گذار کر اور کبھی اس سے پہلے ہی نکل آتے ہیں اور پھر انہیں مشاغل میں لگ جاتے ہیں جن کی وجہ سے جیل میں گئے تھے۔

اب اسلام کے قانون کو دیکھئے ڈاکوؤں کی سزا اوپر بیان کر دی گئیں ہے جس کی چار صورتیں بیان کی گئیں ہیں یہاں چور اور چورنی کی سزا بیان فرمائی کہ ان کا ہاتھ کاٹ دیا جائے ان سزاؤں کو نافذ کر دیں چند کو ڈکیتی کی سزا مل جائے اور چند

چوروں کے ہاتھ کٹ جائیں تو دیکھیں کیسے امن وامان قائم ہوتا ہے اور کیسے لوگ آرام کی نیند سوتے ہیں۔

جو لوگ اسلامی قوانین کے مخالف ہیں چوروں کے حامی ہیں: اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ اسلامی سزا کے نافذ کرنے کے مخالف ہیں ان کو چوروں اور ڈاکوؤں پر تو رحم آتا ہے کہ ہائے ہائے اس کا ہاتھ کٹ جائے گا اور ڈاکوؤں پر ترس آتا ہے کہ یہ مقتول ہوں گے سولی پر چڑھا دیئے جائیں گے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں گے لیکن عامۃ الناس پر رحم نہیں آتا جو بدامنی اور شر و فساد کا شکار رہتے ہیں' کیسی بھونڈی سمجھ ہے کہ عام مخلوق کو چوروں اور ڈاکوؤں کے ظلم سے محفوظ و مامون کرنے کے لئے چند افراد کو سخت سزا دینے کے روادار نہیں ہیں اور چوروں اور ڈاکوؤں کو چوری اور لوٹ مار کے مواقع فراہم کرنے کو تیار ہیں۔

جَزَآءً ۢ بِمَا كَسَبَا کے ساتھ جو نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ فرمایا ہے اس میں یہ بتا دیا کہ چور اور چوری کرنے کے لئے جو سزا تجویز فرمائی ہے وہ صرف ان ہی کے کرتوت کا بدلہ نہیں ہے بلکہ دوسروں کے لئے بھی اس میں عبرت ہے۔ پھر ساتھ ہی یہ فرمادیا کہ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ کہ (اللہ تعالیٰ غلبہ والا بھی ہے اور حکمت والا بھی) اس کا قانون حکمت کے مطابق ہے اس کے خلاف کوئی بھی قانون بنی نوع انسان کے حق میں بہتر نہیں ہے' جن ممالک میں چور کا ہاتھ کاٹنے کا قانون نافذ ہے وہاں کے بازاروں میں اب بھی یہ حال ہے کہ دکانوں پر معمولی سا پردہ ڈال کر نمازوں کے لئے چلے جاتے ہیں اور بعض دکانوں کے باہر رات بھر سامان پڑا رہتا ہے پھر بھی چوری نہیں ہوتی۔ چور کی سزا بیان کرنے کے بعد فرمایا فَمَنْ تَابَ مِنْ ۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (سو جو شخص اپنے ظلم کے بعد توبہ کرلے اور اصلاح کر لے تو بلاشبہ اللہ اسکی توبہ قبول فرماتا ہے بیشک اللہ غفور ہے رحیم ہے)

یہ تو اللہ تعالیٰ شانہٗ کا عام قانون ہے کوئی شخص کتنا ہی بڑا ظلم کرلے اور اس کے بعد نادم ہو کر سچے دل سے توبہ کرکے اور یہ توبہ اصول شریعت پر پوری اترتی ہو تو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ معاف فرمادیں گے' یہاں چونکہ چور کی سزا کے بعد توبہ کا ذکر فرمایا ہے اسلئے مفسرین کرام نے آیت کا معنی یہ لکھا ہے کہ یہ بھی کوئی چور اپنے ظلم یعنی چوری کرنے کے بعد توبہ کرلے اور پھر اصلاح حال کرلے یعنی جو مال اس نے چرایا ہے وہ واپس کردے یا مالک سے معاف کرالے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا اس کی اس توبہ کا یہ فائدہ ہوگا کہ چوری کرکے جو اللہ کی نافرمانی کی ہے آخرت میں اس پر عذاب نہ ہوگا۔ رہا ہاتھ کاٹنے کا مسئلہ تو یہ معاف نہ ہوگا یعنی قاضی کے سامنے اگر چور توبہ کرلے تو قاضی ہاتھ کاٹنے کی سزا کو رفع دفع نہیں کرسکتا توبہ کا تعلق آخرت کی معافی سے ہے۔ جو بندہ اور اللہ کے درمیان ہے اور ہاتھ کاٹنے کا قانون جو فیما بین العباد ہے اس پر عمل کیا جائے گا۔ فقہاء نے فرمایا ہے کہ ڈاکو گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کرلیں تو ڈکیتی کی سزا ان پر جاری نہ ہوگی البتہ لوگوں کی جو حق تلفی کی ہے اس کا بھگتان کرنا ہوگا۔ لیکن اگر کوئی شخص چوری کرنے کے بعد گرفتاری سے پہلے یا اس کے بعد توبہ کر

لے تو چوری کی شرعی دنیاوی سزا معاف نہ ہوگی یعنی حاکم توبہ کے بعد بھی ہاتھ کاٹ دیگا' آخر میں فرمایا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ٥ (کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہی کے لئے ہے حکومت سب آسمانوں کی اور زمین کی وہ جس کو چاہے سزا دے اور جس کو چاہے معاف کردے اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے)

اس آیت میں بتادیا کہ آسمان اور زمین سب اللہ کی ہی ملکیت ہے اسے ہر چیز کے بارے میں پورا پورا اختیار ہے جسے چاہے عذاب دے جس کی چاہے مغفرت فرمائے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یہاں تین آیات ہیں ایک آیت کے ختم پر وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ فرمایا دوسری آیت کے ختم پر وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ فرمایا اور تیسری آیت کے ختم پر اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ فرمایا۔ یعنی وہ عزیز ہے غلبہ والا ہے کسی کو اس کے کسی فعل یا قانون پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں وہ جسے چاہے عذاب دے جسے چاہے بخش دے اس کا بھی اُسے پورا پورا اختیار ہے۔ اس کے سب افعال اور سب فیصلے حکمت کے مطابق ہیں کسی کو چوں چرا کرنے کی جُراَت نہیں ہے۔ نیز ہر چیز اس کے تصرف میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

قرآن مجید میں دوسری جگہ مغفرت کا ذکر پہلے ہے اور عذاب کا ذکر بعد میں اور یہاں عذاب کا ذکر پہلے ہے کیونکہ چور کی سزا پہلے بیان ہوئی ہے اور توبہ پر مغفرت ہونے کا ذکر بعد میں آیا ہے لہٰذا ترتیب سابق کے موافق تعذیب و مغفرت کو بیان فرمادیا۔

تنبیہ: چوری کا ثبوت کس طرح ہوتا ہے اور مال لینے کی کون کون سی صورتیں اس چوری میں داخل ہیں جس کی وجہ سے ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور وہ کون کون سے مقامات ہیں جہاں سے چوری کرنے سے ہاتھ نہیں کاٹا جاتا اور پھر ہاتھ کاٹ کر کیا کیا جائے جو خون بند ہوجائے یہ سب تفصیلات فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا

اے رسول! آپ کو وہ لوگ رنجیدہ نہ کریں جو دوڑ دوڑ کر کفر میں گرتے ہیں جو اُن لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنے مونہوں سے کہا کہ ہم ایمان لائے

بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ

اور حال یہ ہے کہ ان کے دل ایمان نہیں لائے اور ان لوگوں میں سے ہیں جو یہودی ہیں جو لوگ جھوٹ کو بہت زیادہ سننے والے ہیں'

لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۗ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا

جو لوگ تمہارے پاس نہیں آئے ان کو باتیں پہنچانے کے لئے خوب دھیان سے سُنتے ہیں یہ لوگ کلمات کو ان کی جگہوں سے بدل دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہ حکم ملے

فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۗ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ

تو اس کو لے لینا اور اگر تم کو یہ حکم نہ ملے تو اس سے پرہیز کرنا' اور اللہ جس کو فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ فرمائے تو اے مخاطب اس کے لئے

اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ ۙۖ

اللہ پر تیرا کوئی زور نہیں چل سکتا یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ نے یہ ارادہ نہیں فرمایا کہ ان کے دلوں کو پاک کرے ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے

وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۴۱﴾ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ

اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے یہ لوگ جھوٹ کو خوب زیادہ سُننے والے ہیں خوب حرام کھانے والے ہیں، سو اگر وہ

جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ

آپ کے پاس آئیں تو ان کے درمیان فیصلہ فرما دیجئے یا اُن سے اعراض فرما لیجئے، اور اگر آپ اعراض کریں تو یہ آپ کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے

وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَكَيْفَ

اور اگر آپ فیصلہ دیں تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائیے، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے،

يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ

اور وہ آپ سے کیسے فیصلہ کراتے ہیں حالانکہ ان کے پاس توراۃ ہے جس میں اللہ کا حکم ہے پھر اس کے بعد وہ روگردانی کرتے ہیں

وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾

اور وہ لوگ مومن نہیں ہیں

یہودیوں کی شرارت اور جسارت اور تحریف کا تذکرہ

تفسیر: جیسا کہ ہم نے یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ (آخر تک) کی تفسیر کے ذیل میں لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے یہودی زمانہ قدیم سے آکر آباد ہو گئے تھے جب خاتم النبیین ﷺ مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہودیوں نے باوجودیکہ آپ کو جان لیا اور آپ کی جو صفات توراۃ شریف میں پڑھی تھیں ان کے مطابق آپ کو پالیا تب بھی باستثناء معدودے؟ چند افراد کے یہ لوگ مسلمان نہ ہوئے اور طرح طرح سے مخالفت کرنے لگے اور تکلیفیں دینے لگے انہیں لوگوں میں سے منافق لوگ بھی تھے جنہوں نے ظاہر میں اسلام کا کلمہ پڑھ لیا اور جھوٹ موٹ کہہ دیا کہ ہم مسلمان ہیں حالانکہ دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے یہ لوگ بھی مصیبت بنے ہوئے تھے۔

توریت میں زانی کی سزا رجم تھی: شادی شدہ مرد وعورت کی سزا کے بارے میں توریت شریف میں وہی حکم تھا جو شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ میں ہے اور وہ یہ کہ زانی مرد وعورت شادی شدہ ہو تو اسکو رجم کر دیا جائے یعنی پتھروں

سے ماردیا جائے جسے سنگسار کرنا کہتے ہیں۔ یہودیوں نے توریت شریف کے حکم کو بدل لیا تھا' ایک مرتبہ ایک یہودی نے ایک عورت سے زنا کرلیا تھا۔ آپس میں یہ لوگ کہنے لگے کہ یہ جو نبی آئے ہیں ان کے پاس چلو ان کے دین میں تخفیف ہے اگر رجم کے علاوہ انہوں نے کوئی اور فتویٰ دیا تو ہم قبول کرلیں گے اور اللہ کے یہاں حجت میں پیش کردیں گے کہ ہم نے تیرے نبیوں میں سے ایک نبی کے فتوے پر عمل کیا (سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۵۵)

معالم التنزیل ج ۲ ص ۳۶ میں ہے کہ خیبر میں جو یہودی رہتے تھے ان میں سے جو سردار قسم کے لوگ تھے ان میں سے ایک مرد نے ایک عورت کے ساتھ زنا کرلیا تھا اور یہ دونوں شادی شدہ تھے توریت شریف کے قانون، کے مطابق انکو رجم کرنا تھا یہودیوں نے ان کو رجم کرنے سے گریز کیا۔ رجم کو اچھا نہ جانا کیونکہ وہ ان کے بڑے لوگوں میں سے تھے پھر آپس میں کہنے لگے کہ یثرب یعنی مدینہ میں جو یہ صاحب ہیں (یعنی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وصحبہ وسلم) ان کی کتاب میں رجم نہیں ہے کوڑے مارنا ہے لہٰذا ان کے پاس چلو اور ان سے سوال کرو۔ یہودیوں کا ایک قبیلہ بنی قریظہ مدینہ منورہ میں رہتا تھا خیبر کے یہودیوں نے ان کے پاس پیغام بھیجا اور کہا کہ محمد (مصطفیٰ ﷺ) سے دریافت کرو کہ اگر مرد اور عورت زنا کریں اور وہ شادی شدہ ہوں تو ان کی کیا سزا ہے اگر وہ یہ حکم دیں کہ کوڑے مار کر چھوڑ دو تو قبول کرلینا اور اگر رجم کا حکم دیں تو قبول نہ کرنا اور گریز کرنا' جب یہ لوگ مدینہ منورہ آئے اور بنی قریظہ کے سامنے یہ بات رکھی تو انہوں نے کہا کہ پہلے سے سمجھ لو وہ اس بات کا حکم دیں گے جس سے تم ڈرتے ہو اس کے بعد یہودیوں کے سردار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے مسئلہ دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ تم میرے فیصلے پر راضی ہو گے تو انہوں نے کہا کہ ہاں! ہمیں آپ کا فیصلہ منظور ہوگا آپ نے ان کو رجم کا فیصلہ سنا دیا اس پر وہ فیصلہ ماننے سے منحرف ہو گئے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ ابن صوریا کو درمیان میں ڈالیں یہ شخص ان کے علماء میں سے تھا اور کانا تھا آپ نے یہود سے فرمایا کہ تم ابن صوریا کو جانتے ہو؟ کہنے لگے کہ ہاں! فرمایا وہ تم لوگوں میں کیسا شخص ہے؟ کہنے لگے کہ یہودیوں میں روئے زمین پر اس سے بڑا کوئی عالم نہیں ہے جو توریت شریف کے احکام سے واقف ہو' ابن صوریا کو لایا گیا آپ ﷺ نے یہودیوں سے فرمایا کہ تم اپنے درمیان اسے فیصلہ کرنے والا منظور کرتے ہو' کہنے لگے کہ ہاں! ہمیں منظور ہے آپ نے ابن صوریا سے فرمایا میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل فرمائی اور تمہیں مصر سے نکالا اور تمہارے لئے سمندر پھاڑا اور تمہیں نجات دی اور جس نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور جس نے تم پر من وسلویٰ نازل فرمایا۔ کیا تم اپنی کتاب، میں شادی شدہ زانیوں کے بارے میں رجم کرنے کا قانون پاتے ہو؟ ابن صوریا نے کہا کہ ہاں! قسم اس ذات کی جس کی مجھے آپ نے قسم دلائی ہے توریت شریف میں رجم کا حکم ہے اگر مجھے اس کا ڈر نہ ہوتا کہ جھوٹ بولنے یا توریت کا حکم بدلنے کی وجہ سے میں جل جاؤں گا تو میں اقرار نہ کرتا' آنحضرت سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے

سب سے پہلے خداوند تعالیٰ کے حکم کے خلاف کب رخصت نکالی؟ ابن صوریا نے کہا کہ ہم یہ کرتے تھے کہ جب کوئی بڑا آدمی زنا کرتا تو اُسے سزا دیئے بغیر چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور آدمی زنا کرتا تو اس پر سزا جاری کرتے تھے اس طرح سے ہمارے بڑے لوگوں میں زنا کاری زیادہ ہوگئی۔ اور ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک بادشاہ کے چچا کے بیٹے نے زنا کرلیا ہم نے اس پر رجم کی سزا جاری نہ کی پھر ایک اور شخص نے زنا کرلیا جو عام لوگوں میں سے تھا بادشاہ نے چاہا کہ اسے سنگسار کرے اس پر اس کی قوم کے لوگ کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! اس شخص کو سنگسار نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ بادشاہ کے چچا کے بیٹے پر زنا کی سزا جاری نہ ہو۔ جب یہ بات سامنے آئی تو آپس میں کہنے لگے کہ رجم کی سزا کے علاوہ کوئی صورت تجویز کرلیں جو بڑے اور چھوٹے ہر قسم کے لوگوں پر جاری کی جاسکے لہٰذا ہم نے یہ طے کرلیا کہ جو شخص بھی زنا کرلے اس کو ایسی رسی سے چالیس کوڑے مارے جائیں جس پر روغن قار (تارکول) لگا ہوا ہو۔ کوڑے مار کر چہروں کو کالا کردیتے تھے اور گدھوں پر بٹھا کر بازاروں میں گھما دیتے تھے گدھوں پر الٹا سوار کرتے تھے یعنی منہ گدھوں کی پچھلی ٹانگوں کی طرف ہوتا تھا جب ابن صوریا نے یہ کہا تو یہود کو صحیح بات بتانا ناگوار ہوا۔ اب صوریا نے کہا کہ اگر مجھے توریت کی مار پڑنے کا ڈر نہ ہوتا تو میں نہ بتاتا۔

جب ابن صوریا نے توریت شریف کا قانون سُنا دیا اور یہودی پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ ہم آپ کے فیصلہ پر راضی ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں یہودیوں یعنی زنا کرنے والے مرد عورت کو رجم کرنے کا فیصلہ نافذ کردیا جن کو آپ کی مسجد کے قریب رجم کردیا گیا اور آپ نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کی کہ اے اللہ! میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے آپ کے حکم کو زندہ کیا جسے یہودیوں نے مُردہ کردیا تھا اس پر اللہ جل شانہٗ نے آیت بالا **یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ** (آخر تک) نازل فرمائی، ارشاد فرمایا کہ اے رسول ﷺ تمہیں وہ لوگ رنجیدہ نہ کریں جو جلدی جلدی کفر کی طرف دوڑتے ہیں ان میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے زبان سے کہہ دیا کہ وہ مومن ہیں حالانکہ وہ دل سے مومن نہیں ہیں اور ان میں وہ بھی ہیں جو جھوٹ بولنے کے لیے آگے بڑھ بڑھ کر سُنتے ہیں یعنی وہ آپ سے باتیں سنتے ہیں تاکہ آپ کے ذمہ وہ باتیں لگائیں جو آپ نے نہیں کہیں **سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ لَمْ یَاْتُوْكَ** یہ اُن لوگوں کے لیے سُنتے ہیں اور کان دھرتے ہیں جو آپ کے پاس نہیں آئے یعنی یہ دوسرے لوگوں کے جاسوس ہیں، بنی قریظہ جو اہلِ خیبر کے جاسوس بن کر آئے تھے اس میں ان کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے انہوں نے ذکر کیا کہ ان میں سے ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ توریت میں رجم کے بارے میں کیا لکھا ہوا پاتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ اس میں تو یہ لکھا ہے کہ اُن کو رُسوا کیا جائے اور کوڑے مارے جائیں' حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وہیں موجود تھے (یہ علماء یہود میں سے تھے جنہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا) انہوں نے کہا کہ تم جھوٹے ہو بلاشبہ

توریت میں رجم کی آیت موجود ہے۔ توریت لے آؤ' وہ توریت لے آئے اسے کھولا لیکن ان میں سے ایک شخص نے رجم کی آیت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس سے پہلے اور بعد میں جو مضمون تھا اسے پڑھ دیا حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا کہ اپنا ہاتھ اُٹھا! ہاتھ اُٹھایا تو اس میں رجم کی آیت موجود تھی کہنے لگے کہ ہاں اس میں رجم کی آیت ہے اس کے بعد زنا کرنے والے مرد و عورت دونوں کو سنگسار کر دیا گیا۔

یہودیوں کا کتاب اللہ میں تحریف کرنا: یہود کی حالت بیان کرتے ہوئے مزید فرمایا یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ کہ یہ اللہ کے کلمات کو ان کی جگہوں سے ہٹا دیتے ہیں' توریت کے حکم کو انہوں نے بدل دیا تھا اور آپس میں مل کر رجم کے حکم کو منسوخ کر بیٹھے تھے' جب رسول علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ بھی اللہ کا حکم نافذ کرنے کے لئے نہیں آئے تھے بلکہ رخصت اور آسانی تلاش کرنے کے لئے آئے تھے۔ یَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۔ اسی وجہ سے کہ انہیں قانون خداوندی پر چلنا مقصود نہ تھا بلکہ آسانی تلاش کرنا چاہتے تھے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ دیکھنا اگر مطلب کے موافق حکم ملے تو اسے مان لینا اور اگر مطلب کے خلاف ہو تو گریز کرنا جن کو حق پر چلنا مقصود نہیں ہوتا ان کی ایسی ہی باتیں ہوتی ہیں' حق پر چلنا مقصود ہوتا تو توریت شریف میں کیوں تحریف کرتے اور توریت شریف میں بیان کردہ صفات کے مطابق نبی آخر الزمان علیہ کو دیکھ کر کفر پر کیوں جمے رہتے۔

بات یہ ہے کہ جب کوئی شخص گمراہی پر کمر باندھ ہی لے اور کفر در کفر اختیار کرتا چلا جائے اور تیزی سے کفر میں گرتا چلا جائے تو اللہ کی طرف سے اسے ہدایت نہیں ہوتی وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ (اور اللہ جس کو فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ فرمائے تو اللہ پر تیرا کوئی زور نہیں چلتا) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ (یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو پاک کرنے کا ارادہ نہیں فرمایا) لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے (جو سب کے سامنے آئے گی) اور آخرت میں ان کے لئے عذاب عظیم ہے یعنی وہ جہنم میں داخل ہوں گے)

یہودیوں کی حرام خوری: اس کے بعد فرمایا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ کہ یہ لوگ جھوٹ سننے والے ہیں اور خوب کان لگانے والے ہیں اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ خوب زیادہ حرام کھانے والے ہیں۔ علماء تفسیر نے فرمایا ہے کہ یہ یہود حکام کے بارے میں فرمایا یہ لوگ رشوت لیتے تھے اور جو شخص رشوت دینے کا اشارہ کر دیتا تھا اس کی بات پر کان دھرتے تھے اور پھر اُسی کے مطابق فیصلہ کر دیتے تھے' اور جس نے رشوت نہ دی خواہ وہ کیسا ہی مظلوم ہو نہ اُس کی بات سُنی جاتی تھی نہ اُس کے حق میں فیصلہ دیا جاتا تھا' لفظ سُحت عربی زبان میں کسی چیز کو بالکل جڑ سے ختم کرنے کے لئے موضوع ہے اسکو رشوت کے لئے استعمال کیا گیا ہے کیونکہ جہاں حاکموں میں رشوت کا لین دین ہو جائے وہاں حق اور

انصاف بالکل ہی ختم ہو جاتا ہے رشوت گناہ کبیرہ ہے اور جو مال رشوت میں لیا جائے وہ حرام ہے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے لَعَنَ اللّٰہُ الرَّاشِیَ وَالْمُرْتَشِیَ وَالرَّائِشَ کہ اللہ کی لعنت ہے رشوت دینے والے پر اور رشوت لینے والے پر اور اس شخص پر جو ان کے درمیان میں واسطہ بنے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۲٦)

یوں تو ہر رشوت کا لین دین حرام ہے لیکن خاص کر حاکم اور قاضی مجسٹریٹ اگر رشوت لے تو یہ اور زیادہ بڑا گناہ ہو جاتا ہے کیونکہ جس سے رشوت لے لی جائے اس کے مطابق فیصلہ کیا جاتا ہے اور عموماً ایسے فیصلے ظالمانہ ہی ہوتے ہیں۔ ظالمانہ فیصلوں کا نتیجہ دنیا میں بھی بہت بُرا ہے اور آخرت میں بھی اسکی بڑی سزا ہے۔

چند ایسے امور کا تذکرہ جنکی وجہ سے دُنیا میں عذاب آ جاتا ہے: حضرت عمرو بن عاص ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی قوم میں بھی زنا کاری پھیل جائے تو قحط کے ذریعہ ان کی گرفت کی جائے گی اور جس کسی قوم میں رشوتوں کا لین دین رواج پا جائے تو رعب کے ذریعہ ان کی گرفت کی جائے گی (یعنی ان کے دلوں پر رعب ڈال دیا جائے گا) (رواہ احمد کمافی المشکوٰۃ ص ۳۱۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس کسی قوم میں خیانت کا رواج ہو جائے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں رعب ڈال دے گا اور جس کسی قوم میں زنا کاری پھیل جائے ان میں موتیں زیادہ ہوں گی۔ اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگے گی ان کا رزق کاٹ دیا جائے گا اور جو قوم ناحق فیصلے کرے گی ان میں قتل و خون زیادہ ہوگا اور جو لوگ بدعہدی کریں گے ان پر دشمن مسلط کر دیا جائے گا (رواہ مالک کمافی المشکوٰۃ ص ۴۰۹)

ان سب چیزوں کی تباہ کاری پہلی امتیں بھگت چکی ہیں اور اب بھی بہت سی قوموں میں یہ اعمال ہیں اور ان کے نتائج دیکھنے میں آ رہے ہیں جو لوگ مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں وہ غور کریں اور اپنے حالات کو سامنے رکھیں اور سوچ لیں کہ وہ کدھر جا رہے ہیں۔

رشوت کی بعض صورتیں: رشوت صرف یہی نہیں ہے کہ حاکم کو کچھ دیکر اپنے حق میں فیصلہ کرا لیا جائے بلکہ ہر وہ کام جو کسی کے ذمہ شرعاً فرض یا واجب ہو اور ہر وہ کام جو تنخواہ لینے کی وجہ سے کسی نے اپنے ذمہ کر لیا ہو اس کام پر نقد رقم یا کچھ بھی لینا رشوت ہے۔ رشوت کی بہت صورتیں ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں جو شخص کسی محکمہ میں ملازم ہو اگر اس محکمہ میں کام کرنا شرعاً جائز ہو (اور اگر وہ محکمہ ہی حرام ہو تو اس کی تو نوکری ہی حرام ہے) تو جو کام بحیثیت ملازم کے اس کے ذمہ واجب ہے اگر وہ عوام سے پیسہ لے کر کرے تو یہ پیسہ لینا حرام ہے کیونکہ اس کام کی تنخواہ اُسے مل رہی ہے حاکم اگر صحیح فیصلہ کرے تب بھی اسکو کسی فریق سے بھی پیسہ لینا حرام ہے کیونکہ وہ صحیح فیصلہ کرنے کا پابند ہے اور اگر رشوت بھی لی اور فیصلہ بھی غلط کیا تو رشوت تو حرام ہے ہی تنخواہ بھی حرام ہوگی کیونکہ جس کام پر مامور ہے اور جس کی تنخواہ لے رہا ہے اس نے وہ کام نہیں کیا۔

جو لوگ کسی عہدہ پر پہنچ جاتے ہیں لوگ دوڑ دوڑ کر ان کے پاس مال لاتے ہیں اور ہدیہ بنا کر دیتے ہیں اور حقیقت میں یہ ہدیہ نہیں ہوتا بلکہ اس سے کسی وقت کام لینا مقصود ہوتا ہے کیونکہ حقیقت میں رشوت اور ظاہراً ہدیہ ہوتا ہے اسی لئے حضرات فقہا نے لکھا ہے کہ وہ شخص حاکم بنا اس کا ہدیہ لینے دینے کا جن لوگوں سے پہلے سے تعلق تھا وہ اب بھی ہدیہ سمجھا جائے گا لیکن جو لوگ اب دینا شروع کریں گے وہ رشوت میں شمار ہوگا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ خلافت میں ان کے ایک قریبی عزیز نے بطور ہدیہ کچھ پیش کر دیا انہوں نے اُسے واپس کر دیا جو غلام لے کر آیا تھا اس نے کہا کہ آپ ہدیہ نہیں لیتے ہدیہ تو رسول اللہ ﷺ نے بھی لیا ہے۔ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے ہدیہ تھا اور آج ہمارے لئے رشوت ہے۔ (تاریخ الخلفاء)

فائدہ: کسی سے بیٹی کا نکاح کرنے پر جو رقم لی جائے وہ رشوت ہے (جو مہر کے علاوہ ہو) اسی طرح اپنے بیٹے کے لئے لڑکی قبول کرنے پر جو مال لیا جائے وہ بھی رشوت ہے (بنگال بہار آسام میں اس کا رواج ہے) کسی کی سفارش کر دینے پر رقم یا جو بھی کچھ مال لیا جائے وہ رشوت ہے کوئی آفیسر کسی کو اپنے محکمہ میں ملازم رکھے اور اس پر رقم لے تو یہ بھی رشوت ہے بنی اسرائیل کو بُرا کہہ کر دل ٹھنڈا نہ کرلیں بلکہ اپنے ماحول کو بھی دیکھیں کہ ہم کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ پھر فرمایا فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ (سو اگر وہ آپ کے پاس آ جائیں تو ان کے درمیان فیصلہ فرما دیجئے یا ان سے اعراض کریں) وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا (اور اگر آپ ان سے اعراض فرمائیں تو وہ آپ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے) اس آیت میں اختیار دیا ہے کہ آپ اگر چاہیں ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں چاہیں فیصلہ نہ فرمائیں یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب یہود مدینہ پر اہل ذمہ کے احکام جاری نہیں ہوئے تھے اور یہودیوں سے صرف اس بات کا معاہدہ ہوا تھا کہ مدینہ منورہ پر کوئی قوم حملہ کرے گی تو مل کر دفاع کریں گے جو لوگ ذمی ہوں وہ لوگ اگر کوئی فیصلہ لے کر آئیں تو ان کے درمیان فیصلہ کر دینا واجب ہے جیسا کہ آئندہ رکوع میں ارشاد ہے وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ۔

انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کا حکم:

پھر فرمایا وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اور جس صورت میں فیصلہ کرنے نہ کرنے کا اختیار دیا ہے اس صورت میں اگر فیصلہ کرنے کی جانب رجحان ہو تو انصاف ہی کا فیصلہ کریں بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے پھر فرمایا وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ کہ یہ لوگ آپ سے کیسے فیصلہ کراتے ہیں حالانکہ ان کے پاس توریت شریف موجود ہے اس میں اللہ کا حکم لکھا ہوا ہے ان کو اس کتاب کے ماننے کا دعویٰ بھی ہے (اسے چھوڑ کر آپ سے فیصلہ کرانا تعجب کی بات ہے) ان کو حق کا فیصلہ منظور نہیں ہے دلوں میں چور دوسرا ہے مقصد ان کا یہ ہے کہ ہماری موافق فیصلہ ہو تو مانیں گے ورنہ نہیں اصل بات یہ ہے کہ انہیں حق پر چلنا مطلوب ہی نہیں ہے وَمَا

أُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ اور نہ یہ ایمان لانے والے ہیں۔

إِنَّآ أَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ أَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ

بے شک ہم نے توریت نازل کی اس میں ہدایت ہے اور روشنی ہے اس کے ذریعہ انبیاء فیصلہ کرتے تھے انبیاء جو اللہ کے فرمانبردار تھے

هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ

یہ فیصلے ان لوگوں کو دیتے تھے جو یہود تھے اور اللہ والے اور علم والے بھی فیصلہ دیتے تھے بوجہ اس کے کہ ان کو اللہ کی کتاب کو محفوظ رکھنے کا حکم دیا گیا تھا

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۚ وَمَنْ لَّمْ

اور وہ اس پر گواہ تھے۔ تو تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میری آیتوں کے ذریعہ تھوڑی سی قیمت مت خریدو اور جو شخص اس کے موافق

يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ أَنَّ

حکم نہ کرے جو اللہ نے نازل فرمایا ہے۔ سو یہی لوگ کافر ہیں اور ہم نے ان پر توریت میں لکھ دیا کہ

النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَ

جان جان کے بدلہ اور آنکھ آنکھ کے بدلہ اور ناک ناک کے بدلہ اور کان کان کے بدلہ اور دانت دانت کے بدلہ اور

السِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ۚ وَمَنْ لَّمْ

زخموں کا بدلہ ہے۔ سو جو شخص معاف کر دے وہ اس کے لئے کفارہ ہے۔ اور جو شخص اس کے موافق

يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى

حکم نہ کرے جو اللہ نے نازل فرمایا سو یہی لوگ ظالم ہیں اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ

ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۖ وَاٰتَيْنٰهُ الْإِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى

ابن مریم (علیہ السلام) کو بھیجا جو اس کتاب کی تصدیق کرنے والے تھے جو ان کے سامنے تھی یعنی توریت اور ہم نے ان کو انجیل دی جس میں ہدایت تھی

وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۶﴾

اور روشنی تھی اور وہ تصدیق کرنے والی تھی اس چیز کو جو اُن کے سامنے تھی یعنی توریت اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لئے ہدایت تھی

وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنْجِيْلِ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ

اور نصیحت! اور چاہئے کہ انجیل والے حکم کریں اس کے موافق جو اللہ نے نازل فرمایا اور جو شخص اس کے موافق فیصلہ نہ کرے جو اللہ

فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾

نے نازل فرمایا سو وہی لوگ نافرمان ہیں

توریت شریف میں ہدایت تھی اور نور تھا

تفسیر: ان آیات میں اوّل تو توریت شریف کی صفت بیان فرمائی کہ ہم نے توریت کو نازل کیا اس میں ہدایت تھی اور نور یعنی روشنی تھی جو حق و باطل کے درمیان فرق ظاہر کرتی تھی۔

پھر فرمایا کہ حضرت انبیاء علیہم السلام اللہ کے فرماں بردار بندے تھے توریت شریف کے ذریعے فیصلے فرماتے تھے ان کے یہ فیصلے یہودیوں کے حالات اور معاملات سے متعلق تھے پھر اَلنَّبِیُّوْنَ پر عطف فرمایا وَالرَّبّٰانِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ کہ ربانی اور احبار بھی توریت شریف کے ذریعہ حکم فرماتے تھے۔ ربانی رب کی طرف منسوب ہے یعنی رب والے لوگ جنہیں ہماری اصطلاح میں اللہ والے کہا جاتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد جو انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے وہ انہیں کی شریعت پر چلتے تھے اور اسی پر بنی اسرائیل کو چلاتے تھے توریت شریف کی تعلیم تبلیغ اور ترویج کی ذمہ داری سنبھالتے تھے' ان حضرات کے علاوہ جو اللہ کے نیک بندے تھے اللہ والے تھے۔ اصحاب علم تھے وہ بھی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طریقہ پر توریت شریف کے ذریعے فیصلہ کرتے تھے ربانیوں اور احبار دو جماعتیں علیحدہ علیحدہ رہی ہیں جو لوگ عبادت میں زیادہ مشغول ہوئے ان کو ربانی اور جو لوگ علم کا مشغلہ زیادہ رکھتے تھے ان کو احبار فرمایا محض عالم جس میں عبادت نہ ہو چونکہ اس کا اپنا علم خود اس کے لئے مفید نہیں ہوتا اسلیئے دوسرے لوگوں کو بھی اس سے نفع نہیں پہنچتا عموماً دیکھا جاتا ہے کہ جو شخص صرف علم کا حامل ہو اس کی طرف لوگ رجوع نہیں کرتے اور نہ اس کا علمی فیض پھیلتا ہے۔

اور جو شخص محض عبادت گذار ہو علم نہ ہو وہ جہالت میں مبتلا ہو جاتا ہے ضروری علم تو ہر عامی سے عامی شخص کے لئے بھی ضروری ہے پھر جو شخص عبادت میں زیادہ منہمک ہو اس کے لئے علم کیوں ضروری نہ ہوگا؟ بس غالب اشتغال کے اعتبار سے عالم اور درویش دو جماعتیں سمجھی جاتی رہی ہیں اور اب بھی سمجھی جاتی ہیں جس کا علمی اشتغال زیادہ ہے اسے عالم کہتے ہیں اور جس کا اشتغال عبادت میں زیادہ ہے اسے درویش کہتے ہیں اور بعض حضرات میں دونوں صفات زیادہ ہوتی ہیں ایسے حضرات بہت مبارک ہوتے ہیں جیسے امت محمدیہ علی الصلوٰۃ والتحیۃ میں دونوں جماعتیں ہیں اسی طرح حاملین توریت میں بھی دونوں جماعتیں تھیں جب تک توریت منسوخ نہیں ہوئی اسی پر عمل کرنا فرض تھا' جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی اور انجیل شریف نازل ہوئی تو اس کے احکام پر چلنا فرض ہو گیا انجیل شریف نے توریت کے بعض احکام کو باقی رکھا اور بعض کو منسوخ کردیا (وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْكُمْ)

حضرات انبیاء کرام اور انکے نائبین توریت کی حفاظت کرنے پر مامور تھے:

پھر فرمایا بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے نائبین ربانیین اور احبار

توریت کے احکام جاری کرنے کے اس لئے پابند تھے کہ اللہ تعالیٰ نے توریت شریف کو محفوظ رکھنا ان کے ذمہ لگا دیا تھا وَکَانُوْا عَلَیْہِ شُھَدَآءَ اوراس بات پر وہ گواہ بھی تھے کہ ہاں ہمارے ذمہ حفاظت کی ذمہ داری کی گئی ہے اور ہم اس کے نگران اور محافظ ہیں اس ذمہ داری کو جب تک علماء یہود نے پورا کیا توریت شریف کو تحریف سے محفوظ رکھا جب اس ذمہ داری کا احساس ختم کر دیا تو توریت شریف میں خود ہی تحریف کر بیٹھے۔ حضرت خاتم النبیین ﷺ کی بعثت سے پہلے بھی علماء یہود نے توریت شریف میں تحریف کر لی تھی اور آپ کے زمانہ کے علماء یہود بھی تحریف کرتے تھے اور اسی پر پیسے کھاتے تھے جس نے پیسے دیے اس کی مرضی کے مطابق مسئلہ بتا دیا۔ اپنی چودھراہٹ قائم رکھنے کے لئے انہوں نے اپنے عوام کو سمجھا دیا تھا کہ توریت شریف میں نبی آخر الزمان ﷺ کی جو صفات آئی ہیں وہ آپ میں پوری نہیں ہیں (العیاذ باللہ) اسی لئے متصلاً ہی فرمایا۔

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا (کہ تم لوگوں سے نہ ڈروں اور مجھ سے ڈرو اور میری آیات کے بدلہ دنیا کا متاع قلیل حاصل نہ کرو) نہ مالی رشوت لو اور نہ اپنی ریاست و چودھراہٹ باقی رکھنے کے لئے میری آیات کو بدلو اللہ کا خوف سب سے زیادہ ضروری ہے جو ہر گناہ سے بچاتا ہے۔

اور جو لوگ اللہ کے نازل فرمودہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں

پھر فرمایا وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ اور جو شخص اس کے موافق حکم نہ کرے جو اللہ نے نازل فرمایا تو یہ لوگ کافر ہیں، یہودیوں نے توریت کے حکم رجم کو جانتے ہوئے بدل دیا زانیوں کے بارے میں وہ فیصلہ نہ کرتے تھے جو توریت شریف میں تھا، تحریف کے باوجود رجم کا حکم رسول اللہ ﷺ کے عہد تک توریت شریف میں موجود تھا۔ اسی حکم کے خلاف دوسرا فیصلہ کرانے کے لئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن آپ ﷺ نے وہی فیصلہ فرمایا جو توریت میں تھا اور آپ ﷺ کی اپنی شریعت بھی اس کے مطابق تھی۔ آپ ﷺ نے اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ فرمایا اور ان لوگوں نے حق کو چھپایا اور اللہ کے قانون کی تصدیق نہ کی بلکہ اس کے انکاری ہو گئے یہاں تک کہ جب ابن صوریا نے حق بات بتا دی تو یہودیوں کو اس کا بتانا ناگوار ہوا یہودی توریت شریف سامنے ہوتے ہوئے بھی اس کے حکم کی تصدیق نہیں کرتے تھے کفر در کفر کے مرتکب بنے ہوئے تھے۔

قصاص کے احکام: اس کے بعد قصاص فی النفس اور قصاص فی الاعضاء کا حکم بیان فرمایا، توریت شریف میں جو قصاص کے احکام تھے عملی طور پر یہود نے ان کو بھی بدل رکھا تھا، مدینہ منورہ میں یہودیوں کے دو بڑے قبیلے موجود تھے، ایک قبیلہ بنی نضیر اور دوسرا بنی قریظہ تھا ان میں آپس میں لڑائی جھگڑے اور مار کاٹ کی وارداتیں ہوتی رہتی تھیں، بنی نضیر اپنے کو

اشرف اور اعلیٰ سمجھتے تھے جب کوئی شخص بنی نضیر میں سے بنی قریظہ کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تھا تو اُسے قصاص میں قتل نہیں ہونے دیتے تھے اور اس کی دیت میں ستر وسق کھجوریں بھی دے دیتے تھے اور جب کوئی شخص بنی قریظہ میں سے بنی نضیر کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تھا تو قاتل کو قصاص میں قتل بھی کرتے تھے اور دیت بھی ایک سو چالیس وسق کھجوریں بھی لیتے تھے اور اگر بنی نضیر کی کوئی عورت بنی قریظہ کے ہاتھ سے قتل ہو جاتی تو اس کے عوض بنی قریظہ کے مرد کو قتل کرتے تھے اور اگر کوئی غلام قتل ہو جاتا تھا تو اس کے بدلہ بنی قریظہ کے آزاد مرد کو قتل کرتے تھے اسی طرح کے قانون انہوں نے جراحات کے عوض کے بارے میں بنا رکھے تھے بنو قریظہ کو مال کم دیتے تھے اور خود اس سے دوگنا لیتے تھے (معالم التنزیل ج ا ص ۳۸ و بعضہ فی سنن ابی داؤد۔ اول کتاب الدیات) (جراحات سے وہ زخم مراد ہیں جس سے مضروب مقتول نہ ہوتا تھا)

اللہ جل شانہٗ نے آنحضرت ﷺ پر آیت بالا نازل فرمائی جس میں قصاص کے احکام بیان فرمائے۔ جس سے یہ معلوم ہو گیا کہ ان میں سے جو زور آور قبیلہ نے کمزور قبیلہ کے ساتھ معاملہ کر رکھا ہے یہ معاملہ توریت شریف کے خلاف ہے۔ احکام توریت کے احکام کے خلاف ہیں اور ظالمانہ ہیں اور ان کے تجویز کردہ اسی لئے اخیر میں فرمایا وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ (اور جو شخص اس کے موافق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل فرمایا تو یہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں)

قصاص کا یہ قانون ہمارے لئے بھی اس طرح مشروع ہے کہ جان کو جان کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا بشرطیکہ قاتل نے قصداً قتل کیا ہو۔ اس میں چھوٹا بڑا مرد عورت بینا اور نابینا تندرست اور اپاہج سب برابر ہیں، کسی مال دار کو کسی غریب پر اور کسی قبیلہ کو دوسرے قبیلہ پر کوئی فوقیت اور فضیلت حاصل نہیں البتہ یہ معاملہ مقتول کے اولیاء کے سپرد ہوگا وہ اگر چاہیں تو قصاص لیں اور چاہیں تو معاف کر دیں اور چاہیں تو دیت لے لیں کما قال اللہ تعالیٰ فَمَنْ عُفِیَ لَہٗ مِنْ اَخِیْہِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَیْہِ بِاِحْسَانٍ ۔ قصاص کے بدلہ دیت لینے کی اجازت شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ ہی میں ہے۔ یہودیوں کے حق میں صرف قصاص ہی مشروع تھا جیسا کہ ذٰلِکَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَرَحْمَۃٌ کے ذیل میں مفسرین نے یہ بات لکھی ہے۔

اگر کوئی شخص کسی کی آنکھ میں مار دے جس سے روشنی چلی جائے تو اس پر بھی قصاص ہے مارنے والے کی آنکھ کی روشنی ختم کر دی جائے اور اگر کوئی شخص کسی کا دانت توڑ یا اکھاڑ دے تو اس کا بدلہ بھی دلایا جائے گا اسی طرح کوئی شخص کسی کی ناک کاٹ دے تو کاٹنے والے کی ناک کاٹ دی جائے گی اور اگر کوئی شخص کسی کا کان کاٹ دے تو اس میں بھی قصاص ہے یعنی کاٹنے والے کا کان کاٹا جائے گا۔

قرآن مجید میں قصاص فی النفس کے بعد آنکھ ناک کان اور دانت میں قصاص بتایا ہے دوسرے اعضاء کا ذکر نہیں فرمایا

فقہ کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ دیگر اعضاء واطراف کے قصاص کے مسائل بھی لکھے ہیں اگر کوئی شخص کلائی سے قصداً کسی کا ہاتھ کاٹ دے تو کاٹنے والے کا بھی ہاتھ کاٹ دیا جائے اگرچہ اس کا ہاتھ بڑا ہو اسی طرح انگلیوں میں بھی قصاص ہے اگر کوئی شخص کسی کی پوری انگلی جڑ سے کاٹ دے بیچ کے جوڑوں میں سے کسی جوڑ سے کاٹ دے تو اس میں بھی قصاص ہے' اسی طرح پاؤں کاٹنے میں بھی قصاص ہے' اگر کوئی شخص ٹخنے کے جوڑ سے کسی کا پاؤں کاٹ دے تو اس کے بدلہ اسی جوڑ سے کاٹنے والے کا پاؤں کاٹ دیا جائے گا' اور بھی بہت سی تفصیلات ہیں جو فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں لکھی ہیں۔

آخر میں فرمایا وَالْجُرُوْحُ قِصَاصٌ (اور زخموں میں قصاص ہے) زخموں کی فقہاء نے دس قسمیں لکھی ہیں اور ان کے احکام میں بڑی تفصیلات ہیں جس زخم میں مساوات یعنی برابر ہو سکے اس میں قصاص ہے اور جس میں برابری نہ ہو سکے' اس میں مال دیا جائے گا ہدایہ میں (کتاب الجنایات) فصل فی الشجاج کا مطالعہ کر لیا جائے۔

فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ کے معنی: پھر فرمایا فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ۔ حضرات مفسرین کرام نے اس کے دو مطلب لکھے ہیں' اصل سوال یہ ہے کہ لَهٗ کی ضمیر کس طرف راجع ہے اگر جریح (زخمی) اور قتیل کے ولی کی طرف راجع ہے تو آیت کا یہ مطلب ہے کہ مجروح نے یا مقتول کے ولی نے اگر جارح اور قاتل کو معاف کر دیا اور اپنے حق کا صدقہ کر دیا یعنی جارح اور قاتل کو معاف کر دیا تو یہ اس کے لئے کفارہ ہے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور حسن اور شعبی اور قتادہ سے ایسا ہی مروی ہے۔

اور اگر لَهٗ کی ضمیر جارح اور قاتل (یعنی زخم کرنیوالے اور قتل کرنیوالے) کی طرف راجع ہو تو پھر معنی یہ ہوگا کہ مجروح نے یا مقتول کے ولی نے جب معاف کر دیا تو یہ زخمی کرنے والے اور قتل کرنے والے کے گناہ کا کفارہ ہو گیا اب اس پر آخرت میں مؤاخذہ نہ ہوگا[1] رہا معاف کرنے کا اجر وثواب تو وہ اپنی جگہ ہے جو دوسری آیت فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ میں بیان فرمایا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایسا ہی منقول ہے اور بعض تابعین ابراہیم نخعی مجاہد اور زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے (معالم التنزیل ج۲ ص۴۱ و۴۳)

قصاص کا شرعی قانون نافذ نہ کرنے کا وبال: قصاص کا قانون سورۂ بقرہ میں بھی بیان فرمایا ہے اور یہاں سورہ مائدہ میں بھی' جو لوگ مسلمان نہیں ہیں انہوں نے اپنے جاہلانہ قانون بنا رکھے ہیں اول تو قتل عمد ثابت ہی نہیں ہوتا۔ وکیلوں اور بیرسٹوں کی دنیا ہے "قاتل" کی حمایت کرنے والا وکیل اور بیرسٹر ایسی قانونی موشگافی کرتا ہے کہ وہ قاتل کے خلاف فیصلہ ہونے ہی نہیں دیتا۔ اور اگر دوسری جانب کے وکیل نے اُسے پچھاڑ ہی دیا اور حاکم کی رائے سزا دینے کی ہو ہی گئی تو وہ لمبی جیل کر دیتا ہے اور یہ جیل بھی ایسی کہ بیس سال کی جیل ہو تو دس سال ہی میں پوری ہو جائے کیونکہ رات اور دن

---

[1] وقد ذكر ابن عباس القولين وعلى الاول اكثر الصحابة والتابعين ومن بعدهم (قرطبی ص۲۰۸ ج۶)

کا سال علیحدہ علیحدہ شمار ہوتا ہے اس میں اول تو قاتلوں کو عبرت نہیں ہوتی انکو جیلیں کاٹنے کی عادت ہوتی ہے دوسرے اولیاء مقتول کی کوئی حیثیت نہیں سمجھی جاتی نہ انہیں حق قصاص دلایا جاتا ہے نہ دیت دلائی جائے اور عجیب بات یہ ہے کہ رؤسا مملکت کو جان بخشی کی درخواست دی جائے تو وہ بالکل ہی معاف کر دیتے ہیں حالانکہ انکو معاف کرنے کا کوئی حق نہیں ہے کافروں نے جو قانون بنا رکھے ہیں انہیں کو ان حکومتوں نے اپنا رکھا ہے جو ممالک مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ یہ لوگ بھی قصاص اور دیت کا قرآنی قانون نافذ نہیں کرتے اور اس کا بدترین پہلو یہ ہے کہ بعضے جاہل قصاص کو وحشیانہ سزا بھی کہہ دیتے ہیں اللہ کے قانون پر اعتراض کر کے کافر ہونے کو تیار ہیں لیکن دنیا میں امن وامان قائم کرنے اور قتل وخون کی وارداتیں ختم کرنے کو تیار نہیں' ان کو رحم بھی آتا ہے تو قاتلوں پر ہی آتا ہے کیسی بھونڈی سمجھ ہے۔

انجیل شریف میں ہدایت تھی اور نور تھا: توریت شریف اور اس کے بعض احکام کا تذکرہ فرمانے کے بعد حضرت سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام اور انجیل شریف کا تذکرہ فرمایا جو حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور ارشاد فرمایا وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ کہ ان انبیاء کے بعد (جو توریت شریف کے مطابق حکم کرتے تھے) ہم نے عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کو بھیجا وہ توریت شریف کی تصدیق کرنے والے تھے جو ان کے سامنے تھی اور ہم نے ان کو انجیل عطا کی جس میں ہدایت تھی اور روشنی تھی اور جو توریت کی تصدیق کرنے والی تھی جو پہلے سے موجود تھی انجیل میں متقیوں کے لئے ہدایت تھی اور نصیحت تھی' اسمیں یہ بتا دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی توریت کی تصدیق کرنے والے تھے اور جو کتاب اُن پر نازل ہوئی یعنی انجیل وہ بھی توریت شریف کی تصدیق کرنے والی تھی سارے ہی انبیاء کرام علیہم السلام آپس میں ایک دوسرے کی تصدیق کرنے والے تھے اور انجیل میں توریت شریف کی تصدیق موجود تھی بعد میں گروہ بندیاں ہو گئیں اور بنی اسرائیل نے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا نہ صرف یہ کہ انکار کر دیا اور ان کی کتاب کو نہ مانا بلکہ ان کے قتل کے درپے ہو گئے قتل تو نہ کر سکے لیکن اپنی کرنی میں انہوں نے کوئی کسر نہ چھوڑی تھی عیسائیوں میں برابر باہمی مخالفت رہی اور نصرانی یہودیوں کا یہ الزام دیتے رہے کہ انہوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا ہے۔ چند سال پہلے سیاسی گٹھ جوڑ کے تقاضے پر نصرانیوں نے اپنا الزام واپس لے لیا۔

گٹھ جوڑ مسلمانوں کی مخالفت میں متحد ہونے کے لئے کیا گیا ہے۔ یہودیوں کے مقاصد نصرانیوں سے متعلق ہیں اسلئے باہمی مخالفت کو دور کرنے کے لئے یہ راستہ نکالا گیا جو اوپر مذکور ہوا۔

اللہ کے نبی اور اللہ کی کتابیں سب ایک دوسرے کی تصدیق کرنیوالی ہیں: بہرحال یہ سیاسی گروہ بندی اور مخالفت اور موافقت لوگوں کے اپنے معاملات کی وجہ سے ہے اللہ کے نبیوں میں آپس میں کوئی مخالفت نہیں اور اللہ کی کوئی کتاب دوسری کتاب کی تکذیب کرنیوالی نہیں توریت اور انجیل میں رسول اللہ ﷺ کی تصدیق موجود تھی جسے

یہود و نصاریٰ نے محرف کر دیا اور تحریف کے باوجود اب بھی تصریحات ملتی ہیں جن میں آپ کی تصدیق اور تشریف آوری کی تبشیر موجود ہے انجیل کے بارے میں فرمایا وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ کہ وہ ہدایت ہے اور نصیحت ہے پرہیزگاروں کے لئے، یہ ایسا ہی ہے جیسے قرآن مجید کے بارے میں هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ اور هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ فرمایا ہے۔

پھر فرمایا وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (اور جو شخص اس کے موافق حکم نہ کرے جو اللہ نے نازل فرمایا تو یہی لوگ نافرمان ہیں) جن لوگوں کو انجیل شریف ان کے نبی کے ذریعہ پہنچی وہ اس کے مطابق نہ چلے اور اس کے موافق فیصلے نہ کئے اور اس میں تحریف بھی کر دی اور توحید کے عقائد کی بجائے اپنے دین میں شرکیہ عقائد داخل کر لئے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا دیا اور تین خدا مان لئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا اعتقاد کر کے کفارہ کا عقیدہ نکال لیا، پھر جب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی اور انجیل کی تصریح کے مطابق آپ کی نبوت و رسالت کا یقین ہو جانے کے باوجود ایمان نہ لائے اور گمراہی میں ہی رہ گئے ان کو حکم ہو رہا ہے کہ جو کچھ اللہ نے انجیل میں فرمایا ہے اسکے مطابق حکم کریں باطل عقائد کو چھوڑیں اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں، اللہ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں ان کے مطابق فیصلہ نہ کرنا فاسقوں ہی کا کام ہے لفظ فاسق "فسق" سے لیا گیا ہے فسق طاعت اور فرماں برداری سے نکل جانے کو کہتے ہیں کفر و شرک کامل فسق ہے اسلئے شیطان کے بارے میں فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ فرمایا۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا

اور ہم نے حق کے ساتھ آپ کی طرف کتاب اُتاری وہ اُن کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئیں اور وہ ان کتابوں کی

عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ

محافظ ہے اور آپ انکے درمیان اسکے مطابق فیصلہ کیجئے جو اللہ نے نازل فرمایا اور جو حق آپکے

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ

پاس آیا ہے اسے چھوڑ کر آپ ان کی خواہشوں کا اتباع نہ کیجئے تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے شریعت اور خاص راہ مقرر کر دی ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو

لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

ایک ہی اُمت بنا دیتا لیکن (اس نے ایسا نہیں کیا) تاکہ تم کو اس کے بارے میں آزمائے جو تم کو دیا، سو تم خیر کے کاموں کی طرف دوڑو اللہ ہی کی طرف تم

فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَ

سب کا لوٹنا ہے، سو وہ اُن باتوں کے بارے میں تم کو باخبر فرمائے گا جن میں تم اختلاف رکھتے تھے اور یہ کہ آپ ان کے درمیان اسی کے موافق فیصلہ کریں جو اللہ نے اُتارا اور

احْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ

اُن کے خواہشوں کا اتباع نہ کریں اور اس بات سے پرہیز کریں کہ یہ لوگ آپ کو اللہ کے دیئے ہوئے احکام میں سے کسی حکم سے ہٹا دیں۔ سو وہ اگر روگردانی کریں تو آپ جان

اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝ اَفَحُكْمَ

لیں کہ اللہ چاہتا ہے کہ اُن کے بعض گناہوں کی وجہ سے اُن کو سزا دیدے اور بے شک لوگوں میں بہت سے ایسے ہیں جو نافرمان ہیں' کیا

الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝

یہ جاہلیت کے حکم کو چاہتے ہیں اور اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا ان لوگوں کے لئے کون ہے جو یقین کرتے ہیں

قرآن مجید دوسری کتب سماویہ کے مضامین کا محافظ ہے

تفسیر: توریت وانجیل کا تذکرہ فرمانے اور یہ بتانے کے بعد کہ یہ دونوں اللہ کی کتابیں ہیں اور ان میں ہدایت ہے اور نور ہے۔ اور یہ کہ جو شخص اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہ دے وہ کافر ہے' اور ظالم ہے اور فاسق ہے آیات بالا میں قرآن مجید کا تذکرہ فرمایا اور یہ بتایا کہ ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل کی ہے جو حق لے کر آئی ہے اور اس سے پہلے جو اللہ کی کتابیں ہیں ان کی بھی تصدیق کرنے والی ہے (کسی یہودی یا نصرانی کو اس سے منحرف ہونے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ وہ اپنے سے پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے) اور نہ صرف یہ کہ وہ سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے بلکہ ان کے مضامین کی نگران بھی ہے' اللہ تعالیٰ نے اسکی حفاظت کا خود وعدہ فرمایا ہے اور اس سے پہلی کتابیں جو یہود ونصاریٰ کے پاس تھیں ان کو انہوں نے گم کر دیا اور ان کے مضامین بھی ادل بدل کر دیئے اب یہ قرآن خود بھی محفوظ ہے (بحفاظت الٰہیہ) اور ان مضامین کا بھی محافظ ہے جو سابقہ کتابوں میں بیان ہوئے تھے۔ ان کتابوں میں جو مضامین عقائد صحیحہ کے خلاف لوگوں نے شامل کر دیے تھے اور ان کے احکام کو بدل دیا تھا۔ قرآن مجید ان کی تردید کرتا ہے۔ اور جو صحیح عقائد ان میں بیان کئے گئے تھے اور جو احکام بتائے گئے تھے ان میں سے جن احکام کی اس امت کو ضرورت ہے ان کو بیان کرتا ہے اور ان کی حفاظت کرتا ہے۔ جیسا کہ اوپر قصاص کے احکام بیان فرمائے اور فرمایا کہ یہ توریت شریف میں مذکور تھے (جو امت محمدیہ کے لیے بھی مشروع ہیں) اسی طرح یہود ونصاریٰ کے عقائد شرکیہ کی تردید فرمائی اور بتایا کہ حضرت موسےٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے توحید کی دعوت دی تھی اور شرک سے بیزاری کا حکم دیا تھا۔

قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم: پھر فرمایا: فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ کہ جو حق آپ کے پاس آیا ہے اس کو چھوڑ کر آپ ان کی خواہشوں کا اتباع نہ کریں اللہ

فرمان کے مطابق فیصلے کریں اور لوگوں کی خواہشوں کے مطابق فیصلے نہ کریں۔

یہودیوں کا ایک مکر: بظاہر یہ خطاب آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن اس کا عموم تمام قضاۃ و حکام کو شامل ہے آپ ﷺ کو جو خاص کر کے مخاطب فرمایا اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ علماء یہود نے باہمی مشورہ سے ایک پروگرام بنایا تھا جو شرارت پر مبنی تھا' کعب بن اسد اور عبداللہ بن صوریا اور شاس بن قیس نے آپس میں کہا کہ محمد (ﷺ) کے پاس چلو ہم نے انہیں ان کے دین سے ہٹانے کا کوئی راستہ نکالیں' یہ لوگ آئے اور انہوں نے آکر کہا کہ اے محمد ﷺ! آپ کو معلوم ہے کہ ہم یہود کے علماء میں اور سرادر ہیں اور ان میں ہمارا بڑا مرتبہ ہے اگر ہم آپ کا اتباع کرلیں گے تو تمام یہود آپ کا اتباع کرلیں گے وہ ہمارے خلاف نہ جائیں گے ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان کچھ خصومت ہے ہم آپ کے پاس فیصلہ لے کر آئیں گے سو آپ ہمارے حق میں فیصلہ دینا۔ ایسا کرنے سے ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کی تصدیق کرلیں گے آپ ﷺ نے اس سے انکار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپکو فرمایا۔ کہ ان کی خواہشوں کا اتباع نہ کریں اور ان سے ڈرتے رہیں اور ہوشیار رہیں کہ وہ اللہ کے بعض احکام سے ہٹا نہ دیں۔

(البیہقی فی دلائل النبوۃ در منثور ج ۲ ص ۲۹۰)

اس لالچ میں کہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے حق چھوڑنے کی اجازت نہیں: کہ اس لالچ میں کہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے حق کے چھوڑنے اور غلط فیصلہ دینے کی کوئی گنجائش نہیں جسے اسلام قبول کرنا ہو وہ حق کے لئے قبول کرے جسے شروع ہی سے حق پر چلنا منظور نہیں وہ بعد میں کیا حق پر چلے گا' جھوٹے مسلمانوں کو اپنا بنا کر اپنی اکثریت ظاہر کرنا یہ اسلام کے مزاج کے خلاف ہے' دوسری قومیں جنھیں حق مقصود نہیں سیاسی دنیا میں اپنی اکثریت دکھانے کے لئے غیروں کو بھی اپنوں کی فہرست میں شمار کر لیتی ہیں لیکن اسلام میں ایسا نہیں ہے اسی سے معلوم ہو گیا کہ یہ جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ مخلوق کو راضی کرنے کے لئے اور کافروں کو اپنے قریب لانے کے لئے اور دنیا میں اپنی اکثریت بنانے کے لئے باہمی مشورہ کر کے اسلام کے فلاں حکم کو بدل دو یہ جہالت اور گمراہی کی بات ہے اسی طرح بعض جاہل کہتے ہیں کہ گمراہ فرقے جو اپنے عقائد کی وجہ سے حدود کفر میں جا پڑے ہیں انہیں کافر مت کہو تا کہ اسلام کے ماننے والوں کی نفری کم نہ ہو یہ بھی احمقانہ بات ہے اسلام کو ایسے لوگوں کی بالکل ضرورت نہیں ہے جو اسلام کے مدعی ہیں لیکن عقائد کے اعتبار سے کافر ہیں' اسلام حق بتاتا ہے حق ظاہر کرتا ہے مداہنت کی اجازت نہیں دیتا۔

ہر امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے خاص شریعت مقرر فرمائی: پھر فرمایا لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا کہ ہم نے تم میں سے ہر امت کے لئے ایک خاص شریعت اور ایک خاص طریقۂ عمل مقرر کر دیا ہے' عقائد تو تمام

انبیاء کرام علیہم السلام کے مشترک ہیں اور بہت سے احکام اور امر ونواہی میں بھی اتفاق ہے البتہ بعض فروعی احکام میں اختلاف پایا جاتا ہے اور چونکہ یہ تمام احکام اللہ تعالیٰ ہی کے اوامر ونواہی کے تحت ہیں اسلئے جس امت نے اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول (علیہ السلام) کی ہدایت کے مطابق عمل کیا اس نے اللہ ہی کی فرماں برداری کی پچھلی امتوں کو جو بعض احکام دیئے گئے تھے وہ منسوخ ہو گئے توریت شریف کے بعض احکام حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے منسوخ فرما دیئے (وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِىْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ)

اور توریت وانجیل کے بعض احکام شریعت محمدیہ میں منسوخ ہو گئے جب ہر شریعت اللہ ہی کی طرف سے ہے اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ مقرر ہے تو اس پر عمل کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہے اور اللہ کی فرمانبرداری میں اللہ کی رضامندی ہے' دین اور شریعت پر چلنے سے مقصد صرف اللہ کی رضا ہے اور کچھ نہیں جب اللہ راضی ہے تو اختلاف شرائع میں کچھ حرج نہیں اور جب اللہ تعالیٰ نے گزشتہ شریعتوں کو منسوخ کر دیا اور سب سے آخری شریعت یعنی شریعت محمدیہ صلی اللہ علی صاحبہا وسلم ہی کو مدار نجات قرار دیدیا تو اب دوسری شریعتوں پر چلنے کی اجازت ختم ہو گئی۔

اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی اُمت بنا دیتا: پھر فرمایا وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً (اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی جماعت بنا دیتا) وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِىْ مَآ اٰتٰكُمْ لیکن اللہ نے ایک ہی ملت بنانا پسند نہیں فرمایا۔ بلکہ مختلف امتوں کو مختلف شریعتیں عطا فرمائیں تا کہ وہ تمہیں اس دین اور اس شریعت کے بارے میں آزمائے جو تمہیں عطا فرمائی' آزمائش یہ تھی کہ دین پر عمل کرنے والے اللہ کے حکم کے فرمانبردار ہیں یا جس شریعت پر پہلے سے عمل ہو رہا ہے اس شریعت پر جامد ہونا مقصود ہے کیونکہ وہ آباؤ اجداد کی شریعت بن چکی تھی' احکام میں صرف اللہ کی رضا کو دیکھنا ہے نہ کہ باپ دادوں کی نسبتوں کو' جو شخص اللہ تعالیٰ شانہٗ کا فرمانبردار ہے اس کے نفس پر شریعت سابقہ کا چھوڑنا کیسا ہی شاق ہو وہ اللہ تعالیٰ ہی کا حکم مانے گا۔

اختلاف شرائع میں ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ امتداد زمانہ کے اعتبار سے جو عالم میں تغیر احوال ہے اس کے اعتبار سے احکام کا بدلنا مناسب ہوا تا کہ ہر زمانہ کے لوگ اپنے اپنے زمانوں کے احوال کے اعتبار سے احکام الٰہیہ پر عمل کریں لیکن اپنے طور پر کسی حکم کو بدلنے کی اجازت نہیں ورنہ وہ شریعت الٰہیہ نہ رہے گی اور شریعت اسلامیہ کو بدلنے یا منسوخ ہونے کا کوئی احتمال ہی نہیں رہا جو آخر الانبیاء علیہ السلام کو عطا کی گئی کیونکہ اس میں قیامت تک آنے والے تمام زمانوں اور تمام انسانوں کے لئے احکام ومسائل موجود ہیں۔

پھر فرمایا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ (کہ نیک کاموں کی طرف آگے بڑھو) اور نیک کام وہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے نیک عمل قرار دیا اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ (اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے

پھر وہ ان چیزوں کے بارے میں خبر دے گا جن میں تم اختلاف رکھتے تھے)

جزا سزا کے اعتبار سے پتہ چل جائے گا کہ حق پر کون تھا اور باطل پر کون تھا قال صاحب الروح "فالانباء ھنا مجاز عن المجازاۃ لما فیھا من تحقق الامر"۔ یہاں خبر دینا بدلہ دینے سے مجاز ہے کیونکہ اسی خبر دینے میں معاملہ واضح ہو جائے گا۔

پھر فرمایا وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ (اور آپ ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں اس کے موافق جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور ان کی خواہشوں کا اتباع نہ کریں) اس میں مکرر حکم دیا کہ اللہ کے نازل فرمودہ احکام کے مطابق فیصلہ دیں اور فیصلہ طلب کرنے والوں کے درمیان ان کی خواہشوں کے مطابق فیصلہ نہ کریں' اس حکم کو دوبارہ بطور تاکید بیان فرمایا۔

احکام الٰہیہ سے اعراض کرنا مصیبت نازل ہونیکا سبب ہے

پھر فرمایا فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ کہ اگر یہ لوگ اس فیصلہ سے اعراض کریں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے تو آپ جان لیں کہ یہ (چونکہ اللہ کی تشریع کو قبول نہیں کرتے اس لئے) ان پر تکوینی طور پر عذاب آنے والا ہے' اللہ چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے ان کو عذاب دے' ان کے جرم تو بہت سے ہیں۔ بعض جرموں کی سزا بھی ان کی بربادی اور ہلاکت کے لئے کافی ہے قال صاحب الروح ج ۲ ص ۱۰۰ "وھو ذنب التولی والاعراض فھو بعض مخصوص والتعبیر عنه بذلک للایذان بان لھم ذنوبا کثیرۃ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ (اور بلاشبہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو فرماں برداری سے خارج ہیں) ان میں سرکشی بڑھی ہوئی ہے کفر پر مُصر ہیں ایسے سرکش سزا ہی کے مستحق ہیں۔

آخر میں فرمایا: اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (کیا یہ لوگ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں اور فیصلہ کرنے کے اعتبار سے ان لوگوں کے لئے اللہ سے اچھا کون ہے جو یقین رکھتے ہیں)

جو لوگ اللہ کے حکم کے خلاف دوسرا حکم تلاش کرتے ہیں اور ان کی توبیخ کے لیے سُوال کے پیرایہ میں ارشاد فرمایا کیا یہ لوگ جاہلیت کے فیصلے کو چاہتے ہیں؟ اللہ کا فیصلہ سامنے ہوتے ہوئے جو اللہ کی کتاب بتا رہی ہے اور جو اللہ کے نبی نے سُنایا ہے (ﷺ) اس سے اعراض کر رہے ہیں اور ہٹ رہے ہیں جب اللہ کا فیصلہ ماننے سے انکار ہے تو اَب کونسا فیصلہ چاہتے ہیں اللہ کے فیصلے کے خلاف تو جاہلیت کا ہی فیصلہ ہے اللہ کے فیصلے کو چھوڑنا اور جاہلیت کے فیصلے کو اختیار کرنا کس لیے ہے؟ کیا جاہلیت کا فیصلہ اللہ کے فیصلے سے اچھا ہے؟ ایسا ہرگز نہیں! اللہ سے بڑھ کر اچھا فیصلہ دینے والا کوئی نہیں لیکن اس بات کو یقین والے بندے جانتے اور مانتے ہیں' جن کو کفر ہی پر جمے رہنے کی نیت ہے وہ اللہ کے فیصلہ پر راضی نہیں' جاہلیت کا

فیصلہ ہی انہیں مطلوب اور محبوب ہے یہ عجیب احمقانہ بات ہے اور نہایت درجہ منکر قبیح اور شنیع ہے۔

دور حاضر کے نام نہاد مسلمان بھی جاہلیت کے فیصلوں پر راضی ہیں: گذشتہ آیات میں یہودیوں کی حکم عدولی اور گمراہی کا تذکرہ ہے ان لوگوں نے رجم کے سلسلہ میں توریت کے حکم کو چھوڑ کر زانی اور زانیہ کی سزا اپنے طور پر تجویز کر لی تھی اور قصاص کے حکم کو بھی بدل دیا تھا اللہ کے فیصلے کے بجائے اپنے تجویز کردہ فیصلوں کو بطور قانون کے نافذ کر دیا تھا۔ جب رسول ﷺ کا فیصلہ معلوم کرنے کے لئے اپنے نمائندے بھیجے تو اُن سے کہہ دیا کہ تمہارے موافق ہو تو فیصلہ قبول کر لینا اور تمہارے موافق نہ ہو تو اس سے گریز کرنا۔

آج بھی حال ان لوگوں کا ہے جو مسلمان ہونے کے مدعی ہیں اور حکومتیں لیے بیٹھے ہیں اور نہ صرف وہ لوگ جنہیں حکومت مل جاتی ہے بلکہ عوام بھی قرآن کریم کے فیصلوں سے راضی نہیں ہیں اور رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے فیصلوں کو ماننے سے انکاری ہیں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ قرآنی نظام نافذ کرو تو کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں ان میں سے بہت سے لوگ نمازی بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے محبت کے دعویدار بھی ہیں لیکن یہ لوگ بھی قرآنی نظام نافذ کرنے اور نافذ کرونے کے حق میں نہیں ہیں۔

یورپین اقوام نے جو قوانین بنائے ہیں ان ہی کے باقی رکھنے کے حق میں ہیں ان پر آیت شریفہ کا مضمون اَفَحُکْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ پوری طرح صادق آرہا ہے۔ مقدمہ لڑاتے ہیں برسوں کیس چلتا ہے۔ دونوں طرف کے وکیل فیس کھاتے رہتے ہیں مال بھی خرچ ہوتا ہے اور وقت بھی ضائع، معمولی سا حق حاصل کرنے کے لیے کئی کئی گنا مال خرچ کرنا پڑتا ہے پھر بھی جاہلانہ نظام پر راضی ہیں اور اس بات پر راضی نہیں کہ قاضئ اسلام کے پاس جائیں گواہ یا قسم کی بنیاد پر قرآن و حدیث کے موافق فیصلہ ہو جائے۔

جاہلانہ قانون کا سہارا لے کر دوسروں کی جائیدادیں دبا لیتے ہیں مرحوم باپ کی میراث سے ماں اور بہنوں کو محروم کر دیتے ہیں اور طرح طرح سے ضعفاء اور فقراء کے حقوق مار لیتے ہیں یہی ظالمانہ منافع تو قانون اسلام کے نافذ کرنے کی حمایت نہیں کرنے دیتے۔ کافرانہ نظام کا سہارا لیکر اگر دنیا میں کسی کا حق مار لیا تو جب مالک یوم الدین جل جلالہ کی بارگاہ میں پیشی ہوگی اس وقت چھٹکارہ کیسے ہوگا؟

نام کے مسلمان لوگوں نے کیا طریقہ نکالا ہے کہ مسلمان بھی ہیں اور اسلام گوارا بھی نہیں، اور عجیب بات ہے کہ جو لوگ قرآن کو مانتے ہی نہیں ان کو راضی رکھنا بھی مقصود ہے چونکہ ان کی رائے اسلامی نظام کے حق میں نہیں اسلیئے قرآن ماننے والے بھی نظام قرآن نافذ کرنے کے حق میں نہیں إنا للہ وإنا الیہ راجعون۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ

اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں

وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتَرَى الَّذِيْنَ

اور جو کوئی شخص تم میں سے ان سے دوستی کرے بلاشبہ وہ ان میں سے ہے' بے شک اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا' سو آپ دیکھیں گے ان لوگوں کو

فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى

جن کے دل میں مرض ہے کہ دوڑ کر ان میں گھسے جاتے ہیں' کہتے ہیں کہ ہمیں اس بات کا ڈر ہے کہ ہم پر کوئی گردش نہ آ جائے' سو قریب

اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ ؕ

ہے کہ اللہ فتح کو لے آئے یا اپنے پاس سے کسی اور چیز کو پھر اس بات پر نادم ہوں گے جو انہوں نے اپنے نفسوں میں چھپائی اور اہل ایمان یوں کہیں گے کیا

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ

یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے خوب مضبوطی کے ساتھ اللہ کی قسمیں کھائیں کہ وہ ضرور تمہارے ساتھ ہیں؟ ان کے

لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

اعمال اکارت ہو گئے جس کی وجہ سے نقصان میں پڑنے والے ہو گئے

یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنیکی ممانعت

تفسیر: معالم التنزیل ج ۲ ص ۴۴ اور تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۶۸ میں لکھا ہے کہ حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ جو انصار کے قبیلہ خزرج میں سے تھے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہودیوں میں میرے بہت سے دوست ہیں جن کی تعداد کثیر ہے۔ میں ان کی دوستی سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں اور اللہ اور اس کے رسول ہی کی دوستی کو پسند کرتا ہوا اس پر عبداللہ بن اُبَی نے کہا (جو رئیس المنافقین تھا) کہ مجھے تو زمانہ کی گردشوں کا خوف ہے جن لوگوں سے میری دوستی ہے (یعنی یہود سے) میں ان سے بیزار نہیں ہوتا اس پر اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ سے لیکر دو آیتیں نازل فرمائیں۔

ترکِ موالات کی اہمیّت اور ضرورت: درحقیقت کافروں سے ترکِ موالات کا مسئلہ بہت اہم ہے' اپنے دین پر مضبوطی سے جمتے ہوئے سب انسان کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آنا ان کو کھلانا پلانا اور حاجتیں پوری کر دینا یہ اور بات ہے لیکن کافروں کے ساتھ دوستی کرنا جائز نہیں ہے جب دوستی ہوتی ہے تو اس میں دوستی کے تقاضے پورے کرنے

پڑتے ہیں جن میں بعض باتیں ایسی بھی بتانی پڑ جاتی ہیں جن کے بتانے میں مسلمانوں کا نقصان ہوتا ہو اور جس سے مسلمانوں کی حکومت میں رخنہ پڑتا ہو اور جس سے مسلمانوں کی جماعت میں ضعف آتا ہو' جو سچے پکے مسلمان ہوتے ہیں وہ کافروں سے دوستی کرتے ہی نہیں اور جن لوگوں کے دلوں میں ایمان نہیں صرف زبانی طور پر اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں اور دل سے کافر ہیں وہ لوگ کافروں سے دوستی کرتے ہیں' یہ لوگ اسلام کے نام لیوا بھی بنتے ہیں لیکن چونکہ اندر سے مسلمان نہیں اسلیے کافروں کی دوستی چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتے۔ اُنہیں یہ خوف بھی کھائے جاتا ہے کہ ممکن ہے مسلمان کو غلبہ نہ ہو اگر کھل کر مسلمان ہونے کا اعلان کر دیں تو کافروں سے جو دنیاوی فوائد وابستہ ہیں وہ سب ختم ہو جائیں گے۔

اگر قحط پڑ جائے یا اور کسی قسم کی کوئی تکلیف پہنچ جائے یا اور کوئی گردش آجائے تو کافروں سے کوئی بھی مدد نہ ملے گی' اس خیال خام میں مبتلا ہو کر نہ سچے دل سے مؤمن ہوتے ہیں نہ کافروں سے بیزاری کا اعلان کرنے کی ہمت رکھتے ہیں' زمانہ نبوت میں بھی ایسے لوگ تھے جن کا سردار عبداللہ بن اُبی تھا اس کا قول اوپر نقل فرمایا۔

اور آج کل بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو مسلمانوں سے بھی مل کر رہتے ہیں اور کافروں سے بھی تعلق رکھتے ہیں' کافروں کے لئے جاسوسی بھی کرتے ہیں اور مسلمانوں کے اندرونی حالات انہیں بتاتے ہیں اور خفیہ آلات کے ذریعہ دشمنانِ اسلام کو مسلمانوں کے مشوروں اور ان کی طاقت اور عساکر و افواج کی خبریں پہنچاتے ہیں' چونکہ یہ لوگ خالص دُنیادار ہوتے ہیں اسلیئے نہ اپنی آخرت کے لیے سوچتے ہیں نہ مسلمانوں کی بھلائی کے لیے فکر کرتے ہیں صرف اپنی دنیا بناتے ہیں اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہمیں مُسلمان کیا نفع پہنچائیں گے آڑے وقت اور نازک حالات میں یہود و نصارٰی سے ہی پناہ مل سکتی ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ)

اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ یہود و نصارٰے کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں جو شخص ان سے دوستی کریگا وہ انہیں میں سے ہے (دوستی کے درجات مختلف ہیں بعض مرتبہ دوستی ایسی ہوتی ہے کہ اسے نباہنے کے لیے ایمان کو چھوڑ دیا جاتا ہے یہ تو سراپا کفر ہے اور فَاِنَّـهٗ مِنْهُمْ کا حقیقی مصداق ہے اور اگر کسی نے ایمان کو چھوڑے بغیر کافروں سے دوستی کی تو اپنی دوستی کے بقدر درجہ بدرجہ انہیں میں سے شمار ہوگا اور یہ کیا کم ہے کہ دیکھنے والے اس دوستی کرنے والے کو کافروں کا ہی ایک فرد سمجھیں گے) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (بلاشبہ اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا) کافروں سے دوستی کرنا اپنے اوپر اور دوسرے تمام مسلمانوں پر ظلم ہے اور یہ ظلم کرنے والے اپنے خیال میں ہوشیار بن رہے ہیں راہ ہدایت سے منہ موڑے ہوئے ہیں انہیں ہدایت مطلوب ہی نہیں ہے اللہ انہیں ہدایت نہیں دیگا۔

فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ: منافقوں نے عہد نبوت میں جو یُوں کہا تھا کہ اگر ہم یہودیوں سے تعلق نہ رکھیں اور ان سے دوستی ختم کر دیں تو ہمیں ڈر ہے کہ آڑے وقت پر کوئی کام آنیوالا نہ ملے گا' اگر

اسلام کا غلبہ نہ ہوا اور یہودیوں سے بگاڑ کر بیٹھیں تو ہم کہیں کے نہ رہیں گے یا اگر کسی قسم کی کوئی گردش آ گئی قحط پڑ گیا مہنگائی ہوگئی تو ساہوکار یہودیوں سے جو امداد مل سکتی ہے اس سے محروم ہو جائیں گے، یہ خالص دنیا داری کا جذبہ ہے ایمانی تقاضوں کو پس پشت ڈال کر دنیاوی منافع حاصل ہونے کے احتمال پر ایسی بات کہہ گئے۔

اللہ جل شانہٗ نے اہل ایمان کو تسلی دی اور فرمایا فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ (سو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح کی صورت پیدا فرما دے یا اور کوئی صورتحال اپنے پاس سے ظاہر فرما دے) بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ فتح سے فتح مکہ مراد ہے اور بعض حضرات نے اس سے یہودیوں کی بستیاں خیبر اور فدک کا فتح ہونا مُراد لیا ہے اور اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے اسلام کا غلبہ مراد ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہودیوں کے قبیلے بنی نضیر کی جلاوطنی مُراد ہے جنہیں ۴ھ میں جلاوطن کر دیا گیا تھا چنانچہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوا مکہ معظمہ بھی فتح ہُوا خیبر اور فدک کی بستیاں بھی مسلمانوں کے قبضے میں آئیں بنی نضیر کی جلاوطنی بھی ہوئی جن سے منافقوں کو آڑے وقت میں امداد کی امید تھی فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ یعنی جب اسلام کا غلبہ ہوگا اور مسلمانوں کو فتحیابی حاصل ہوگی تو یہ منافقین اپنے نفسوں میں چھپائی ہوئی بات پر نادم ہوں گے کہ ہم نے کیا سوچا تھا اور کیا ہو گیا؟ ہم سمجھتے تھے کہ کافروں کی دوستی کچھ کام دیگی لیکن وہ تو کچھ بھی کام نہ آئی نیز بعد میں ان کا نفاق بھی کھل کر سامنے آ گیا، کافر تو مغلوب ہوئے اور یہ لوگ مسلمانوں کے بھی معتمد نہ رہے یہ بھی ندامت کا سبب ہُوا۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا (الآیۃ) یعنی جب منافقین کا نفاق کھل کر سامنے آئے گا تو اہل ایمان تعجب سے کہیں گے کیا یہ وہی لوگ ہیں جو بڑی مضبوطی کے ساتھ اللہ کی قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ان کا باطن تو کچھ اور ہی نکلا، جھوٹے کو جب اپنی بات کو باور کرانا ہوتا ہے تو بار بار تاکید کے ساتھ قسمیں کھاتا ہے، منافقین بھی ایسا ہی کرتے تھے، سچے کو قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں ہوتی اس کے اعمال اور اخلاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سچا ہے قسموں کے بغیر ہی اس پر اعتماد ہو جاتا ہے منافقوں نے جو نفاق کی چالیں چلیں اور دکھانے کو بظاہر جو نیک اعمال کئے وہ سب اکارت چلے گئے ان سے کچھ فائدہ نہ ہُوا اور بھرپور نقصان میں پڑ گئے۔ اسی کو فرمایا حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ

اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے سو عنقریب اللہ ایسی قوم کو پیدا فرما دیگا جن سے اللہ کو محبت ہوگی

وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا

اور وہ اللہ سے محبت کرنے والے ہوں گے، وہ مسلمانوں پر نرم دل ہوں گے اور کافروں پر زبردست ہوں گے، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور

يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۚ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۵۴﴾ إِنَّمَا

کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے یہ اللہ کا فضل ہے وہ دیتا ہے جسے چاہے اور اللہ بڑی وسعت والا بڑے علم والا ہے۔

وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ

تمہارا ولی بس اللہ اور اُس کا رسول ہے اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اس حال میں کہ وہ

رَاكِعُونَ ﴿۵۵﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُونَ ﴿۵۶﴾

رکوع کرنے والے ہیں اور جو کوئی شخص دوست رکھے اللہ کو اور اس کے رسول کو اور اُن لوگوں کو جو ایمان لائے سو اس میں شک نہیں کہ اللہ کا جو گروہ ہے وہی غالب ہونے والا ہے

مسلمان اگر دین سے پھر جائیں تو اللہ تعالیٰ دوسری قوم کو مُسلمان بنا دیگا

تفسیر: ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے اول تو مسلمانوں کو خطاب کرکے یوں فرمایا کہ دین اسلام کا چلنا چمکنا اور آگے بڑھنا کوئی تم پر موقوف نہیں ہے اگر تم مرتد ہو جاؤ یعنی دین اسلام سے پھر جاؤ (العیاذ باللہ) تو اسلام پھر بھی باقی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پیدا فرمائے گا جو ایمان قبول کریں گے اور ایمان کے تقاضوں کو پورا کریں گے۔ یہ لوگ اللہ کے محبوب ہوں گے اور اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے ہوں گے۔

یہ لوگ اہل ایمان سے تواضع اور نرمی اور مہربانی کے ساتھ پیش آئیں گے اور کافروں کے مقابلہ میں قوت اور طاقت اور عزت اور غلبہ کی شان دکھائیں گے یہ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اللہ کے دین کو بلند کرنے کے لیے جان و مال کی قربانیاں دیں گے کافروں سے لڑیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔

ان لوگوں کی صفات مذکورہ بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ کہ یہ سب اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے اس میں ہر دور کے مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ ایمان اور ایمان کے تقاضوں پر چلنے اور اللہ کی راہ میں قربانیاں دینے کو اپنا ذاتی کمال نہ سمجھیں اور مغرور نہ ہوں یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام ہے جسے چاہے ایمان اور اعمال صالحہ کی دولت سے نواز دے۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی — شکر خدا کن کہ موفق شدی بخیر

منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت — زفضل وانعامش معطل نہ گذاشت

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (اور اللہ بڑی وسعت والا ہے اور بڑے علم والا ہے) وُہ جسے چاہے دے اور جتنا دے اُسے اختیار ہے

اور جسے نعمت ملے وہ شکر گذار ہو یا ناشکرا بنے اسے سب کا علم ہے۔

اہل ایمان کی صفت خاصہ کہ وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں:

اہل ایمان کی جو صفات بیان فرمائیں اس میں ایک یہ ہے کہ اللہ ان سے محبت فرمائے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے' در حقیقت یہی مومن بندوں کی اصل صفت ہے' سورۂ بقرہ میں فرمایا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (اور جو لوگ اللہ پر ایمان لائے وہ اللہ کی محبت کے اعتبار سے بہت زیادہ سخت ہیں) نیز ارشاد فرمایا قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ آپ فرما دیجئے (کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تم سے محبت فرمائے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دیگا)

جب اللہ سے محبت ہوگی جو صالح بندہ ہو جو اللہ رسولؐ سے بھی محبت ہوگی جن کے اتباع کو محبت کا معیار قرار دیا ہے' اللہ کے رسول سے محبت ہوگی تو اللہ کی کتاب سے بھی محبت ہوگی اور ہر اُس بندہ سے محبت ہوگی جو صالح بندہ ہو جو اللہ رسول ﷺ کا فرماں بردار ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین خصلتیں ایسی ہیں وہ جس کسی شخص میں ہونگی ایمان کی مٹھاس محسوس کریگا ایک خصلت تو یہ ہے کہ اللہ اور اُس کا رسولؐ اُسکو سب سے زیادہ محبوب ہوں (اللہ رسول سے جو محبت ہو اس جیسی اور کسی سے محبت نہ ہو) دوسرے یہ کہ جس کسی بندہ سے محبت کرے تو یہ محبت صرف اللہ ہی کے لیے ہو۔ تیسرے یہ کہ جب اللہ نے اسے کُفر سے بچا دیا تو اب کفر میں واپس جانے کو ایسا ہی بُرا جانے جیسا کہ آگ میں ڈالے جانے کو بُرا جانتا ہے۔ (رواہ البخاری ص ۷ ج ۱)

اہل ایمان کی دوسری صفت کہ وہ مومنوں کے لئے نرم اور کافروں کے لئے سخت ہیں

اہل ایمان کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی: اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ (کہ یہ لوگ ایمان والوں کے لیے نرم اور رحم دل ہوں گے اور کافروں کے مقابلہ میں غلبہ اور دبدبہ والے ہوں گے) اسکو سورۂ فتح میں یوں بیان فرمایا: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ (محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں سخت ہیں کافروں پر اور رحم دل ہیں آپس میں) یہ صفت بھی بہت بڑی ہے اس کے بغیر ایمان برداری کا اجتماعی مزاج نہیں بنتا اور جاندار وحدت وجود میں نہیں آتی، کافروں کے مقابلہ میں سخت ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان پر ظلم کیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ کافر یہ محسوس کرتے رہیں کہ یہ لوگ قوی ہیں عزت اور شوکت والے ہیں ان سے ہم مقابلہ نہیں کر سکتے اپنا اجتماعی اور انفرادی طور طریقہ ایسا رکھیں کہ کافر یہ سمجھیں کہ یہ لوگ ہم سے برتر ہیں قوت میں زیادہ ہیں اسکو سورۂ توبہ میں فرمایا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْیَجِدُوْا فِیْكُمْ غِلْظَةً (اے ایمان والو! ان لوگوں سے

جنگ کرو جو تمہارے قریب ہیں اور وہ تمہارے اندر سختی محسوس کریں)

کفر و ایمان کی جنگ تو ہمیشہ رہی ہے اور کافروں سے بیزاری ظاہر کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ سورہ ممتحنہ میں ارشاد ہے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْقَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَ الْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ

(تمہارے لیے نیک پیروی موجود ہے ابراہیم میں اور اُن لوگوں میں جو ابراہیم کے ساتھ تھے، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا ہم بے تعلق ہیں تم سے اور اُن چیزوں سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو ہم میں اور تم میں ظاہر ہو گئی دشمنی اور بُغض ہمیشہ کے لیے جب تک کہ تم ایمان نہ لاؤ اللہ پر جو تنہا ہے)

درحقیقت جب تک کافروں سے براءت اور بیزاری نہ ہو اور ان سے بُغض اور دشمنی نہ ہو اُس وقت تک کافروں کی مُوالات یعنی دوستی کا جذبہ ختم ہو ہی نہیں سکتا۔ گذشتہ آیت میں جو کافروں کو دوست نہ بنانے کا حکم فرمایا ہے اس پر عمل ہونے کا یہی راستہ ہے کہ اُن کو دشمن سمجھا جائے جو کافر مسلمانوں کی عملداری میں رہتے ہیں جن کو شریعت کی اصطلاح میں ذِمّی کہا جاتا ہے اصول شریعت کے مطابق ان سے رَواداری رکھی جائے اس طرح جو مسلمان کافروں کے مُلک میں رہتے ہیں وہ وہاں کے کافروں سے خرید و فروخت کی حد تک اور امور انتظامیہ میں (جو شرعاً درست ہوں) میل جول رکھیں لیکن دوستی نہ کریں، آج مسلم ممالک کے حکمرانوں کا یہ حال ہے کہ کافروں سے ان کا جوڑ زیادہ ہے جو لوگ کافر ملکوں کے سربراہ ہیں ان کے سامنے بچھے جاتے ہیں اور جو مسلمان ہیں ان کے ساتھ سختی کرتے ہیں مسلمانوں کے ایک ملک کے ذمہ دار دوسرے مسلم ممالک کے مسلمانوں کو اپنے ملک سے نکلاتے ہیں اور ان پر قید و بند کی سختیاں کرتے ہیں اور جو کافر اپنے پاس رہتے ہیں انکو عہدے بھی دیتے ہیں اور اُن کی امداد بھی کرتے ہیں بلکہ اُن کو راضی کرنے کے لیے قرآن و حدیث کے قوانین جاری کرنے کو راضی نہیں، یہ سب دنیاداری کے تقاضے ہیں قرآن حدیث کی تصریحات کے خلاف ہیں۔

اہل ایمان کی تیسری صفت کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں:

اہل ایمان کی ایک اور صفت بیان فرمائی یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں لفظ جہاد جہد سے لیا گیا ہے، عربی زبان میں محنت اور کوشش اور تکلیف اٹھانے کو جہد کہا جاتا ہے اللہ کا دین پھیلانے کے لئے اس کا بول بالا کرنے کے لئے جو بھی محنت اور کوشش کی جائے وہ سب جہاد ہے اور کافروں سے جو جنگ کی جائے وہ بھی جہاد کی ایک صورت ہے اور چونکہ اس میں جان و مال کی قربانی دی جاتی ہے اسلئے اس کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ اسلام میں جو قتال مشروع ہوا ہے کفر اور شرک کو مٹانے اور نیچا دکھانے کے لئے ہے۔

خالق کائنات جل مجدہٗ کی سب سے بڑی بغاوت اور نافرمانی یہ ہے کہ اس پر ایمان نہ لائیں اُسے وحدہٗ لاشریک نہ

جانیں اس کے ساتھ عبادت میں کسی دوسرے کو شریک کرلیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات اور اسکی خالقیت اور مالکیت کو سامنے رکھا جائے اور پھر اہل کفر کی بغاوت کو دیکھا جائے تو جہاد کی مشروعیت بالکل سمجھ میں آجاتی ہے اللہ تعالیٰ کے باغیوں سے اس کے بندے قتال کریں تو اس پر کیوں طعن کیا جاتا ہے جب ایمان اور کفر کی دشمنی ہی ہے تو اہل ایمان دشمن کے خلاف جو بھی کارروائی کریں جو شریعت اسلامیہ کے موافق ہو اُسے ظلم نہیں کہا جائے گا۔

آخر کافر بھی تو مسلمان پر حملہ کرتے ہیں ان کو قتل کرتے ہیں ان کی دکانیں جلاتے ہیں ان کے ملکوں پر قبضہ کرتے ہیں اور سالہا سال انہوں نے صلیبی جنگیں لڑیں ہیں' مسلمان دشمنی کا جواب دشمنی سے دیتے ہیں تو اس میں اعتراض کا کیا موقعہ ہے؟ مسلمانوں کو دبنگ ہوکر رہنا چاہئے ورنہ اہل کفر دبالیں گے۔ (جہاد کے بارے میں انوار البیان ج۱ص۳۹۵) کا مضمون بھی دیکھ لیا جائے۔ ۱۲منہ سورہ توبہ اور سورۂ تحریم میں فرمایا۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ (اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور اُن پر سختی کرو ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہے)

بعض ملکوں میں مسلمانوں نے کافروں سے اس حد تک دوستی کر رکھی ہے (اور اس کا نام رواداری اور یک جہتی رکھا ہوا ہے) کہ اُن کے ساتھ بیٹھ کر حرام چیزیں بھی کھا پی لیتے ہیں اور اُن کے مذہبی تہواروں میں بھی شریک ہوجاتے ہیں حد یہ ہے کہ ان کی عبادت خانوں کو بنانے میں ان کی مدد بھی کردیتے ہیں ایسی رواداری کرنے کی شریعت ہرگز اجازت نہیں دیتی بہت بڑا خطرہ ہے کہ ایسی رواداری کرنیوالوں کو اور ان کی نسلوں کو یہ رواداری کافر نہ بنادے۔ (والعیاذ باللہ)

اہل ایمان کی چوتھی صفت کہ وہ کسی کی ملامت سے نہیں ڈرتے: اہل ایمان کی ایک صفت یوں بیان فرمائی کہ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ (وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے) یہ بھی اہل ایمان کی ایک عظیم صفت ہے جب اللہ پر ایمان لے آئے اور اللہ سے محبت کرتے ہیں تو مخلوق کی کیا حیثیت رہ گئی اللہ کے بارے کسی کے بُرا بھلا کہنے کا خیال کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کے حکم کی برتری ابھی تک دل میں نہیں بیٹھی۔

یہ سوچنا کہ اگر ہم اسلام پر عمل کریں گے' سفر حضر میں نماز پڑھیں گے تو کافر بُرا مانیں گے اذان دیں گے تو کافر کیا کہیں گے اگر ڈاڑھی رکھ لی تو لوگ بری نظروں سے دیکھیں گے کافروں فاسقوں کا لباس نہ پہنا تو سوسائٹی میں برے بنیں گے۔ یہ سب ایمانی تقاضوں کے خلاف ہے مومن کو اس سے کیا مطلب کہ لوگ کیا کہیں گے۔؟

اللہ کے رسول ﷺ کا اتباع کرنا ہے مومن تو اللہ کا بندہ ہے اسی کا فرمانبردار ہے مخلوق راضی ہو یا ناراض' اچھا کہے یا بُرا اسے اپنے رب کے پسند فرمودہ راستہ پر چلنا ہے۔

اللہ رسول اہل ایمان کے ولی ہیں: مومنین کی صفات بیان فرمانے کے بعد فرمایا اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ

وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ (تمہارا ولی تو بس اللہ اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ رکوع کرنیوالے ہیں)

اہل ایمان کی دوستی کو صرف اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کی دوستی میں منحصر فرما دیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنین کے علاوہ اہل ایمان کا کوئی دوست نہیں ہے، اگر کسی دوسرے کو دوست بنایا تو خطا کریں گے دھوکہ کھائیں گے دنیا وآخرت کا نقصان اٹھائیں گے ساتھ ہی اہل ایمان کی دو اہم صفات بھی بیان فرمائیں اور وہ یہ کہ نماز قائم کرتے ہیں (جو جانی عبادت ہے اور ایمان کی سب سے بڑی دلیل ہے) اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں جو مالی عبادت ہے وَهُمْ رَاكِعُوْنَ اس کے مفسرین نے کئی معنی نقل کئے ہیں ایک یہ کہ اُن میں خشوع اور تواضع کی صفت ہے ان کے دل اللہ کی فرماں برداری کے لئے جھکے ہوئے ہیں۔

اور بعض حضرات رَاكِعُوْنَ کا معروف معنی مراد لیا ہے اور وہ یہ کہ نماز پڑھتے ہوئے رکوع کی حالت میں زکوٰۃ دیتے ہیں معالم التنزیل ج ۲ ص ۴۷ میں لکھا ہے کہ حضرت علی ؓ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے رکوع میں جا چکے تھے وہاں سے ایک سائل گذرا اُس نے سوال کیا تو آپ نے رکوع ہی میں اپنے ہاتھ سے انگوٹھی اُتار دی۔ حضرت علی ؓ نے خیر کے کام میں سبقت فرمائی اور نماز ختم کرنے کا بھی انتظار نہ کیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے عمل کی تعریف فرمائی آیت کا سبب نزول خواہ حضرت علی ؓ کا عمل ہی ہو لیکن الفاظ کو عموم راکعین اور خاشعین اور متواضعین اور تمام زکوٰۃ ادا کرنے والوں کو شامل ہے۔

احکام القرآن میں علامہ ابو بکر جصاص ؒ نے لکھا ہے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ نماز میں تھوڑی سی حرکت کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نفلی صدقہ کے لئے بھی لفظ زکوٰۃ استعمال کر دیا جاتا ہے جیسا کہ سورہ روم میں فرمایا وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝ (جو بھی زکوٰۃ تم ادا کرو گے جس سے اللہ کی رضا مطلوب ہو سو یہی لوگ ہیں ثواب کو چند در چند کرنے والے)

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے دوستی کرنیوالے ہی غالب ہوں گے

پھر فرمایا وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ (اور جو شخص دوستی کرے اللہ سے اور اس کے رسول سے اور ایمان والوں سے سو اللہ کے گروہ کے لوگ ہی غالب ہونے والے ہیں)

اس میں اُن لوگوں کو تنبیہ ہے جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی کریں اور اس تردد میں رہیں کہ نہ جانے کون غالب ہوتا ہے، اگر کافروں سے دوستی رکھی اور وہ غالب ہو گئے تو یہ دوستی کام دیگی جیسا کہ عبداللہ بن اُبی نے کہہ دیا تھا کہ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ (ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ہم پر کوئی گردش آ جائے) اللہ تعالیٰ جل شانہ، نے فرمایا کہ اللہ کا

گروہ ہی غالب ہوگا' جو اللہ کے دین کو زندہ کرنے اور پھیلانے اور بڑھانے کے لئے محنت کرتے ہیں اللہ کے لئے جیتے اور مرتے ہیں یہ لوگ حزب اللہ یعنی اللہ کی جماعت ہیں۔

اللہ پاک کی طرف سے ان کی مدد ہوتی ہے اور ان کو غلبہ حاصل ہوتا ہے سورہ مُجادلہ میں فرمایا کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ اللہ لکھ چکا ہے کہ ضرور غالب رہوں گا میں اور میرے رسول' بے شک اللہ زور والا ہے زبردست ہے۔

سورہ الصّٰفّٰت میں فرمایا وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ٥ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ٥ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ٥ (اور پہلے ہی ہمارا حکم ہو چکا اپنے بھیجے ہوئے بندوں کے لئے بے شک پیغمبروں ہی کی مدد ہوگی اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب ہے)

مسلمانوں کی مغلوبیت کا سبب: اہل ایمان جب ایمان پر جمے رہیں نافرمانیوں سے بچتے رہیں اللہ پر بھروسہ رکھیں احکام الٰہیہ کے مطابق زندگی گذاریں اور اخلاص کے ساتھ کافروں سے جنگ کریں تو ضرور یہی لوگ غالب ہوں گے کسی بے تدبیری یا معصیت کیوجہ سے کبھی کوئی زک پہنچ جائے تو یہ دوسری بات ہے' آیت کا یہ مطلب نہیں کہ کبھی کوئی مسلمان کافروں کے ہاتھ سے نہ مارا جائیگا اور شہید نہ ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ انجام کار کے طور پر فتح نُصرت اور غلبہ اہل ایمان ہی کو حاصل ہوگا۔ تاریخ شاہد ہے کہ اہل ایمان جب تک ایمان پر قائم رہے اخلاص کے ساتھ کافروں سے لڑتے رہے اللہ کے دین کو بلند کرنے کے جذبہ سے سرشار رہے عالم میں فتحیابی کے ساتھ آگے بڑھتے رہے۔ قیصر و کسریٰ کی حکومتیں ان کے جہاد کی وجہ سے پاش پاش ہوئیں بڑے بڑے ممالک ان کے زیرنگیں آ گئے اور کفار پیچھے ہٹتے لے گئے لیکن جب سے اعمال شرعیہ کی پابندی چھوڑی اللہ کی نافرمانیوں پر اُتر آئے دنیا کو مقصود بنالیا۔ کافروں کی دوستی کا دم بھرنے لگے تو اُن کے قبضہ میں جو ممالک تھے وہ بھی ہاتھ سے نکل گئے اور کافروں نے عالمی ادارے بنا کر مسلمانوں کو ان کا ممبر بنالیا اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈال دی اور پس پردہ کٹھ پتلی کی طرح انہیں نچادیا' مسلمان اب بھی صحیح طریقہ پر حزب اللہ یعنی اللہ کی جماعت بنیں تو اب بھی غلبہ پا سکتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

اے ایمان والو! ان کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا لیا ہے' یہ وہ لوگ ہیں جنہیں تم سے پہلے

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِذَا نَادَيْتُمْ

کتاب دی گئی اور اُن کے علاوہ جو دوسرے کافر ہیں ان کو بھی دوست نہ بناؤ اگر تم مومن ہو' اور جب

اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ

تم نماز کے لئے پکارتے ہو تو وہ اسے ہنسی اور کھیل بنا لیتے ہیں' یہ اسلئے کہ وہ سمجھ نہیں رکھتے۔ آپ فرما دیجئے! کہ اے اہل کتاب

هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ

تم ہم سے صرف اس لئے ناراض ہوتے ہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر ایمان لائے جو ہماری طرف اتارا گیا اور جو ہم سے پہلے اتارا گیا اور ایک یہ بات ہے کہ تم میں اکثر

فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ

نافرمان ہیں آپ فرما دیجئے کیا میں تمہیں وہ طریقہ بتاؤں جو اللہ کے نزدیک سزا کے اعتبار سے اس سے زیادہ برا ہے۔ یہ ان لوگوں کا طریقہ ہے جن پر اللہ نے لعنت کر دی اور جن پر اللہ غصہ ہوا

عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ

اور ان میں سے بعض کو اللہ نے بندر بنا دیا۔ جنہوں نے شیطان کی عبادت کی یہ لوگ جگہ کے اعتبار سے بدترین لوگ ہیں اور سیدھے راستہ سے بہت زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں اور

سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾ وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ وہ کفر کے ساتھ داخل ہوئے اور کفر کی ہی حالت میں نکل گئے اور اللہ خوب جانتا ہے

بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ

جس کو وہ چھپاتے ہیں' اور آپ ان میں سے بہت سوں کو دیکھیں گے جو گناہ میں اور ظلم میں اور حرام کھانے میں تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں۔

السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۲﴾ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ

یہ واقعی بات ہے کہ وہ اعمال برے ہیں جو یہ لوگ کرتے ہیں' کیوں نہیں منع کرتے ان کو درویش اور اہل علم گناہ کی باتیں کرنے سے

الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾

اور حرام کھانے سے' واقعی وہ کرتوت برے ہیں جو یہ لوگ کرتے ہیں

اہل کتاب اور دوسرے کفار کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا لیا ہے

تفسیر: ان آیات میں اولاً تو اس مضمون کا اعادہ فرمایا جو گذشتہ رکوع کے شروع میں تھا کہ کافروں کو دوست نہ بناؤ وہاں یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنے کو منع فرمایا اور یہاں یہود و نصاریٰ کے ساتھ لفظ وَالْكُفَّارَ کا بھی اضافہ فرما دیا تاکہ دوستی نہ کرنے کی ممانعت تمام کافروں کے بارے میں عام ہو جائے' یہود اور نصاریٰ اور دوسرے تمام کافر جن میں مشرکین ملحدین منافقین' مرتدین سب داخل ہیں ان سب سے دوستی کرنے کی ممانعت فرما دی' اوّل تو ان کا کفر ہی دوستی نہ

کرنے کا بہت بڑا سبب ہے لیکن ساتھ ہی ان کی ایک اور بدترین حرکت کا بھی تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ انہوں نے دین اسلام کو ہنسی اور مذاق اور کھیل بنالیا ہے۔ خاص کر جب نماز کے بُلاوے یعنی اذان کی آواز سنتے ہیں تو اُس کا مذاق بناتے ہیں۔ ظاہر ہے جب کوئی شخص مسلمانوں کے دین کا مذاق بنائے گا مُسلمان کو اس سے دوستی کرنے کا کیا جواز ہوسکتا ہے کافروں کی یہ حرکت ناسمجھی اور بے عقلی پر مبنی تھی اس لیے فرمایا ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ (یہ اس لئے ہے کہ یہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے) اس کے بعد فرمایا قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ ھَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ (الآیۃ) آپ اہل کتاب سے فرمادیجئے کہ تم ہم سے کیوں ناراض ہو؟ اور ہم میں کون سا عیب پاتے ہو؟ تمہاری ناگواری کی صرف یہ بات ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اللہ نے جو کتاب ہماری طرف نازل کی اس پر ایمان لائے اور اس سے پہلے جو کتابیں نازل ہوئیں ان پر بھی ایمان لائے' یہ باتیں ناگواری اور ناراضگی اور عیب کی نہیں ہیں اچھی باتوں کو تم نے ناراضگی کا سبب بنالیا یہ تمہاری حماقت ہے اور دوسرا سبب تمہاری ناراضگی کا یہ ہے کہ تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں یعنی اللہ کی فرمانبرداری سے خارج ہیں (چونکہ ان میں سے معدودے؟ چند افراد ہی نے اسلام قبول کیا تھا اسلئے فرمایا کہ تم میں اکثر نافرمان ہیں یعنی کفر پر مُصر ہیں۔) مسلمان قرآن پر اور اس سے پہلی کتابوں پر ایمان لائے یہ تو ناراضگی کا سبب نہیں ہوسکتا۔

ہاں! اہل کتاب کا نافرمان ہونا اور اللہ کی فرمانبرداری سے ہٹنا اور بچنا یہ مسلمانوں سے ناراضگی کا سبب ہوسکتا ہے اور حقیقت میں کافروں کی ناراضگی کا یہی سبب تھا اور اب بھی ہے' اہل کتاب کو اس میں تنبیہ ہے اور ہدایت ہے کہ تم سرکشی سے باز آؤ اور مسلمان ہوکر مسلمانوں میں گھل مل جاؤ۔

اہل کتاب کی شقاوت اور ہلاکت: پھر فرمایا قُلْ ھَلْ اُنَبِّئُکُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِکَ مَثُوْبَۃً عِنْدَ اللّٰہِ (الآیۃ) اے اہلِ کتاب تم ہم سے اسلئے ناراض ہو کہ ہم لوگ اللہ پر اور اسکی کتابوں پر ایمان لائے ہوئے ہیں یہ تو کوئی ناراضگی کی بات نہیں ہے لیکن تم اپنی حماقت وشرارت اور سرکشی کیوجہ سے اُسے بُرا سمجھتے ہو۔

بالفرض اگر یہ اچھی چیز نہیں ہے تو میں تمہیں اُس سے بڑھ کر بری چیز بتاتا ہوں جسمیں تمہاری شقاوت اور ہلاکت ہے اور وہ سزا کے اعتبار سے بہت بُری ہے غور کرو گے تو تمہاری سمجھ میں آجائے گا کہ جس راہ پر تم ہو وہ راہ بہت بری ہے اور اللہ کے نزدیک اس کا بدلہ بہت بُرا ہے یہ بری چیز کیا ہے؟ اُن لوگوں کے اعمال ہیں جن میں اللہ نے لعنت کردی اور اپنی رحمت سے محروم کر کے مردود قرار دیدیا اور ان پر غصہ فرمایا اور ان کو بندر اور سور بنادیا' اور انہوں نے شیطان کی پرستش کی' ان لوگوں کا یہ طریقہ اس طریقہ سے بُرا ہے جو ہمارا طریقہ ہے۔ ہمارے طریقہ میں توحید ہے ایمان ہے اللہ کی کتابوں پر ایمان ہے اور اس کے نبیوں کی تصدیق ہے جو سراسر خیر اور حق ہے اور تمہارے اندر کفر ہے نبیوں کا انکار ہے اللہ کی کتابوں کی تکذیب ہے اللہ کی نافرمانی ہے اور اس کا نتیجہ تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے آباؤ اجداد میں سے جنہوں نے نافرمانی کی ان کو بندر اور

سور بنادیا گیا جس کا تمہیں اقرار ہے۔ ایسے لوگ اللہ کے یہاں بہت برا بدلہ پائیں گے یہ آخرت میں بدترین لوگ ہوں گے ان کی جگہ دوزخ ہے جو بہت بُری جگہ ہے اور یہ لوگ دنیا میں سیدھے راستہ سے بہت دور ہیں اس میں اہل کتاب کو تنبیہ ہے کہ تم مسلمانوں پر ہنستے ہو اور ان کی اذان کا مذاق بناتے ہو۔ ہمارے طریقہ میں تو کوئی بات استہزاء اور مذاق اور گمراہی کی نہیں ہے ہاں تمہارا طریقہ نافرمانی کفر و فسوق کا ہے تمہارے آباؤ اجداد بھی ایسے ہی تھے جنہوں نے کفریہ عقائد اختیار کئے۔

گائے کے بچھڑے کو پوجا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بتایا' سنیچر کے دن کی جو تعظیم لازم کی گئی تھی اسکی خلاف ورزی کی جس کی وجہ سے بندر بنادیئے گئے' بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جن لوگوں نے سنیچر کے دن کے بارے میں حکم عدولی کی تھی ان میں جوانوں کو بندر اور بوڑھوں کو خنزیر بنادیا گیا تھا۔

منافقوں کی حالت: پھر منافقوں کا ذکر فرمایا کہ اے مسلمانو! جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ان کا یہ کہنا جھوٹ ہوتا ہے وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ (وہ داخل ہی ہوئے کفر کے ساتھ اور نکلے بھی کفر کے ساتھ) نہ پہلے مومن تھے نہ تمہاری مجلس میں باایمان ہو کر بیٹھے' جیسے حالت کفر میں آئے ویسے ہی چلے گئے۔

یہ ظاہر میں ایمان والے بنتے ہیں اور دلوں کے اندر کفر چھپا رکھے ہیں اللہ کو اس بات کا پورا پورا علم ہے جسے وہ چھپائے ہوئے ہیں۔

یہودیوں کی حرام خوری اور گناہگاری: یہودیوں کے ہاں حرام کھانے کا بہت رواج تھا اور گناہ بھی بڑھ چڑھ کر کرتے تھے ظلم اور زیادتی میں بھی خوب آگے بڑھے ہوئے تھے سُود کا لین دین بھی خوب تھا اور رشوتوں کا بھی خوب چرچا تھا اسکو فرمایا۔

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ (آپ ان میں سے بہت سوں کو دیکھیں گے کہ گناہ کرنے میں اور ظلم و زیادتی میں تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں اور حرام کھانے میں خوب تیز ہیں) لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (البتہ وہ کام بُرے ہیں جو وہ کرتے ہیں)

جھوٹے درویشوں کی بدحالی: اُمت محمدیہ میں جو جھوٹے درویش بنے ہوئے ہیں انہوں نے دنیا حاصل کرنے کے لئے پیری مریدی اختیار کرلی ہے۔ مال داروں میں گھل مل کر رہتے ہیں' جن سے اغراض وابستہ ہیں یا وہ حکومتوں کے ملازم ہیں' ان کے ذریعہ کام نکلتا ہے' انکی اصلاح کی کوئی فکر نہیں' اپنی ذات کا نفع سامنے رہتا ہے' ایسے درویش اور بعض علماء بھی اسی مصیبت میں مُبتلا ہیں کہ حرام کھانے سے اور حرام کمانے سے اور گناہوں میں مال لگانے سے نہیں روک سکتے۔

جو لوگ قبروں کے مجاور بنے ہوئے ہیں طرح طرح سے لوگوں سے مال وصول کرتے ہیں بے نمازی ہیں اور بزرگ بنے ہوئے ہیں ڈاڑھیاں مُنڈی ہوئی ہیں اور درویشی کے دعویدار ہیں حلال حرام کی تمیز کے بغیر لوگوں سے سب کچھ

وصول کر لیتے ہیں بھلا ایسے لوگ کیا حق بات کہہ سکتے ہیں اور کیا گناہوں سے روک سکتے ہیں؟

ان لوگوں کے ہم مشرب اور ہم مسلک علماء ہیں ان کے موہنوں پر لگامیں ہیں۔ قبروں پر جو عرس ہوتے ہیں اُن میں خود شریک ہوتے ہیں اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں فلاں اعمال جو کر رہے ہو یہ شرک اور بدعت ہیں' بلکہ یہ دنیادار علماء اپنے عمل سے اپنے علم کو مشرکانہ مبتدعانہ اعمال کی تائید میں خرچ کرتے ہیں (لا جعلنا اللہ منھم)

حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قرآن کریم میں (درویشوں اور عالموں کی) توبیخ کے لیے اس آیت سے زیادہ سخت کوئی آیت نہیں ہے' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن خطبہ دیا اور حمد وصلوٰۃ کے بعد فرمایا اے لوگو! تم سے پہلے لوگ اسلئے ہلاک ہوئے کہ وہ گناہ کرتے تھے اور درویش اور اہل علم انہیں نہیں روکتے تھے جب گناہوں میں بڑھتے چلے گئے تو اُن پر عذاب نازل ہو گیا لہٰذا تم امر بالمعروف کرو اور نہی عن المنکر کرو اس سے پہلے کہ تم پر وہ عذاب آئے جو اُن لوگوں پر آیا تھا' اور یہ بات جان لو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیوجہ سے نہ رزق منقطع ہوتا اور نہ موت وقت سے پہلے آتی ہے۔ (ذکرہ ابن کثیر ج۲ ص۷۴)

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ

اور کہا یہودیوں نے کہ اللہ کا ہاتھ بند ہو گیا ہے' بند ہوئے ان کے ہاتھ' اور ان کے قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی' بلکہ اللہ کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں

يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۚ

وہ خرچ فرماتا ہے جیسے چاہے' اور آپ کے رب کی طرف سے جو آپ پر نازل کیا گیا' وہ ان میں سے بہت سوں کو سرکشی اور کفر کے

وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ

زیادہ ہونے کا سبب بن جائے گا' اور ہم نے ڈال دی ان کے درمیان دشمنی اور بغض قیامت کے دن تک' انہوں نے جب کبھی لڑائی کی

أَطْفَأَهَا اللَّهُ ۚ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٦٤﴾ وَلَوْ أَنَّ

آگ جلائی اللہ نے اسے بجھا دیا۔ اور یہ لوگ فساد کے لئے دوڑتے ہیں' اور اللہ فسادیوں کو دوست نہیں رکھتا' اور اگر

أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأَدْخَلْنَاهُمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ

اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ضرور ان کے گناہوں کا کفارہ کر دیتے' اور ہم انہیں ضرور نعمتوں کے باغوں میں داخل کر دیتے' اور اگر

أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ

وہ قائم کرتے توریت کو اور انجیل کو اور اس کو جو کچھ نازل ہوا ہے ان پر ان کے رب کی طرف سے تو ضرور کھاتے اپنے اوپر سے اور اپنے

وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ ۚ مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُقْتَصِدَةٌ ۖ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ ﴿٦٦﴾

پاؤں کے نیچے سے' ان میں ایک جماعت سیدھی راہ اختیار کرنے والی ہے اور ان میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو برے کرتوت کرتے ہیں

یہودیوں کی گستاخی اور سرکشی

تفسیر: معالم التنزیل ج ۲ ص ۵۰ میں حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کو بہت مال دیا تھا' جب انہوں نے اللہ تعالیٰ اور سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی تو اللہ پاک نے جو مال و دولت دیا تھا اور بڑی مقدار میں جو پیداوار ہوتی تھی اسکو روک دیا' اس پر فنحاص نامی ایک یہودی نے یہ بات کہی کہ اللہ کا ہاتھ خرچ کرنے سے بند ہو گیا' کہا تو تھا ایک ہی شخص نے لیکن دوسرے یہودیوں نے چونکہ اسے اس کلمہ سے نہیں روکا اور اس کی بات کو پسند کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اس میں شامل کر دیا اور اس بات کو یہود کا قول قرار دیدیا۔

ان کی تردید فرماتے ہوئے اوّل تو یہ فرمایا کہ غُلَّتْ اَیْدِیْھِمْ کہ خود یہودیوں کے ہاتھ خیر خیرات سے رُکے ہوئے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ان کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی۔

پھر فرمایا بَلْ یَدٰہُ مَبْسُوْطَتٰنِ یُنْفِقُ کَیْفَ یَشَآءُ (بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کُھلے ہوئے ہیں۔ وہ جس طرح چاہے خرچ کرے) یہودی بڑی بے ہودہ قوم تھی انہوں نے ایسی بے ہودگی پر کمر باندھی کہ اللہ تعالیٰ کی شان عالی اور ذات مقدس کے بارے میں بھی نازیبا کلمات کہہ دیئے۔ جب کسی قوم میں ایمان نہ رہے ان کی ایسی ہی باتیں ہوتی ہیں وہ اللہ کو مانتے بھی ہیں اور اللہ پر اعتراض بھی کرتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے اُسے کوئی خرچہ کم نہیں کرتا وہ رات دن خرچ کرتا ہے تم ہی بتاؤ اس نے کتنا خرچ فرما دیا جب سے آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا جو کچھ اس کے ہاتھ میں تھا اس میں ذرا بھی کم نہیں ہوا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

کمی ہونے کے ڈر سے اسے ہاتھ روکنا پڑتا ہے جس کے پاس مال محدود ہو اور ختم ہو جانے کا ڈر ہو اللہ تعالیٰ جل شانہ' خالق ہے اور مالک ہے اس کے خزانے بے انتہاء ہیں۔ حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

عطائی کلام وعذابی کلام انما امری لشئی اَرَدتُّ ان اقول له کن فیکون.

میرا عطا کر دینا کلام ہے اور عذاب دینا بھی کلام ہے جب میں کسی چیز کا ارادہ کروں تو کُن کہہ دیتا ہوں پس وہ چیز وجود میں آ جاتی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے سمجھانے کے انداز میں بیان فرمایا کہ جب سے اللہ نے آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا ہے اس وقت سے اس نے اپنی مخلوق پر کتنا خرچ کر دیا اس کو سوچو اور غور کرو۔ اتنا خرچ کرنے پر اس کے خزانوں میں کچھ بھی کم نہیں ہوا اور خرچ برابر ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا اور ابدالآباد تک اہل جنت پر خرچ ہو گا ایسے خالق و مالک اور داتا کو یہودیوں نے فقیر کہہ دیا

جیسا کہ سورہ آل عمران میں ذکر فرمایا لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ (البتہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بات سُن لی جنہوں نے یوں کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں) انہوں نے جو یہ کہا کہ اللہ کا ہاتھ خرچ کرنے سے رُک گیا' یہ ان کی ضلالت اور سفاہت اور دیدہ دلیری ہے جس کی وجہ سے ملعون قرار دیئے گئے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ جل شانہٗ مخلوق کی طرح نہیں ہے وہ جسم سے اور اعضاء سے پاک ہے حدیث و قرآن میں جو لفظ ید وغیرہ آیا ہے اس پر ایمان لائیں کہ اس کا جو مطلب اللہ کے نزدیک ہے ہم اسے مانتے ہیں۔ اور سمجھنے کی کوشش نہ کریں کیونکہ یہ متشابہات میں سے ہے۔

پھر فرمایا وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا (اور آپ کے رب کی طرف سے جو آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ ان میں سے بہت سوں کی سرکشی اور کفر کے زیادہ ہونے کا سبب بن جائیگا) مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جو کتاب نازل فرمائی وہ تو ہدایت کے لیے ہے لیکن یہودی اس سے ہدایت حاصل نہیں کر رہے ان میں سے چند لوگ ایمان لائے جن کی تعداد زیادہ نہیں ہے وہی لوگ زیادہ ہیں جو اللہ کی کتاب سے ہدایت لینے کی بجائے اسکو اپنے لیے زیادہ سرکشی اور کفر میں بڑھنے کا ذریعہ بنا رہے ہیں۔

حضرت قتادہ تابعی نے فرمایا کہ یہودیوں کو حسد کھا گیا انہوں نے محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور عرب سے حسد کیا اور اس وجہ سے قرآن چھوڑا اور محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے منکر ہوئے اور آپ کے دین کو نہ مانا۔ حالانکہ وہ آپ کو اپنی کتابوں میں لکھا ہوا پاتے ہیں (درمنثور ج۲ ص ۲۹۷)

پھر فرمایا وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (اور ہم نے قیامت تک ان میں دشمنی کو اور بغض کو ڈال دیا) ان میں مختلف فرقے ہیں اور ایک فرقہ دوسرے کا دشمن ہے اور قیامت تک ان کی عداوت اور بُغض کا یہی حال رہے گا۔

یہودیوں کا جنگ کی آگ کو جلانا: پھر فرمایا كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ (کہ جب کبھی انہوں نے لڑائی کی آگ جلائی اللہ نے اسے بجھا دیا) یعنی مسلمانوں کے خلاف تحریک چلاتے رہتے ہیں اور ان سے لڑنے کی تیاریاں کرتے رہتے ہیں لیکن اپنی تیاریوں میں کامیاب نہیں ہوتے یا تو مرعوب ہو کر رہ جاتے یا مغلوب ہو جاتے ہیں اور شکست کا منہ دیکھتے ہیں۔ یہودیوں نے ہر موقعہ پر شکست کھائی' بنو قریظہ مقتول ہوئے اور بنو نضیر مدینہ منورہ سے خیبر کو جلا وطن کیے گئے پھر خیبر میں بھی ان پر چڑھائی کی گئی اور وہ وہاں مغلوب اور مقہور ہوئے۔

پھر فرمایا وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا (اور یہ لوگ زمین میں فساد کرنے کے لیے دوڑتے ہیں) وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ (اور اللہ دوست نہیں رکھتا فساد کرنے والوں کو) لہٰذا یہ اللہ کے محبوب بندے نہیں ہیں' ان الفاظ میں ہمیشہ کے لیے فسادیوں کو تنبیہ کی گئی ہے جو فساد فی الارض کے لیے منصوبہ بناتے رہتے ہیں اور فساد کرنے کا مشغلہ رکھتے ہیں۔

پھر فرمایا وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ (اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ضرور ان کے گناہوں کا کفارہ کر دیتے اور انہیں ضرور نعمتوں کے باغوں میں داخل کر دیتے)

اس میں اہل کتاب کو ترغیب دی ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور کفر سے بچیں، ایسا کریں گے تو ہم ان کے سابقہ گناہوں کا کفارہ کر دیں گے اور ایمان لانے اور کفر پر جمے رہنے کی وجہ سے آرام اور چین والی جنتوں سے محروم ہوں گے۔

اللہ کی کتاب پر عمل کرنے سے خوش عیش زندگی نصیب ہوتی ہے: پھر فرمایا وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ (اور اگر وہ قائم کرتے توریت کو اور انجیل کو اور جو کچھ ان کی طرف نازل ہوا ہے ان کے رب کی طرف سے تو ضرور کھاتے اپنے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے) مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب اگر توریت اور انجیل کے احکام پر عمل کرتے اور اب جو کچھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اس پر عمل کرتے تو ان کو دنیا میں بھی خوب اچھی طرح نواز دیا جاتا۔

پہلی آیت میں یہ بتایا کہ ایمان لائیں گے تو جنت میں داخل ہوں گے اور اس آیت میں یہ بتایا کہ اگر ایمان لاتے اور احکام الٰہیہ پر عمل کرتے تو اس کی وجہ سے دنیا میں بھی خوب اچھی طرح نوازے جاتے، اوپر سے بھی کھاتے اور پاؤں کے نیچے بھی نعمتیں پاتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا یہ مطلب بتایا کہ ان پر خوب بارشیں برستیں اور زمین سے خوب کھانے پینے کی چیزیں اگائی جاتیں۔

معالم التنزیل ج ۲ ص ۵۱ میں فرّاء سے نقل کیا ہے کہ اس سے رزق میں وسعت کر دینا مراد ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے محاورہ میں کہتے ہیں کہ فلان فی الخیر من قرنہ الیٰ قدمہ (فلاں شخص سر سے پاؤں تک خیر ہی میں ہے) اس آیت سے اور اعراف کی آیت وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا (الآیۃ) سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ میں لگنے اور گناہوں سے بچنے کی صورت میں (آخرت کی خیر کے ساتھ) بندگانِ خدا دنیا میں بھی بھرپور نعمتوں سے نواز دیئے جاتے ہیں۔

پھر فرمایا مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ (ان میں ایک جماعت ہے سیدھی راہ اختیار کرنے والی) چند اہل کتاب جو ایمان لے آئے تھے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ رضی اللہ عنہم اس میں ان حضرات کی تعریف فرمائی۔ پھر فرمایا وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ (اور ان میں سے بہت سے وہ ہیں جو برے کرتوت کرتے ہیں)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا عملوا بالقبیح مع التکذیب بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ ان لوگوں نے اعمال قبیح کیے اور ساتھ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب بھی کرتے ہیں۔

يَآاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ
اے رسول! آپ پہنچا دیجئے جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا' اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا
يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۷﴾
تو آپ نے اللہ کا پیغام نہ پہنچایا' اور لوگوں سے اللہ آپ کی حفاظت فرمائے گا' بے شک اللہ کافر لوگوں کو راہ نہیں دکھائے گا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا حکم کہ جو کچھ نازل کیا گیا ہے سب کچھ پہنچا دو' اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائیگا

تفسیر: اس آیت شریفہ میں اللہ جل شانہٗ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کا حکم دیا اور فرمایا کہ جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا اس کو پہنچا دیں' حضرت حسنؒ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو آپ کے دل میں کچھ گھبراہٹ سی ہوئی اور یہ خیال ہوا کہ لوگ تکذیب کرینگے اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔

معالم التنزیل ص۵۱ ج اور الباب النقول ص۹۴ میں حضرت مجاہد تابعیؒ سے نقل کیا ہے کہ جب یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ نازل ہوئی تو آپ نے عرض کیا کہ اے رب! میں یہ کام کیسے کروں گا میں تنہا ہوں لوگ میرے خلاف جمع ہو جائیں گے' اس پر فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ نازل ہوئی مزید فرمایا وَاللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (اور اللہ لوگوں سے آپ کی حفاظت فرمائے گا)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوگئی تو جو حضرات صحابہؓ آپکی حفاظت کیا کرتے تھے اُن سے آپ نے فرمادیا کہ آپ لوگ چلے جائیں اللہ نے میری حفاظت کا وعدہ فرمالیا ہے۔

حفاظت کرنے والوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے جب آیت نازل ہوئی تو انہوں نے پہرہ دینا چھوڑ دیا (لباب النقول ص۹۴)

آخر میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ یعنی اللہ تعالیٰ کافروں کو اس کی راہ نہ دکھائے گا کہ وہ قتل کرنے کے لئے آپ تک پہنچیں۔ قال صاحب الروح وفیه اقامة الظاهر مقام المضمر ای لانّ اللّٰه تعالیٰ لا یهدیهم الی امنیتهم فیک (ج۳) (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یہاں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ انہیں آپ کے بارے میں اپنی خواہشوں کی تکمیل کی راہ نہیں دکھائے گا)

رسول اللہ ﷺ نے ذرا سی بھی کوئی بات نہیں چھپائی اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے جو کچھ نازل فرمایا وہ سب امت تک پہنچایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ جو کوئی شخص تم میں سے یہ بیان کرے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے نازل فرمودہ امور میں سے کچھ بھی چھپایا تو وہ جھوٹا ہے۔ (معالم التنزیل ج۲ ص۵۱)

منیٰ اور عرفات میں رسول ﷺ کا حاضرین سے سوال: آنحضرت سرور عالم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر جو عرفات میں خطبہ دیا اس میں بہت سی باتیں بیان فرمائیں اور حاضرین سے فرمایا وانتم تسئلون عنی فما انتم قائلون (تم سے میرے بارے میں سوال کیا جائے گا سو تم کیا جواب دو گے) حاضرین نے عرض کیا۔ نَشْھَدُ اَنَّکَ قَدْ بَلَّغْتَ وَأَدَّیْتَ وَنَصَحْتَ (کہ ہم گواہی دیں گے کہ بلاشبہ آپ نے پہنچایا اور اپنی ذمہ داری کو پورا فرمایا اور امت کی خیر خواہی کی) آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی پھر لوگوں کی طرف جھکائی اور تین بار اللہ پاک کے حضور میں عرض کیا اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ (کہ اے اللہ! تو گواہ ہو جا!) (صحیح مسلم ج۱ ص۳۹۷)

پھر دسویں تاریخ کو منیٰ میں آپ نے خطبہ دیا اور حاضرین سے پھر وہی سوال فرمایا اَلَاھَلْ بَلَّغْتُ خبردار! ٹھیک بتاؤ کیا میں نے پہنچا دیا؟ حاضرین نے کہا کہ نَعَمْ (ہاں آپ نے پہنچایا) پھر آپ نے اللہ پاک کی حضور میں عرض کیا اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ (اے اللہ! تو گواہ ہو جا) پھر ساتھ ہی فرمایا فَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ (جو حاضر ہو وہ غائب کو پہنچا دے) (رواہ البخاری ج۱ ص۲۳۵)

قرآن مجید کی تصریح سے معلوم ہوا کہ اللہ جل شانہٗ نے نبی اکرم ﷺ کو حکم فرمایا کہ اللہ نے جو بھی کچھ آپ کی طرف نازل فرمایا ہے وہ سب پہنچا دیجئے۔

سورہ حجر میں ارشاد ہے فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ کہ آپ خوب کھول کر واضح طور پر بیان فرما دیجئے' آپ نے زندگی بھر اس پر عمل کیا اور حج کے موقعہ پر صحابہؓ سے دریافت فرمایا کیا میں نے پہنچا دیا سب نے ایک زبان ہو کر جواب دیا کہ ہاں آپ نے پہنچایا اور سب نے وعدہ کیا کہ اللہ کے حضور میں ہم گواہی دینگے اور عرض کر دیں گے کہ آپ نے سب کچھ پہنچا دیا۔

روافض کا رسول اللہ ﷺ پر تہمت لگانا: یہ تو قرآن وحدیث کی تصریحات ہیں لیکن کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا یہ جاہلانہ اور کافرانہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا تھا کہ اپنے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان فرما دیں لیکن آپ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ڈر سے اعلان نہیں فرمایا' ان لوگوں کو جھوٹا دعویٰ ہے کہ انہیں حضرات اہل بیت سے محبت ہے۔

جھوٹا اسلئے ہے کہ اہل بیت سے تو محبت کا دعویٰ ہے اور صاحب اہل بیت ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انہوں نے اللہ کا حکم نہیں پہنچایا یہ لوگ باستثناء تین چار پانچ حضرات کے تمام صحابہ رضی اللہ عنھم اجمعین کو کافر کہتے ہیں۔

قرآن مجید کی تحریف کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کو بھی علم چھپانے کا مجرم بتاتے ہیں' یہ محبت کی عجیب قسم ہے کہ اہل بیت سے محبت ہو اور جس ذات والا صفات کی وجہ سے اہل بیت سے محبت ہوئی۔ اس کے بارے میں یہ عقیدہ رکھیں کہ منصب رسالت کی ذمہ داری پوری نہیں کی (العیاذ باللہ من ہذہ الخرافات والھفوات)

جب اللہ کا نبی ہی مخلوق سے ڈر جائے اور احکام الٰہیہ کو چھپائے اور فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ کی خلاف ورزی کرے تو پھر کون حق قائم کرے گا؟ حیرت ہے ان لوگوں پر کہ جس رسولؐ کی حفاظت کا اللہ نے وعدہ فرمایا اور وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ فرمایا کہ حفاظت کی ضمانت دے دی اس رسول کے بارے میں وہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے ڈر سے اللہ کا حکم چھپا گیا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا اس وعدہ پر آپ کو بھروسہ نہیں تھا (والعیاذ باللہ) ایک ادنیٰ مومن بھی اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے کیا یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ کے رسول کو اللہ پر بھروسہ نہ ہوا اور اللہ کے وعدہ کو سچ نہ سمجھا ہو؟ پھر یہ عجیب بات ہے کہ جس کی خلافت بلا فصل کے یہ لوگ مدعی ہیں جب چھبیس سال کے بعد انہیں خلافت ملی تو انہوں نے تو یہ نہ کہا کہ میں خلیفہ بلا فصل تھا مجھ سے خلافت چھین لی گئی یہ ان کے خواہ مخواہ کے حمایتی ان کو بھی مطعون کرتے ہیں کہ باوجود شجاع اور بہادر ہونے کے حضرات ابو بکر عمر و عثمان رضی اللہ عنہم سے ڈرتے رہے اور ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے اور ان کے مشوروں میں شریک ہوتے رہے۔ اللہ جل شانہٗ ان جھوٹے حمایتیوں کے عقائد اور مکائد اور خیالات اور خرافات سے محفوظ رکھے۔ ولقد صَدَقَ اللّٰہُ تعالیٰ حیث قالَ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ

قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ حَتّٰی تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ

آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب تم کسی راہ پر نہیں ہو یہاں تک کہ توریت کو اور انجیل کو اور اس چیز کو قائم کرو جو تمہارے

رَّبِّکُمْ ؕ وَلَیَزِیْدَنَّ کَثِیْرًا مِّنْھُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ طُغْیَانًا وَّکُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ

رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کی گئی' اور ضرور ضرور ان میں سے بہت سوں کی سرکشی کو اور کفر کو وہ مضمون زیادہ کر دے گا جو آپ کی طرف نازل کیا گیا' سو آپ کافر

الْکٰفِرِیْنَ ﴿۶۸﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰی مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ

قوم پر افسوس نہ کیجئے' بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہیں اور فرقہ صائبین اور نصاریٰ ان میں سے جو شخص اللہ پر

وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ

اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور اعمال صالحہ کرے تو اُن پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے بلا شبہ ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا

اِسْرَآءِیْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَیْھِمْ رُسُلًا ؕ کُلَّمَا جَآءَھُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَھْوٰٓی اَنْفُسُھُمْ ۙ فَرِیْقًا کَذَّبُوْا

اور ان کی طرف ہم نے رسول بھیجے جب بھی کوئی رسول ان کے پاس ایسا حکم لے کر آیا جو اُن کی خواہشوں کے موافق نہیں تھا تو انہوں نے نبیوں کی ایک جماعت کو

وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ ﴿٧٠﴾ وَحَسِبُوٓا أَلَّا تَكُونَ فِتْنَةٌ فَعَمُوا وَصَمُّوا ثُمَّ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ

جھٹلا دیا اور ایک جماعت کو قتل کر دیا' اور انہوں نے گمان کیا کہ کچھ بھی فتنہ نہ ہوگا پھر وہ اندھے اور بہرے ہو گئے پھر اللہ نے ان پر توجہ فرمائی پھر ان

عَمُوا وَصَمُّوا كَثِيرٌ مِّنْهُمْ ۚ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٧١﴾

میں سے بہت سے لوگ اندھے اور بہرے ہو گئے اور اللہ ان کاموں کو دیکھتا ہے جن کو وہ کرتے ہیں

یہودیوں کی سرکشی اور کج روی کا مزید تذکرہ

تفسیر: تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۲۹۹ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کیا آپ کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ آپ دین ابراہیمی پر ہیں اور توریت پر بھی آپ کا ایمان ہے آپ گواہی دیتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! یہ بات ٹھیک ہے (اور لوگوں کا یہ مطلب تھا کہ ہم بھی دین ابراہیمی پر ہیں اور آپ کی گواہی کے مطابق توریت شریف بھی اللہ کی کتاب ہے لہٰذا ہم حق پر ہوئے) آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ تم نے دین ابراہیمی میں اپنے پاس سے بہت سی نئی چیزیں نکال لی ہیں اور توریت میں جو تم سے عہد لیا گیا تھا تم اس کے منکر ہو گئے ہو اور تمہیں جس چیز کا بیان کرنے کا حکم دیا گیا تھا اُسے تم چھپا رہے ہو اس پر انہوں نے کہا کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے ہم اُسے مانتے ہیں اور ہم ہدایت پر ہیں اور حق پر ہیں اور ہم آپ پر ایمان نہیں لاتے اور آپ کا اتباع نہیں کرتے۔

اس پر اللہ جل شانہٗ نے آیت کریمہ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ (اخیر تک) نازل فرمائی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اہل کتاب سے فرما دیجئے کہ تم کسی ایسے دین پر نہیں جو اللہ کے نزدیک معتبر ہو جب تک کہ تم توریت اور انجیل کے احکام اور ارشادات پر پوری طرح عمل پیرا نہ ہو اور جب تک کہ اس پر ایمان نہ لاؤ جو تمہارے رب کی طرف سے بواسطۂ محمد رسول اللہ ﷺ تم پر نازل کیا گیا' سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر اور قرآن پر ایمان لانا توریت اور انجیل کے فرمان کے مطابق ہے۔ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ مگر تم نے توریت اور انجیل کے بعض احکام کو مانا اور بعض کو نہ مانا تو اس طرح سے توریت اور انجیل پر بھی تمہارا ایمان نہیں ہے' اور جو تمہارا دعویٰ ہے کہ ہم ہدایت پر ہیں یہ دعویٰ غلط ہے اور تم جس دین پر ہو وہ آخر نبی کا انکار کرنے کی وجہ سے اللہ کے نزدیک معتبر نہیں ہے' اس کے بعد فرمایا۔

وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا کہ یہ لوگ قرآن سے ہدایت لینے والے نہیں بلکہ قرآن کا نازل ہونا ان کے لئے اور زیادہ سرکشی کرنے اور کفر میں ترقی کرنے کا باعث بنے گا' ان میں سے بہت سے لوگوں کا یہی حال ہے بجز چند افراد کے جو ایمان لے آئے تھے۔

فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ٥ (آپ کافر قوم پر رنج نہ کریں) جس کو ایمان قبول کرنا نہیں ہے وہ قبول نہ کرے گا رنج کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

صرف ایمان اور عملِ صالح ہی مدارِ نجات ہے: پھر فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصَّابِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى (الآیۃ) (بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہیں اور جو فرقہ صابئین ہے اور جو نصاریٰ ان میں سے جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور اعمال صالحہ کرے تو اُن پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے) اس طرح کی آیت سورۂ بقرہ میں بھی گذر چکی ہے (دیکھو آیت نمبر ۶۲) وہاں آیت کی پوری تفسیر لکھ دی گئی ہے وہاں یہود و نصاریٰ اور صائبین کا تعارف بھی کرا دیا گیا ہے سورۂ بقرہ میں اور یہاں اس آیت میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اپنا یہ قانون بیان فرمایا ہے کہ جو بھی کوئی شخص اعتقادیات اور اعمال میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد فرمودہ طریقہ کی اتباع کرے گا خواہ وہ شخص پہلے سے کیسا بھی ہو وہ اللہ کے ہاں مقبول ہوگا' نزول قرآن کے بعد اللہ کی پوری اطاعت قرآن کے ماننے میں اور دین اسلام کے قبول کرنے ہی میں منحصر ہے اسلئے مسلمان ہی وہ قوم ہے جنہیں کوئی خوف نہیں اور وہ غمگین نہ ہوں گے بحیثیت اعتقاد تو یہ لوگ صحیح راہ پر ہیں ہی گناہوں کی وجہ سے کوئی گرفت ہو جائے تو وہ دوسری بات ہے بظاہر قانون بیان کرنے میں اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تو مسلمان ہیں ہی لیکن اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے اضافہ کرنے سے ایک خاص بلاغت پیدا ہوگئی اور یہ بتا دیا کہ کسی پر ہماری عنایت ذاتی خصوصیت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ صفت موافقت کی وجہ سے ہے اسکو اس طرح سمجھ لیا جائے جیسے کوئی حاکم وقت یوں اعلان کرے کہ ہمارا قانون سب کے لئے عام ہے مخالف ہو یا موافق جو موافق ہے وہ موافقت کی وجہ سے موردِ عنایت ہے اور مخالف بھی اگر مطیع ہو جائے تو وہ بھی موردِ عنایت ہو جائے گا۔

بنی اسرائیل کی عہد شکنی: اس کے بعد فرمایا لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (الآیۃ) کہ ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان کی طرف رسول بھیجے' ان کا یہ طریقہ رہا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام جو دین پیش کرتے تھے اس دین میں سے جو حصہ نفس کو نہیں بھاتا تھا اور اچھا نہیں لگتا تھا اس سے اعراض کرتے تھے' اور اس ناگواری کے باعث بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کو جھٹلا دیا اور بہت سوں کو قتل کر دیا یہ مضمون سورہ بقرہ کی آیت اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ میں بھی گذر چکا ہے' ایمان کی شان یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جو بھی حکم دیا جائے اور جو قانون نافذ کیا جائے اس کو بشاشت کے ساتھ قبول کیا جائے' نفسوں کو گوارا ہو یا ناگوار ہو' نفس کے مطابق ہوا تو مانا ورنہ ماننے سے انکار کر دیا اور داعیوں کے دشمن ہو گئے یہ ایمان کی شان نہیں' حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات پر بیعت کی کہ ہم بات سُنیں گے اور حکم مانیں گے تنگ دستی میں اور خوشحالی میں اور نفسوں کی خوشی میں اور ناگواری میں۔ (رواہ البخاری ج ۲ ص ۱۰۴۵)

پھر کسی حکم میں اگر نفس کو تکلیف ہوتی ہے تو اس پر اجر بھی تو زیادہ ملتا ہے' سردیوں میں اچھی طرح وضو کرنا نیند قربان کر کے نماز کے لئے اُٹھنا نفس کی ناگواری کے باوجود زکوٰۃ دینا روزہ رکھنا دشمنانِ دین سے لڑنا گناہوں سے بچنا یہ سب چیزیں نفسوں کے لئے ناگوار ہیں لیکن ان میں اجر و ثواب بھی زیادہ ہے۔ نفس کے مطابق ہوا تو مانا اور اگر خلاف نفس ہوا تو نہ مانا یہ تو نفس کی بندگی ہوئی' اللہ کے نیک بندے تو اللہ کی رضا تلاش کرتے ہیں نفس کی خواہشات کے پیچھے نہیں چلتے۔

بنی اسرائیل سے جو عہد لیا گیا سورۂ بقرہ میں اس کے بارے میں ارشاد ہے وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ یہ عہد اُن سے توریت شریف پر عمل کرنے کے لئے لیا گیا تھا نیز سورۂ بقرہ ہی میں آیت ۸۳ اور آیت ۸۴ میں بھی بعض عہدوں کا ذکر ہے۔ پھر فرمایا وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا (الآیۃ) (اور انہوں نے گمان کیا کہ کچھ بھی فتنہ نہ ہوگا پھر وہ اندھے اور بہرے ہو گئے پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی' دوبارہ پھر اندھے اور بہرے ہو گئے' اور اللہ دیکھتا ہے جن کاموں کو کرتے ہیں) بنی اسرائیل کی طغیانی اور سرکشی بیان فرمانے کے بعد ان کے اس گمان بد کا تذکرہ فرمایا کہ نہ کوئی ہماری گرفت ہوگی نہ کوئی عذاب ہوگا انہیں یہ خیال یا تو اسلئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت میں دیر ہوگئی اور یا اسلئے کہ اپنے کو اللہ کا محبوب سمجھتے تھے جب یہ خیال ہو گیا تو اور زیادہ شرارت اور معصیت پر اُتر آئے اور اندھے بہرے بن گئے نہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات و دلائل کو دیکھ کر متاثر ہوئے اور نہ حق سُنا اور نہ حق کی طرف متوجہ ہوئے۔

اس سرکشی میں چلتے رہے پھر اللہ پاک نے ان پر توجہ فرمائی بعض انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجا لیکن وہ پھر بھی اندھے اور بہرے بنے رہے ان میں سے بہت سوں کا یہی حال رہا وَاللّٰہُ بَصِیْرٌ بِمَا یَعْمَلُوْنَ اور اللہ ان کے سب اعمال کو دیکھتا ہے۔ بنی اسرائیل کے مفاد اور اُتار چڑھاؤ کا تذکرہ سورہ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں قدرے تفصیل سے بیان فرمایا ہے اس کو ملاحظہ کر لیا جائے۔

لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِیْحُ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اعْبُدُوا

بلاشبہ وہ لوگ کافر ہوئے جنہوں نے یوں کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے حالانکہ مسیح نے فرمایا ہے کہ اے بنی اسرائیل! تم اللہ کی عبادت کرو

اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ ؕ اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ وَمَاْوٰىہُ النَّارُ ؕ

جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے' بلاشبہ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے تو اس میں شک نہیں کہ اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے'

وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾ لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰہٍ

اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں' بلاشبہ وہ لوگ کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین معبودوں میں سے ایک معبود ہے حالانکہ ایک معبود کے علاوہ

اِلَّآ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ یَنْتَھُوْا عَمَّا یَقُوْلُوْنَ لَیَمَسَّنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾

کوئی معبود نہیں اور اگر اس بات سے باز نہ آئے جو وہ کہتے ہیں تو ضرور ضرور ان لوگوں کو جو اُن میں کفر ہی پر جمے رہیں دردناک عذاب پہنچ جائے گا'

اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَی اللّٰہِ وَیَسْتَغْفِرُوْنَہٗ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۷۴﴾ مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ

کیا وہ اللہ کے حضور میں توبہ نہیں کرتے اور اُس سے مغفرت نہیں چاہتے' اور اللہ غفور ہے رحیم ہے' نہیں ہے مسیح ابن مریم مگر ایک رسول' اُن

خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّہٗ صِدِّیْقَۃٌ ؕ کَانَا یَاْکُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ کَیْفَ نُبَیِّنُ لَھُمُ الْاٰیٰتِ

سے پہلے رسول گذر چکے ہیں اور ان کی ماں سچی ہے' وہ دونوں کھانا کھاتے تھے' دیکھ لیجئے! ہم کیسے ان کے لئے دلائل بیان کرتے ہیں

ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ ﴿۷۵﴾ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ

پھر دیکھو کہ وہ لوگ کہاں الٹے جا رہے ہیں' آپ فرما دیجئے کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے ضرر اور نفع کا اختیار نہیں رکھتے

وَاللّٰہُ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۷۶﴾ قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا

اور اللہ سُننے والا اور جاننے والا ہے' آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق کا غلو نہ کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو

اَھْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا کَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ ﴿۷۷﴾

جو پہلے گمراہ ہو چکے ہیں اور انہوں نے بہت سوں کو گمراہ کیا اور سیدھے راستے سے بہک گئے

نصاریٰ کے کفر و شرک اور غلو کا بیان

تفسیر: ان آیات میں نصاریٰ کی گمراہی اور ان کا کفر و شرک اور غلو بیان فرمایا ہے' نصاریٰ کے کئی فرقے تھے ان میں سے ایک فرقہ یہ کہتا تھا کہ اللہ اور مسیح ابن مریم ایک ہی ہیں یعنی وہ حلول کے قائل تھے یہ بھی سراسر کفر ہے خالق کا مخلوق میں حلول ماننا اور اتحاد کا قائل ہونا بہت بڑی گمراہی ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ اسی شخصیت کو خدا بتا رہے ہیں جس نے واضح طریقہ پر بنی اسرائیل سے فرما دیا تھا کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے وہ تو فرما رہے ہیں کہ اللہ میرا اور تمہارا رب ہے اور ان سے عقیدت کا اظہار کرنے والے ان کو عین خدا بتا رہے ہیں' نیز حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام نے یہ بھی اعلان فرما دیا تھا کہ جو بھی کوئی شخص اللہ کے ساتھ شرک کریگا اللہ اس پر جنت کو حرام فرما دیگا' نصاریٰ نے شرک اختیار کیا اور حضرت مسیح علیہ السلام کو عین خدا بتا کر ان کے لیے خدائی خصوصیات تجویز کر دیں اور ان کو معبود بھی ماننے لگے۔ شرک ظلم عظیم ہے ظالموں کے لیے قیامت کے دن کوئی مددگار نہ ہوگا۔

نصاریٰ کی ایک جماعت کا یہ کہنا تھا کہ تین معبود ہیں ان میں سے ایک معبود اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم بنت عمران علیہا الرحمۃ بھی معبود ہیں' اللہ جل شانہٗ نے ان کا قول نقل فرما کر اول تو ان کی تردید فرمائی وَمَا مِنْ اِلٰہٍ اِلَّآ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ (اور ایک معبود کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے) اور پھر فرمایا وَاِنْ لَّمْ یَنْتَھُوْا عَمَّا یَقُوْلُوْنَ لَیَمَسَّنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (اگر یہ لوگ اپنے قول سے باز نہ آئے تو ان میں سے جو لوگ کفر

پر جمے رہیں گے ان کے لیے دردناک عذاب ہے (جو لوگ توبہ کرلیں گے ایمان لے آئیں گے وہ عذاب سے مستثنیٰ ہیں)
پھر فرمایا اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَیَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ' (کیا یہ اپنے عقائد باطلہ کو چھوڑ کر اللہ کے حضور میں توبہ نہیں کرتے اور اس سے مغفرت نہیں چاہتے) یعنی انہیں کفریہ عقائد پر برابر صرار ہے ان عقائد کو چھوڑیں اور اللہ کے حضور میں توبہ کریں' اور مغفرت طلب کریں اگر ایسا کریں گے تو اللہ مغفرت فرمادے گا اللہ غفور ہے رحیم ہے کافر و مشرک توبہ کرے اور ایمان قبول کرے جو اللہ کے یہاں معتبر ہے تو اس کی بھی بخشش ہو جاتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عہدہ: اس کے بعد حضرت عیسیٰ مسیح ابن مریم علیہ السلام کا عہدہ بتایا کہ مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ کہ مسیح ابن مریم صرف رسول ہیں' رسول وہ ہوتا ہے جو پیغام لیکر آئے' اللہ کے رسول مخلوق کی طرف اللہ کا پیغام لے کر آتے تھے اور یہ اُن کا بہت بڑا منصب اور عہدہ تھا جو اُن کے لیے بہت بڑی فضیلت کا باعث اللہ تعالیٰ نے جو پیغام بھیجے وہ پیغام لے کر آئے اور مخلوق تک پہنچا دیئے۔

ظاہر ہے کہ اُن میں ایک دوسرے کا عین نہیں ہو سکتا یعنی دونوں ایک ہی ذات نہیں ہو سکتے پیغام بھیجنے والا وحدہٗ لاشریک ہے جس کو اس نے پیغام دیکر بھیجا وہ پیغام بھیجنے والے کی خدائی میں کیسے شریک ہو سکتا ہے؟ جیسے دوسرے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے اور خدا کی الوہیت میں شریک نہیں تھے ایسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تھے' ہر نبی اللہ کے بندہ ہے اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام اللہ کا بندہ ہونے ہی کی دعوت دیتے رہے ہیں۔

حضرت مریمؑ صدیقہ تھیں: اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا وَاُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ اور ان کی والدہ خوب زیادہ سچی تھیں' انہوں نے اللہ کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی (وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ) صدق اور تصدیق اور زُہد و عبادت کی وجہ سے کوئی مرد و عورت معبود نہیں ہو جاتا نہ کوئی شخص بغیر باپ کے پیدا ہو جانے سے عبادت کا مستحق ہو جاتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مستحق عبادت نہیں جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام مستحق عبادت نہیں وہ تو بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے تھے' معجزات کی وجہ سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام معبود نہیں ہو سکتے ان کے علاوہ بھی دیگر انبیاء علیہم السلام سے معجزات صادر ہوئے تھے ان سے یا کسی نبی سے جو معجزہ صادر ہوا وہ صرف اللہ کے حکم سے تھا جس کو بِاِذْنِ اللّٰهِ بتا کر سورۂ آل عمران میں بیان فرمایا ہے۔ ان معجزات کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کی خدائی میں شریک ماننا اور عبادت کا مستحق سمجھنا سراسر حماقت اور ضلالت اور جہالت ہے۔

حضرت مسیحؑ اور ان کی والدہ مریمؑ دونوں کھانا کھاتے تھے: پھر فرمایا كَانَا یَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ (عیسیٰ اور ان کی والدہ کھانا کھاتے تھے) مطلب یہ ہے کہ نصاریٰ نے جو حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ علیہما السلام کو معبود مانا ان کی بے وقوفی اور جہالت اور ضلالت اسی سے ظاہر ہے کہ جسے اپنی زندگی برقرار رکھنے کے لیے کھانا کھانے کی ضرورت ہو

اسے معبود بنا بیٹھے، معبود تو وہ ہے جو کسی کا محتاج نہیں اور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، جو دوسرے کا محتاج ہو اور جسے روٹی پانی کی ضرورت ہے وہ معبود نہیں ہو سکتا۔ پھر فرمایا اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ (آپ دیکھ لیجئے ہم ان کے لیے کس طرح آیات بیان کرتے ہیں) طرح طرح سے سمجھاتے ہیں دلائل پیش کرتے ہیں لیکن پھر بھی وہ اپنے عقائد شرکیہ سے باز نہیں آتے ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (پھر دیکھ لیجئے! وہ کس طرح ہٹائے جا رہے ہیں) حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف جاتے ہیں دلائل اور حقائق کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

جو شخص نفع و ضرر کا مالک نہ ہو اسکی عبادت کیوں کرتے ہو؟ اس کے بعد فرمایا قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا (آپ فرما دیجئے! کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اسکی عبادت کرتے ہو جو تمہارے لیے ضرر اور نفع کا مالک نہیں) یہ نصاریٰ کو خطاب ہے لیکن الفاظ کا عموم تمام مشرکین کو شامل ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں یا ان کی والدہ ہوں یا ان کے علاوہ مخلوق میں سے کوئی بھی شخصیت ہو نبی ہو یا ولی ہو کوئی بھی کسی کیلئے نفع نقصان کا مالک نہیں۔ نفع ضرر اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ اور قدرت میں ہے جب تمام انبیاء عظام علیہم السلام اور اولیاء کرام اور دیگر تمام انسان و جنات اور فرشتے بھی نفع اور ضرر کے مالک نہیں تو بُت نفع ضرر کے کیسے مالک ہونگے؟ جو ضرر اور نفع کا مالک ہے اُسے چھوڑ کر غیروں کی عبادت کرنا سراسر کُفر ہے اور خلاف عقل بھی ہے۔

سورہ یونس میں فرمایا وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ (اور مت پکار اس کو جو تجھے نہ نفع دے نہ ضرر دے سو اگر تو ایسا کرے تو اس وقت تو ظالموں میں ہو جائے گا)

پھر فرمایا وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے) وہ ہر زور کی اور آہستہ والی آواز کو سنتا ہے سب کے اعمال کو جانتا ہے ہر ایک کے احوال سے باخبر ہے، وہ سب کو اعمال کے مطابق جزا سزا دے گا۔

اہل کتاب کو غلو کرنے کی ممانعت: اس کے بعد اہل کتاب کو غلو فی الدین سے بچنے کا حکم فرمایا، ارشاد ہے قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ (آپ فرما دیجئے اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو) اہل کتاب نے اپنے دین میں غلو کر رکھا تھا، حد سے زیادہ بڑھ جانے کو غلو کہتے ہیں اور یہ غلو ناحق ہوتا ہے کیونکہ حق کی حد کے اندر رہنا ہی حق ہے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اتنا آگے بڑھایا کہ خدا اور خدا کا بیٹا بنا دیا اور انکی والدہ کو بھی معبود مان لیا۔ اور یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا دیا حالانکہ خالق اور مخلوق میں رشتہ نہیں ہو سکتا اور کوئی مخلوق معبود بھی نہیں ہو سکتی، ان لوگوں نے دین میں غلو کر دیا۔ اور وہ باتیں دین میں داخل کر دیں جو اس دین میں نہ تھیں، جو دین اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے واسطہ سے ان کے پاس آیا تھا چونکہ دین میں غلو اپنی ذاتی خواہشوں سے ہوتا ہے اسلئے فرمایا وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ (اور اُن لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو پہلے

سے گمراہ ہو چکے ہیں) انہوں نے اپنی خواہشات کو سامنے رکھا اور دین میں غلو کیا تم انکی پیروی نہ کرو اور دین میں غلو نہ کرو۔

آنحضرت سرور عالم ﷺ کی بعثت سے پہلے یہود و نصاریٰ کے اکابر نے اپنی ذاتی خواہشوں اور رائیوں کے مطابق اپنے دین کو بدل دیا تھا اور اس میں عقائد باطلہ تک شامل کر دیئے تھے خود بھی گمراہ ہوئے وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا (اور بہت سوں کو گمراہ کیا) پھر خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کے بعد بھی حق واضح ہوتے ہوئے گمراہی پر جمے رہے وَضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ (اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے)

امت محمدیہ کو غلو کرنے کی ممانعت: دین میں غلو کرنا امتوں کا پرانا مرض ہے آنحضرت سرور عالم ﷺ کو خطرہ تھا کہ کہیں آپ کی امت بھی اس مرض مہلک میں مبتلا نہ ہو جائے' آپ نے فرمایا **لاتطرونی کما اطرت النصاریٰ ابن مریم فانما انا عبده فقولوا عبدالله ورسوله۔**

یعنی میری تعریف میں مبالغہ نہ کرنا جیسے نصاریٰ نے ابن مریم کی تعریف میں مبالغہ کیا' میں تو بس اللہ کا بندہ ہوں' میرے بارے میں یوں کہو **عبدالله ورسوله** (کہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں) (رواہ البخاری ج ا ص ۴۹۰)

آنحضرت سرور عالم ﷺ کی تنبیہ کو دیکھیں اور پھر ان لوگوں کو دیکھ لیں جو رسول اللہ ﷺ کو تمام خدائی اختیارات سونپ دیئے جانے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور قرآن کی تصریحات کے باوجود آپ کی بشریت کے منکر ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اس عقیدہ کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ سے بہت بڑی محبت کرنے والے بن گئے سورۃ الاسراء میں فرمایا ہے۔ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (آپ فرما دیجئے کہ میرا رب پاک ہے میں نہیں ہوں مگر ایک بشر رسول) ایک عالم نما جاہل نے تو غضب ہی کر دیا سورۂ کہف کی آیت قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کے بارے میں کہہ دیا کہ اس میں مَا نافیہ ہے اپنے خیال میں بہت دور کی کوڑی لائے لیکن انہیں یہ بھی پتہ نہیں کہ اِنَّ جملہ مثبتہ کی تحقیق کے لئے آتا ہے جملہ منفیہ کے لئے نہیں آتا۔

صحیح بخاری ص ۱۰۶۵ میں ہے کہ آپ نے فرمایا **انما انا بشر** کہ میں ایک بشر ہی ہوں' اللہ جل شانہ' تو آپ سے فرمائیں کہ اپنے بارے میں اعلان کر دیں کہ تمہارا جیسا بشر ہوں لیکن محبت کے دعویدار کہتے ہیں کہ نہیں آپ بشر نہیں تھے یہ عجیب قسم کی محبت ہے ان میں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آیت کا یہ مطلب ہے کہ میں ظاہر میں بشر ہوں یہ لفظ ظاہراً اپنی طرف سے بڑھایا گیا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک قرآن میں تحریف ہو جائے تو کچھ حرج نہیں مگر ان کی بات کی پچ باقی رہے (العیاذ باللہ)

قرآن مجید میں فرمایا ہے يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ (وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کب ہوگی؟ اس کے جواب میں کہہ دیجئے اس کی خبر تو میرے رب ہی کے پاس

ہے اس کا وقت وہی اُسے ظاہر فرمائے گا) اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ قیامت کے آنے کا وقت صرف اللہ ہی کے علم میں ہے۔ لیکن حُبِّ نبی (علیہ السلام) کے دعویدار کہتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام کو متعین طریقہ پر قیامت کے وقت کا بھی علم تھا۔ یہ عجیب محبت ہے جو قرآن کی تصریحات کے خلاف عقیدہ رکھنے پر آمادہ کردے ملا علی قاریؒ اپنی کتاب الموضوعات الکبیر میں لکھتے ہیں وقد جاھر بالکذب بعض من یدعی فی زماننا العلم وھو متشبع بما لم یعط ان رسول اللہ علیہ السلام کان یعلم متیٰ تقوم الساعۃ (یعنی ہمارے زمانے میں بعض ایسے لوگ ہیں جو علم کے دعویدار ہیں حالانکہ ان کے پاس علم نہیں ہے انہوں نے صاف صریح جھوٹ بولا اور یہ کہا کہ رسول اللہ علیہ السلام کو علم تھا کہ قیامت کب قائم ہوگی)

جس طرح عقائد میں محبت کے دعویداروں نے غلو کیا ہے اسی طرح سے مرنے جینے سے متعلق بہت سی رسمیں اپنی طرف سے تجویز کر کے دین میں داخل کر دیں اپنی رسموں اور بدعتوں کو جاری رکھنے کے لئے اپنی طرف سے حدیثیں بھی تراش لیتے ہیں اور خالص شرکیہ افعال کو دین کا جزو بنائے ہوئے ہیں (اَعَاذَنَا اللّٰہُ من خرافاتِھم)

لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ؕ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّ کَانُوْا

بنی اسرائیل میں سے جو لوگ کافر تھے وہ ملعون ہوئے داؤدؑ کی زبان پر اور عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کی زبان پر یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ زیادتی کرتے تھے

یَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾ کَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَرٰی کَثِیْرًا مِّنْهُمْ

یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو بُرے کام سے نہیں روکتے تھے جو انہوں نے کیا' واقعۃً بُرے تھے وہ افعال جو وہ کرتے تھے' تو ان میں سے بہت سوں کو دیکھے گا

یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَ فِی الْعَذَابِ

کہ ان لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جنہوں نے کفر اختیار کیا' واقعۃً بُرے ہیں وہ افعال جو اُن کی جانوں نے آگے بھیجے یہ کہ اللہ اُن پر ناراض ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب

هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَ لَوْ کَانُوْا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ النَّبِیِّ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِیَآءَ وَ لٰکِنَّ

میں رہنے والے ہیں' اور اگر وہ ایمان لاتے اللہ پر اور نبی پر اور اُس پر جو اتارا گیا ہے نبی کی طرف تو کافروں کو دوست نہ بناتے لیکن

کَثِیْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾

بہت سے لوگ اُن میں سے فرمانبرداری سے خارج ہیں

معاصی کا ارتکاب کرنے اور منکرات سے نہ روکنے کی وجہ سے بنی اسرائیل کی ملعونیت

تفسیر: ان آیات میں بنی اسرائیل کی ملعونیت اور مغضوبیت بیان فرمائی ہے اور ان کی بداعمالیوں کا تذکرہ فرمایا ہے'

ان بداعمالیوں میں سے ایک یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو گناہ کے کام سے نہیں روکتے تھے، تفسیر ابن کثیر میں مسند احمد سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بنی اسرائیل گناہوں میں پڑ گئے تو اُن کے علماء نے ان کو منع کیا وہ لوگ گناہوں سے باز نہ آئے پھر یہ منع کرنے والے ان کے ساتھ مجلسوں میں اُٹھتے بیٹھتے رہے اور ان کے ساتھ کھاتے پیتے رہے (اور اس میل جول اور تعلق کی وجہ سے انہوں نے گناہوں سے روکنا چھوڑ دیا) لہٰذا اللہ نے بعض کے دلوں کو بعض پر مار دیا یعنی یکساں کر دیا اور انکو داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کی زبانی ملعون کر دیا۔

پھر آیت بالا کا یہ حصہ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّ کَانُوْا یَعْتَدُوْنَ پڑھا اس موقع پر رسول اللہ ﷺ تکیہ لگائے بیٹھے تھے آپ ﷺ تکیہ چھوڑ کر بیٹھ گئے اور فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے (اپنی ذمہ داری سے اسوقت تک سبکدوش نہ ہو گے) جب تک گناہ کرنے والوں کو منع کر کے حق پر نہ لاؤ گے (ج ۲ ص ۸۲)

سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۴۰ میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ سب سے پہلے جو بنی اسرائیل میں نقص وارد ہوا وہ یہ تھا کہ ایک شخص دوسرے سے ملاقات کرتا تھا (اور اسے گناہ پر دیکھتا تھا) تو کہتا تھا کہ اللہ سے ڈر اور یہ کام چھوڑ دے کیونکہ وہ تیرے لئے حلال نہیں ہے، پھر کل کو ملاقات کرتا اور گناہ میں مشغول پاتا تو منع نہ کرتا تھا کیونکہ اس کا اس کے ساتھ کھانے پینے اور اُٹھنے بیٹھنے میں شرکت کرنے والا آدمی ہوتا تھا سو جب انہوں نے ایسا کیا تو اللہ نے اُن کے قلوب کو آپس میں ایک دوسرے پر مار دیا یعنی یکساں بنا دیا پھر آپ ﷺ نے آیت بالا لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سے فٰسِقُوْنَ تک تلاوت فرمائی، پھر فرمایا کہ خوب اچھی طرح سمجھ لو اللہ کی قسم! (تمہاری یہ ذمہ داری ہے کہ) امر بالمعروف کرتے رہو اور نہی عن المنکر کرتے رہو اور ظالم کا ہاتھ پکڑتے رہو اور اُسے حق پر جماتے رہو (برائی سے) اس سے بُرائی چھڑا دو۔

نیز سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جب لوگ ظالم کو دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ عام عذاب لے آئے جس میں سب مبتلا ہوں گے نیز سُنن ابوداؤد میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی شخص کسی قوم میں گناہ کرنے والا ہو اور جو لوگ وہاں موجود ہوں قدرت رکھتے ہوئے اس کے حال کو نہ بدلیں یعنی اس سے گناہ کو نہ چھڑائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی موت سے پہلے ان پر عام عذاب بھیج دے گا۔

اُمت محمدیہ میں نہی عن المنکر کا فقدان: یہ نقص جو بنی اسرائیل میں تھا دور حاضر کے مسلمانوں میں بھی ہے گناہوں سے روکنے کی قدرت ہوتے ہوئے گناہوں پر نہیں ٹوکتے، گناہگاروں سے ملتے جلتے ہیں ان سے تعلق رکھتے ہیں اور تعلقات کشیدہ ہونے کے ڈر سے ان کو گناہ سے نہیں روکتے، خالق مالک جل مجدہٗ کی ناراضگی کا خیال نہیں کرتے مخلوق کی ناراضگی کا خیال کرتے ہیں کہ اسے گناہ سے روک دیا تو یہ ناراض ہو جائیگا۔

بنی اسرائیل کے اسی طرز کو بیان فرما کر ارشاد فرمایا لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ کہ بُرا ہے وہ عمل جو وہ کرتے تھے۔ بنی

اسرائیل والے طریقے بدعیانِ اسلام نے بھی اپنا لئے اسی لئے دنیا میں عام عذاب اور عقاب میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔

مشرکین مکہ سے یہودیوں کی دوستی: پھر فرمایا تَرٰی كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (تو ان میں بہت سوں کو دیکھے گا کہ وہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں ج ۳ کہ اس سے کعب بن اشرف اور دوسرے یہودی مراد ہیں جنہوں نے مشرکین مکہ سے دوستی کی تھی (جن کو خود بھی کافر کہتے تھے) یہودیوں کی جماعت مکہ معظمہ پہنچی اور انہوں نے مشرکین مکہ کو رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے پر آمادہ کیا (رسول اللہ ﷺ کو حق پر جانتے ہوئے آپ پر ایمان نہ لائے مشرکوں سے دوستی کرنے کو پسند کیا)

لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ (البتہ وہ عمل برے ہیں جو انہوں نے اپنے آگے بھیجے) اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ (اور وہ اعمال ایسے ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہوا) وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ (اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے) پھر فرمایا وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ (الآیۃ) (اور اگر یہ لوگ نبی اکرم ﷺ پر اور اس چیز پر ایمان لاتے جو آپ پر نازل کی گئی تو کافروں کو دوست نہ بناتے) اس میں منافقوں کی طرف بھی اشارہ ہے جو کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں ان کا دعوائے ایمان غلط تھا' اگر آپ پر ایمان لاتے تو آپ کے دشمنوں سے کیوں دوستی کرتے وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ (لیکن ان میں بہت سے وہ ہیں جو نافرمان ہیں) ان میں سے تھوڑے ہی افراد نے اسلام قبول کیا اور باقی اشخاص نے سرکشی اور نافرمانی ہی کو اختیار کیا اور برابر کفر پر اڑے رہے۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً
تو اہل ایمان کے لئے سب سے زیادہ دشمن یہودیوں اور مشرکین کو پائے گا' اور ضرور بالضرور اہل ایمان سے محبت میں سب
لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّا نَصٰرٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ
سے زیادہ قریب تر تو اُن لوگوں کو پائے گا جنہوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں' یہ اس وجہ سے کہ ان میں علماء ہیں اور درویش ہیں اور وہ
لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾
تکبر نہیں کرتے

اہل ایمان سے یہودیوں اور مشرکوں کی دشمنی

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ آپ اہل ایمان کے سب سے زیادہ سخت ترین دشمن یہودیوں کو اور ان

لوگوں کو پائیں گے جو مُشرک ہیں یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے مشرکین مکہ نے جو حضرات صحابہؓ پر ظلم وستم ڈھائے وہ معروف ومشہور ہیں اور جہاں کہیں بھی مشرکین ہیں وہ اب بھی مسلمانوں کے بدترین دشمن ہیں اور تاریخ کے ہر دور میں ان کی دشمنی بڑھ چڑھ کر رہی ہے جب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی تو یہودیوں نے سخت دشمنی کا مظاہرہ کیا یہ لوگ بہت سے مدینہ منورہ میں رہتے تھے۔ نبی آخر الزمان ﷺ کی نعوت اور صفات جو انہیں پہلے سے معلوم تھیں اور توریت شریف میں پڑھیں تھیں ان کے موافق آپ ﷺ کو پالیا اور پہچان لیا تب بھی آپ ﷺ کے دشمن ہو گئے اور بہت زیادہ دشمنی پر کمر باندھ لی آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کے بعد مشورہ کیا آپ کو زہر بھی دیا اور آپ پر جادو بھی کیا مشرکین مکہ کو جا کر جنگ کے لئے آمادہ کیا اس پر وہ لوگ متعدد قبیلوں کو لے کر مدینہ منورہ پر چڑھ آئے اور یہود برابر اسلام اور اہل اسلام کے بارے میں مکاری اور دسیسہ کاری کرتے رہے۔ اور آج تک بھی ان کی دشمنی میں کوئی کمی نہیں آئی۔

تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۸۰ میں بحوالہ حافظ ابوبکر بن مردویہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ مَــا خَلَا یَھُوْدِیٌّ بِمُسْلِمٍ قَطُّ اِلَّاھَمَّ بِقَتْلِہٖ یعنی جب کبھی بھی کوئی یہودی کسی مسلمان کے ساتھ تنہائی میں ہوگا تو ضرور مسلمان کو قتل کرنے کا ارادہ کرے گا مسلمان اور اسلام کے خلاف یہودیوں کی چال بازیاں اور شرارتیں برابر جاری ہیں اور وہ اپنی شرارتوں سے باز آنے والے نہیں ہیں نصاریٰ کو بھی وہ مسلمانوں کے خلاف ابھارتے رہتے ہیں اور ان کو ایسی ایسی اسکیمیں سُجھاتے ہیں اور ایسی ایسی تدبیریں سکھاتے ہیں جن سے دنیا میں مسلمانوں کو سخت مصائب کا سامنا پڑتا رہتا ہے خفیہ تنظیمیں کرنے میں ماہر ہیں ان کی خفیہ تنظیم فری میسن تو اب آشکارا ہو چکی ہے۔

نصاریٰ کی مودّت اور اس کا مصداق: یہود اور مشرکین کی دشمنی کا حال بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَھُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰیؕ کہ آپ ایمان والوں کے لئے محبت کے اعتبار سے سب سے زیادہ قریب تر اُن لوگوں کو پائیں گے جن لوگوں نے اپنے بارے میں یوں کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔

نصاریٰ معروف جماعت ہے یہ وہ لوگ ہیں جو سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اپنا انتساب کرتے ہیں مفسر ابن کثیر ج ۲ ص ۸۲ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰی کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اَیِ الَّذِیْنَ زَعَمُوْٓا اَنَّھُمْ نَصَارٰی مِنْ اَتْبَاعِ الْمَسِیْحِ وَعَلٰی منھاج انجیلہ فیھم مودّة للاسلام واھلہ فی الجملة وما ذاک الالما فی قلوبھم اذ کانوا علی دین المیسح من الرقة والرافة کما قال تعالی وجَعَلْنا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً وفی کتابھم من ضربک علی خدک الایمن فَا دِرلَہٗ خدک الا یسر ولیس القتال مشروعًا فِیْ مِلَّتِھِمْ اھ۔

یعنی اس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے یہ خیال کیا کہ وہ نصاریٰ ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین میں سے ہیں اور انجیل میں جو راہ بتائی تھی اس کی متبع ہیں فی الجملہ ان لوگوں کے دلوں میں اسلام اور اہل اسلام کے لیے مودّت ہے اور یہ اس وجہ سے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں اور نرمی اور مہربانی کی شان تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے عیسٰی کا اتباع کیا ان کے دلوں میں ہم نے مہربانی اور رحم کرنے کی صفت رکھ دی۔ ان کی کتاب میں یہ بھی تھا کہ جو شخص تیرے داہنے رُخسار پر مارے تو بایاں رخسار بھی اس کی طرف کردے' اور اُن کے مذہب میں جنگ کرنا بھی مشروع نہیں تھا۔

مطلب یہ ہے کہ یہاں پر ہر نصرانی اور مدعی عیسائیت کا ذکر نہیں ہے بلکہ ان نصرانیوں کا ذکر ہے جو اپنے کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کا پابند سمجھتے تھے اور دین مسیح کے مدعی ہونے کی وجہ سے ان کے دلوں میں نرمی اور مہربانی تھی ان لوگوں کے سامنے جب دین اسلام آیا اور اہل اسلام کو دیکھا تو اگرچہ اسلام قبول نہیں کیا لیکن مسلمانوں سے محبت اور تعلق رکھتے تھے۔

ان کے دین میں جنگ تو مشروع ہی نہ تھی لہٰذا مسلمانوں سے جنگ کرنے کا سوال ہی نہ تھا پھر ان میں قسیسین تھے یعنی علماء تھے (جن کے پاس تھوڑا بہت انجیل کا علم رہ گیا تھا وہ اس کے ذریعہ نصیحت کرتے رہتے تھے) نیز ان میں راہب بھی تھے جن کو عبادت کا ذوق تھا وہ عبادت میں لگے رہتے تھے جب انہوں نے اہل اسلام کی عبادت کو دیکھا تو محبت اور مودّت میں بنسبت دوسری قوموں کے ان سے زیادہ قریب ہوگئے۔ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا۔

ذٰلِکَ بِاَنَّ مِنۡهُمۡ قِسِّيۡسِيۡنَ وَرُهۡبَانًا کہ ان کی محبت اسلیئے ہے کہ ان میں قسیسین ہیں اور رہبان ہیں اور فرمایا وَاَنَّهُمۡ لَا يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ ۝ اور تکبر نہیں کرتے' چونکہ ان میں تکبر نہیں ہے اسلئے حق اور اہل حق سے عناد نہیں اور یہ عناد نہ ہونا قُربِ مودّت کا ذریعہ ہے صاحب معالم التنزیل ج ۲ ص ۵۶ تحریر فرماتے ہیں۔

لم یرد بہ جمیع النصاریٰ لانھم فی عداوتھم المسلمین کالیھود فی قتلھم المسلمین واسرھم وتخریب بلادھم وھدم مساجدھم واحراق مصاحفھم' لاولا کرامة لھم' بل الأیة فیمن اسلم منھم مثل النجاشی واصحابہ.

یعنی آیۂ کریمہ میں جو نصاریٰ کو اہل ایمان کی محبت کے اعتبار سے قریب تر بتایا ہے اس سے تمام نصاریٰ مراد نہیں ہیں کیونکہ وہ اہل اسلام سے دشمنی رکھنے میں یہود اور مشرکین ہی کی طرح ہیں' مسلمانوں کو قتل کرنا اور قید کرنا اور ان کے شہروں کو برباد کرنا اور ان کی مسجدوں کو گرا دینا ان کے مصاحف کو جلا دینا یہ سب نصاریٰ کے کرتوت ہیں (لہٰذا تمام نصاریٰ اَقۡرَبَهُمۡ مَّوَدَّةً کا مصداق نہیں ہوسکتے) بلکہ آیتِ کریمہ میں وہ نصاریٰ مراد ہیں جنہوں نے اسلام قبول کرلیا مثلاً نجاشی (شاہ حبشہ) اور اُس کے ساتھی۔

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ
اور جب انہوں نے اُس چیز کو سُنا جو نازل کی گئی رسول کی طرف تو تو دیکھے گا کہ اُن کی آنکھیں آنسوؤں سے بہہ رہی ہیں اس وجہ سے کہ انہوں نے
الْحَقِّ ۖ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿٨٣﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا
حق کو پہچان لیا وہ یہ کہہ رہے تھے کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے سو آپ ہمیں اُن لوگوں کے ساتھ لکھ دیجئے جو تصدیق کرنیوالے ہیں اور ہمیں کیا ہوا کہ
مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَن يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ﴿٨٤﴾ فَأَثَابَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا
ہم اللہ پر اور حق پر ایمان نہ لائیں جو ہمارے پاس آ گیا اور ہم اس بات کی کہ اُمید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ داخل فرمائیگا سو اللہ نے ان کے قول کی
جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٥﴾ وَالَّذِينَ
وجہ سے ایسے باغ ثواب میں دیدیئے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ اچھے کام کرنیوالوں کا بدلہ ہے اور جنہوں نے
كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿٨٦﴾
کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا یہ لوگ دوزخ والے ہیں

کتاب اللہ کو سن کر حبشہ کے نصاریٰ کا رونا اور ایمان لانا

تفسیر : جب آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دینا شروع کیا (جس کے اولین مخاطبین اہلِ مکہ تھے جو بتوں کی پوجا کرتے تھے) تو اہلِ مکہ دشمنی پر اُتر آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح سے ستاتے تھے اور جو لوگ اسلام قبول کر لیتے تھے اُنہیں بہت زیادہ دُکھ دیتے تھے اور مارتے پیٹتے تھے اِس وجہ سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین (جن میں مرد عورت سبھی تھے) حبشہ کیلئے ہجرت کر گئے حبشہ اس وقت قریب ترین ملک تھا جہاں ایمان محفوظ رکھتے ہوئے عافیت کے ساتھ رہنے کا امکان تھا جب یہ حضرات وہاں پہنچ گئے تو اہلِ مکہ نے وہاں بھی پیچھا کیا اور شاہ حبشہ کے پاس شکایت لیکر گئے لیکن اُس نے ان لوگوں کی بات نہ مانی اور حضرات صحابہ رضی اللہ علیہ عنہم کو امن وامان کے ساتھ ٹھکانہ دیا ان مہاجرین میں رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی جعفر ابی طالب تھے یہ حضرات رسول کریم ﷺ وہاں کئی سال امن وامان کے ساتھ رہے پھر جب حضرت جعفرؓ وہاں سے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لیے واپس ہوئے تو نجاشی (اصحمہ شاہ حبشہ) نے وفد کے ساتھ اپنے بیٹے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا ان کا یہ وفد ساٹھ آدمیوں پر مشتمل تھا۔

نجاشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی خدمت میں تحریر کیا کہ یا رَسُولَ اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور میں نے آپ کے چچا کے بیٹے کے ہاتھ پر آپ سے بیعت کر لی اور میں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت قبول

کرلی۔ میں آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے کو بھیج رہا ہوں۔ اور اگر آپ کا فرمان ہو تو میں خود آپکی خدمت میں حاضر ہو جاؤں والسلام علیک یا رسول اللہ!

نجاشی کا بھیجا ہوا یہ وفد کشتی میں سوار تھا لیکن یہ لوگ سمندر میں ڈوب گئے۔ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جن کی تعداد ستر تھی دوسری کشتی پر سوار ہوئے تھے یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے ان میں بہتر حضرات حبشہ کے اور آٹھ آدمی شام کے تھے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اوّل سے آخر تک سورۂ یٰسٓ سنائی۔ قرآن مجید سنکر یہ لوگ رونے لگے اور کہنے لگے کہ ہم ایمان لے آئے اور یہ جو کچھ ہم نے سُنا ہے یہ بالکل اس کے مشابہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا تھا اس پر اللہ جل شانہٗ نے آیت کریمہ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ،، نازل فرمائی اس سے معلوم ہوا کہ آیت بالا نجاشی کے بھیجے ہوئے وفد کے بارے میں نازل ہوئی۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۵۶-۵۷)

بعض حضرات نے جو یہ فرمایا ہے کہ حضرات صحابہ جب ہجرت کر کے حبشہ پہنچے تھے اور شاہ حبشہ کے دربار میں حضرت جعفرؓ نے یہ بیان دیا تھا اور سورہ مریم سنائی تھی اس سے متاثر ہو کر شاہی دربار کے لوگ رو پڑے تھے اس آیت میں ان کا ذکر ہے۔ بعض مفسرین نے اس کو تسلیم نہیں کیا ان حضرات کا کہنا ہے کہ سورہ مائدہ مدنی ہے جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی لہٰذا جو واقعہ ہجرت سے پیش آیا وہ اس آیت میں مذکور نہیں (اللھم الا ان یقال ان ھذہ الایات مکیة وَاللہ اعلم بالصواب) (مگر یہ کہا جائے کہ یہ آیات مکّی ہیں)

نصاریٰ کے بارے میں یہ جو فرمایا کہ وہ مودّت اور محبت کے اعتبار بہ نسبت دوسرے لوگوں کے ایمان والوں سے قریب تر ہیں اس کا سبب یہ بتایا کہ ان میں قسیسین ہیں اور رہبان ہیں اور یہ کہ وہ تکبر نہیں کرتے قسیس رومی زبان میں عالم کو کہتے ہیں اور رُہبان راہب کی جمع ہے جو لوگ تارک دنیا ہو کر جنگلوں میں گرجے بنا لیتے تھے اور وہیں زندگی گزارتے تھے انہیں راہب کہا جاتا تھا۔ اب نصاریٰ میں نہ قسیس ہیں نہ راہب ہیں اور نہ ان میں تواضع کی شان ہے۔ جو لوگ پادری بنے ہوئے ہیں وہ بھی نصرانی حکومتوں کے پابند ہیں اور ان کے اشاروں پر چلتے ہیں۔ نصرانی حکومتیں اور ان کے پادری اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تدبیریں سوچتے رہتے ہیں اور جس قدر ممکن ہو مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے لہٰذا آیت کریمہ میں ان لوگوں کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

جن نصاریٰ نے قرآن مجید سُنا اور حق کے پہچاننے کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے انہوں نے فوراً اپنے ایمان کا اعلان کر دیا۔ اور کھلے دل سے کہنے لگے وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَ نَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ٥ (ہمیں کیا ہوا جو ہم اللہ پر ایمان لائیں اور اس پر ایمان نہ لائیں جو ہمارے پاس حق آیا۔ اور ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں صالحین کے ساتھ داخل فرما دیگا یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی امت

میں شامل فرمادے اوران کو جوانعامات ملیں ہمیں بھی ان میں شریک فرمادے)

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ جب انہوں نے اپنے مومن ہونے کا اعلان کر دیا تو یہودیوں نے انکو عار دلائی اوران سے کہا کہ تم کیوں ایمان لائے؟ اس پر انہوں نے وُہ جواب دیا جواوپر مذکور ہُوا در حقیقت جب قلوب میں ایمان کی لہر دوڑ جاتی ہے اورایمان دل میں رچ بچ جاتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت ایمان کے خلاف آمادہ نہیں کرسکتی' اور کسی جاہل کا عار دلانا ایمان سے واپس نہیں کرسکتا آخر میں اللہ جل شانہٗ نے اہل ایمان کا انعام اور کافروں کی سزا بیان فرمائی چنانچہ ارشاد ہے فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا (سواللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی وجہ سے ان کوایسے باغیچے عنایت فرمائے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے) وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِیْنَ (اور یہ بدلہ ہے اچھے کام کرنے والوں کا) وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ (اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہ دوزخ والے ہیں)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ

اے ایمان والو! اُن پاکیزہ چیزوں کو حرام مت قرار دو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں' اور حد سے آگے نہ بڑھو' بے شک اللہ حد سے

الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

بڑھ جانیوالے کو پسند نہیں فرماتا اور کھاؤ اس میں سے جو اللہ نے تم کو حلال پاکیزہ رزق عطا فرمایا اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو

حلال کھاؤ اور پاکیزہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو اور حد سے آگے نہ بڑھو

تفسیر: ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے اول تو یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ نے جو چیزیں حلال قرار دی ہیں تم ان کو حرام قرار نہ دو۔ حلال کو حرام قرار دینے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ عقیدۃً حلال کو حرام قرار دیدیا جائے۔ اگر کوئی شخص حلال قطعی کو حرام قرار دے گا تو مِلتِ اسلامیہ سے نکل جائے گا۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ عقیدہ سے تو کسی حلال کو حرام قرار نہ دے لیکن حلال کے ساتھ معاملہ ایسا کرے جو حرام کے ساتھ کیا جاتا ہے یعنی بغیر کسی عذر کے خواہ مخواہ کسی حلال چیز سے اجتناب کرے۔ یہ بھی ممنوع ہے۔

اور تیسری صورت یہ ہے کہ قسم کھا کر یا نذر مان کر کسی حلال چیز کو حرام قرار دیدے مثلاً یوں کہے کہ اللہ کی قسم فلاں چیز نہ کھاؤں گا یا یوں کہے کہ فلاں چیز میں اپنے اوپر حرام کرتا ہوں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وعلیٰ آلہ وسلم ایک مرتبہ خطبہ دے رہے تھے۔ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کھڑا ہوا ہے دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے۔؟ حاضرین نے بتایا کہ یہ ابواسرائیل ہے اس نے نذر مانی ہے کہ کھڑا ہی رہے گا۔ بیٹھے گا نہیں' اور سایہ میں نہ جائے گا اور یہ کہ بولے گا نہیں' اور روزہ دار رہے گا۔آپ نے فرمایا کہ اس سے کہو کہ بات کرے' اور سایہ میں جائے اور بیٹھ جائے۔اور روزہ پورا کرے۔(رواہ البخاری ج۲ص۹۹۱)

حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ گناہ کی نذر ماننا درست نہیں اور اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔(رواہ ابوداؤد ج۲ص۱۱۱)

بعض لوگ نذر یا قسم کے ذریعہ تو کسی حلال کو حرام نہیں کرتے لیکن راہبوں کے طریقہ پر حلال چیزوں کے چھوڑنے کا اہتمام کرتے ہیں اور اس کو ثواب سمجھتے ہیں۔اسلام میں راہبانیت نہیں ہے اور اس میں ثواب سمجھنا بدعت ہے اگر کسی کو کوئی چیز مُضر ہے اور وہ ضرر کیوجہ سے حلال سمجھتے ہوئے اس سے پرہیز کرے تو یہ جائز ہے۔

دوسرا حکم یہ فرمایا کہ حدود سے آگے نہ بڑھو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتے حد سے بڑھنے کی ممانعت سورۂ بقرہ میں بھی مذکور ہے جو گذر چکی ہے۔اور سورہ طلاق میں ارشاد فرمایا وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ (اور جو اللہ کی حدود سے آگے بڑھ جائے تو اُس نے اپنی جان پر ظلم کیا) اللہ تعالیٰ کی حدود سے آگے بڑھنے کی کئی صورتیں ہیں جن کی کچھ تفصیل ذیل میں لکھی جاتی ہے۔

حدود سے بڑھ جانے کی مثالیں: حدود سے بڑھنے کی بہت سی صورتیں ہیں ان میں سے چند ذکر کی جاتی ہیں۔

حلال کو حرام کر لینا: (۱) اللہ نے جس چیز کو حلال کیا ہے اسکو اپنے اوپر حرام کر لینا جیسے کچھ لوگ بعض پھلوں کے متعلق طے کر لیتے ہیں کہ ہم یہ نہیں کھائیں گے یا اور کسی طرح سے حرام کر لیتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ شہد پینے کے متعلق فرما دیا تھا کہ اب ہرگز نہیں پیوں گا۔اس کے متعلق اللہ جل شانہٗ نے آیت ذیل نازل فرمائی یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ (اے نبی! تم اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہو جسے اللہ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے)

ایسی بہت رسمیں آج لوگوں میں موجود ہیں جن میں عملاً بلکہ اعتقاداً ابھی بہت سی حلال چیزوں کو حرام سمجھ رکھا ہے۔ مثلاً ذی قعدہ کے مہینہ (جسے عورتیں خالی کا مہینہ کہتی ہیں) اور محرم وصفر میں شریعت میں شادی کرنا خوب حلال اور درست ہے۔ لیکن اللہ کی اس حد سے لوگ آگے نکلتے ہیں اور ان مہینوں میں شادی کرنے سے بچتے ہیں۔بہت سی قوموں میں بیوہ عورت کے نکاح ثانی کو معیوب سمجھتے ہیں اور اسے حرام کے قریب بنا رکھا ہے یہ بھی حد سے آگے بڑھ جانا ہے۔

جس طرح حلال کو حرام کر لینا منع ہے اسی طرح حرام کو حلال کر لینا منع ہے حرام وحلال مقرر فرمانے کا اختیار اللہ ہی کو

ہے سورۂ نحل میں ارشاد ہے وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ (اور جن چیزوں کے بارے میں تمہارے زبانی جھوٹا دعویٰ ہے ان کی نسبت یوں مت کہہ دیا کرو کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں چیز حرام ہے، جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگادو گے)

اسی ممانعت میں اللہ کی رخصتوں سے بچنا بھی داخل ہے مثلاً سفر شرعی میں قصر نماز کرنا مشروع ہے اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

جو چیز ثواب کی نہ ہو اُسے باعث ثواب سمجھ لینا: حدود سے آگے بڑھنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جو چیز اللہ کے یہاں تقرب اور نزدیکی کی نہ ہو اُسے تقرب کا باعث سمجھ لینا مثلاً بولنے کا روزہ رکھ لینا یا دھوپ میں کھڑا رہنا وغیرہ وغیرہ۔

غیر ضروری کو ضروری کا درجہ دیدینا: (۳) ایک طریقہ حد سے آگے بڑھنے کا یہ ہے کہ جو چیز شریعت میں ضروری نہیں ہے اسے فرض کا درجہ دیدیں اور جو اسے نہ کرے اس پر لعن طعن کریں مثلاً شب برات کا حلوا اور عید الفطر کی سویاں کہ شرعاً ان دونوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے نہ ان کا کوئی ثبوت ہے مگر لوگ اسے ضروری سمجھتے ہیں اور جو نہ پکاوے اس کو نکو بننا پڑتا ہے جب شرعاً ان کی کوئی اصل نہیں تو ان کا اہتمام کرنا سراپا بدعت ہے۔

مطلق مستحب کو وقت کے ساتھ مقید کرلینا: (۴) ایک طریقہ حد سے آگے بڑھنے کا یہ ہے کہ عمومی چیز کو کسی خاص وقت کے ساتھ مخصوص کرلیں مثلاً نماز فجر اور نماز عصر کے بعد امام سے مصافحہ کرنا اور اسے واجب کا درجہ دینا۔

بعض علاقوں میں دیکھا گیا ہے کہ مؤذن اذان شروع کرنے سے پہلے درود شریف پڑھتا ہے، درود شریف بڑی فضیلت کی چیز ہے مگر اس کو کسی ایسے وقت کے ساتھ مخصوص کرنا جس کے متعلق شریعت میں خصوصیت نہیں ہے حد سے آگے بڑھ جانا ہے۔

حدیث شریف میں اذان کے بعد درود شریف پڑھنا اور پھر اس کے بعد دُعا (اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ الخ) پڑھنا آیا ہے۔

کسی عمل کا ثواب خود تجویز کرلینا: (۵) حد سے آگے بڑھ جانے کی ایک شکل یہ ہے کہ کسی عمل کی وہ فضیلت تجویز کرلی جائے جو قرآن وحدیث سے ثابت نہیں جیسے دعا گنج العرش اور عہد نامہ اور درود لکھی کی فضیلت گھڑ رکھی ہے۔

کسی عمل کی ترکیب خود وضع کرلینا: (۶) ایک صورت حد سے آگے بڑھ جانے کی یہ ہے کہ کسی عمل کی کوئی خاص ترکیب وترتیب تجویز کرلی جاوے مثلاً مختلف رکعات میں مختلف سورتیں پڑھنا تجویز کرلینا (جو حدیث سے ثابت نہ ہو) پھر اس کا التزام کرنا یا سورتوں کی تعداد مقرر کرلینا (جیسے تہجد کی نماز کے متعلق مشہور ہے کہ پہلی رکعت میں ۱۲ مرتبہ قُل ہو اللہ پڑھی جاوے) اور پھر ہر رکعت میں ایک ایک مرتبہ گھٹاتا جاوے یہ لوگوں نے خود تجویز کرلیا ہے، مہینوں اور دنوں کی نماز میں اور انکی خاص خاص فضیلتیں اور ان کی مخصوص ترکیبیں لوگوں نے بنائی ہیں یہ بھی حد سے آگے بڑھ جانا ہے۔

کسی ثواب کے کام کے لئے جگہ کی پابندی لگالینا: (۷) کسی ثواب کے کام کو کسی خاص جگہ کے ساتھ

مخصوص کر لینا (جس کی تخصیص شریعت سے ثابت نہ ہو) یہ بھی حد سے بڑھ جانا ہے۔ جیسے بعض جگہ دستور ہے کہ قبر پر غلّہ یا روٹی تقسیم کرتے ہیں یا قبر پر قرآن پڑھواتے ہیں ثواب ہر جگہ سے پہنچ سکتا ہے پھر اس میں اپنی طرف سے قبر پر ہونے کو طے کر لینا حدود اللہ سے آگے بڑھنا ہے۔

بعض چیزوں کے بارے میں طے کر لینا کہ فلاں نہ کھائے گا: (۸) ایک صورت حد سے آگے بڑھ جانے کی یہ ہے کہ بعض کھانے کی چیزوں کے متعلق اپنی طرف سے یہ تجویز کر لیا جائے کہ فلاں شخص کھا سکتا ہے اور فلاں نہیں کھا سکتا جیسے مشرکین مکہ کیا کرتے تھے سورۂ انعام میں ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا ہے وَقَالُوْا مَافِیْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا وَاِنْ یَّكُنْ مَّیْتَةً فَهُمْ فِیْهِ شُرَكَآءُ سَیَجْزِیْهِمْ وَصْفَهُمْ اِنَّهٗ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ۝ اور وہ (یہ بھی) کہتے ہیں کہ یہ جو ان مواشی کے پیٹ میں ہے خالص ہمارے مردوں کے لئے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ مردہ ہے تو اُس میں وہ سب (مرد و عورت) ساجھی ہیں۔ اللہ ان کو عنقریب غلط بیانی کی سزا دے گا بلاشبہ وہ حکمت والا ہے علم والا ہے)

اسی قسم کی شکلیں آجکل فاتحہ و نیاز والے لوگوں نے بنا رکھی ہیں۔ مثلاً حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ایصال ثواب کے لئے بی بی جی کی صحنک کے نام سے کچھ رسم کی جاتی ہے اس رسم میں جو کھانا پکتا ہے اس میں یہ قاعدہ بنا رکھا ہے کہ اس کھانے کو مرد اور لڑکے نہیں کھا سکتے صرف لڑکیاں کھائیں گی اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرض کر رکھا ہے کہ اس کھانے کے لئے کورے برتن ہوں' جگہ لیپی ہوئی ہو۔ یہ سب خرافات اپنی ایجادات ہیں۔

کسی گناہ پر مخصوص عذاب خود سے تجویز کر لینا: (۹) ایک صورت حد سے آگے بڑھ جانے کی یہ ہے کہ اپنی طرف سے کسی گناہ کا مخصوص عذاب تجویز کر لیا جائے جیسا کہ بہت سے واعظ بیان کرتے پھرتے ہیں۔

(۱۰) یہ صورت بھی حد سے بڑھ جانے کی ہے کہ کسی چیز کے متعلق یہ طے کر لیا جائے کہ اس کا حساب نہ ہوگا حالانکہ حدیث میں اس کا ثبوت نہ ہو جیسے مشہور ہے کہ رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو نیا کپڑا یا نیا جوتا پہن لیا جائے تو وہ بے حساب ہو جاتا ہے اسی لئے بعض لوگ بہت سے جوڑے اس روز پہن لیتے ہیں یہ سب غلط اور لغو ہے (تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ)

یہ چند صورتیں حد سے آگے بڑھ جانے کی لکھ دی گئی ہیں غور کرنے سے اور بھی نکل سکتی ہیں اللہ کی حدود سے آگے بڑھنا زبردست جرم ہے۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ اس سے منع فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا (یہ اللہ کی حدود ہیں ان سے نکلنے کے نزدیک بھی مت ہونا (بقرہ)

اور فرمایا تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ یہ اللہ کی حدود ہیں سو ان سے آگے مت نکلنا اور جو اللہ کی حدود سے باہر نکل جائے سو ایسے ہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں (بقرہ)

اورفرمایا وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (النساء)
(اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری نہ کرے اور اس کی حدود سے آگے بڑھ جائے اللہ اسکو آگ میں داخل فرمائیگا جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہے گا اور اس کے لئے ذلیل کرنے والی سزا ہے)

تیسرا حکم یہ فرمایا کہ جو کچھ حلال وطیب اللہ نے تم کو عطا فرمایا اس میں سے کھاؤ اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو معلوم ہوا حلال اور پاکیزہ چیزوں کا کھانا دینداری کے خلاف نہیں ہے ہاں! پرہیزگاری اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کی خلاف ورزی نہ کی جائے اگر کوئی چیز فی نفسہ حلال و پاکیزہ ہو لیکن دوسرے کی ملکیت ہو تو جب تک اس سے حلال پیسوں کے ذریعہ خرید نہ لے یا وہ بطور ہبہ نہ دیدے یا نفس کی خوشی سے استعمال کرنے کی اجازت نہ دیدے اس وقت اس کا کھانا' استعمال کرنا حلال نہیں ہوگا آخر میں تقویٰ کا حکم دیا اور فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ (اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو)

اس کے عموم میں ایسی سب صورتیں ہوگئیں جن میں ظلم کر کے یا حقیقت تلف کر کے یا خیانت کر کے کوئی چیز کھالی جائے یا استعمال کر لی جائے۔ نیز اس سے تمام اشیاء محرمہ سے بچنے کی تاکید بھی ہوگئی۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ
اللہ ایسی قسموں پر تمہارا مؤاخذہ نہیں فرماتا جو لغو ہوں' لیکن وہ ایسی قسموں پر مواخذہ فرماتا ہے جن کو تم باندھ دو سو اس کا کفارہ
اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ
دس مسکینوں کو کھانا دینا ہے جو اس کھانے کا درمیانہ ہو جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو' یا ان کو کپڑا پہنا دینا ہے یا ایک غلام آزاد کرنا ہے۔
فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ
سو جو شخص نہ پائے تو تین دن کے روزے ہیں' یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسمیں کھاؤ' اور تم اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾
اسی طرح اللہ بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر کرو

قسموں کے اقسام اور قسم توڑنے کا کفارہ

تفسیر: اوپر کی آیات میں یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں حلال قرار دی ہیں انکو حرام قرار نہ دو چونکہ حلال و حرام کرنے کی صورت ایک یہ بھی ہے کہ کسی حلال چیز کے کھانے یا استعمال نہ کرنے کی قسم کھالی جائے اسلئے اب قسم کے احکام بیان کئے جاتے ہیں۔

قَسَمْ کی کئی قسمیں ہیں اول یمین لغو دوسری یمین غموس' تیسری یمین منعقدہ (عربی میں قسم کو یمین کہتے ہیں) یمین لغو کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جو کوئی شخص قسم کی نیت کئے بغیر بات کرتے ہوئے لَا وَاللہِ یا بَلٰی وَاللہِ کہہ دے تو یمین لغو ہے۔ (رواہ البخاری)

(اہل عرب کی یہ عادت تھی اور اب بھی ہے کہ وہ اپنے محاورات میں باتیں کرتے کرتے اس طرح کے الفاظ بول جاتے تھے) اور بعض فقہاء نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص کسی گذشتہ واقعہ کو اپنے نزدیک سچا جان کر قسم کھائے حالانکہ واقعۃً وہ غلط ہو تو یہ یمین لغو ہے۔ بہر حال یمین لغو کی یہ بھی تفسیر ہے اس پر مؤاخذہ نہیں ہے جیسا کہ آیت کریمہ میں اسکی تصریح ہے اور اس میں کوئی کفارہ بھی نہیں ہے قسم کی دوسری قسم یمین غموس ہے یعنی کسی گذشتہ واقعہ پر جانتے بوجھتے ہوئے جھوٹی قسم کھالینا۔ مثلاً کوئی کام نہیں کیا اور قسم کھا کر کہتا ہے کہ اللہ کی قسم میں نے یہ کام کیا ہے یا کوئی کام کیا ہے پھر جانتے بوجھتے قسم کھا کر کہتا ہے کہ اللہ کی قسم میں نے یہ کام نہیں کیا۔ یہ یمین غموس ہے اس کا گناہ بہت بڑا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بڑے گناہ یہ ہیں۔

(۱) اللہ کے ساتھ شرک کرنا (۲) ماں باپ کو دُکھ دینا (۳) کسی جان کو قتل کرنا (۴) یمین غموس یعنی کسی خلاف واقعہ بات پر جھوٹی قسم کھانا (رواہ البخاری ج۲ ص ۹۸۷)

لفظ غموس غمس سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے گھسا دینا' چونکہ جھوٹی قسم یہاں اس دنیا میں گناہ پر گھسا دیتی ہے پھر آخرت میں پہنچ کر دوزخ میں گھسا دینے کا سبب بنے گی اسلئے اس کا نام یمین غموس رکھا گیا۔

قَسم کی تیسری قسم یمین منعقدہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی آنے والے زمانہ میں کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھالے مثلاً یوں کہے کہ اللہ کی قسم فلاں کام ضرور کروں گا یا فلاں چیز ضرور کھاؤں گا یا یوں کہے کہ اللہ کی قسم فلاں کام نہیں کرونگا یا فلاں چیز نہیں کھاؤں گا یا فلاں سے بات نہیں کروں گا۔ اس قسم کا حکم یہ ہے کہ اس کی خلاف ورزی ہو جائے تو کفارہ دینا فرض ہو جاتا ہے۔ کفارہ کیا ہے؟ اسکی تفصیل آیت بالا میں بتائی ہے۔ اور وہ یہ کہ دس مسکینوں کا کھانا کھلائیں یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنا دیں یا ایک غلام آزاد کر دیں اگر ان میں سے کسی چیز کو بھی استطاعت نہ ہو تو تین دن کے روزے رکھ لئے جائیں (غلام تو آجکل ہیں نہیں کیونکہ مسلمانوں نے جہاد شرعی چھوڑ دیا جس کے ذریعہ غلام اور باندیاں حاصل ہوتے تھے) لہٰذا اب اسی پر عمل ہو سکتا ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلا دیا یا کپڑے پہنا دیئے اگر ان میں سے کسی کی استطاعت نہ ہو تو تین دن کے روزے لگاتار رکھ لئے۔

کفارۂ قسم کے مسائل

مسئلہ: یمین منعقدہ کی خلاف ورزی جسے ہمارے ماحول میں قسم کا توڑنا کہتے ہیں اس کا کفارہ حانث ہونے یعنی قسم ٹوٹنے سے پہلے ادا کر دینا معتبر نہیں یعنی اگر پیشگی کفارہ ادا کر دیا تو وہ نفلی صدقہ ہو جائے گا کفارہ میں نہیں لگے گا۔

مسئلہ: اگر دس مسکینوں کو کھانا کھلانے کی صورت اختیار کرے تو صبح شام پیٹ بھر کے کھانا کھلا دے ان دس مسکینوں میں کوئی بچہ نہ ہو اور ایسا کوئی شخص نہ ہو جس کا پہلے سے پیٹ بھرا ہوا ہو۔

مسئلہ: اگر کھانا کھلانے کے بدلہ مال دینا چاہے تو یہ بھی جائز ہے جس کی صورت یہ ہے کہ ہر مسکین کو صدقہ فطر کے برابر ایک سیر ساڑھے بارہ چھٹانک گیہوں یا اس کے دوگنے جو یا اُن دونوں میں سے کسی ایک کی قیمت دیدے۔

مسئلہ: دس ہی مسکینوں کو دینا لازم ہے۔ اگر ایک ہی مسکین کو دس مسکینوں کا غلہ دیدیا تو اس سے پوری ادائیگی نہ ہوگی نو مسکینوں کو پھر دینا ہوگا۔

مسئلہ: اور اگر کپڑا دینے کی صورت اختیار کرے تو ہر مسکین کو اتنا کپڑا دے جس سے ستر ڈھک جائے اور اس میں نماز ادا ہو سکے اور اگر عورت کو کپڑا دے تو اتنا بڑا کپڑا دے جس سے اس کا سارا بدن ڈھک جائے جس میں وہ نماز پڑھ سکے۔

مسئلہ: مسکینوں کو جو کھانا کھلائے تو گھٹیا کھانا نہ کھلائے اپنے اہل وعیال کو جو کھانا کھلاتا ہو اسکی درمیانی حیثیت کا کھانا ہو کیونکہ آیت کریمہ میں مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ کی تصریح موجود ہے۔

مسئلہ: اگر کھانا دینے یا کپڑا پہنانے کی مالی استطاعت نہ ہو تو لگاتار تین روزے رکھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مُّتَتَابِعَاتٍ ہے جو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچی اسی لئے انہوں نے تتابع یعنی لگاتار روزے رکھنا مشروط قرار دیا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بھی یہی مذہب ہے کہ قسم کے کفارہ کی ادائیگی کے لئے تین دن لگاتار روزے رکھنا ضروری ہیں (بشرطیکہ کفارہ بالصیام متعین ہو جائے)

فائدہ: کسی بھی گناہ کی قسم کھانا گناہ ہے اگر کسی گناہ کی قسم کھالے مثلاً یوں کہے کہ نماز نہ پڑھوں گا یا یوں کہہ دے کہ اللہ کی قسم! ماں باپ یا بھائی بہن سے یا کسی بھی عزیز قریب سے بے تعلق رہوں گا ان سے بول چال نہ رکھوں گا یا قطع رحمی کرونگا تو ایسی قسم کا توڑ دینا واجب ہے، قسم توڑ دے اور کفارہ دیدے۔

آخر میں فرمایا وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ صاحب روح المعانی ص ۱۰ اجلد ۷ اسکی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ای راعوها لكى تؤدوا الكفارة عنها اذا حنثتم و احفظوا انفسكم من الحنث

فیھا۔ یعنی اپنی قسموں کا خیال رکھو ایسا نہ ہو کہ قسم ٹوٹ جائے اور کفارہ ادا کرنے میں غفلت کر جاؤ یا یہ مطلب ہے کہ قسم کھا لو تو اسے پوری ہی کر دو۔ (جب اللہ کا نام لے کر کسی قول یا عمل کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائی ہے تو اب اسے پورا ہی کر دو۔ لیکن یہ اسی صورت میں ہے کہ جب گناہ کی قسم نہ کھائی ہو جیسا کہ احادیث میں اسکی تصریح ہے)۔

تنبیہ: غیر اللہ کی قسم کھانا حرام ہے ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ "مَنْ حَلَفَ بغیر للہ فقد اشرک"، یعنی جس نے اللہ کے سوا کسی چیز کی قسم کھائی تو اس نے شرک کیا (رواہ الترمذی) نیز رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے باپوں کی اور اپنی ماؤں کی قسم نہ کھاؤ اور اللہ کی قسم (بھی) جب ہی کھاؤ جبکہ تم سچے ہو (مشکوۃ ص ۲۹۶)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ
اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بُت اور جوئے کے تیر گندی چیزیں ہیں، شیطان کے کاموں
فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ
میں سے ہیں لہٰذا تم ان سے بچو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ شیطان یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے آپس میں دشمنی اور بغض واقع کر دے
فِی الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ وَ یَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا
اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے، سو کیا تم باز آنے والے ہو؟ اور فرماں برداری کرو اللہ کی، اور فرمانبرداری کرو
الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۹۲﴾
رسول کی، اور ڈرتے رہو۔ سو اگر تم نے روگردانی کی تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ واضح طور پر پہنچا دینا ہے

خمر اور میسر اور انصاب و ازلام ناپاک ہیں

تفسیر: ان آیات میں شراب اور جوئے اور بُت اور جُوا کھیلنے کے تیروں کو گندی چیزیں بتایا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ چیزیں شیطان کے کاموں میں سے ہیں۔ عرب کے لوگ بُت پوجا کرتے تھے، اور بتوں کے پجاریوں کے پاس تیر رکھ دیتے تھے ان تیروں کے ذریعہ جُوا کھیلتے تھے جس کی تشریح سورہ مائدہ کی آیت نمبر۳ کے ذیل میں گذر چکی ہے۔ سورہ بقرہ میں فرمایا یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ ؕ قُلْ فِیْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَ اِثْمُهُمَاۤ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (اور آپ سے سوال کرتے ہیں شراب اور جوئے کے بارے میں! آپ فرما دیجئے! کہ ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے منافع ہیں، اور ان کا گناہ ان کے منافع سے زیادہ بڑا ہے) اس سے واضح ہوا کہ شراب اور جوئے میں اگرچہ کچھ نفع بھی ہے مگر ان کا جو گناہ ہے وہ ان کے نفع سے زیادہ بڑا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی چیز کے جائز ہونے کے لیے یہی کافی نہیں ہے کہ وہ نفع مند ہو بہت سے لوگ جوئے اور شراب اور سود وغیرہ کے صرف منافع کو دیکھتے ہیں اور شریعتِ اسلامیہ میں جو

اُن کی حرمت بیان کی گئی ہے اسکی طرف دھیان نہیں کرتے اور نفع کی شق کو دیکھ کر حلال قرار دیدینے کی بے جا جسارت کرتے ہیں۔ یہ ملحدوں اور زندیقوں کا طریقہ ہے۔

شراب کی حُرمت: ایک صاحب نے اپنے ایک ملنے والے کے بارے میں فرمایا کہ وہ دھڑلے سے شراب پیتا ہے اور کہتا ہے کہ بتاؤ قرآن میں شراب کو کہاں حرام فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ جن چیزوں کی ممانعت صریح قرآن مجید میں نہیں ہے بلکہ احادیث شریفہ میں آئی ہے یا جس چیز کی ممانعت فرماتے ہوئے لفظ حرام استعمال نہیں فرمایا اسے جائز قرار دیتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کی جہالت اور گمراہی ہے۔

ایسے ہی قرآن کے ماننے والے ہیں تو قرآن ہی سے یہ ثابت کردیں کہ قرآن نے جس چیز کی ممانعت کے لیے لفظ حرام استعمال کیا ہے بس وہی حرام ہے قرآن مجید میں بہت سی چیزوں سے منع فرمایا گیا ہے لیکن ان کے ساتھ لفظ حرام استعمال نہیں فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی فرماں برداری اور آپ کے اتباع کا بھی حکم دیا ہے اور آپ کی صفت بیان کرتے ہوئے سورہ اعراف میں یُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ فرمایا ہے۔ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی علیہ وصحبہ وآلہ وسلم کا کسی چیز کو حرام قرار دینا ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو۔

سات وجوہ سے شراب اور جوئے کی حُرمت: سورۂ مائدہ کی آیت بالا میں شراب اور جوئے کو ''رِجس'' یعنی گندی چیز بتایا ہے اور پھر سورۂ اعراف میں ''یُحَرِّمُ علیھِمُ الْخَبَآئِث'' فرمایا ہے اس تصریح کے ہوتے ہوئے بھی کوئی شخص شراب اور جوئے کو حرام نہ سمجھے تو اس کے بے دین ہونے میں کیا شک ہے ایسا شخص ملحد اور بے دین اور کافر ہے پھر یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ اگرچہ قرآن مجید میں شراب کے لیے لفظ حرام استعمال نہیں فرمایا لیکن اس کی حُرمت کی وُجوہ بتادی ہیں اور سات باتیں ذکر فرمائی ہیں۔ جن کے ذکر سے واضح طور پر حُرمت کا اعلان بار بار فرمادیا۔

(۱) اوّل تو یہ فرمایا کہ شراب اور جوا ''رِجس'' یعنی گندی چیزیں ہیں (۲) پھر یہ فرمایا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ ' کہ یہ شیطانی کاموں میں سے ہیں۔ (۳) پھر فرمایا فَاجْتَنِبُوْهُ کہ اس سے بچو (۴) فرمایا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ معلوم ہوا کہ جوئے اور شراب میں مشغول ہونا ناکامی کا سبب ہے۔ جو دُنیا اور آخرت میں سامنے آئے گی۔

(۵) فرمایا اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ کہ شیطان یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے اندر دشمنی اور بُغض ڈالدے (۶) فرمایا وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ کہ شیطان شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکنا چاہتا ہے (۷) آخر میں فرمایا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ کیا تم باز آنے والے ہو؟

غور کرلیں کہ کتنی وجوہ سے شراب اور جوئے سے منع فرمایا ہے ایسے صاف واضح بیان ہوتے ہوئے جو شخص شراب اور

جوئے کو حلال کہے گا اس کی بدبختی اور بے دینی میں کیا شک ہے؟ اللہ جل شانہٗ نے شراب کی حُرمت تدریجاً نازل فرمائی سورۂ بقرہ میں فرمایا قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔ اسکو سن کر بعض صحابہؓ نے شراب پینا چھوڑ دیا اور بعض پیتے رہے۔ حتیٰ کہ ایک دن ایسا ہوا کہ نماز مغرب میں ایک مہاجر صحابی نے امامت کرتے ہوئے قراءت میں غلطی کر دی اس پر آیت کریمہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (سورۃ النساء آیت ۴۳) نازل ہوگئی۔ اس کے بعد ایسے اندازہ سے شراب پیتے تھے کہ نماز کا وقت آنے تک ہوش میں آجائیں اسکے بعد سختی سے شراب پینے کی ممانعت فرمادی اور فرمایا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ (الیٰ قولہٖ تعالیٰ) فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ.

جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہؓ نے کہا "اِنْتَهَيْنَا رَبَّنَا" (اے محمد ہمارے رب! ہم باز آگئے) (دُرِّ منثور ص ۳۱۴ جلد نمبر ۲ از مسند احمد بروایت ابی ہریرۃؓ)

پھر فرمایا وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا (اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ڈرتے رہو) یعنی اللہ و رسول کی مخالفت نہ کرو فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ (سو اگر تم روگردانی کرو تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ واضح طور پر پہنچا دینا ہے) اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خوب اچھی طرح کھول کر بیان فرمادیا اللہ تعالیٰ کی بات پہنچا دی پھر بھی اگر کوئی خلاف ورزی کریگا تو اپنا انجام دیکھے گا۔

سات وُجوہ سے جوئے اور شراب کی ممانعت فرمانے کے بعد گویا اس آخری آیت میں مزید تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت سے ڈرو۔ جو لوگ قرآن ہی میں ممانعت اور حُرمت دیکھنا چاہتے ہیں اور حدیث رسول اللہ ﷺ کو حُجت نہیں سمجھتے ان کو تنبیہ فرمادی کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی اطاعت ضروری ہے اور دونوں کی مخالفت سے بچنا لازم ہے۔

احادیث شریفہ میں شراب کی حُرمت اور اسکے پینے پلانے والے پر لعنت اور آخرت کی سزا

رسول اللہ ﷺ نے شراب کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا اس میں سے چند احادیث کا ترجمہ لکھا جاتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر نشہ لانے والی چیز خمر یعنی شراب ہے اور ہر نشہ لانے والی چیز حرام ہے اور جو شخص دنیا میں شراب پئے گا اور اس حال میں مر گیا کہ شراب پیتا رہا اور توبہ نہ کی تو آخرت میں شراب نہیں پئے گا (جنت کی شراب سے محروم ہوگا اگر جنت کا داخلہ نصیب ہوگیا)۔ (رواہ مسلم ص ۱۶۸ جلد نمبر ۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک شخص یمن سے آیا اس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم سے

دریافت کیا کہ ہمارے علاقے میں ایک شراب ہے جو جوار سے بنائی جاتی ہے لوگ اسے پیتے ہیں' آپ نے دریافت فرمایا کیا وہ نشہ لاتی ہے؟ سوال کرنے والے نے عرض کیا کہ ہاں وہ نشہ لاتی ہے! آپ نے فرمایا "کل مُسکِرٍ حرام" کہ نشہ لانے والی ہر چیز حرام ہے۔

پھر فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ عہد فرمالیا ہے کہ جو شخص نشہ لانے والی چیز پیئے گا اللہ اُسے "طِینَۃ الخَبال" سے پلائیگا صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ "طِینَۃ الخَبال" کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ دوزخیوں کے جسموں کا نچوڑ ہے (رواہ مسلم ص ۱۶۲ جلد نمبر ۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے لعنت کی شراب پر اور اسکے پینے والے پر اور اس کے پلانے والے پر اور اس کے بیچنے والے اور اس کے خریدنے والے پر اور شراب بنانے والے پر اور بنوانے والے پر۔ اور جو شراب کو کسی کے پاس لے جائے اس پر اور جس کے پاس لیجائے اس پر بھی۔ (رواہ ابو داؤد ص ۱۶۱ جلد نمبر ۲)

جو لوگ اپنی دکانوں میں شراب بیچتے ہیں اپنے ہوٹلوں میں شراب پلاتے ہیں اور ایسی دکانوں پر ملازمت کرتے ہیں وہ اپنے بارے میں غور کرلیں کہ روزانہ کتنی لعنتوں کے مستحق ہوتے ہیں' شراب کا بنانے والا تو مستحق لعنت ہے ہی' اس کا بیچنے والا پینے والا' پلانے والا اور اس کو اٹھا کر لے جانے والا اور جس کی طرف شراب لے جائی جائے ان سب پر اللہ کی لعنت ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چل رہا ہو (رواہ البیہقی)

جو لوگ یورپ امریکہ وغیرہ میں رہتے ہیں اور نصرانیوں کے میل ملاپ کیوجہ سے شراب پی لیتے ہیں غور کریں کہ ان کا ایمان باقی ہے یا نہیں؟ ایک حدیث میں ارشاد ہے اَلْخَمْرُ جُمَّاعُ الْاِثْمِ کہ شراب تمام گناہوں کو جمع کئے ہوئے ہیں (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۴)

اگر اس بات کا مصداق دیکھنا ہو تو یورپ امریکہ کے شراب خوروں کو دیکھ لیا جائے کیا کوئی بُرائی ان سے چھوٹی ہوئی ہے؟ شراب خوری نے انہیں ہر گناہ پر آمادہ کردیا ہے۔

شراب ہر بُرائی کی کُنجی ہے: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ مجھے میرے دوست سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ کسی بھی چیز کو اللہ کے ساتھ شریک نہ کرنا اگرچہ تیرے ٹکڑے کردے جائیں اور تجھے جلا دیا جائے اور قصداً نماز نہ چھوڑنا کیونکہ جس نے قصداً نماز چھوڑ دی اس سے اللہ کا ذمہ بری ہوگیا اور شراب مت پینا کیونکہ وہ ہر بُرائی کی کُنجی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۵۱)

جولوگ شراب نہ چھوڑیں اُن سے قِتال کیا جائے: حضرت دیلم حمیری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کہ ہم ٹھنڈی سرزمین میں رہتے ہیں اور سخت محنت کرتے ہیں اور صورت حال یہ ہے کہ ہم گیہوں کی شراب بنالیتے ہیں جسے استعمال کرکے ہم محنت کے کاموں پر اپنے شہروں کی ٹھنڈک پر قوت حاصل کرتے ہیں آپ نے سوال فرمایا کیا وہ نشہ لاتی ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں وہ نشہ لاتی ہے! آپ ﷺ نے فرمایا اس سے پرہیز کرو۔ میں نے عرض کیا کہ لوگ اسے چھوڑنے والے نہیں آپ ﷺ نے فرمایا اگر اسے نہ چھوڑیں تو تم ان سے قتال کرو یعنی جنگ کرو۔ (رواہ ابوداؤد فی کتاب الاشربتہ)

اللہ کے خوف سے شراب چھوڑنے پر انعام: حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور جہانوں کے لئے ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ گانے بجانے کے سامان کو اور بتوں کو صلیب کو (جس کی نصاریٰ عبادت کرتے ہیں) اور جاہلیت کے کاموں کو مٹادوں اور میرے رب عزوجل نے قسم کھائی ہے کہ میرے بندوں میں سے جو بھی بندہ کوئی گھونٹ شراب کا پئے گا تو میں اسے اسی قدر پیپ پلاؤں گا۔ اور جو بھی کوئی شخص میرے ڈر سے شراب کو چھوڑ دے گا میں اسے ضرور مقدس حوضوں میں سے پلاؤں گا۔ (رواہ احمد کمافی المشکوٰۃ ص ۳۱۸)

جواری اور شرابی کی جنت سے محرومی: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ماں باپ کو تکلیف دینے والا اور جوا کھیلنے والا اور احسان جتانے والا اور جو شخص شراب پیا کرتا ہے یہ لوگ جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ (رواہ الدارمی ص ۳۱ جلد نمبر ۲)

شراب اور خنزیر اور بتوں کی بیع کی حُرمت: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فتح مکہ کے موقع پر یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے شراب اور مردار اور خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام قرار دیا ہے (رواہ البخاری ج ا ص ۲۹۸)

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَ

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان پر اس بارے میں کوئی گناہ نہیں کہ انہوں نے کھایا پیا جبکہ انہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے اور

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

نیک عمل کئے پھر تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے پھر تقویٰ اختیار کیا اور نیک اعمال میں لگے اور اللہ اچھے عمل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے

حُرمت کی خبر سنکر صحابہؓ نے راستوں میں شراب بہادی

تفسیر: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ میں اُبوطلحہؓ کے گھر میں حاضرین کو شراب پلا رہا تھا (یہ حضرت انسؓ کے سوتیلے باپ تھے) اسی اثناء میں یہ حکم نازل ہوگیا کہ شراب حرام ہے باہر سے آنے والی ایک آواز سُنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی شخص اعلان کررہا ہے' ابوطلحہؓ نے کہا کہ باہر نکلو دیکھو یہ کیا آواز ہے؟ میں باہر نکلا تو میں نے واپس ہوکر بتایا کہ یہ پکارنے والا یوں پکار رہا ہے کہ خبردار شراب حرام کردی گئی ہے' یہ سن کر ابوطلحہؓ نے کہا جاؤ یہ جتنی شراب ہے سب کو گرادو۔ چنانچہ شراب پھینک دی گئی جو مدینہ کی گلیوں میں بہہ رہی تھی۔

بعض صحابہ کو یہ خیال ہوا کہ ہم میں سے بہت سے لوگ مقتول ہوچکے ہیں جن کے پیٹوں میں شراب تھی۔ (یعنی جو لوگ اب تک شراب پیتے رہے اور دُنیا میں موجود نہیں ان کا کیا بنے گا وہ تو اپنے پیٹوں میں شراب لیکر چلے گئے) اس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیت کریمہ لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْٓا نازل فرمائی۔ (رواہ البخاری ج۲ص۶۶۴)

تفسیر درمنثور میں اس واقعہ کو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی یوں بیان کیا ہے کہ میں ابوطلحہ اور ابوعبیدۃ بن الجراح اور معاذ بن جبل اور سہیل بن بیضاء اور ابودجانہ رضی اللہ عنہم کو شراب پلا رہا تھا میرے ہاتھ میں پیالہ تھا جسے میں بھر بھر کر ایک دوسرے کو دے رہا تھا۔ اسی حال میں ہم نے آواز سُنی کہ کوئی شخص پکار کر آواز دے رہا ہے "الا ان الخمر قد حرمت" (خبردار! شراب حرام کردی گئی ہے) آواز کا سُننا تھا کہ نہ کوئی اندر آنے پایا تھا نہ باہر نکلنے پایا تھا کہ ہم نے شراب کو گرادیا اور مٹکے توڑ دیئے۔ جس کی وجہ سے مدینہ کی گلی کوچوں میں شراب (پانی کی طرح) بہنے لگی (درمنثور ص۳۲۱ ج۲ و رواہ مسلم بحذف بعض الاسماء ج۲ص۱۶۳)

صحابہؓ کی بھی کیا شان تھی' شراب گویا ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اس کے بڑے دلدادہ تھے پھر اس کے حرام ہونے کی خبر سُنی تو بغیر کسی پس و پیش کے اسی وقت گرادی'

شراب کی حُرمت نازل ہونے سے پہلے جو لوگ شراب پی چکے اور دنیا سے جاچکے ان کے بارے میں سوال اور اس کا جواب

جب شراب کی حرمت نازل ہوگئی تو اُن کو اپنے بھائیوں کا فکر ہوا جو شراب پیتے تھے اور اسی حال میں وفات پاگئے۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آیت لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ آخر تک نازل فرمائی۔

جس میں یہ بتایا کہ جو لوگ اہل ایمان تھے اور اعمال صالحہ کرتے تھے وہ حرمت کا قانون نازل ہونے سے پہلے وفات پا گئے تھے انہوں نے اس زمانہ میں جو شراب پی تھی اس کا کوئی گناہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم جب تک تشریف فرما تھے احکام میں نسخ ہونے کا احتمال رہتا تھا شراب حلال تھی پھر حرام قرار دیدی گئی اسکے علاوہ اور بھی بعض دیگر احکامات میں نسخ ہوا۔

آیت بالا میں فرمایا لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (ان لوگوں پر اس بارے میں کوئی گناہ نہیں کہ انہوں نے کھایا پیا جبکہ وہ تقویٰ اختیار کرتے ہوں۔ یعنی شراب کے علاوہ دوسری حرام چیزوں سے بچتے ہوں، شراب پینے پر تو مؤاخذہ اسلئے نہیں کہ وہ اس وقت حرام نہیں تھی اور جب دوسری ممنوعات سے بچتے رہے تو ظاہر ہے کہ دنیا سے بے گناہ چلے گئے۔ اور انہوں نے نہ صرف ممنوعات سے پرہیز کیا بلکہ دوسرے اعمال صالحہ بھی انجام دیتے رہے ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا (پھر تقویٰ اختیار کئے رہے اور ایمان پر باقی رہے) یعنی اسکے بعد جب بھی کسی چیز کی حرمت نازل ہوگئی ایمان پر رہے اور حرام چیز سے بچے "ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا" (پھر تقویٰ اختیار کیا اور اچھے کام کرتے رہے) (یعنی جب حُرمت آگئی اسکی خلاف ورزی نہ کی اور جن نیک کاموں میں لگے ہوئے تھے بدستور ان کے انجام دینے میں لگے رہے)

اس میں تقویٰ کا ذکر تین بار ہے پہلی بار جو تقویٰ مذکور ہے اس کا تعلق تمام ممنوعات سے بچنے سے ہے پھر دوسری بار کسی حلال چیز کی حرمت نازل ہونے کے بعد اس سے پرہیز کرنے سے متعلق ہے۔ پھر تیسری بار یا تو سابقہ حالت پر استقامت کے ساتھ تمام ممنوعات سے پرہیز کرنے سے متعلق ہے یا اس طرف اشارہ ہے کہ جب کبھی بھی کوئی چیز حرام ہوئی اس سے پرہیز کرتے رہے۔

حضرات صحابہؓ نے اپنے وفات پا جانے والے بھائیوں کے بارے میں سوال کیا تھا لیکن آیت کے عموم میں زندوں کے بارے میں بھی حکم بتا دیا کہ حرمت کا قانون آنے سے پہلے نہ شراب پینے میں کوئی گرفت تھی اور نہ آئندہ کسی عمل پر گرفت ہوگی جو حُرمت کا قانون آنے سے پہلے کرلیا جائے آخر میں فرمایا "وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ" (اللہ اچھے کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے)

فائدہ: شراب پینے کی دنیاوی سزا اسی کوڑے ہے جس کی تفصیلات کُتب فقہ میں مذکور ہیں۔ اور آخرت کی سزا یہ ہے کہ شراب پینے والے کو دوزخیوں کے زخموں کا نچوڑ یعنی ان کی پیپ پلائی جائے گی۔ جس کا ذکر روایات حدیث میں گذر چکا ہے۔

شراب اور جُوا دشمنی کا سبب ہیں اور ذکر اللہ سے اور نماز سے روکتے ہیں: شراب اور جوئے کے بارے میں فرمایا کہ شیطان اس کے ذریعہ تمہارے درمیان بغض اور دشمنی ڈالنا چاہتا ہے اور ذکر و نماز سے روکنا چاہتا ہے۔

بُغض اور دشمنی تو ظاہر ہی ہے جو کوئی شخص جوئے میں ہار جاتا ہے حالانکہ اپنی خوشی سے ہارتا ہے تو جلد سے جلد جیتنے والے سے بدلہ لینے کی فکر کرتا ہے اور شراب پی کر جب آدمی بدمست ہو جاتا ہے تو اول فول بکتا ہے دوسروں کو برا بھی کہتا ہے اور گالی گلوچ کرتا ہے اور کبھی کسی کو مار بھی دیتا ہے۔ جس سے جڑے دل ٹوٹتے ہیں اور دشمنیاں پیدا ہوتی ہیں۔

اور اللہ کی یاد اور نماز سے غافل ہونا تو یہ ایسی ظاہر بات ہے جو نظروں کے سامنے ہے جب کسی نے شراب پی لی تو نشہ میں بدمست ہو گیا۔ اب نماز اور اللہ کے ذکر کا موقع کہاں رہا' جن کو شراب کی عادت ہو جاتی ہے وہ تو اسی دھن میں رہتے ہیں کہ نشہ کم ہو تو اور پئیں پھر کم ہو تو پھر پئیں۔ اور جب کوئی شخص جُوا کھیلنے میں لگ جاتا ہے تو گھنٹوں گذر جاتے ہیں جیتنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ اللہ کے ذکر کا اور نماز کا اس کے ہاں کوئی موقع ہی نہیں ہوتا۔

حتیٰ کہ جو لوگ بغیر ہار جیت کے شطرنج کھیلتے رہتے ہیں وہ بھی گھنٹوں کھیلتے رہتے ہیں انہیں ذرا بھی اللہ کے ذکر کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ نماز کا پورا وقت اول سے اخیر تک گذر جاتا ہے لیکن نماز اور ذکر اللہ کی طرف ذرا بھی دھیان نہیں ہوتا نماز بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی ہے لیکن اسکو علیحدہ ذکر فرمایا کیونکہ عام ذکر سے اس کی اہمیت زیادہ ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ فرض ہے اور عام طور پر ذکر میں مشغول رہنا مستحب ہے اگرچہ اس عام ذکر کے بھی بڑے بڑے اجور و ثمرات ہیں۔

جوئے کی تمام صورتیں حرام ہیں: آیت بالا میں شراب اور جوا دونوں کو حرام قرار دیا ہے اور دونوں کو ناپاک بتایا اور سورہ بقرہ میں فرمایا ہے وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا کہ ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے جوئے کے لیے سورہ بقرہ میں اور یہاں سورۂ مائدہ میں لفظ الْمَيْسِرِ استعمال فرمایا ہے عربی میں اس کا دوسرا نام قمار ہے۔

ہر وہ معاملہ جو نفع اور نقصان کے درمیان دائر اور مبہم ہو شریعت میں اُسے قمار کہا جاتا ہے مثلاً دو آدمی آپس میں بازی لگائیں کہ ہم دونوں دوڑتے ہیں اور ایک دوسرے سے کہتا ہے کہ تو آگے بڑھ گیا تو میں ایک ہزار روپیہ دوں گا اور اگر میں بڑھ گیا تو مجھے ایک ہزار روپے دینا ہوں گے۔ یا مثلاً بند ڈبے ہیں وہ فی ڈبہ ایک روپے کے حساب سے فروخت ہوں گے لیکن کسی ڈبہ میں پانچ روپے کی چیزیں نکلیں گی اور کسی ڈبہ میں ۲۵ پیسے کا مال نکلے گا تو ان ڈبوں کی خرید و فروخت قمار یعنی جوے میں داخل ہے اور ہر وہ معاملہ جو نفع اور ضرر کے درمیان دائر ہو وہ معاملہ قمار ہی کی صورت ہے۔

اخباری مُعمّوں کے ذریعہ بھی قمار یعنی جُوا کا سلسلہ جاری ہے بطور اشتہار اخباروں اور ماہوار رسالوں اور ہفت روزہ جریدوں میں معمہ کی مختلف صورتوں کا اشتہار دیا جاتا ہے کہ جو شخص اس کو حل کر کے بھیجے اور اس کے ساتھ اتنی فیس مثلاً پانچ روپے بھیجے تو جن لوگوں کے حل صحیح ہوں گے ان لوگوں میں سے جس کا قرعہ اندازی میں نام نکل آئے گا اُسے انعام کے عنوان سے مقررہ رقم یا کوئی بھاری قیمت کی چیز مل جائے گی۔ یہ سراسر قمار ہے یعنی جُوا ہے اور حرام ہے کیونکہ جو شخص فیس کے نام سے کچھ پیسے بھیجتا ہے وہ اس موہوم نفع کے خیال سے بھیجتا ہے کہ یا تو یہ روپے گئے یا ہزاروں مل گئے فیس کے نام

روپیہ بھیجنا اور اگر اس روپے پر کچھ زائد مل جائے اس کا لینا اور معمہ شائع کر کے لوگوں کی رقمیں لے لینا یہ سب حرام ہے۔ اور ہر قسم کی لاٹری جس میں کچھ دے کر زائد ملنے کی امید پر مال جمع کیا جاتا ہے پھر اُس پر مال ملے یا نہ ملے یہ سب حرام ہے۔ گھوڑ دوڑ کے ذریعہ بھی جوا کھیلا جاتا ہے جس کا گھوڑا آگے نکل گیا اُسے ہارنے والے کی جمع کی ہوئی رقم مل جاتی ہے یہ طریقہ کار حرام ہے اور جو اس طریقہ سے رقم حاصل کی وہ بھی حرام ہے۔

پتنگ بازی اور کبوتر بازی کے ذریعہ بھی جُوا کھیلا جاتا ہے۔ یہ دونوں کام خود اپنی جگہ ممنوع ہیں پھر ان پر ہار جیت کے طور پر جو رقم لگاتے ہیں وہ مستقل گناہ ہے اور صریح حرام ہے کیونکہ قمار یعنی جُوا ہے۔ سٹے کا کاروبار بھی سراپا قمار ہے اور حرام ہے۔ انشورنس یعنی بیمہ پالیسی کی بھی وہ سب صورتیں حرام ہیں جن میں رقمیں جمع کی جاتی ہیں اور حادثہ ہو جانے پر جمع کردہ رقم سے زیادہ مال مل جاتا ہے۔ زندگی کا بیمہ ہو یا گاڑیوں کا یا دوکانوں کا یہ سب حرام ہے اور ان میں اپنی جمع کردہ رقم سے جو مال زائد ملے وہ سب حرام ہے۔

قمار کے جتنے بھی طریقے ہیں (گھوڑ دوڑ وغیرہ) ان سب کی آمدنی حرام ہے۔ ہر مومن کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرنا لازم ہے۔ دنیا چند روزہ ہے اُس لئے حرام کا ارتکاب کرنا حماقت ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ

اے ایمان والو! اللہ تم کو قدرے شکار سے ضرور آزمائے گا تمہارے نیزے شکار کو پہنچیں گے اور ہاتھ۔ تاکہ

لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾

اللہ جان لے کہ بن دیکھے اس سے کون ڈرتا ہے سو جس نے اس کے بعد زیادتی کی اس کے لئے دردناک عذاب ہے

حالت احرام میں شکار والے جانوروں کے ذریعہ آزمائش

تفسیر: حج یا عمرہ کا اگر کوئی شخص احرام باندھ لے تو احرام سے نکلنے تک بہت سے کام ممنوع ہو جاتے ہیں ان ممنوع کاموں میں خشکی کا شکار کرنا بھی ہے۔

ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس طرح آزمایا کہ احرام کی حالت میں تھے اور شکاری جانور خوب بڑھ چڑھ کر آ رہے تھے یہ ایسی آزمائش تھی جیسے بنی اسرائیل کو آزمایا گیا تھا' ان کے لئے سنیچر کے دن مچھلیوں کا شکار کرنا ممنوع تھا لیکن سنیچر کے دن مچھلیاں خوب اُبھر اُبھر کر پانی کے اوپر آ جاتی تھیں اور دوسرے دنوں میں ایسا نہیں ہوتا تھا جس کا ذکر سورہ اعراف کی آیت وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ میں فرمایا ہے۔

تفسیر درمنثور ص ۳۲۷ جلد نمبر۲ میں ابن ابی حاتم سے نقل کیا ہے کہ آیت بالا حدیبیہ والے عمرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ وحشی جانور اور پرندے ان کے ٹھہرنے کی جگہوں میں چلے آرہے تھے اس سے پہلے ایسے منظر انہوں نے کبھی نہیں دیکھے تھے ان کو ہاتھوں سے پکڑنا اور نیزوں سے مارنا بہت ہی زیادہ آسان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا تھا کہ احرام کی حالت میں شکار قطعاً نہ کرنا جو شکار کرنے سے پرہیز کرے گا وہ امتحان میں کامیاب ہوگا۔ اور یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ دیکھے بغیر اللہ تعالیٰ سے کون ڈرتا ہے (اور جو شخص شکار کرلے گا وہ گناہ کا ارتکاب کرلیگا اور آزمائش میں ناکام ہوگا)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ
اے ایمان والو! شکار قتل نہ کرو اس حالت میں کہ تم احرام میں ہو اور تم میں سے جو شخص شکار کو قصداً قتل کر دے تو اس کا بدلہ اس جانور کا جیسا ہوگا
مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًاۢ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ
جس کو قتل کیا۔ تم میں دو انصاف والے آدمی اس کا فیصلہ کریں گے اس طرح سے کہ وہ بدلہ والا جانور بطور ھدی کے کعبہ تک پہنچنے والا ہو۔
مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ
یا مسکینوں کو کفارہ کے طور پر کھانا دیدیا جائے یا اس کے برابر روزے رکھ لے تا کہ اپنے کئے کی سزا چکھ لے۔ اللہ نے معاف فرمایا جو پہلے گذر چکا اور جو شخص پھر ایسی حرکت کرے گا
اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ
تو اللہ اس سے انتقام لے گا۔ اور اللہ زبردست ہے انتقام لینے والا۔ تمہارے لئے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے جو تمہارے نفع کے لئے اور مسافروں
عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝
کے واسطے ہے۔ اور تم پر حرام کیا گیا خشکی کا شکار جب تک کہ تم احرام میں ہو۔ اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے۔

احرام میں شکار مارنے کی جزا اور ادائیگی کا طریقہ

تفسیر: جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا حالت احرام میں (حج کا احرام ہو یا عمرہ کا) خشکی کا کوئی جانور شکار کرے (خواہ اس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو) تو اسکی سزا آیت بالا میں ذکر فرمائی ہے' یاد رہے کہ صید یعنی شکار ان جانوروں کو کہا جاتا ہے جو وحشی ہوں' انسانوں سے مانوس نہ ہوں اُن سے دُور بھاگتے ہوں جیسے شیر' گیدڑ' ہرن' خرگوش' نیل گائے' کبوتر' فاختہ' وغیرہ اور جو جانور انسانوں سے مانوس ہیں اور ان کے پاس رہتے ہیں جیسے گائے اونٹ' بھیڑ بکری مرغی یہ شکار میں داخل نہ ہیں اور جو وحشی جانور ہوں اُن میں سے بعض جانوروں کا مارنا حالت احرام میں بھی جائز ہے۔ یہ استثناء احادیث شریفہ میں وارد ہوا ہے ان میں کوا اور چیل اور بھیڑیا اور سانپ اور بچھو اور کاٹنے والا کتا اور چوہا شامل ہیں۔ یعنی محرم کو ان کا قتل کرنا جائز ہے اور جو جانور محرم پر حملہ کر دے اس کا قتل کرنا بھی جائز ہے اگرچہ ان جانوروں میں سے نہ ہو جن کے قتل کی اجازت ہے۔

احرام میں شکار مارنے کی جو جزا آیت بالا میں مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو جانور قتل کیا اس کا ضمان واجب ہوگا۔ اور اس ضمان کی ادائیگی یا تو اس طرح کردے کہ جانور خرید کر بطور ھدی کعبہ شریف کی طرف یعنی حدود حرم میں بھیج دے جسے وہاں ذبح کردیا جائے اور اگر ھدی نہ بھیجے تو اسکی قیمت مسکینوں کو دیدے یا اس کے بدلے روزے رکھ لے۔

"مِثْلُ مَاقَتَلَ مِنَ النَّعَمِ" (یعنی جو جانور قتل کیا ہے اس جانور کا مثل بطور جزا کے واجب ہوگا) اس کے بارے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا ہے کہ جسامت میں اتنا بڑا جانور ہو جتنا بڑا جانور اس نے قتل کیا ہے مثلاً شتر مرغ قتل کیا ہے تو اس کے بدلہ اسی جیسا اونٹ ذبح کیا جائے۔ اور جس جانور کا مثل جسامت کے طور نہ ہو اس کی قیمت لگادی جائے اس کی مذہب کی تفصیلات کُتبِ شافعیہ میں مذکور ہیں۔

اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جسامت میں مثلیت کا اعتبار نہیں یعنی "مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ" سے مثل صوری (یعنی جسمانیت والی برابری) مراد نہیں ہے ان کے نزدیک ابتداءً وانتہاءً مثل معنوی ہی مراد ہے مثل معنوی سے مراد یہ ہے کہ مقتول جانور کی قیمت لگادی جائے پھر اس قیمت سے جانور خرید کر بطور ھدی حدود حرم میں ذبح کردیا جائے۔

جس مُحرِم نے شکار کیا ہے اسے اختیار ہے کہ قیمت کے عوض ھدی کا جانور حدود حرم میں ذبح کردے یا کسی دوسرے شخص سے ذبح کرادے اور اگر ھدی کا جانور ذبح کرانے کی بجائے اس قیمت کو مسکینوں پر صدقہ کرنا چاہے تو یہ بھی کرسکتا ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ فی مسکین بقدر صدقہ فطر غلہ یا اسکی قیمت صدقہ کردے۔ اور اگر غلہ یا اسکی قیمت دینا نہ چاہے تو بحساب فی مسکین نصف صاع گندم کے حساب سے اتنی شمار کے برابر روزے رکھ لے اگر فی مسکین بقدر صدقہ فطر حساب کرکے دینے کے بعد اتنے پیسے بچ گئے جن میں ایک صدقہ فطر کے برابر غلہ نہیں خریدا جاسکتا تو اختیار ہے کہ یہ پیسے ایک مسکین کو دے دے یا اس کے عوض ایک روزہ رکھ لے۔

جس جانور کو قتل کیا ہے اسکی قیمت کون تجویز کرے اس کے بارے میں ارشاد ہے "يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ" یعنی مسلمانوں میں سے دو انصاف والے آدمی اسکی قیت کا تخمینہ لگائیں۔ یہ تخمینہ اس جگہ کے اعتبار سے ہوگا جہاں وہ جانور قتل کیا ہے۔ اگر جنگل میں قتل کیا تو جو آبادی وہاں سے قریب تر ہو اس کے اعتبار سے قیمت کا تخمینہ لگایا جائے۔

احرام میں جو شکار کیا گیا ہے اس کے متعلق چند مسائل: مسئلہ: اگر جانور کی قیمت اتنی زیادہ ہے کہ بڑا جانور خریدا جاسکتا ہے تو اونٹ اور گائے حدود حرم میں ذبح کردے، بکری ذبح کرے یا گائے یا اونٹ ان میں قربانی کے جانور کے شرائط اور قربانی کے جانوروں کی عمروں کا لحاظ رکھے۔

مسئلہ: اگر مقتول جانور کی قیمت کے برابر ھدی کا جانور تجویز کیا اور جانور خریدنے کے بعد کچھ قیمت بچ گئی تو اس بقیہ قیمت کے بارے میں اختیار ہے کہ خواہ دوسرا جانور خرید کر حدود حرم میں ذبح کردے یا اس کا غلہ خرید کردے دے یا غلہ کے

حساب سے فی نصف صاع گیہوں ایک روزہ رکھ لے۔

مسئلہ: مسکینوں کو غلہ دینے اور روزہ رکھنے میں حرم کی قید نہیں ہے البتہ ھدی کا جانور حدود حرم ہی میں ذبح کرنا لازمی ہے ذبح کر کے فقراءِ حَرم میں صدقہ کردے۔

مسئلہ: محرم کو جن جانوروں کا شکار کرنا حرام ہے اگر اس نے ان میں سے کسی جانور کو قتل کر دیا تو وہ جانور میتہ یعنی مردار کے حکم میں ہوگا۔ اور کسی کو بھی اس کا کھانا حلال نہ ہوگا۔

مسئلہ: محرم کو جس جانور کا قتل کرنا حرام ہے اسکو زخمی کر دینا یا پَر اُکھاڑ دینا ٹانگ توڑ دینا بھی حرام ہے اگر ان میں سے کوئی صورت پیش آ جائے تو تخمینہ کرایا جائے اور اس جانور کی کتنی قیمت ہوگی پھر اس قیمت کے بارے میں انہیں تین قولوں میں سے کوئی صورت اختیار کر لی جائے جو قتل کی سزا میں مذکور ہوئیں۔

مسئلہ: مذکورہ جانوروں کا انڈا توڑنا ممنوع ہے اگر مُحرِم نے کسی جانور کا انڈا توڑ دیا تو اس پر اس کی قیمت واجب ہوگی' اگر انڈے میں سے مرا ہوا بچہ نکل آیا تو اسکی قیمت واجب ہوگی۔

مسئلہ: اگر دو محرموں نے مل کر شکار کیا تو دونوں پر جزا کامل واجب ہوگی۔

مسئلہ: اگر کسی نے حاملہ ہرنی کے پیٹ میں مار دیا اور اس میں سے زندہ بچہ نکلا اور وہ بھی مر گیا تو دونوں کی قیمت واجب ہوگی۔

مسئلہ: اگر کسی نے غیر محرم نے شکار کیا پھر احرام باندھ لیا اس پر واجب ہے کہ شکار کو چھوڑ دے اگر نہ چھوڑا اور اس کے ہاتھ میں مر گیا تو اسکی قیمت واجب ہوگی۔

مسئلہ: مچھر کے قتل کرنے سے کچھ واجب نہیں ہوتا۔

مسئلہ: احرام میں چیونٹی کا مارنا جائز ہے جو ایذا دیتی ہو اور جو ایذا نہ دے اسے مارنا جائز نہیں لیکن اگر مار دیا تو کچھ واجب نہیں ہوگا۔

مسئلہ: اگر کسی محرم نے جوں ماردی تو کچھ صدقہ کردے۔

مسئلہ: اگر کوئی محرم ٹڈی مار دے تو جتنا جی چاہے تھوڑا بہت صدقہ کردے حضرت عمرؓ سے پوچھا گیا تو فرمایا ایک کھجور ٹڈی سے بہت ہے۔

مسئلہ: اگر بھولے سے یا خطأ شکار کو قتل کردے تو اس پر جزاء ہے جمہور کا یہی مذہب ہے۔

ابوبکر جصاص احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہما اور ابراہیم نخعیؒ اور فقہاء امصار کا یہی مذہب ہے اور قرآن کریم میں جو لفظ "متعمداً" آیا ہے یہ ان حضرات کے نزدیک خطا و نسیان سے احتراز کے لئے نہیں بلکہ یہ لفظ اسلئے بڑھایا گیا ہے کہ ومن عاد فینتقم اللہ منہ جو آگے آ رہا ہے وہ اس پر متفرع ہو سکے کیونکہ خطاء و نسیان پر مؤاخذہ نہیں ہوتا بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ خطا و نسیان میں قتل صید کی جزا واجب نہیں شیخ ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں۔ فالقول الاول ھو الصحیح یعنی پہلا قول ہی صحیح ہے پھر اس کی دلیل میں فرماتے ہیں۔

لانہ قد ثبت ان جنایات الاحرام لا یختلف فیھا المعذور وغیر المعذور فی باب وجوب الفدیۃ الاتری انّ اللہ تعالٰی قد عذّر المریض ومن بہ أذی من رأسہ ولم یخلھما من ایجاب الکفارۃ (اس لئے کہ یہ بات ثابت ہوچکی ہے احرام کی جنایات میں فدیہ کے واجب ہونے میں معذور اور غیر معذور کا کوئی فرق نہیں ہے کیا دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ تعالٰی نے مریض اور جس کے سر میں تکلیف ہو اسے معذور قرار دیا ہے لیکن اسے کفارہ واجب کرنے سے آزاد نہیں رکھا)

مسئلہ: شکار کی طرف اشارہ کرنا یا شکاری کو بتانا کہ وہ شکار جارہا ہے محرم کے لئے یہ بھی حرام ہے، اگر محرم نے شکار کی طرف اشارہ کر دیا اور شکاری نے اُسے قتل کر دیا۔ تو بتانے والے پر بھی جزاء واجب ہوگی۔

مسئلہ: اگر کسی غیر مُحرم نے شکار کیا اور مُحرم کو اس کا گوشت پیش کر دیا تو اس کا کھانا جائز ہے بشرطیکہ محرم نے شکاری کو نہ اشارہ سے بتایا ہو نہ زبان سے۔

مسئلہ: اگر ایسے محرم نے شکار کیا جس نے قران کا احرام باندھا ہوا تھا تو اس پر دوہری جزا واجب ہوگی کیونکہ اس کے دو احرام ہیں۔

مسئلہ: مُحرم کا شکار کو بیچنا خریدنا حرام ہے۔ اگر کسی مُحرم نے ایسا کر لیا تو بیع باطل ہوگی۔

مسئلہ: مُحرم کے لئے حرم اور غیر حرم دونوں میں شکار کرنا حرام ہے۔

مسئلہ: حرم کا شکار محرم اور غیر محرم دونوں کے لئے حرام ہے۔ البتہ اس کے قتل کر دینے سے محرم پر اور غیر مُحرم پر ایک ہی جزا واجب ہوگی۔

مکہ مکرمہ کے چاروں طرف سرزمین حرم ہے جس کی مسافتیں مختلف ہیں۔ جدہ کی طرف تقریباً ۱۵ کلو میٹر ہے اور عرفات کی طرف تقریباً ۱۴ کلو میٹر ہے۔ منٰی اور مزدلفہ دونوں حرم میں داخل ہیں اور تنعیم جو مدینہ منورہ کے راستہ میں آتا ہے یہ حرم سے خارج ہے۔ پرانی کتابوں میں لکھا ہے کہ تنعیم مکہ مکرمہ سے تین میل ہے لیکن اب مکہ معظمہ کی آبادی تنعیم بلکہ اس سے بہت آگے تک چلی گئی ہے۔

حرم شریف کی گھاس اور درخت کاٹنے کے مسائل: مکہ معظمہ کے حرم کی گھاس کاٹنا اور ایسی درخت کو کاٹنا جو کسی کی مملوک نہیں جسے لوگ بوتے نہیں یہ بھی ممنوع ہے۔

اگر کوئی شخص محرم یا غیر محرم حرم کا شکار مارے تو اسکی جزا دینا واجب ہوگی۔ اسی طرح اگر گھاس کاٹ دی یا غیر مملوک درخت کاٹ لیا تو اسکی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا۔ اگر کوئی درخت حدود حرم میں کسی شخص کی ملکیت میں اُگ آیا تو اس کے کاٹنے پر اسکی قیمت حرمت حرم کی وجہ سے واجب ہوگی جس کا صدقہ کرنا لازم ہوگا۔ اور ایک قیمت بطور ضمان اس کے مالک کو دینی ہوگی۔ اور اگر حرم کے کسی ایسے درخت کو کاٹ دیا جسے لوگ اُگاتے ہیں۔ تو اس صورت میں صرف مالک کو قیمت دینا واجب ہوگا۔

مسئلہ: اگر دو غیر محرموں نے مل کر حرم کا شکار قتل کیا تو اتنی ہی جزاء واجب ہوگی۔

احرام میں سمندر کا شکار کرنے کی اجازت: آخر میں فرمایا اُحِلَّ لَکُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّکُمْ وَلِلسَّیَّارَةِ (الآیۃ) مطلب یہ ہے کہ تمہارے لئے سمندر کا شکار کرنا اور اس کا کھانا حلال ہے اس میں مُحرم اور غیر مُحرم دونوں برابر ہیں پہلے سے دریائی شکار کر کے سفر میں جاتے وقت ساتھ لے گئے یا سفر میں دریائی شکار کر لیں یہ مسافروں کے لئے درست ہے محرم ہوں یا غیر محرم۔ اور خشکی کا شکار محرم کے لئے حرام قرار دیا گیا خواہ کسی قسم کے احرام میں ہو (احرام عمرہ ہو یا احرام حج یا احرام قران)

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ یعنی جملہ احکام کی پابندی کرو اللہ سے ڈرو اس کے اوامر و نواہی کی مخالفت نہ کرو۔ اسکی طرف سب کو جمع ہونا ہے۔ وہاں پیشی ہے حساب ہے لہٰذا وہاں کے لئے فکر مند رہو۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْیَ وَالْقَلَآئِدَ ذٰلِكَ
کعبہ جو احترام والا گھر ہے اللہ نے اُسے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب قرار دیا ہے اور حرمت والے مہینہ کو اور ھدی کے جانوروں کو اور اُن
لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ اِعْلَمُوْٓا
کے گلے میں جو پٹے پڑے ہوں ان سب کو لوگوں کے قائم رہنے کا ذریعہ بنایا ہے یہ اسلئے کہ تم جان لو کہ بلاشبہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے
اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ
اور بے شک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے تم جان لو! کہ بلاشبہ اللہ سخت عذاب والا ہے اور اللہ بلاشبہ بخشنے والا مہربان ہے رسول کے ذمہ صرف پہنچانا ہے اور اللہ جانتا ہے
مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝
جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو

کعبہ شریف لوگوں کے قائم رہنے کا سبب ہے

تفسیر: کعبہ (جس کے حروف اصلی ک، ع، ب ہیں) عربی زبان میں اوپر کو اُٹھے ہوئے چوکور گھر کو کہتے ہیں۔ کعبہ شریف کی جگہ نشیب میں ہے اور کعبہ شریف دُور سے اُٹھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ جب کعبہ شریف بنایا گیا تھا اس وقت اس کے چاروں طرف مسجد حرام بنی ہوئی نہیں تھی اسلئے دور سے اٹھا ہوا اور زمین سے اُبھرا ہوا نظر آتا تھا اس ارتفاع کی وجہ سے اس کا نام "کعبہ" رکھا گیا۔ لفظ "الکعبہ" کے بعد "البیت الحرام" بھی فرمایا یعنی بہت محترم گھر، اللہ تعالیٰ نے اس کو محترم قرار دیا۔ اسکی حرمت ہمیشہ سے ہے اس کا طواف بھی حرمت کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔

مکہ معظمہ کے چاروں طرف جو حرم ہے وہ بھی اسی کعبہ شریف کی وجہ سے محترم ہے اور اسی احترام کی وجہ سے حرم میں شکار کرنا اور اسکی گھاس اور درخت کاٹنا ممنوع ہے حرم میں قتل و قتال بھی ممنوع ہے قتل و قتال کی ممانعت کا عقیدہ زمانہ جاہلیت میں بھی تھا۔

تفسیر دُرّ منثور میں ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کوئی شخص جُرم کر کے حرم میں پناہ لے لیتا تھا تو اُسے قتل نہیں کرتے تھے۔

آیت بالا میں ارشاد فرمایا کہ کعبہ جو بیت محترم ہے اللہ تعالیٰ نے اسے لوگوں کے قائم رہنے اور امن و امان کا ذریعہ بنایا جو بہت سے لوگوں کی معیشت کا ذریعہ بنا ہُوا ہے زمین کے دور دراز گوشوں سے لوگ حج و عمرہ کی ادائیگی کے لیے مکہ معظمہ آتے ہیں شہر مکہ میں رہتے ہیں منیٰ میں قیام کرتے ہیں عرفات مُزدلفہ میں وقوف کرتے ہیں ان سب کے آنے اور رہنے اور ضرورت کی اشیاء خریدنے کے باعث اہل عرب اور خاص کر اہل مکہ کی معیشت بنی رہتی ہے۔ اور اس خریداری کے اثرات پورے عالم کی فیکٹریوں اور کمپنیوں پر پڑتے ہیں۔ اہل مکہ کے لئے تو کعبۃ اللہ ذریعہ قیام اور بقاء ہی ہے بعض اعتبار سے پورے عالم کی بقاء کا ذریعہ ہے، بحری جہازوں سے لوگوں کی آمد ہوائی جہازوں کی اُڑان کروڑوں روپے کے کرائے اور بسوں اور کاروں کے سفران سب کے ذریعہ جو عرب و عجم میں مالی آمدنی ہے پورے عالم کو اس کا اقتصادی فائدہ پہنچتا ہے۔

سورہ قصص میں فرمایا اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰۤى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَىْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (کیا ہم نے ان کو امن و امان والے گھر میں جگہ نہیں دی۔ جہاں ہر قسم کے پھل کھنچے چلے آتے جو ہمارے پاس سے بطور رزق انکو ملتے ہیں لیکن ان میں سے بہت سے لوگ نہیں جانتے) پھر چونکہ حج ایک عظیم عبادت ہے جو سراپا اللہ کے ذکر سے معمور ہے۔ اور اللہ کا ذکر ہی اس عالم کی روح ہے اس لیے بھی کعبہ شریف سارے عالم کی بقاء کا ذریعہ ہے۔

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک دنیا میں ایک مرتبہ بھی اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا۔ (رواہ مسلم ص ۸۴ جلد نمبر ۱) جب دُنیا میں کوئی بھی ایمان والا نہ رہے گا تو کعبہ شریف کا حج بھی ختم ہوگا۔ کعبہ شریف کا حج ختم ہو جانا بھی دنیا کی بربادی کا ذریعہ ہے۔

بعض حضرات نے قِیٰمًا کا ترجمہ "اَمْنًا" سے بھی کیا۔ بلاشبہ حرم مکہ زمانہ قدیم سے مَأمَنْ یعنی امن کی جگہ ہے سورۂ بقرہ میں فرمایا وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا (اور جب ہم نے کعبہ کو لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ اور امن کی جگہ بنایا) اور سورۂ عنکبوت میں فرمایا اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (کیا انہیں معلوم نہیں کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنا دیا اور ان کے گرد و پیش لوگوں کو اُچک لیا جاتا ہے) بلاشُبہ عبادات اور مالیات اور امن و امان یہ سب انسانوں کے قیام اور بقا کا ذریعہ ہیں۔

ھدی کے جانور: ھدی وہ جانور جو بطور نیاز کعبہ شریف کی طرف بھیجا جائے' ہدی واجب بھی ہوتی ہے اور مستحب بھی' اور دمِ جنایات جو واجب ہیں حرم ہی میں ان کو ذبح کیا جاتا ہے۔ دم تمتع اور دم قران بھی حرم ہی کے اندر ذبح کرنا لازم

ہےاور شکار کے بدلے جو جانور ذبح کیا جائے اس کے بارے میں بھی "هَـدْيًـا بَـالِـغَ الْكَعْبَةِ" فرمایا ہے ھدی کے جانوروں کا حدود حرم میں ذبح کرنا لازم ہے آجکل تو ھدی کے جانور منٰی میں ہی مل جاتے ہیں۔ زمانہ قدیم میں ھدی کے جانور اپنے وطن سے ساتھ لایا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ عمرہ حدیبیہ کے موقع پر اور حجۃ الوداع کے موقع پر ھدی کے جانور ساتھ لے گئے تھے۔ اور عام طور سے ھدی کے جانور ساتھ لانے کا دستور تھا۔

القلائد: صاحب روح المعانی نے ج ۷ ص ۳۶ لکھا ہے کہ "القلائد" سے ذوات القلائد مراد ہیں۔ اونٹوں کے گلوں میں قلائد یعنی پٹے ڈال دیا کرتے تھے ھدی کے ذکر کے بعد اونٹوں کا ذکر مستقل طریقہ پر کیا کیونکہ ان کے ذبح کرنے میں ثواب زیادہ ہے اھ۔

خلاصہ یہ ہے کہ کعبہ شریف اور اس سے متعلقہ چیزیں جن میں شہر حرام اور ھدی کے چھوٹے بڑے جانور بھی ہیں ان کو لوگوں کے قیام اور بقا کا ذریعہ بنایا۔ اہل عرب شہر حرام میں امن وامان سے رہتے تھے بے تکلف حج بھی کرتے تھے اور دوسری اغراضِ دنیویہ کے لیے بھی نکلتے تھے اور قبیلوں میں آپس میں دشمنی ہوتی تھی وہ بھی ایک دوسرے پر حملہ نہیں کرتے تھے اور ھدی کے جانوروں کا گوشت کھانا بھی معمول تھا۔ پھر ان جانوروں کی خرید وفروخت بھی ہوتی تھی اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے ان سب وجوہ سے کعبہ اور شہر حرام اور ھدی کے جانور یہ سب لوگوں کے قیام یعنی بقاء کا ذریعہ ہیں۔

قال الجصاص فی احکام القران ص ۴۸۲ ج ۲ وھذا الذی ذکرہ اللہ تعالٰی من قوام الناس بمناسک الحج والحرام والاشھر الحرم والھدی والقلائد معلوم مشاھد فلا نرٰی شیئًا من امر الدین والدنیا تعلق بہ من صلاح المعاش والمعاد بعد الایمان ما تعلق بالحج الاتری الٰی کثرۃ منافع الحاج فی المواسم التی یردون علیھا من سائر البلدان التی یجتازون بمنی وبمکۃ الٰی ان یرجعوا الی اھالیھم وانتفاع الناس بھم وکثرۃ معایشھم وتجاراتھم معھم (الٰی اخر ما قال) (علامہ جصاصؒ احکام القرآن میں فرماتے ہیں اور یہ بات جو اللہ تعالٰی نے ذکر فرمائی ہے کہ مناسکِ حج، احرام، محترم مہینے، ہدی کے جانور اور ان جانوروں کے پٹے لوگوں کے لئے قیام کا ذریعہ ہیں یہ معروف اور مشاہدہ میں ہے کہ دین ودنیا کی کوئی شی ایمان کے بعد ایسی نہیں ہے کہ جس کے ساتھ دنیا وآخرت کی اصلاح اس طرح متعلق ہو جس طرح حج کے ساتھ ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں حج کے موسموں میں مختلف ملکوں سے جو حاجی حج پر جاتے ہیں اور منی ومکہ سے گذرتے ہیں تو کتنے معاشی وتجارتی منافع لیکر اپنے اہل وعیال کی طرف لوٹتے ہیں)

پھر فرمایا: ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (اور یہ اس لیے کہ تم جان لو کہ بلاشبہ اللہ تعالٰی جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ اور بے شک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے)

شیخ ابوبکر جصاص لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالٰی نے اپنے علم کے بارے میں خبر دی ہے کہ اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ اس نے دین ودنیا کے منافع حج میں رکھ دیئے یہ تدبیر ایسی عجیب ہے کہ جس میں امت کے لیے اول سے لیکر آخر تک یعنی قیامت کا دن آنے تک سب کی صلاح کا انتظام ہے۔ اگر اللہ تعالٰی عالم الغیب نہ ہوتا اور تمام اشیاء کو ان کے وجود سے پہلے نہ جانتا تو ایسی تدبیر نہیں ہوسکتی تھی جس میں بندوں کی دین ودنیا کی صلاح ہے۔

پھر فرمایا: اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (بلاشبہ تم جان لو کہ اللہ سخت عذاب والا ہے

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے)

اس میں تنبیہ ہے کہ احکام الٰہی کی خلاف ورزی نہ کرو اور احیاناً کہیں خلاف ورزی ہو جائے تو جلدی سے توبہ کرو اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو وہ غفور ہے رحیم ہے۔

پھر فرمایا مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ (رسول کے ذمہ نہیں ہے مگر پہنچانا اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو) اس میں اس پر تنبیہ ہے کہ تمام احکام کی پابندی کرو رسول ﷺ کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے آگے عمل کرنا تمہارا اپنا کام ہے۔

ہر طرح کے اعمال ظاہرہ اور باطنہ کو صحیح طریقہ پر انجام دو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام ارادوں سے اور تمام اعمال باطنہ اور اعمال ظاہرہ سے باخبر ہے وہ ہی حساب لے گا اور جزا دے گا۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ

آپ فرما دیجئے کہ خبیث اور طیب برابر نہیں ہیں اگرچہ اے مخاطب! تجھے خبیث کی کثرت بھلی معلوم ہوتی ہو۔ سو اے عقل والو! اللہ سے ڈرو

تُفْلِحُوْنَ ۟

تاکہ کامیاب ہو جاؤ

خبیث اور طیب برابر نہیں ہیں

تفسیر: لباب النقول ص ۹۸ میں اس آیت کا سبب نزول یہ بیان کیا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے شراب کی حرمت بیان فرمائی تو ایک دیہات کا رہنے والا آدمی کھڑا ہوا اور کہا کہ میں شراب کی تجارت کرتا تھا اسکے ذریعہ میں نے مال حاصل کیا اگر یہ مال اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کروں تو کیا یہ مال مجھے نفع دے گا؟

نبی اکرم ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبَلُ اِلَّا الطَّيِّب (کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا۔ مگر پاکیزہ مال کو) اس پر اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کی تصدیق فرماتے ہوئے آیت قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ نازل فرمائی۔

اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ شراب کی حرمت سے جو مال پہلے کمایا ہوا تھا وہ تو حلال ہونا چاہیے اسکو خبیث کیوں فرمایا؟

بصورت صحت حدیث اس اشکال کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ چونکہ شراب کی حرمت نئی نئی نازل ہوئی تھی اس لئے کلی طور پر اس کے منافع سابقہ اور لاحقہ سب سے منع فرما دیا۔ یہ تشدید اس لیے کی گئی کہ شراب کے منافع سے بالکل ہی دست بردار ہو جائیں۔ اور دلوں میں اس سے کسی قسم کا لگاؤ نہ رہے آیت کا سبب نزول جو کچھ بھی ہو بہر حال اس میں ایک اصولی بات

بتادی اور وہ یہ کہ خبیث اور طیب برابر نہیں۔

خبیث بُری چیز کو اور طیب اچھی چیز کو کہتے ہیں۔ بعض حضرات نے خبیث کا ترجمہ ناپاک اور طیب کا ترجمہ پاک کیا ہے۔ آیت کا مفہوم عام ہے اچھے برے اعمال اور اچھے برے اموال اور اچھے بُرے افراد سب کو شامل ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ خبیث سے حرام مال اور طیب سے حلال مال مُراد ہے اور بعض حضرات نے خبیث سے کافر اور طیب سے مومن مراد لیا۔ ان اقوال میں کوئی تعارض نہیں الفاظ قرآنیہ کا عموم ان سب کو شامل ہے۔ کسب مال میں بھی حلال کا دھیان رکھا جائے۔ اور جب اللہ پاک کی راہ میں خرچ کرنے لگیں تو حلال اور عمدہ مال خرچ کریں اور مومن کو کافر پر ترجیح دیں البتہ ظلم کسی پر نہ کریں۔

حرام مال سے صدقہ قبول نہیں ہوتا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی بندہ حرام مال کمائے گا پھر اس میں سے صدقہ کریگا تو قبول نہ کیا جائے گا اور اس میں سے خرچ کریگا تو اس میں برکت نہ ہوگی اور اپنے پیچھے چھوڑ جائے گا تو یہ اس کے لیے دوزخ میں جانے کا توشہ ہوگا۔ بے شک اللہ برائی کو بُرائی سے نہیں ہٹاتا (یعنی مال خبیث کما کر اس میں سے صدقہ کردے تو اس صدقہ سے حرام مال پاک نہ ہوجائیگا اور حرام کمانے کا گناہ معاف نہ ہوگا) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴۲) وَلَوْ اَعْجَبَکَ کَثْرَۃُ الْخَبِیْثِ میں یہ ارشاد فرمادیا کہ کسی چیز کا زیادہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ اچھی بھی ہو۔ دنیا میں کافر زیادہ ہیں اس کثرت کی وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک اچھے نہیں ہو گئے جو لوگ اسلام کے دعویدار ہیں ان میں بھی اکثر وہ ہیں جو بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا ہیں۔ بعض لوگ ان کی کثرت دیکھ کر گناہوں کی راہ اختیار کرتے ہیں جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ گناہ چھوڑ دو تو کہہ دیتے ہیں کہ لاکھوں آدمی گناہ کر رہے ہیں یہ بھی اللہ کے بندے ہیں' یہ جاہلانہ جواب ہے۔ اللہ کے بندے تو ہیں مگر گناہگار بندے ہیں۔ تمہیں پرہیزگار بندوں کی راہ اختیار کرنی چاہیے گناہگار بندوں کے پیچھے کیوں چلتے ہو۔

الیکشن کی قباحت: آیت کریمہ سے الیکشن کی قباحت بھی معلوم ہوگئی چونکہ الیکشن کی بنیاد اکثریت پر رکھی گئی ہے اس لئے الیکشن میں وہ آدمی جیت جاتا ہے جس کو ووٹ زیادہ مل جائیں بلکہ جس کے حق میں ووٹوں کی گنتی زیادہ ہوجائے وہ جیتتا ہے خواہ کسی طرح بھی ہو۔ دھاندلی بھی کی جاتی ہے ووٹ خریدے بھی جاتے ہیں فریق مخالف کے ووٹوں کے بکس بھی غائب کیئے جاتے ہیں۔

قطع نظر ان سب باتوں کے اکثریت پر کامیابی کی بنیاد رکھنا یہ مستقل وبال ہے اور غیر کے دین پر نہ خود چلنا ہے نہ دوسروں کو چلنے دینا ہے ایسے لوگوں کی رائے کا شرعاً کچھ وزن نہیں دنیا میں جب سے جمہوریت کا سلسلہ چلا ہے۔ بہت سے لوگ جنہیں علم کا گمان بھی ہے وہ بھی جمہوریت کے لیے اپنی کوششیں خرچ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری کوششوں سے

فلاں ملک میں جمہوریت گئی ہے گویا انہوں نے دین کا بہت بڑا کام کر دیا۔ یہ لوگ جمہوریت کے دینی نقصانات جانتے ہوئے اس کے لیئے اپنی کوششیں صرف کرتے ہیں پھر جمہوریت کے اصول پر جو بھی کوئی بد سے بدتر ملحد زندیق منکر اسلام منتخب ہو جائے اسے مبارک باد دیتے ہیں کسی حلقے میں سو ووٹ ہوں اور اکیاون ووٹ کسی ملحد بے دین کو مل جائیں (جو اسی جیسے بے دینوں سے ملتے ہیں) تو فاسق فاجر الیکشن جیت لیتا ہے اور کامیاب سمجھا جاتا ہے۔ حالاں کہ مسلمانوں کے کسی ملک کے چھوٹے بڑے عہدہ کے لیے کسی بھی فاسق فاجر کی رائے پر اعتماد کرنا درست نہیں جو لوگ اکثریت کے فیصلہ پر ایمان لاتے ہیں (اور اکثریت کا بے دین فاسق فاجر ہونا معلوم ہے) وہ وَلَوْ اَعْجَبَکَ کَثْرَةُ الْخَبِيْثِ پر بار بار دھیان کریں۔ پھر فرمایا فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ کہ (اے عقل والو! اللہ سے ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں ج ۷ ص ۳۷۔

"ان مدار لا اعتبار هو الخيرية والرداءة لا الكثرة والقلة" ج۴ (اچھائی اور برائی کا مدار اچھائی اور برائی ہے نہ کہ کثرت وقلت)
یعنی خبیث کے بچنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر چہ زیادہ ہو اور طیب کو ترجیح دو اگر چہ کم ہو کیونکہ اچھا یا بُرا ہونے کا مدار اچھائی اور بُرائی اختیار کرنے پر ہے قلت یا کثرت پر نہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ

اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں اور اگر تم اُن کے بارے میں اُس وقت سوال کرو گے

يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ

جس وقت قرآن نازل ہو رہا ہو تو وہ تمہارے لئے ظاہر کر دی جائیں گی اللہ نے اُن کے بارے میں معافی دیدی اور اللہ بخشنے والا ہے حلم والا ہے۔ ایسی باتیں

ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

تم سے پہلے اور لوگوں نے بھی پوچھی تھیں پھر اُن باتوں کا حق نہ بجا لائے

بے ضرورت سوالات کرنیکی ممانعت

تفسیر: مفسر ابن کثیر نے ج ۲ ص ۱۰۵ بحوالہ ابن جریر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اس وقت غصے کی حالت میں تھے چہرہ انور سُرخ ہو رہا تھا' آپ منبر پر تشریف فرما ہو گئے۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ میرا ٹھکانہ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا دوزخ میں ہے پھر ایک اور آدمی کھڑا ہوا اُس نے کہا میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا تیرا باپ حُذافہ ہے۔

یہ منظر دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور (آپ کا غصہ ٹھنڈا کرنے اور آپکو راضی کرنے کے لیے) یہ

پڑھنے لگے "رضینا باللّٰہ ربًّا وبالا سلام دینًا وبمحمد صلی اللّٰہ علیہ نبیًا وبا لقراٰن امامًا" (ہم راضی ہیں اللہ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ماننے پر اور محمد ﷺ کے نبی ماننے پر اور قرآن کو امام ماننے پر) اس کے بعد عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم لوگ جاہلیت اور شرک میں تھے نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ ہمارے باپ کون ہیں۔ یہ سنکر آپ ﷺ کا غصہ ٹھہر گیا اور آیت " یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ " نازل ہوئی۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۶۵ میں ہے کہ کچھ لوگ رسول ﷺ سے بطور تمسخر واستہزاء پوچھا کرتے تھے' کوئی کہتا تھا میرا باپ کون ہے؟ اور کوئی کہتا تھا میری اونٹنی کہاں ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔

مفسر ابن کثیر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ جب آیت وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلاً نازل ہوئی۔ تو بعض صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا ہر سال حج فرض ہے آپ نے خاموشی اختیار فرمائی' حاضرین نے دوبارہ سوال کیا تو فرمایا نہیں! (ہر سال فرض نہیں ہے) اور اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا واجب ہو جاتا۔ اور اگر ہر سال واجب ہو جاتا تو تم اسکی طاقت نہ رکھتے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ مذکورہ بالا "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا" نازل فرمائی۔

اسباب نزول متعدد بھی ہوسکتے ہیں اس میں کوئی تعارض کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے آیت کریمہ میں مسلمانوں کو اس بات کی ہدایت فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ وصحبہ وسلم سے ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کیا کرو جن کی ضرورت نہیں ہے' اور جن کے ظاہر کرنے سے سوال کرنے والے کو ناگواری ہوگی اور جواب اچھا نہ لگے گا ایک آدمی نے پوچھ لیا کہ میرا ٹھکانہ کہاں ہے آپ نے جواب دیدیا کہ دوزخ میں ہے بات معلوم کرنے کی ضرورت نہ تھی پھر جو جواب ملا وہ گوارا نہ تھا یوں تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم مسائل واحکام تو دریافت کیا ہی کرتے تھے اور سوال کرنے کا حکم بھی ہے جیسا کہ سورہ نحل اور سورہ انبیاء میں ارشاد ہے فَاسْئَلُوْآ اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (سو سوال کرو اہل علم سے اگر تم نہیں جانتے) معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا آیت میں جن چیزوں کے بارے میں سوال کرنے سے ممانعت فرمائی ہے وہ ایسی چیزیں ہیں جن کی ضرورت نہ ہو۔

صاحب روح المعانی ص ۳۹ ج ۷ لکھتے ہیں۔

والمراد بھا مالا خیرلھم فیہ من نحو التکالیف الصعبۃ التی لا یطیقونھا والاسرار الخفیۃ التی قد یفتضحون بھا فکما ان السئوال عن الامور الواقعۃ مستتبع لا بداء ھا کذلک السئوال عن تلک التکالیف مستتبع لا یجا بھا علیھم بطریق التشدید لا ساء تھم الأدب وترکھم ما ھو الاولٰی بھم من الاستسلام لا مر اللّٰہ تعالٰی من غیر بحث فیہ ولا تعرض عن الکیفیۃ والکمیۃ اھ (اُن آیات میں اشیاء سے وہ معاملات مراد ہیں جن کے پوچھنے میں کوئی بھلائی نہیں ہے جیسا کہ وہ مشکل ذمہ داریاں جن کی وہ طاقت نہیں رکھتے اور وہ خفیہ بھید جن کے اظہار سے وہ رسوا ہوتے ہوں پس ان چیزوں کے بارے میں سوال کرنا ان کے ظاہر کرنے کا سبب ہے اسی طرح ان ذمہ داریوں کے بارے میں سوال کرنا بے ادبی اور بغیر کسی بحث وتمحیص اور کیفیت وکمیت کے بارے میں قیل قال کے بغیر اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے جھکنے کو چھوڑنے کی وجہ سے ان پر تنگی کے طور پر ان احکام کے واجب ہونے کا سبب ہیں)

یعنی آیت بالا میں جن اشیاء کے بارے میں سوال کرنے کی ممانعت فرمائی ہے ان سے وہ سخت احکام مراد ہیں جن کی طاقت نہیں اور وہ پوشیدہ بھید کی چیزیں مراد ہیں جن کے ظاہر کرنے میں بعض لوگوں کی رسوائی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ جس طرح گزشتہ امور کے بارے میں سوال کرنے پر نتیجہ اس بات کو مستلزم ہے کہ اسکو ظاہر کیا جائے اسی طرح تکالیف شاقہ یعنی سخت احکام کے بارے میں سوال کرنا اس امر کو مستلزم ہے کہ حکماً ان احکام کو بطور سزا سوء ادبی کی پاداش میں واجب کر دیا جائے' اور جو طریقہ اختیار کرنا چاہئے تھا یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کو مان لینا اور کیفیت اور کمیت کی بحث میں نہ پڑنا اس کے ترک کرنے کی وجہ سے حکم میں تشدید کر دیجاتی ہے۔

پھر فرمایا:۔ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ یعنی نزول قرآن کے وقت سوال کرو گے تو تمہارے سوالوں کا جواب بذریعہ وحی دیدیا جائیگا) اور سوال کا جواب ملے گا تو ضروری نہیں کہ سائل کی مرضی کے مطابق ہو۔ لہٰذا سوال نہ کرنا ہی صحیح ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ تعالیٰ احکام القرآن ج ۲ ص ۴۸۳ میں تحریر فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں ان چیزوں کے بارے میں سوال کرنے سے ممانعت فرمائی ہے جن کے جاننے کی حاجت نہیں تھی مثلاً عبد اللہ بن حذافہؓ نے پوچھ لیا میرا باپ کون ہے؟ اس سوال کی ضرورت نہ تھی کیونکہ وہ حسب قاعدہ شرعیہ الولد للفراش حذافہ ہی سے ثابت النسب تھے پھر اگر واقعۃً حذافہ کے نطفہ کے علاوہ کسی دوسرے کے نطفہ سے پیدا ہوئے ہوتے اور آپ ﷺ اسکو ظاہر فرما دیتے تو کس قدر رُسوائی ہوتی۔

اسی طرح وہ جو ایک صحابی نے دریافت کر لیا "کیا ہر سال حج فرض ہے؟" اسکی کوئی ضرورت نہ تھی اگر رسالت مآب ﷺ فرما دیتے کہ ہاں! ہر سال فرض ہے تو ساری امت کس قدر تکلیف میں مبتلا ہو جاتی۔

پھر فرمایا "عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا" اس کی ایک تفسیر تو یہ کی گئی ہے کہ اب تک جو تم نے مناسب سوال کئے ہیں یہ سوال کرنا اللہ نے معاف کر دیا۔ اور بعض حضرات نے اسکی یہ تفسیر کی ہے کہ جو احکام تمہیں نہیں دیئے گئے وہ معاف ہیں' یعنی جو حکم نہیں دیئے گئے ان کے بارے میں سوال نہ کرو۔ ہو سکتا ہے سوال کرنے سے ان کے بارے میں حکم نازل ہو جائے' اور جب تک کسی چیز کے بارے میں نفیاً یا اثباتاً کوئی حکم نہیں ہے اس کے بارے میں تمہیں اختیار ہے اسے کرو یا نہ کرو۔ سوال کر کے اور کرید کر اپنے اوپر کوئی چیز واجب کیوں کراتے ہو؟

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر فرمائے ہیں تم انہیں ضائع نہ کرو۔ اور کچھ حدود مقرر فرمائی ہیں تم ان سے آگے نہ بڑھو اور کچھ چیزوں کو حرام قرار دیا ہے تم ان کا ارتکاب نہ کرو۔ اور تم پر مہربانی فرماتے ہوئے بہت سی چیزوں سے خاموشی اختیار فرمائی اور یہ خاموشی بھولنے کی وجہ سے نہیں ہے لہٰذا تم ان کے

بارے میں سوال نہ کرو۔ (رواہ الدار قطنی وغیرہ کمال قال النووی فی اربعینہ وقال حدیث حسن)

گذشتہ قوموں نے سوالات کئے پھر منکر ہو گئے: پھر فرمایا قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ کہ تم سے پہلے۔ لوگوں نے سوال کئے تھے پھر ان کے منکر ہو گئے یعنی جب ان سوالات کا جواب دیدیا گیا تو ان جوابوں سے منتفع نہ ہوئے اور جو حکم ملا اس پر عمل نہ کیا۔ یہود و نصاریٰ کی ایسی عادت تھی پوچھتے تھے پھر عمل نہیں کرتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کا یہ سوال کرنا کہ آسمان سے مائدہ نازل ہو۔ یہ تو مشہور ہی ہے مائدہ نازل ہوا تو اُن لوگوں سے کہا گیا تھا کہ جو کھا سکتے ہو کھالو۔ اس سے اٹھا کر نہ رکھنا لیکن وہ لوگ نہ مانے اور گنہگار ہوئے۔ اسی طرح قوم ثمود نے پہاڑ سے اونٹنی نکالنے کا سوال کیا پھر جب اونٹنی نکل آئی تب بھی ایمان نہ لائے اور اونٹنی کو کاٹ ڈالا۔

جو کوئی ضرورت پیش آ گئی ہو اس کے بارے میں سوال کرنا درست ہے اور خواہ مخواہ بلا ضرورت سوال کرنے میں اضاعت وقت بھی ہے اور لا یعنی کا ارتکاب بھی، رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا من حسن اسلام المرء تر که مالا یعنیه (ترمذی)

یعنی انسان کے اسلام کی ایک خوبی یہ ہے کہ لا یعنی چیز کو چھوڑ دے۔ لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ فرائض و واجبات تک نہیں جانتے نماز تک یاد نہیں لیکن ادھر اُدھر کے سوالات کرتے رہتے ہیں۔

علامہ ابو بکر جصاصؒ کا ارشاد: علامہ ابو بکر جصاصؒ احکام القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے آیت بالا سے اس پر استدلال کیا ہے کہ حوادث اور نوازل کے بارے میں جواب و سوال نہ کیا جائے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے بیان نہیں فرمائے تو ہمیں ان کی حاجت نہیں لہٰذا جو احکام غیر منصوص ہیں ان کے بارے میں غور فکر کی ضرورت نہیں ان لوگوں کا یہ کہنا صحیح نہیں احکام غیر منصوصہ کے بارے سوال کرنا آیت کے مفہوم میں داخل نہیں اور اسکی دلیل یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ناجیہ بن جندب رضی اللہ عنہ کو ھدی کے اونٹ حرم مکہ لے جانے کی ذمہ داری پیش کی تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ: اگر ان میں سے اگر کوئی جانور ہلاک ہونے لگے تو اس کا میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ اسکو ذبح کر دینا اور اس کے جوتے کو (جو بطور نشانی کے اسکی گردن میں پڑا ہو کہ یہ ھدی کا جانور ہے) خون سے رنگ دینا۔ حضرت ناجیہؓ نے ایک صورت حال کے بارے سوال کیا جو پیش آ سکتی تھی۔ آپ کو اس سوال سے بھی ناگواری نہ ہوئی اور جواب عنایت فرما دیا۔

شیخ ابو بکر جصاصؒ نے اور دو تین روایتیں ایسی نقل کی ہیں جن میں پیش آ سکنے والے واقعات کے بارے میں سوال پیش کرنے پر آنحضرت ﷺ کے جواب دینے کا ذکر ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں اس طرح کی بہت سی احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امور غیر منصوصہ کے بارے میں سوال کرنا ممنوع نہیں پھر لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد میں جمع ہوتے اور نئے نئے مسائل کے بارے میں آپس میں مذاکرہ کرتے تھے اور یہی حضرات تابعین کا معمول رہا اور ان کے بعد

فقہاء نے اپنا معمول بنایا اور آج تک ایسا ہو رہا ہے اس کے بعد شیخ ابو بکر جصاص لکھتے ہیں کہ امور غیر منصوص کے بارے میں بولنے سے اوران کا فقہ مستنبط کرنے سے عاجز رہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

"رب حامل فقه غير فقيه ورب حامل فقه الى من هوا فقه منه"

(بہت سے حامل فقہ ایسے ہیں جو خود فقیہ نہیں اور بہت سے حامل فقہ ایسے ہیں جو اپنے سے زیادہ فقیہ تک پہنچادیتے ہیں)

علامہ جصاص اس کے بعد لکھتے ہیں۔ کہ یہ جماعت جو احکام غیر منصوصہ میں غور وفکر کرنے کا انکار کرتی ہے یہ لوگ اس آیت کا مصداق ہیں۔ مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْھَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِیْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِیْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَفْتَرُوْنَ

اللہ نے مقرر نہیں فرمایا نہ کوئی بحیرہ اور نہ کوئی سائبہ اور نہ کوئی وصیلہ اور نہ کوئی حام لیکن جن لوگوں نے کفر اختیار کیا وہ

عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور اُن میں اکثر وہ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے

مشرکین عرب کی تردید جنہوں نے بعض جانوروں کو حرام قرار دے رکھا تھا اوران کے نام تجویز رکھے تھے اور اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے

تفسیر: دنیا میں جو گمراہیاں پھیلیں ان میں سب سے بڑی گمراہی شرک ہے اور شرک کی بہت سی انواع واقسام ہیں جن میں سے بعض اقسام ایسے ہیں کہ ان میں جانوروں کو ذریعہ شرک بنایا گیا۔ جیسا کہ سورۂ نساء (۲۰) میں گذرا ہے کہ شیطان نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ کہا تھا۔

"لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا ہ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّیَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ"۔ (میں تیرے بندوں میں سے اپنا مقرر حصہ لوں گا اور میں انکو گمراہ کروں گا اور میں ان کو آرزوؤں میں پھنساؤں گا' اور میں ان کو حکم کروں گا جس کی وجہ سے وہ چارپایوں کے کانوں کو کاٹیں گے اور میں ان کو حکم کروں گا جس کی وجہ سے اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑیں گے)

شیطان نے اپنی کوششیں جاری رکھیں اور بہت سے لوگوں کو اپنی طرف لگالیا شرک و کفر میں ڈال دیا اور مشرکوں نے بتوں کے نام پر جانوروں کے کان بھی کاٹے اور کئی طریقہ سے جانوروں کو شرک کا ذریعہ بنایا جس طرح بتوں کے نام تجویز

کر لیتے تھے۔اسی طرح جانوروں کے نام بھی مقرر کر لیتے تھے۔

آیت بالا میں اس طرح کے چار ناموں کا تذکرہ فرمایا ہے۔اول بحیرہ۔دوم سائبہ۔سوم وصیلہ۔چہارم حام۔صاحب روح المعانی نے ج ۷ ص ۴۲

بحیرہ: کی کئی تفسیریں لکھی ہیں ان میں سے ایک قول زجاج نقل کیا ہے اور وہ یہ کہ اہل جاہلیت یہ کرتے تھے کہ جب کسی اونٹنی سے پانچ مرتبہ بچے پیدا ہو جاتے اور پانچویں مرتبہ مذکر ہوتا تو اس کے کان کو چیر کر دیتے اور پھر اُسے نہ ذبح کرتے تھے اور نہ اس پر سواری کرتے۔اور پھر اسے نہ پانی سے روکا جاتا اور نہ کسی جگہ چرنے سے منع کیا جاتا تھا۔

اور حضرت قتادہ تابعی سے یوں نقل کیا ہے۔کہ جب کسی اونٹنی کے پانچ بچے ہو جاتے تو پانچویں بچے کو دیکھتے اگر نر ہوتا تو ذبح کر کے کھا جاتے اور مادہ ہوتا تو کان چیر کر چھوڑ دیتے تھے وہ چرتا پھرتا تھا اور اس سے سواری وغیرہ کا کوئی کام نہیں لیتے تھے اور بھی بعض اقوال نقل کئے ہیں۔

سائبہ: کے بارے میں مختلف اقوال لکھے ہیں۔محمد بن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ سائبہ وہ اونٹنی ہوتی تھی جس کے دس بچے پیدا ہو جاتے اسے چھوڑ دیتے تھے نہ اس پر سواری کرتے تھے اور نہ اس کے بال کاٹتے تھے اور نہ اس کا دودھ دوہتے تھے۔ ہاں اگر کوئی مہمان اس کا دودھ لیتا تو اسکی اجازت تھی۔

اور ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ سائبہ وہ جانور تھا جسے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور بُت خانوں میں جو پجاری رہتے تھے ان کے حوالے کر دیتے تھے اور اس کا گوشت صرف مسافر اور انہی کی طرح کے لوگ کھاتے تھے۔

یہ تفسیر حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے منقول ہے'

وصیلہ: کے بارے میں بھی کئی قول نقل کئے ہیں۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ''وصیلہ'' اس بکری کو کہتے تھے جس کے سات مرتبہ بچے پیدا ہو جائیں۔ساتویں نمبر پر اگر بچی پیدا ہوئی تو اس سے عورتیں ذرا بھی منتفع نہیں ہو سکتی تھیں۔ہاں اگر وہ مر جاتی تو مرد اور عورت سب اسے کھا سکتے تھے۔اور اگر ساتویں مرتبہ کے حمل سے ایک بچہ اور ایک بچی (نر و مادہ) پیدا ہو گئے تو کہتے تھے کہ ''وصلت اخاھا'' (کہ اپنے بھائی کے ساتھ جوڑواں پیدا ہوئی ہے) پھر ان دونوں کو چھوڑ دیتے تھے اور اس سے صرف مرد منتفع ہوتے تھے۔عورتیں منتفع نہیں ہوتی تھی۔اگر یہ مادہ مر جاتی تو عورتیں مرد سب منتفع ہوتے تھے۔

اور محمد بن اسحاق کا قول ہے کہ ''وصیلہ'' وہ بکری تھی جس کے پانچ بطن سے متواتر دس مادہ پیدا ہو جائیں۔پھر جب نر اور مادہ دونوں ایک ہی حمل سے پیدا ہو جاتے تو کہتے تھے کہ یہ اپنے بھائی کے ساتھ جوڑواں پیدا ہوئی۔لہٰذا اسے ذبح نہیں کرتے تھے۔

حام: کی تفسیر میں بھی اختلاف ہے۔ یہ حَمیٰ یَحمی سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ جس کا معنی بچانے اور محفوظ رکھنے کا ہے۔ فرّاء کا قول ہے کہ جس سانڈ کے بیٹے کا بیٹا اونٹنی کو حاملہ کر دیتا تھا اس اونٹ کو حامی کہتے تھے اس پر سواری نہیں کی جاتی تھی آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اور کہتے تھے کہ اس نے اپنی کمر کی حفاظت کرلی اسے کسی کی جگہ پانی سے یا چراگاہ سے ہٹایا نہیں جاتا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ جس سانڈ کی پشت سے دس مرتبہ حاملہ ہو کر اونٹنی بچے جن لیتی تھی اسے حامی کہتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ اس نے اپنی کمر کی حفاظت کرلی اب اس پر نہ بوجھ لادا جائے گا اور نہ کسی پانی اور گھاس کی جگہ سے ہٹایا جائیگا۔ یہ سب تحریم اور تحلیل اہل جاہلیت کی اپنی خود تراشیدہ تھی اور اس کے احکام و مسائل سب ان لوگوں نے خود تراش رکھے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے دین اور شریعت سے ان باتوں کا کچھ بھی تعلق نہ تھا۔ لیکن وہ یوں کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہم یوں کرتے ہیں شرک بھی کرتے تھے اور پھر اللہ کی طرف اسکی نسبت بھی کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے فرمایا کہ اللہ نے ان جانوروں کے بارے میں یہ احکام نازل نہیں فرمائے بلکہ ان لوگوں نے خود تجویز کئے اور اللہ پاک پر تہمت رکھ دی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا۔

وَلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ (لیکن جن لوگوں نے کفر کیا وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں) تحلیل، تحریم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے کسی مخلوق کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے طریقہ سے کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دیدے۔ اوّل تو جانوروں کو خود حرام قرار دیدینا بہت بڑا گناہ ہے پھر اس تحریم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا جبکہ اس نے ان کے حرام ہونے کی کوئی تصریح نہیں فرمائی یہ گناہ در گناہ ہے۔ شیطان کا یہ طریقہ رہا ہے کہ لوگوں سے شرک کرواتا ہے اور پھر اپنے ماننے والوں کو یہ سمجھاتا ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا طریقہ ہے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے سورج گرہن کی نماز پڑھائی نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ مجھے اس مقام میں وہ سب چیزیں دکھائی گئیں جن کی تم کو خبر دی گئی ہے میں نے یہاں جنت کو دیکھا اور دوزخ کو بھی دیکھا اور میں نے دوزخ میں عمر بن لحی کو دیکھا اور یہ وہ شخص تھا جس نے "سائبہ" جانوروں کا طریقہ جاری کیا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۹۶)

عمرو بن لحی نے سوائب کا سلسلہ جاری کر دیا تھا۔ اور عرب کے لوگ اسی کی راہ کو اختیار کئے ہوئے تھے اور اس طریقہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتایا ہے۔ آیت کریمہ میں اسکی تردید فرمائی اور یہ بھی فرمایا وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ کہ ان میں سے اکثر لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور رسول کی طرف تو کہتے ہیں کہ ہمیں وہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا۔

كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

کیا باپ دادوں کے پیچھے چلیں گے اگرچہ ان کے باپ دادے کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور ہدایت پر نہ ہوں

اہل جاہلیت کہتے تھے کہ ہم نے جس دین پر اپنے باپ دادوں کو پایا ہے وہ ہمیں کافی ہے

تفسیر: اہل جاہلیت نے جو شرک اور کفر کے کام اختیار کر رکھے تھے اور جو تحلیل و تحریم کے احکام جاری کر رکھے تھے ان کے بارے میں ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی سند نہ تھی۔ جب ان سے پوچھا جاتا تھا کہ یہ کام تم کیوں کرتے ہو تو یوں کہہ دیتے تھے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی پر پایا ہے اور ہمیں اور کسی ہدایت کی ضرورت نہیں۔

جب اللہ تعالیٰ کی کتاب ان کے سامنے پیش کی جاتی تھی اور اللہ تعالیٰ کا رسول ﷺ انہیں دعوت حق دیتا تھا تو وہ اسکی طرف بالکل دھیان نہیں دیتے تھے اور یہ جاہلانہ جواب دیدیتے کہ ہمیں باپ دادوں کا اقتداء کافی ہے اللہ جل شانہ نے ان کی جاہلیت کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ (کیا اپنے باپ دادوں کے طریقہ پر رہیں گے اگر چہ باپ دادے کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور راہ ہدایت پر نہ ہوں) معلوم ہوا کہ جو باپ دادے ہدایت پر ہوں ان کے راستہ پر چلنا درست ہے۔

اسی کو سورہ انعام میں فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ جاہل و کافر اور مشرک آباؤ اجداد و اسلاف کا اقتداء درست نہیں وہ خود بھی برباد ہیں اور جو اُن کا اتباع اور اقتداء کرے گا وہ بھی برباد ہوگا۔

اللہ جل شانہٗ کے نزدیک حق کا معیار "مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ" (یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب) اور اللہ کے رسول ﷺ کی تعلیم ہے۔ جو لوگ ان دونوں کا اتباع کرتے ہیں وہ لوگ قابل اتباع ہیں اور جو لوگ کتاب اللہ اور طریقۂ رسول اللہ ﷺ کے خلاف چلتے ہیں ان کے اتباع میں سراپا بربادی اور ہلاکت ہے مدعیان اسلام میں بہت سی بدعتیں اور شرکیہ رسمیں جاری ہیں اور جو لوگ ان میں لگے ہوئے ہیں ان کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹنے کی دعوت دی جاتی ہے تو آباؤ اجداد کے اتباع کا سہارا لیتے ہیں۔ اور مزید گمراہی میں بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ بدعتوں اور شرکیہ رسموں کا ایسا چسکا لگا ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف آنے کو تیار ہی نہیں ہوتے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ

اے ایمان والو! اپنی جانوں کی فکر کرو جو شخص گمراہ ہوگا وہ تمہیں ضرر نہ دیگا جب کہ تم ہدایت پر ہو گے، بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر

جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

جانا ہے پھر وہ تم کو ان سب کاموں سے باخبر کردیگا جو تم کیا کرتے تھے

اپنے نفسوں کی اصلاح کرو

تفسیر: اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا کہ اپنی جانوں کی فکر کریں اعمال صالحہ میں لگے رہیں اور گناہ سے بچتے رہیں۔ اگر خود ہدایت پر رہوں گے تو دوسرا کوئی شخص جو گمراہ ہوگا وہ ضرر نہ پہنچا سکے گا۔

الفاظ کے عموم سے یہ ایہام ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری نہیں، لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وہم کو دور فرما دیا اور فرمایا کہ تم لوگ یہ آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ پڑھتے ہو (اور اس کا مطلب غلط لیتے ہو کہ نہی عن المنکر ضروری نہیں تمہارا یہ سمجھنا صحیح نہیں) کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سُنا ہے کہ لوگ جب منکر کو دیکھیں اور اس کی تغییر نہ کریں (یعنی اُسے دُور نہ کریں) تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر عام عذاب بھیج دے گا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۰۹ از مسند احمد)

مفسر ابن کثیرؒ نے بحوالہ عبدالرزاق نقل کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے آیۂ شریفہ عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ یہ وہ زمانہ نہیں ہے (جس میں اپنی ذات کو لیکر بیٹھ جاؤ اور نہی عن المنکر نہ کرو) آج تو بات مانی جاتی ہے۔ (یعنی تبلیغ کا اثر لیا جاتا ہے) ہاں عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ تم امر بالمعروف کرو گے تو تمہارے ساتھ ایسا ایسا معاملہ کیا جائے گا۔ یا یوں فرمایا کہ اس وقت تمہاری بات قبول نہ کی جائے گی۔ اس وقت آیت پر عمل کرنے کا موقع ہوگا۔

سُنن ترمذی میں ابوامیہ شعبانی کا بیان نقل کیا ہے کہ میں حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور میں نے کہا اس آیت کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اس آیت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تھا آپ نے فرمایا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو۔ یہاں تک جب تم دیکھو کہ کنجوسی کا اتباع کیا جاتا ہے اور خواہشات کا اتباع کیا جاتا ہے اور ہر رائے والا اپنی ہی رائے کو پسند کرتا ہے تو اس وقت اپنی جان کی حفاظت کر لینا اور عوام کو چھوڑ دینا۔ کیونکہ تمہارے پیچھے ایسے دن آنے والے ہیں کہ ان میں دین پر جمنے والا ایسا ہوگا جیسے اس نے ہاتھ میں آگ کے انگارے پکڑ لئے ہوں۔ ان دنوں میں عمل کرنے والے کو ایسے پچاس آدمیوں کا ثواب ملے گا جو تمہارا جیسا عمل کرے۔ (قال الترمذی ہٰذا حدیث حسن؎)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ آیت میں یہ نہیں بتایا کہ ہر شخص ابھی سے اپنی اپنی جان کو لیکر بیٹھ جائے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے۔ اپنی جان کو صلاح و اصلاح کے ساتھ لے کر بیٹھنے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر چھوڑ دینے کا وقت اس وقت آئیگا جب کوئی کسی کی نہ سنے گا۔ اور جو شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام انجام دیگا اسکو لوگوں کی طرف

سے ایسی مصیبتوں اور تکلیفوں میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ جیسے کوئی شخص ہاتھ میں چنگاری لے لے۔ البتہ اپنے اعمال ذاتیہ اور اپنی اصلاح کی خبر رکھنا ہمیشہ اور ہر حال میں ضروری ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ
اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے جبکہ وصیت کا وقت ہو تو دو وصی ہوں جو دیندار ہوں
مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ
تم میں سے ہوں یا تمہارے علاوہ دوسری قوم سے ہوں اگر تم سفر میں گئے ہوئے ہو پھر تم کو موت کی مصیبت پہنچ جائے
تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ
اگر تمہیں شک ہو تو اُن دونوں کو نماز کے بعد روک لو پھر وہ اللہ کی قسم کھائیں کہ ہم اپنی قسم کے عوض کوئی قیمت نہیں لیتے اگرچہ
كَانَ ذَا قُرْبٰى وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّا اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّا
قرابت دار ہو۔ اور ہم اللہ کی گواہی کو نہیں چھپاتے بلاشبہ ایسا کرنے کی صورت میں ہم گنہگاروں میں شامل ہو جائیں گے۔ پھر اگر اسکی اطلاع ملے کہ وہ دونوں گناہ
اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ
کے مرتکب ہو گئے تو اُن کی جگہ ایسے دو آدمی کھڑے ہوں جو اُن لوگوں میں سے ہوں جن کے بارے میں پہلے دو شخصوں نے گناہ کا ارتکاب کیا۔ یہ بعد والے دو شخص وہ ہوں جو قریب تر ہوں سو یہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں
لَشَهَادَتُنَا اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَا اِنَّا اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ
کہ واقعی ہماری گواہی اُن دونوں کی گواہی کے مقابلہ میں زیادہ درست ہے۔ اور ہم نے تجاوز نہیں کیا۔ اگر ہم ایسا کریں تو بیشک ہم ظلم کرنے والوں میں شمار ہونگے۔ یہ قریب تر ہے کہ
يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَا اَوْ يَخَافُوْا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
وہ گواہی کو صحیح طریقے پر ادا کریں۔ یا اس بات سے ڈر جائیں کہ اُن کی قسموں کے بعد اُن پر پھر قسمیں لوٹا دی جائیں گی اور اللہ سے ڈرو
وَاسْمَعُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾
اور سنو اور اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا

حالت سفر میں اپنے مال کے بارے میں وصیت کرنا

تفسیر: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص جو قبیلہ بنی سہم میں سے تھا اسکو موت نے آگھیرا اسوقت وہاں کوئی مسلمان نہیں تھا لہٰذا اس نے اپنے دونوں ساتھیوں یعنی تمیم داری اور عدی بن بداء کو اپنے مال کی حفاظت اور ورثاء تک پہنچانے کے لئے وصی بنا دیا (اس وقت یہ دونوں ساتھی نصرانی تھے) اس نے اپنے مال کی فہرست بنا

کر سامان میں رکھ دی اور اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا کہ میرا یہ مال میرے وارثوں کو پہنچا دینا۔ ان دونوں نے مال تو پہنچا دیا لیکن میت کے وارثوں نے جب فہرست سے سامان کا میلان کیا تو اس میں ایک چاندی کا جام غائب پایا اس جام پر سونے کا کام بھی تھا' انہوں نے اس جام کا تقاضا کیا اور معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا۔ آپ نے تمیم اور عدی کو قسم دلائی ان دونوں نے قسم کھالی کہ اس جام کا نہ ہمیں پتہ ہے اور نہ ہم نے چھپایا ہے اس کے بعد وہ جام مکہ معظمہ میں کسی تاجر کے پاس مل گیا' تاجر سے پوچھا گیا کہ یہ جام تمہارے پاس کہاں سے آیا؟ تاجر نے بتایا کہ ہم نے تو تمیم اور عدی سے خریدا ہے' اس کے بعد قبیلہ بنی سہم والے آدمی کے دو اولیاء کھڑے ہوئے اور انہوں نے قسم کھائی کہ اللہ کی قسم ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی کی بنسبت درست ہے۔ اور یہ جام ہمارے آدمی کا ہے۔ آیت بالا ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ المائدہ)

بعض روایات میں یوں ہے کہ تمیم داری نے خود بیان کیا کہ وہ جام ہم دونوں نے ایک ہزار درہم میں بیچ دیا تھا۔ پھر ہم نے دونوں (تمیم اور عدی) نے رقم تقسیم کر لی۔ جب میں نے اسلام قبول کر لیا تو مجھے گناہگاری کا احساس ہوا' لہٰذا میں مرنے والے کے گھر والوں کے پاس گیا اور پوری صورت حال بیان کی اور پانچ سو درہم ان کو ادا کر دیئے اور یہ بھی بتا دیا کہ پانچ سو درہم میرے ساتھی (عدی) کے پاس ہیں۔ وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس شخص کو بھی ساتھ لائے جو تمیم داری کے ساتھ تھا (یعنی عدی بن بداء) رسول اللہ ﷺ نے مرنے والے کے ورثاء سے گواہ طلب کئے ان کے پاس گواہ نہ تھے لہٰذا آپ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ اس شخص سے قسم لے لو۔ اس سے قسم لی گئی تو قسم کھا گیا اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ (دُرِّ منثور ص ۳۴۱ ج ۲)

آیت بالا سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص سفر میں ہو اور اس کو موت کے آثار دکھائی دینے لگیں تو وہ دو آدمیوں کو وصی بنا دے یہ دونوں مسلمان دیانت دار ہونے چاہئیں۔ اگر مسلمان نہ ملیں تو دوسری قوم میں سے دو آدمیوں کو وصی بنا دے اور یہ دونوں جب واپس آئیں تو مرنے والے کے وارثوں کو اُس کا مال پہنچا دیں۔ اگر میت کے وارثوں کو شک ہو کہ ان دونوں نے کچھ مال چھپا لیا ہے تو ان دونوں کو نماز کے بعد روک لیں تاکہ وہ قسم کھالیں۔ قسم دلائی جائے کہ ہمارے پاس اور کوئی مال نہیں ہے۔ نماز کے بعد روک کر قسم کھلانا تغلیظ یمین (یعنی قسم میں مضبوطی اور تاکید کے لئے ہے نماز کے بعد روکنا کوئی واجب نہیں)

یہ لوگ اپنی قسم میں کہیں کہ ہمیں اپنی قسم کے ذریعے کوئی دنیاوی نفع مطلوب نہیں اگر ہماری قسم سے کسی قریبی رشتہ دار کو دنیاوی نفع پہنچ سکتا ہو تب بھی جھوٹی قسم نہیں کھائیں گے اگر ہم نے جھوٹی قسم کھائی تو ہم گناہگاروں میں ہونگے' پھر اگر بعد میں یہ پتہ چل جائے کہ مرنے والے کا مال اور بھی تھا جو وارثوں تک نہیں پہنچا تو وارثوں میں سے دو شخص اس بات پر قسم کھائیں کہ ہمارا مال ابھی باقی ہے وہ مال ہمیں ملنا چاہئے اور یہ بیان دیں کہ ہماری گواہی ان دونوں کی بہ نسبت صحیح ہے۔ ہم

نے اپنے بیان میں کوئی زیادتی نہیں کی اگر ہم زیادتی کریں گے اور حد سے آگے نکلیں گے تو ظالموں میں سے ہو جائیں گے، یہ دو شخص جو مرنے والے کے اولیاء میں ہوں میت سے رشتہ کے اعتبار سے قریب تر ہوں۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾
جس دن اللہ رسولوں کو جمع فرمائے گا، پھر ان سے سوال فرمائے گا تمہیں کیا جواب ملا وہ عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں۔ بلاشبہ آپ غیبوں کو خوب جاننے والے ہیں۔
اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ
جب اللہ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ بن مریم یاد کر میری نعمت جو تجھ پر ہے اور تیری والدہ پر، جب کہ میں نے روح القدس کے ذریعہ تیری تائید کی
الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ
تو بات کرتا تھا گہوارہ میں اور بڑی عمر میں، اور جبکہ میں نے تجھے تعلیم دی کتاب کی اور حکمت کی اور توریت کی
وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِيْ
اور انجیل کی، اور جبکہ تو بناتا تھا مٹی سے پرندہ جیسی صورت میرے حکم سے پھر تو اس میں پھونک مار دیتا تھا تو وہ صورت پرندہ بن جاتی تھی میرے حکم سے
وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
اور تو اچھا کرتا تھا مادر زاد اندھے کو اور برص والے کو میرے حکم سے، اور جبکہ تو نکالتا تھا مُردوں کو میرے حکم سے، اور جبکہ میں نے بنی اسرائیل کو
عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾
تجھ سے روکے رکھا جبکہ تو ان کے پاس دلیلیں لے کر آیا اُن لوگوں نے کہا جو کافر تھے کہ یہ نہیں ہے مگر کھلا ہوا جادو

قیامت کے دن رسولوں سے اللہ جل شانہ کا سوال

تفسیر: ان دو آیات میں سے پہلی آیت میں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ جل شانہٗ قیامت کے دن اپنے رسولوں سے سوال فرمائے گا۔ (جنہیں مختلف امتوں کی طرف دنیا میں مبعوث فرمایا تھا) کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا۔ وہ حضرات جواب میں عرض کریں گے کہ ہمیں کچھ علم نہیں بے شک آپ غیبوں کے خوب جاننے والے ہیں بظاہر اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی امت کے خلاف گواہی دیں گے۔ لہٰذا ان کا یہ جواب دینا کہ ''ہمیں کچھ خبر نہیں'' کیونکر صحیح ہو سکتا ہے اس کے کئی جواب ہیں جن کو مفسرین کرام نے اکابر سلف سے نقل کیا ہے۔

ایک جواب یہ ہے کہ یہ سوال و جواب قیامت کے دن بالکل ابتداء میں ہوگا اس دن کی ہولناکی کی وجہ سے وہ یوں کہہ دیں گے کہ ہمیں کچھ علم نہیں صاحب روح المعانی نے ج ۷ ص ۵۵ یہ جواب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے

پھر اس پر ایک اشکال کیا اور اس کا جواب بھی نقل کیا ہے بظاہر یہ جواب ہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ لَا عِلْمَ لَنَا سے علم تحقیقی اور واقعی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہمیں جو کچھ علم تھا وہ ظاہری تھا اور وہ درجہ گمان میں تھا ہم اسے حقیقی علم نہیں سمجھتے باطن میں کسی کا کیا عقیدہ تھا اور کیا نیت تھی اس کا ہمیں کچھ علم نہیں حقائق کا آپ ہی کو علم ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا خطاب' اور نعمتوں کی یاددہانی' اور ان کے معجزات کا تذکرہ

اس کے بعد سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خطاب فرمانے کا ذکر ہے۔ کہ اللہ جل شانہٗ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائیں گے کہ تم اور تمہاری والدہ کو جو میں نے نعمتیں دیں انہیں یاد کرو۔ جو نعمتیں قرآن مجید میں مذکور ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) ان کی والدہ پر یہ انعام فرمایا کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں تھیں تو غیب سے ان کے پاس پھل آتے تھے (۲) انکو پاک دامن رکھا (۳) انکو بغیر باپ کے فرزند عطا فرمایا۔ (۴) اس فرزند نے گہوارہ میں ہوتے ہوئے بات کی۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اوّل تو یہ نعمت فرمائی کہ انہیں حضرت مریمؑ کے بطن سے پیدا فرمایا جو اللہ کی برگزیدہ بندی تھیں۔ اور بنی اسرائیل سے آپ کی حفاظت فرمائی۔ پھر آپ کو گود کی حالت میں بولنے کی قوت عطا فرمائی نیز نبوت سے سرفراز فرمایا۔ آپ کو توریت وانجیل کا بھی علم فرمایا بنی اسرائیل آپ کے دشمن تھے اس لیئے حضرت روح القدس یعنی جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ آپ کی حفاظت فرمائی اور آپکو کھلے کھلے معجزات عطا فرمائے جن میں سے ایک یہ تھا کہ آپ مٹی کے گارے سے پرندہ کی شکل کی ایک چیز بنالیتے تھے پھر آپ اس میں پھونک مار دیتے تو وہ مٹی کی بنائی ہوئی تصویر سچ مُچ کا پرندہ ہوکر اُڑ جاتی تھی۔

اور ایک معجزہ یہ تھا کہ جو مادرزاد اندھے ہوتے تھے یا جو برص کے مریض ہوتے تھے اُن پر اپنا ہاتھ پھیر دیتے تھے تو اس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ برص و مرض کا اثر چلا جاتا تھا اور ایک معجزہ یہ تھا کہ قبروں پر جاکر مُردہ کو آواز دیتے تو مُردے زندہ ہو کر نکل آتے تھے اور نابینا بینا ہو جاتا تھا اور ایک معجزہ یہ بھی تھا کہ لوگ جو گھروں میں کھاتے پیتے تھے یا ذخیرہ کر دیتے تھے آپ اس سے بھی باخبر کر دیتے تھے آپ بنی اسرائیل کو ایمان کی دعوت دیتے۔ اور مذکورہ بالا معجزات آپ سے ظاہر ہوتے تھے۔ باوجود ان معجزات کے بنی اسرائیل آپ کے دشمن ہو گئے اور آپ کو تکلیف دینے کے درپے رہتے تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے آپ کے قتل کا منصوبہ بھی بنالیا۔ اللہ جل شانہٗ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حفاظت فرمائی اور بنی اسرائیل کو تکلیف پہنچانے سے باز رکھا۔ جیسے دیگر انبیاء علیہم السلام کی امتوں کی عادت تھی کہ وہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات کو دیکھ کر جادو کہہ دیا کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اُمتی بھی پیش آئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کھلے معجزات کو صریح اور کھلا جادو بتادیا بنی اسرائیل نے معجزات کو نہ مانا اور آپ کی تکذیب کی اور چند افراد نے آپ کے دین کو قبول کیا جن کو حواری کہا جاتا تھا حواریوں کا ذکر اور ان کا مائدہ کا سوال ابھی عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ آتا ہے) جنہیں نہ ماننا تھا انہوں نے آپ کی تکذیب کی اور کچھ اتنے آگے بڑھے کہ آپ کو اللہ کا بیٹا بتادیا اور معبود بنالیا حالانکہ آپ نے خوب واضح طور پر فرمادیا تھا اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ (کہ بلاشبہ میرا رب اور تمہارا رب اللہ ہے) جگہ جگہ قرآن مجید میں نصاریٰ کی تردید فرمائی ہے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر اور لائق فکر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ جل شانہٗ نے "بِاِذْنِیْ" فرمایا ہے اس سے یہ بتادیا کہ مٹی سے پرندہ کی شکل بنانا اور پھر پھونک مارنے سے اس کا اصلی پرندہ بن کر اڑ جانا اور نابینا اور برص والے کا اچھا ہو جانا اور قبروں سے مُردوں کا نکلنا یہ سب اللہ کے حکم سے ہے۔

کوئی شخص ظاہر کو دیکھ کر مخلوق کے بارے میں یہ عقیدہ نہ بنالے کہ یہ پرندہ کا بنانا' اُڑانا' نابینا کا اچھا ہونا' مُردہ کا زندہ ہونا بندہ کا حقیقی تصرف ہے۔ خالق اور قادر اور مصور اور شافی اور مُحی (زندہ کرنیوالا) درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس نے اپنے نبیوں کی نبوت کی دلیل کے طور پر خلاف عادت جو چیزیں ظاہر فرمائیں حقیقت میں ان کے وجود کا انتساب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے اگر وہ نہ چاہتا تو کسی نبی سے کوئی بھی معجزہ ظاہر نہ ہوتا۔

وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا

اور جب میں نے وحی کے ذریعے حواریین کو حکم دیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیں کہ بلاشبہ ہم

مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ

فرماں بردار ہیں۔ اور جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ کا رب یہ کر سکتا ہے

عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِیْدُ اَنْ نَّاْكُلَ

کہ ہمارے اوپر آسمان سے خوان نازل فرمادے انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں

مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَیْهَا مِنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ

اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہم اس بات کو جان لیں کہ آپ نے ہم سے سچ کہا ہے اور ہم اس پر گواہ ہو جائیں۔

عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا

عیسیٰ ابن مریم نے عرض کیا کہ اے اللہ! جو ہمارا رب ہے ہم پر آسمان سے خوان نازل فرمادے جو ہمارے موجودہ لوگوں کے لئے اور بعد میں آنے والوں کے لئے عید ہو جائے اور آپ کی طرف سے ایک نشانی

وَاٰخِرِنَا وَاٰیَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ

ہو جائے اور آپ ہمیں عطا فرمایئے! اور آپ تمام عطا کرنے والوں میں سب سے بہتر عطا فرمانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں بے شک تم پر خوان نازل کرنے والا ہوں۔

فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

سو تم سے جو شخص اس کے بعد ناشکری کریگا تو بیشک میں اسکو ایسا عذاب دوں گا کہ ایسا عذاب جہانوں میں سے کسی کو بھی نہ دوں گا

حواریوں کا سوال کرنا کہ مائدہ نازل ہو

تفسیر: یہ پانچ آیات ہیں ان میں سے ایک آیت میں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ پاک نے بذریعہ وحی عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو یہ حکم دیا کہ اللہ پاک پر ایمان لائیں اور اس کے رسول پر۔ اُن لوگوں نے کہا ہم ایمان لائے اور آپ ہمارے فرمانبردار ہونے کے گواہ ہو جائیں لفظ ''اَوْحَیْتُ'' سے کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ وحی تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پر آتی تھی پھر حواریوں پر کیسے وحی آئی جو نبی نہ تھے۔

اصل بات یہ ہے کہ وحی کا اصل معنی ہے دل میں ڈال دینا جیسا کہ شہد کی مکھی کے لئے بھی لفظ ''اَوْحٰی'' وارد ہوا ہے۔ اَوْحَیْتُ کا معنی اگر یہ لیا جائے تو بنی اسرائیل کے دلوں میں اللہ نے یہ بات ڈالی کہ ایمان قبول کریں ایمان پر جمے رہیں تو یہ درست ہے اس بات میں کوئی استبعاد نہیں۔ اور ''اَوْحَیْتُ'' کے اگر یہ معنی لئے جائیں کہ اللہ نے اپنے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ پیغام بھیجا تو یہ بھی صحیح ہے۔

اس کے بعد چار آیات میں سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حواریوں کا ''مائدہ'' یعنی خوان اُترنے کا سوال کرنا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ان کو جواب دینا اور پھر اللہ جل شانہٗ سے مائدہ کا سوال کرنا مذکور ہے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام جو معجزے دکھاتے تھے (جن کا ذکر عنقریب ہی گذرا ہے) وہ معجزے ایک سمجھدار آدمی کے لئے کافی تھے لیکن حواریوں نے مزید سوال کئے اور سوال بھی عجیب کیا اور وہ یہ کہ آسمان سے خوان نازل ہو جائے جس میں پکا پکایا کھانا ہو طرزِ سوال بھی مناسب نہ تھا۔ انہوں نے یوں نہیں کہا کہ آپ اللہ سے عرض کریں کہ مائدہ نازل فرمادے بلکہ یوں کہا کہ کیا تمہارا رب یوں کر سکتا ہے کہ آسمان سے خوان نازل فرمادے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کا سوال اور طرز سوال ناگوار ہوا اور فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔ ''هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ'' کہنے سے ان کا مقصد اللہ کی قدرت میں شک کرنا نہیں تھا بلکہ مطلب یہ تھا کہ آپ اگر سوال کریں تو آپ کا یہ سوال پورا فرمادے گا یا نہیں لیکن ان کے الفاظ نامناسب تھے اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مؤاخذہ میں شدت نہیں فرمائی۔ بلکہ ''اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ'' فرما کر ناگواری کی طرف اشارہ فرمادیا اور اس میں یہ بھی بتادیا کہ اپنی طرف سے معجزات کی فرمائشیں کرنا مومنین کا کام نہیں بعض سابقہ امتوں نے ایسی فرمائشیں کیں پھر ان کی فرمائشوں کے مطابق معجزہ ظاہر ہوا تب بھی ایمان نہ لائے قوم ثمود نے سوال کیا کہ پہاڑ سے اونٹنی نکل آئے اونٹنی پہاڑ سے نمودار ہوگئی تب بھی اسلام قبول نہ کیا بالآخر عذاب میں گرفتار ہوئے اور برباد ہوئے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے

ان سے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔ تو وہ کہنے لگے کہ ہمارا تو یہ مقصد ہے کہ اس خوان سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو اطمینان ہو جائے اور عین الیقین کے طریقہ پر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ آپ نے جو کچھ ہم سے فرمایا وہ سب سچ ہے اور یہ اطمینان قلبی حاصل ہونے کا ارادہ ایسا ہی ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے "رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی" کی دعا کر کے "لِیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ" کہا تھا۔

حواریین نے یہ بھی کہا کہ اس مائدہ کے نازل ہونے کا یہ بھی فائدہ ہوگا کہ جن لوگوں نے اس کو نہیں دیکھا ہوگا ہم ان کے لئے گواہی دینے والوں میں سے بن جائیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول مائدہ کے لئے سوال کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملنا

الحاصل حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ پاک کے حضور میں آسمان سے مائدہ اتارے جانے کی درخواست پیش کر دی اور عرض کیا کہ اے اللہ! آسمان سے مائدہ نازل فرما دیجئے جو ہمارے اس زمانہ کے لوگوں کے لئے عید ہو اور ہمارے بعد والے لوگوں کے لئے بھی۔

اللہ جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا کہ میں تم پر دستر خوان اتارنے والا ہوں اس کے اُتر جانے کے بعد تم میں سے جو شخص ناشکری کرے گا اس کو وہ عذاب دوں گا جو جہانوں میں سے کسی کو بھی نہ دوں گا۔

بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ مائدہ نازل نہیں ہوا۔ لیکن قرآن مجید کا سیاق یہی بتاتا ہے کہ مائدہ نازل ہوا اور بعض احادیث میں بھی مائدہ نازل ہونے کا ذکر ملتا ہے۔

تفسیر دُرِّ منثور ج ۲ ص ۳۴۸ میں بحوالہ ترمذی وغیرہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آسمان سے مائدہ نازل کیا گیا تھا اس میں روٹی اور گوشت تھا ان کو حکم تھا کہ خیانت نہ کریں اور کل کے لئے نہ رکھیں لیکن ان لوگوں نے خیانت بھی کی اور ذخیرہ بھی بنا کر رکھا۔ لہٰذا وہ بندروں اور سوروں کی صورتوں میں مسخ کر دیئے گئے (حدیث مرفوع لکن قال الترمذی الوقف اصح)

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری بہت بُری چیز ہے اس کا بڑا وبال ہے ناشکری کرنے سے نعمتیں چھین لی جاتی ہیں جن کا ذکر جگہ جگہ قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

سورۂ ابراہیم میں فرمایا "لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ" (اور جب تیرے رب نے اعلان فرما دیا کہ یہ بات ضروری ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو اور زیادہ دوں گا۔ اور اگر ناشکری کرو گے تو بلاشبہ میرا عذاب سخت ہے) قوم سبا کی بربادی کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا "ذٰلِکَ جَزَیْنٰهُمْ بِمَا کَفَرُوْا وَهَلْ نُجٰزِیْٓ اِلَّا الْکَفُوْرَ" (کہ ہم نے ان کو بدلہ دیا اس وجہ سے کہ انہوں نے ناشکری کی اور ناشکری کرنے والوں ہی کو بدلہ دیا کرتے ہیں)

سورۂ نحل میں ایک بستی کا ذکر فرمایا جسے خوب زیادہ نعمتیں مل رہی تھیں۔ وَکَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰہِ فَاَذَاقَھَا اللّٰہُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ

گوشت کے خراب ہونے کی ابتداء بنی اسرائیل سے ہوئی: جن لوگوں نے نزول مائدہ کی فرمائش کی تھی ان لوگوں نے بھی نافرمانی کی یعنی باوجود ممانعت کے کل کے لئے اُٹھا کر رکھ دیا۔ اور نافرمانی بہت بڑی ناشکری ہے۔ ان لوگوں سے پہلے بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ بھی ایسی حرکت کر چکے تھے ان سے فرمایا تھا کہ من وسلویٰ جو نازل ہوتا ہے اسکو بعد کے لئے اٹھا کر نہ رکھنا لیکن انہوں نے اس پر عمل نہ کیا لہٰذا وہ گوشت سڑ گیا اور ہلاک ہو گیا اور ہمیشہ کے لئے گوشت کے سڑنے کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا۔ لولا بنو اسرائیل لم یخبث الطعام ولم یخنز اللحم ولولا حواء لم تخن انثیٰ زوجھا الدھر. (رواہ مسلم ج۱ ص ۴۷۵)

یعنی اگر بنو اسرائیل نہ ہوتے تو کھانا خراب نہ ہوتا اور گوشت نہ سڑتا۔ اور اگر حواء نہ ہوتی تو کوئی عورت کبھی بھی اپنے شوہر کی خیانت نہ کرتی۔

بنی اسرائیل سے گوشت سڑنے کی ابتداء ہوئی اور حضرت حواء سے شوہر کی خیانت کی ابتداء ہوئی شُراح حدیث نے لکھا ہے کہ ان کی خیانت یہ تھی کہ انہوں نے اپنی شوہر حضرت آدم علیہ السلام کو اس درخت کے کھانے پر آمادہ کیا جس کے کھانے سے منع فرمایا گیا تھا۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰھَیْنِ مِنْ دُوْنِ

اور جب اللہ کا فرمانا ہو گا کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ تم مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود بنا لو۔؟

اللّٰہِ ۭ قَالَ سُبْحٰنَکَ مَا یَکُوْنُ لِیْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ ۭ اِنْ کُنْتُ قُلْتُہٗ فَقَدْ عَلِمْتَہٗ ۭ تَعْلَمُ

وہ عرض کریں گے میں آپ کی پاکی بیان کرتا ہوں۔ میرے لئے یہ بات زیبا نہیں ہے کہ ایسی بات کہوں جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں۔ اگر میں نے کہا ہوتا تو وہ آپ کو معلوم ہوتا۔

مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِکَ ۭ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَھُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ

آپ جانتے ہیں جو میرے جی میں ہے اور میں وہ نہیں جانتا جو آپ کے علم میں ہے۔ بے شک آپ غیبوں کے جاننے والے ہیں۔ میں نے ان سے سوائے اسکے اور کچھ نہیں کہا جو آپ نے مجھے حکم فرمایا

بِہٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ ۚ وَکُنْتُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْھِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ

کہ عبادت کرو اللہ کی جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے۔ اور میں ان کے بارے میں باخبر تھا جب تک میں ان میں موجود تھا۔ پھر جب آپ نے مجھے اُٹھا لیا

کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ ۭ وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْھُمْ فَاِنَّھُمْ

تو آپ ہی ان کے نگراں تھے۔ اور آپ ہر چیز پر مطلع ہیں۔ اگر آپ ان کو عذاب دیں تو بے شک وہ

عِبَادُكَ ۚ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١١٨﴾ قَالَ اللَّهُ هَٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ

آپ کے بندے ہیں۔ اور اگر آپ ان کی مغفرت فرما دیں تو بلاشبہ آپ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔ اللہ کا ارشاد ہوگا یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو

صِدْقُهُمْ ۚ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ

ان کی سچائی نفع دے گی ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا

وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١١٩﴾ لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ

اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے اور اللہ کے لئے ہے مُلک آسمانوں کا اور زمین کا اور جو ان کے درمیان ہے اور وہ ہر

شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٢٠﴾

چیز پر قادر ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ جل شانہٗ کا دوسرا خطاب

تفسیر: قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جو اللہ جل شانہٗ کا سوال ہوگا ان میں سے ایک یہ بھی سوال ہے کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود بنالو۔ یہ سوال قیامت کے دن اس وقت ہوگا جبکہ میدان قیامت میں اوّلین وآخرین سب جمع ہوں گے۔

نصاریٰ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے کے مدعی ہیں ان کے سامنے سوال ہوگا کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے اپنے کو اور اپنی والدہ کو معبود بنانے کی دعوت دی تھی اور تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود بنالو۔ وہ برملا سب کے سامنے جواب دیں گے کہ میں آپ کی پاکی بیان کرتا ہوں۔ آپ ہر طرح کے شریک سے منزہ ہیں میرے لئے یہ شایان شان نہیں کہ میں شرک کی دعوت دوں اگر میں نے کہا ہوتا تو آپ کو ضرور معلوم ہوتا چونکہ آپ کے علم میں نہیں لہٰذا میں نے کہا بھی نہیں۔ میرے نفس میں جو کچھ ہے وہ آپ جانتے ہیں۔ اور میں آپ کی تمام معلومات کو نہیں جانتا۔ آپ غیبوں کو جاننے والے ہیں۔ میں نے وہی بات کہی جس کا آپ نے مجھ کو حکم فرمایا۔ اور وہ یہ کہ اللہ کی عبادت کرو۔ میرا اور تمہارا رب وہی ہے۔ میں نے ان کو شرک کی دعوت نہیں دی توحید ہی کی دعوت دیتا رہا۔ میں جب تک ان میں موجود تھا ان کے حالات سے باخبر تھا۔ پھر جب آپ نے مجھے اٹھا لیا تو آپ ہی ان کے نگران تھے اور آپ ہر چیز کی پوری خبر رکھتے ہیں۔ میرے بعد انہوں نے کیا کیا۔ اور شرک کی گمراہی میں کیسے پڑے۔ اور عقیدہ تثلیث (تین خداؤں کا ماننا) ان میں کیسے آیا اس کا آپ ہی کو علم ہے۔

واضح رہے کہ یہ سوال جواب ان لوگوں کے سامنے ہوگا جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر ہیں اس سوال و جواب سے واضح طور پر ان پر حجت قائم ہو جائے گی کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر نہیں ہیں۔ وہ ان لوگوں کے سامنے عقیدۂ تثلیث کا باطل ہونا ظاہر فرما دیں گے اور اتمام حجت کے بعد ان کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کو تو سب کچھ ہی معلوم ہے۔ لیکن نصاریٰ کی ملامت اور سرزنش کے لئے اور اتمام حجت کے واسطے مذکورہ بالا سوال و جواب ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بارگاہِ خداوندی میں یہ بھی عرض کریں گے کہ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ (اگر آپ ان کو عذاب دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں) وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ (اور اگر آپ ان کی مغفرت فرما دیں تو آپ عزیز و حکیم ہیں) مطلب یہ ہے کہ آپ کا ہر فیصلہ عدل و حکمت پر مبنی ہے یہ آپ کے بندے ہیں۔ اگر آپ ان کو عذاب دیں تو آپ کو اس کا بھی اختیار ہے۔ اور اگر آپ ان کی مغفرت فرمائیں تو یہ بھی حکمت کے موافق ہوگا۔ آپ عزیز ہیں غالب ہیں جسے عذاب دینا چاہیں وہ کہیں بچ کر نہیں جا سکتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ عرض کرنا اللہ کی قدرت اور عزت و حکمت اور شان غفاریت بیان کرنے کے لئے ہوگا۔

اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ مشرکین کی مغفرت بھی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ سورۂ نساء کی آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ میں بالتصریح صاف اور واضح طور پر بیان فرما دیا کہ مشرکین کی مغفرت نہیں ہوگی۔

گمراہوں کی تردید: بعض گمراہ لوگ ایسے نکلے ہیں جو لفظ "فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ" سے اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوگئی۔ اور یہ لوگ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء یعنی آسمان کی طرف اُٹھائے جانے کے منکر ہیں۔ یہ لوگ آیت قرآنیہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ کے اور بیسیوں حدیثوں کے منکر ہیں۔ جس میں سیدنا عیسیٰ کا قیامت سے پہلے آسمانوں سے اُترنا اور اس دُنیا میں رہنا اور طبعی وفات پانا مذکور ہے اوّل تو لفظ توفی ضروری نہیں کہ موت ہی کے لئے استعمال ہو۔ قرآن مجید میں نیند کے لئے استعمال ہوا ہے۔

سورۂ انعام میں ہے وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِاللَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ اور سورۂ زُمر میں ہے۔ اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا

ان دونوں آیتوں میں توفی کو منام یعنی نیند کے لئے استعمال فرمایا ہے۔ درحقیقت توفی کا معنی ہے کسی چیز کو پورا پورا لے لینا۔ یہ مفہوم زندہ اُٹھا لینے اور سُلا دینے اور موت دیدینے تینوں کو شامل ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قیامت کے میدان میں ہو رہی ہے اور اس وقت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے تشریف لا کر زمین میں رہ کر طبعی موت پا کر دنیا سے رُخصت ہو چکے ہوں گے۔ لہٰذا "تَوَفَّیْتَنِیْ" کو موت کے معنی میں لیا جائے تب بھی ان

ملحدوں کا استدلال صحیح نہیں۔ جو اپنے تراشیدہ عقیدہ کے مطابق قرآن مجید کے مفاہیم تجویز کرتے ہیں پھر فرمایا۔

قیامت کے دن سچائی نفع دے گی: "قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ" اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ یہ وہ دن ہے جس میں سچے لوگوں کو ان کی سچائی نفع دے گی جو حضرات صادق فی الایمان، صادق فی الاعمال، صادق فی الاخبار تھے جن میں حضرات انبیاء علیہم السلام اور اُن میں سے ہر ایک کی اُمتِ اجابت ہوگی۔ ان کا سچ ان کو نفع دیگا۔ جس کی وجہ سے وہاں کی نعمتوں سے مالا مال ہوں گے۔ "لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا" (ان کے لئے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہونگے ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے) رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے) ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (یہ بڑی کامیابی ہے) خالق مالک بھی راضی اور ہمیشہ ہمیش باغوں میں رہنا اور ان نعمتوں کیوجہ سے دل سے خوش اور مست اور مگن ہوں گے۔

واقعی اس سے بڑی کیا کامیابی ہوگی حضرت ابوسعید خدری ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائیں گے کہ اے جنت والو! وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں اور تعمیل ارشاد کے لئے موجود ہیں اور خیر تمام تر آپ ہی کے قبضہ میں ہے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا تم راضی ہو؟ وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب! ہم کیوں کر راضی نہ ہوں۔ حالانکہ آپ نے ہمیں وہ عطا فرمایا ہے جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کیا میں تمہیں اس سب سے افضل چیز عطا نہ کردوں؟ وہ عرض کریں گے۔ اے رب! اس سے افضل کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ میں تم پر اپنی رضا مندی نازل کرتا ہوں۔ سو اس کے بعد کبھی بھی تم سے ناراض نہ ہوں گا (رواہ البخاری ص ۱۱۲۱ ج ۲)

فائدہ: آیت بالا میں صدق یعنی سچائی کی تعریف فرمائی۔ درحقیقت سچائی بہت بڑی نعمت ہے اور اسی پر نجات اور رفع درجات کا مدار ہے۔

ایمان میں سچائی نہ ہو تو منافقت ہوتی ہے۔ اعمال میں سچائی نہ ہو تو ریا کاری آجاتی ہے اور اقوال میں سچائی نہ ہو تو جھوٹ صادر ہوتا رہتا ہے۔ مومن کو ہر حال اور ہر قال میں سچائی اختیار کرنا لازمی ہے۔ اللہ سے جو وعدے ہیں وہ بھی پورے کئے جائیں۔

ایسے حضرات کی مدح کرتے ہوئے فرمایا۔ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ (سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۲۳) (کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے سچ کر دکھایا۔ جو عہد انہوں نے اللہ سے کیا) مخلوق سے جو وعدہ ہوا اور جو وعدہ ہو اسکو بھی پورا کیا جائے، ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تم میرے لئے اپنی طرف سے چھ چیزوں کے ضامن ہو جاؤ۔ میں تمہارے لئے جنت کا ضامن ہو جاؤں۔

(۱) سچ بولو جب بات کرو (۲) پورا کرو جب وعدہ کرو (۳) ادائیگی کرو جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے (۴) اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو (۵) اپنی نظروں کو پست رکھو (۶) اور اپنے ہاتھوں کو (ظلم و زیادتی کرنے سے) روکے رکھو (مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۴۱۵ از احمد و بیہقی فی شعب الایمان)

تاجروں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشھداء (سچائی اختیار کرنے والا امانتدار تاجر نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا) (مشکوٰۃ المصابیح ج ا ص ۲۴۳ از ترمذی و دارمی و دار قطنی)

آخر میں فرمایا لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (اللہ ہی کے لئے ملک آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے اندر ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے) اس آیت میں پوری سورۃ کے مضامین کی طرف اجمالی اشارہ فرمایا ہے چونکہ ساری مخلوق اللہ ہی کی ہے اور سارا ملک اسی کا ہے اس لیے اُسی کو اختیار ہے جس کو چاہے جو حکم دے۔ جس چیز کو چاہے حلال قرار دے جس چیز کو چاہے حرام قرار دے اور مجرموں کے لئے دنیا و آخرت میں جو سزا چاہے تجویز فرمائے جس کو چاہے بخش دے جس کو چاہے سزا دے اسکو کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۞

تم تفسیر سورة المائدة الحمد لله اوّلاً وّاخراً ظاهراً وباطناً

سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَخَمْسٌ وَسِتُّوْنَ اٰيَةً وَعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سورۂ انعام مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور اس کی ایک سو پینسٹھ آیات اور بیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۬ ثُمَّ الَّذِيْنَ

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو اور بنایا تاریکیوں کو اور روشنیوں کو، پھر بھی وہ لوگ جنہوں نے

كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝۱ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ

کفر کیا اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں، وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا کیچڑ سے، پھر اجل مقرر فرمائی اور اُس کے پاس ایک اجل

مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝۲ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ

مقرر ہے، پھر تم شک کرتے، اور وہ اللہ ہے آسمانوں اور زمین میں، وہ جانتا ہے تمہارے باطنی حالات کو اور ظاہر حالات کو،

وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝۳ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا

اور وہ جانتا ہے جو تم عمل کرتے ہو۔ اور جب اُن کے رب کی نشانیوں میں سے انکے پاس کوئی نشانی آتی ہے تو اس سے

عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝۴ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ

اعراض کرتے ہیں۔ سو بلاشبہ انہوں نے حق کو جھٹلایا جب اُنکے پاس آیا۔ سو عنقریب آجائیں گے اُنکے پاس اس چیز کی خبریں جس کا

يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۵

مذاق بنایا کرتے تھے

اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور ظلمات اور نور کو پیدا فرمایا اور ہر ایک کی اجل مقرر فرمائی

تفسیر: یہاں سے سورۂ انعام شروع ہے یہ سورت مکی ہے البتہ بعض مفسرین نے تین چار آیات کو مستثنیٰ لکھا ہے اور فرمایا ہے کہ وہ مدنی ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب سورۃ انعام نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے سبحان اللہ کہا پھر فرمایا کہ اس سورت کو اتنے فرشتوں نے رخصت کیا جنہوں نے اُفق یعنی آسمان کے کناروں کو بھر دیا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ ستر ہزار فرشتوں نے اسکو رخصت کیا۔ (من روح المعانی ج ۷ ص ۷۶)

اس سورت میں انعام یعنی چوپاؤں کے بعض احکام بیان فرمائے ہیں اسلئے سورۃ الانعام کے نام سے موسوم ہے۔ اس سورت میں احکام کم ہیں۔ زیادہ تر توحید کے اصول اور توحید کے دلائل بیان فرمائے ہیں۔ سورۂ فاتحہ کی طرح اسکی ابتداء بھی اَلْحَمْدُلِلّٰہِ سے فرمائی ہے اور بتایا ہے کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں وہ ہر تعریف کا مستحق ہے اس کو کسی حمد اور تعریف کی حاجت نہیں۔ کوئی حمد کرے یا نہ کرے وہ اپنی ذات وصفات کاملہ کے اعتبار سے محمود ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت بیان فرمائی۔

اور فرمایا اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کہ اس کی وہ عظیم ذات ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا۔ آسمان وزمین سب کی نظروں کے سامنے ہیں جس ذات پاک نے اُن کی تخلیق فرمائی ظاہر ہے کہ وہ مستحق حمد وثنا ہے۔

پھر فرمایا وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ کہ اُس نے تاریکیوں کو بنایا اور نُور کو بنایا۔ روشنی اور اندھیریاں بھی آسمان وزمین کی طرح نظروں کے سامنے ہیں ان میں بھی انقلاب ہوتا رہتا ہے۔ کبھی روشنی ہے اور کبھی اندھیرا۔ یہ انقلاب اور الٹ پھیر بھی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ خود بخود وجود میں نہیں آئیں۔ ان کو وجود دینے والی کوئی ذات ہے اس بات کے ماننے کے لیے کسی خاص غور وفکر کی ضرورت نہیں سب پر عیاں ہے۔

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کے ساتھ خَلَقَ اور ظلمات اور نور کے ساتھ لفظ جَعَلَ لانے کے بارے میں بعض مفسرین نے یہ نکتہ بتایا ہے کہ آسمان وزمین اجسام واجرام ہیں اپنے وجود میں کسی دوسری مخلوق کے محتاج نہیں اور اندھیرا اور اُجالا عوارض ہیں قائم بالذات نہیں ہیں ان کو محل ومکان یعنی جگہ کی ضرورت ہے' جولوگ آسمانوں کے وجود کو نہیں مانتے ان کے وجود میں متردّد ہیں۔ اس آیت شریفہ میں ان کی بھی تردید ہوگئی۔

اور جولوگ دوخدا مانتے ہیں یعنی یزداں اور اَھرمن (اور یزداں کو خالق خیر اور اَھرمن کو خلق شر بتاتے ہیں پھر ان دونوں کو نور اور ظلمت سے تعبیر کرتے ہیں) آیت شریفہ سے ان کی بھی تردید ہوگئی اس کے بعد ارشاد فرمایا ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّھِمْ یَعْدِلُوْنَ (پھر بھی وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں) یعنی خالق جل مجدہٗ جس نے اتنی بڑی کائنات کو پیدا فرمایا اس کے لیے شرکاء تجویز کرتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں جو بہت بڑی حماقت اور سفاہت ہے۔ پھر فرمایا ھُوَالَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ طِیْنٍ (اللہ ہی ہے جس نے تم کو کیچڑ سے پیدا فرمایا) انسان کی ابتدائی تخلیق چونکہ مٹی سے ہے اسلئے سبھی کی اصل مٹی ہے۔ آدم علیہ السلام بلا واسطہ مٹی سے پیدا ہوئے اور اُن کی نسل اپنے باپ کے توسط سے مٹی سے پیدا ہوئی قرآن مجید میں خَلَقَکُمْ مِّنْ تُرَابٍ بھی فرمایا (سورۃ مومن) تم یعنی تم کو مٹی سے پیدا فرمایا اور خَلَقَکُمْ مِّنْ طِیْنٍ بھی فرمایا (سورۂ انعام) یعنی تم کو کیچڑ سے پیدا کیا اور اِنَّا خَلَقْنٰھُمْ مِّنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ بھی فرمایا (سورۂ صافات) یعنی ہم نے اُن کو چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔ اور خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ بھی فرمایا

(سورۂ رحمن) اس نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے پیدا فرمایا جو ٹھیکری جیسی تھی اور یہ بھی فرمایا وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (اور البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیا انسان کو بجتی ہوئی سڑی ہوئی مٹی سے۔ سورۂ حجر)

بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو زمین کے مختلف حصوں سے مٹی جمع فرمائی۔ اس مٹی میں پانی ڈال دیا گیا تو طین (کیچڑ) ہوگئی۔ پھر وہ کیچڑ پڑی رہی تو سڑ گئی پھر اس سے آدم علیہ السلام کا پتلا بنایا گیا۔ وہ پتلا سوکھ گیا تو بجنے والی مٹی ہوگئی۔ اس کے بعد اس میں روح پھونکی گئی۔ چونکہ یہ مختلف ادوار اس مٹی پر گذرے اس لیے انسان کی تخلیق بیان کرتے ہوئے کبھی تُرَابٍ کبھی طِیْنٍ کبھی صَلْصَالٍ اور کبھی حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ فرمایا۔

تخلیق انسانی بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا ثُمَّ قَضٰٓی اَجَلًا (پھر اَجَل مُقرر فرمادی) اس سے موت کا وقت مراد ہے جو ہر فرد کے لیے مقرر ہے اس سے آگے پیچھے نہ ہوگا جیسا کہ سورۂ منافقون میں فرمایا وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا (اور اللہ تعالیٰ ہر گز کسی جان کو مہلت نہ دے گا جبکہ اس کی اَجَل مقرر آجائے)

اس کے بعد فرمایا وَاَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهٗ (اور ایک اَجَل اس کے پاس مقرر ہے) اس سے قیامت کے دن صور پھونکے جانے اور قبروں سے اُٹھنے کی اَجَل مراد ہے۔ فرد کی اَجَل جو مقرر ہے وہ اسکی موت کے وقت پوری ہو جاتی ہے اور ساری دنیا کی جو اجَل مقرر ہے وہ قیامت کے دن پوری ہو جائیگی۔ پہلی اجل کا علم فرشتوں کو ہو جاتا ہے کیونکہ انہیں روح قبض کرنا ہوتا ہے اور دوسری اجل کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے علم کے مطابق جب قیامت کے آنے کا وقت ہوگا تو اچانک آجائیگی۔

پھر فرمایا ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ (پھر تم شک کرتے ہو) پہلی آیت میں توحید کے دلائل بیان فرمائے اور دوسری آیت میں بعث ونشور یعنی قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے کی دلیل بیان فرمائی۔

پھر فرمایا وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ (یعنی وہ اللہ ہے جو آسمانوں اور زمین میں معبود ہے) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ معنی وصفی سے متعلق صرف اللہ تعالیٰ ہی معبود ہے اور عبادت کے لائق ہے۔

بعض حضرات نے جار مجرور کو المالک اور المتصرف سے بھی متعلق بتایا ہے جو محذوف ہے اور مطلب یہ ہے وَهُوَ الْمَالِکُ وَالْمُتَصَرِّفُ الْمُدَبِّرُ فِیْهِمَا حَسْبَ مَا یَقْتَضِیْهِ مَشِیْئَةُ الْمَبْنِیَّةُ علی الحکم البالغة۔ (اور وہی آسمان وزمین کا مالک اور اپنی حکمتِ کاملہ کے مطابق آسمان وزمین میں تصرف کرنے والا ہے) (من روح المعانی ص ۸۹ ج ۷)

اللہ تعالیٰ کو ظاہر اور پوشیدہ ہر چیز کا علم ہے:

پھر فرمایا یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَیَعْلَمُ مَاتَكْسِبُوْنَ کہ جو اقوال واعمال ہیں اور جو جو نیتیں اور ارادے ہیں جو تم چھپاتے ہو اور ظاہر کرتے ہو اللہ تعالیٰ اُن سب کو جانتا ہے۔ تمہارے اعمال کو بھی جانتا ہے خواہ یہ اعمال قلب کے ہوں یا جوارح کے' اس کے بعد تکذیب کرنے والوں کی عادت بیان

فرمائی۔ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝ (جو بھی کوئی آیت اللہ کی آیات میں سے اُن کے سامنے آتی ہے تو اس سے اعراض کرتے ہیں) اس آیاتِ قرآنیہ مراد ہو سکتی ہیں۔ اور آیات تکوینیہ بھی مراد لی جاسکتی ہیں۔ یعنی قرآنی آیات کو جھٹلاتے ہیں اور جو آیاتِ تکوینیہ سامنے آتی ہیں جن میں دلائل توحید ہیں ان سے بھی اعراض کرتے ہیں۔

مکذّبین کے لیے وعید: پھر فرمایا فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ مطلب یہ ہے کہ جب ان کے پاس حق آیا تو اس کو جھٹلا دیا' حق کو جھٹلاتے بھی ہیں اور مذاق بھی بناتے ہیں۔ اس مذاق بنانے اور جھٹلانے کا انجام عنقریب حاضر ہو جائیگا اور اپنے اعمال کے نتائج دیکھ لیں گے اور بطور توبیخ اُن سے کہا جائیگا کہ یہ ہے تمہارے اعمال کا نتیجہ کمافی سورۃ الدخان اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ (بیشک یہ وہ ہے جس میں تم شک کرتے ہو) و سورۂ یٰسین اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ. (آج اس میں داخل ہو جاؤ اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے)

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی امتوں کو ہلاک کر دیا' ان کو ہم نے زمین میں ایسا اقتدار دیا تھا جو تم کو نہیں دیا' اور ہم نے اُن پر زوردار

عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ

بارشیں برسائیں اور ہم نے نہریں بنادیں جو اُن کے نیچے جاری تھیں پھر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا۔ اور اُن کے بعد ہم نے پیدا کر

قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ

دیں دوسری اُمتیں' اور اگر ہم اتار دیں آپ پر کاغذ میں لکھا ہوا کوئی نوشتہ پھر وہ اسکو اپنے ہاتھوں سے چھو لیں تب بھی کافر لوگ یوں کہیں گے

اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝ وَ

کہ یہ کچھ نہیں ہے مگر صریح جادو ہے' اور وہ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں اتارا گیا اس پر فرشتہ' اور اگر ہم کوئی فرشتہ اتار دیتے تو فیصلہ کر دیا جاتا پھر ان کو کوئی مہلت نہ دی جاتی

لَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ

اور اگر ہم اُس کو فرشتہ بناتے تو اس کو آدمی ہی بناتے اور ہم ان پر شبہ ڈال دیتے جس شبہ میں وہ اب پڑ رہے ہیں' اور بلاشبہ آپ سے پہلے رسولوں کے

فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ

ساتھ استہزاء کیا گیا۔ پھر جب لوگوں نے استہزاء کیا اُن کو اُس چیز نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ آپ فرما دیجئے کہ چلو زمین میں پھر

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝

دیکھو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا

قرونِ ماضیہ ہالکہ سے عبرت حاصل کرنے کا حکم

تفسیر: نزولِ قرآن کے وقت عرب کے مشرکین اوّلین مخاطب تھے۔ وہ قرآن مجید کی بھی تکذیب کرتے تھے اور رسول ﷺ کے ساتھ بھی بُری طرح پیش آتے تھے ایذائیں بھی دیتے تھے اور مذاق بھی بناتے تھے، پڑھے لکھے تو تھے نہیں جو پُرانی امتوں کے واقعات کتابوں میں پڑھ لیتے اور تالیف و تصنیف کا ایسا دور بھی نہ تھا کہ کتابیں مدوّن ہوتیں لیکن یہ لوگ تجارت کے لیے ملک شام جایا کرتے تھے۔

اس سفر میں مدینہ منورہ کے یہودیوں پر گذر ہوتا تھا۔ شام میں نصاریٰ آباد تھے۔ ان قوموں سے مل کر پرانی امتوں کے واقعات اور قصے سنتے تھے اور خود بھی سابقہ امتوں کی بربادی کے نشانات اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔

حضرت صالح علیہ السلام کے پہاڑوں سے تراشے ہوئے گھر اُن کے سامنے آتے تھے جو تبوک جاتے ہوئے راستے میں پڑتے تھے۔ کہاں گئے ان گھروں کے بنانے والے اور کہاں گیا انکا کروفر ساری تمکنت اور سارا اقتدار خاک میں مل گیا۔ اصحاب فیل کی بربادی کا واقعہ تو اہل مکہ کے بچہ بچہ کی زبان پر تھا۔ یہ چیزیں اُن کو اللہ تعالیٰ نے یاد دلائیں اور فرمایا کہ تم جو ہمارے رسول اور ہماری کتاب کی تکذیب کرتے ہو کیا تمہیں اس سے کچھ بھی عبرت نہیں کہ جن لوگوں نے یہ حرکتیں کیں ان کو ہم نے برباد کر دیا اور جو اقتدار ہم نے اُن کو دیا تھا تمہیں تو وہ بھی حاصل نہیں پھر تم کیسے عذاب سے بچ سکتے ہو؟ ان کی زبردست حکومت بھی تھی اور مالی اعتبار سے بھی ہم نے خوب نوازا تھا۔ ان پر موسلا دھار بارشیں برسائیں ان کے لیے نہریں جاری کیں جو اُن کے باغوں اور کھیتوں میں جاری تھیں یہ لوگ اوپر بیٹھ کر ان سب کا نظارہ کرتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔ انہوں نے نعمتوں کی بے قدری کی۔ بغاوت اور سرکشی پر اُتر آئے کفر سے باز نہ آئے۔ برابر گناہوں میں رہے لہٰذا ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ ایک قوم ہلاک ہوئی تو ان کے بعد دوسری قوم پیدا کر دی جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ اس سے عبرت حاصل کریں سورۂ سبا میں فرمایا وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوا مِعْشَارَ مَا آتَيْنَاهُمْ فَكَذَّبُوا رُسُلِي فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ (ترجمہ) اور جھٹلایا اُن لوگوں نے جو اُن سے پہلے تھے اور یہ لوگ نہیں پہنچے اس کے دسویں حصے کو بھی جو ہم نے اُن کو دے رکھا تھا۔ سو جھٹلایا میرے پیغمبروں کو تو کیسا ہوا میرا عذاب؟

مشرکین کو تنبیہ فرمانے اور یہ بتانے کے بعد کہ تم سے پہلے بہت سی اُمتیں آئیں اور وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے برباد ہوئیں۔ ان کے ایک معاندانہ سوال کا ذکر فرمایا پھر اسکی تردید فرمائی معالم التنزیل ص ۸۵ ج ۲ میں لکھا ہے کہ نضر بن الحارث، عبداللہ بن اُبی اُمیہ اور نوفل بن خویلد نے کہا اے محمد! (ﷺ) ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ آپ اللہ کے پاس سے ایسی کتاب نہ لائیں جس کے ساتھ چار فرشتے ہوں وہ گواہی دے رہے ہوں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیت کریمہ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِي قِرْطَاسٍ الخ نازل فرمائی یعنی اگر ہم ان پر کاغذ میں لکھی ہوئی کتاب نازل کر دیں پھر وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو لیں تب بھی ایمان لانے والے نہیں کتاب کو دیکھ کر ہاتھ لگا کر بھی منکر ہی رہیں گے اور یوں کہہ دیں گے کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے یہ جو کہہ رہے ہیں کہ کتاب آجائے اور فرشتے آجائیں تو ہم ایمان لے آئیں گے یہ ضد اور عناد ہے ایمان لانا مقصود نہیں ہے۔

مشرکوں کی اس بات کا جواب کہ فرشتوں کو کیوں مبعوث نہیں کیا گیا: اس کے بعد مشرکین کے ایک مطالبہ کا تذکرہ فرمایا' ارشاد فرمایا وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ (اور انہوں نے کہا کہ کیوں نہ نازل ہوا فرشتہ) مشرکین مکہ یہ بھی مطالبہ کیا کرتے تھے کہ محمد ﷺ کے پاس فرشتہ آتا اور ان کی تصدیق کرتا تو ہم ایمان لے آتے۔ اس کے جواب میں فرمایا۔ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ (کہ اگر ہم کوئی فرشتہ بھیج دیتے تو فیصلہ ہو جاتا اور پھر ان کو ذرا مہلت نہ دی جاتی) کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ جو لوگ اپنی طرف سے کوئی معجزہ تجویز کر کے طلب کرتے ہیں اور پھر وہ معجزہ ظاہر ہو جاتا ہے اور اُس کے بعد بھی ایمان نہیں لاتے تو پھر ان کو ڈھیل نہیں دی جاتی اور بغیر مہلت کے عذاب دیا جاتا ہے۔ قال صاحب معالم التنزیل قال قتادة لو انزلنا ملكا ثم لا يؤمنوا لعجل لهم العذاب ولم يوخروا طرفة عين (صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں قتادہؒ فرماتے ہیں اگر ہم فرشتہ اتارتے پھر یہ ایمان نہ لاتے تو فوراً ان پر عذاب آجاتا اور پلک جھپکنے کی دیر بھی انہیں مہلت نہ دی جاتی) اور بعض مفسرین نے لَقُضِيَ الْاَمْرُ کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اگر ہم فرشتے بھیج دیتے اور وہ اپنی صورت میں ہوتا تو یہ لوگ اس کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکتے اور اُسے دیکھ کر مر جاتے نقله في معالم التنزيل عن الضحاک۔

پھر فرمایا وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ اگر ہم اس کو فرشتہ بناتے تو اس کو آدمی ہی بناتے اور ہم ان پر شُبہ ڈال دیتے جس شُبہ میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں مطلب یہ ہے کہ اگر ہم فرشتہ کو نبی بنا کر بھیجتے تو آدمی ہی کی صورت میں آتا کیونکہ انسانوں کو اتنی طاقت اور تاب نہیں ہے کہ وہ فرشتے کو اس کی اصلی صورت میں دیکھ سکیں۔ جب اسکی صورت انسانی صورت ہی ہوتی تو یہ لوگ پھر معاندانہ باتیں کرتے اور کہتے کہ ہمیں کیا معلوم یہ فرشتہ ہے' جو باتیں اب کہہ رہے ہیں کہ یہ صاحب جو نبوت کا دعویٰ کر رہے ہیں ہمارے ہی جیسے آدمی ہیں فرشتہ کو انسانی صورت میں دیکھ کر ایسی باتیں کرتے اور یہی کہہ دیتے کہ یہ تو ہمارا جیسا ہے اس میں کون سی خصوصیت ہے جو نبی بنا دیا گیا۔ لہٰذا فرشتہ کے رسول بن کر آنے کی صورت میں بھی لوگوں کو جو شُبہ ہو رہا ہے وہ شُبہ پھر بھی باقی رہتا' اور حقیقت میں ان لوگوں کے یہ بہانے ہیں کہ ایسا ہوتا تو ہم مان لیتے' یہ حق کے طالب نہیں ہیں اگر حق کے طالب ہوتے تو نبی اکرم ﷺ کے معجزات دیکھ کر جو بشر ہیں اور اُنہیں میں سے ہیں ایمان لے آتے۔

اِستہزاء کرنیوالوں کے لئے وعید: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ

بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (اور بلاشبہ آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی استہزاء کیا گیا۔ پھر جن لوگوں نے استہزاء کیا ان کو اس چیز نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اُڑایا کرتے تھے)

اس میں اوّل تو رسول اللہ ﷺ کو تسلی ہے۔ کہ تکذیب کرنے والے جو کچھ آپ کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں مذاق بناتے ہیں یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے آپ سے پہلے جو رسول گذرے ہیں ان کے ساتھ بھی ایسا ہوتا رہا ہے لہٰذا آپ بھی صبر کریں جیسا اُن حضرات نے صبر کیا پھر انجام یہ ہوا کہ جن لوگوں نے ایسی حرکتیں کی تھیں وہ ان کے وبال میں مبتلا ہوئے اور استہزاء اور مسخرہ پن کی سزا میں ان کو عذاب نے گھیر لیا۔ ان معاندین و مستہزئین کا بھی ایسا ہی انجام ہونے والا ہے۔ قال صاحب الروح فکانہ سبحانہ وتعالٰی وعدہ صلی اللہ علیہ وسلم بعقوبۃ من استھزأ بہ علیہ السلام ان اصر علی ذلک (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں گویا اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے وعدہ فرمایا ہے کہ جو حضور ﷺ کا مذاق اڑاتا ہے اگر وہ اسی پر اصرار کرتا رہا تو اسے ضرور سزا دی جائے گی۔) ج ۷ ص ۱۰۱

اس کے بعد مکذبین اور معاندین کو مزید تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ کہ زمین میں چلو پھر دیکھو کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا۔ دنیا میں چلیں پھریں دنیا والوں کے کھنڈروں سے اور ان کی ہلاکت و بربادی کے واقعات سے عبرت حاصل کریں۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلْ لِّلّٰهِ ۭ كَتَبَ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

آپ فرمادیجئے! کس کی ملکیت ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمینوں میں ہے۔ فرمادیجئے کہ یہ سب اللہ ہی کے لئے ہے اس نے اپنے اوپر رحمت کرنا لازم فرمالیا ہے، وہ ضرور تم کو قیامت کے

لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَهُوَ

دن جمع فرمائے گا جس میں کوئی شک نہیں، جن لوگوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالا وہ ایمان نہیں لائیں گے، اور اُسی کے لئے ہے جو ساکن ہے رات میں اور دن میں، اور وہ

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۭ

سُننے والا جاننے والا ہے۔ آپ فرمادیجئے! کیا میں اللہ کے سوا کسی کو مددگار بنالوں جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ اور وہ کھلاتا ہے اور اُسے کھلایا نہیں جاتا۔

قُلْ اِنِّىْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ قُلْ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ

آپ فرمائیے! بلاشبہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا وہ شخص ہو جاؤں جو فرمانبردار ہوا اور آپ ہرگز مشرکین میں سے نہ ہو جائیے۔ آپ فرمادیجئے! کہ بے شک! میں

عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝

اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں اس دن جس سے عذاب ہٹادیا گیا سو میرے رب نے اس پر رحم فرمایا اور یہ کھلی ہوئی کامیابی ہے۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۭ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچادے تو اس تکلیف کا دُور کرنے والا اس کے علاوہ کوئی نہیں۔ اور اگر وہ تجھے کوئی بھلائی پہنچادے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝

اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ حکمت والا ہے باخبر ہے

آسمانوں اور زمین میں سب اللہ ہی کا ہے وہ قیامت کے دن سب کو جمع فرمائیگا

تفسیر: ان آیات میں اوّل تو نبی اکرم ﷺ کو حکم فرمایا گیا کہ آپ ان سے پوچھ لیں کہ بتاؤ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے یہ کس کا ہے؟ یہ سب کس کی مخلوق ہے؟ اور کس کی ملکیت ہے؟ اور ان سب میں کس کا تصرف ہے؟ پھر فرمایا کہ آپ خود ہی جواب دیدیں کہ یہ سب چیزیں اللہ ہی کی ہیں سب اس کے زیر تصرف ہیں جو بھی کوئی ذرا بہت اختیار اور اقتدار رکھتا ہے وہ سب اُسی کا دیا ہوا ہے۔ وہ جب چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ اس نے ان سب کو پیدا فرمایا وہ سب پر مہربان بھی ہے۔ اس نے اپنے اوپر لازم قرار دیا ہے کہ وہ رحمت فرمائے گا۔

مومنین پر تو اسکی رحمت دنیا اور آخرت دونوں میں ہے' اور اہل کفر کے ساتھ بھی دُنیا میں مہربانی کا معاملہ ہے۔ اور اگر وہ بغاوت چھوڑ دیں اور ایمان قبول کرلیں اللہ کے رسولوں علیہم السلام اور اسکی کتابوں کی تکذیب سے باز آجائیں تو آخرت میں بھی ان پر رحم ہوگا۔ سورۂ اعراف میں فرمایا قَالَ عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ (فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ میرا عذاب ہے میں جسے چاہوں پہنچادوں' اور میری رحمت ہر چیز کے لئے عام ہے۔ سو میں اپنی رحمت کو لکھ دوں گا ان لوگوں کے لئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو لوگ ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو ایک نوشتہ لکھا جو اُس کے پاس عرش پر ہے اس میں لکھا ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی۔ (رواہ البخاری ج۲ص۱۱۰۱)

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے سو رحمتیں ہیں اُن میں سے ایک رحمت نازل فرمائی جو جنّ اور انسان اور چوپائے اور زہریلے جانوروں میں بٹی ہوئی ہے اس ایک رحمت کے ذریعہ آپس میں ایک دوسرے پر مہربانی کرتے ہیں اور رحم کرتے ہیں اور اسی کے ذریعہ وحشی جانور تک اپنی اولاد پر مہربانی کرتے ہیں اور ننانوے رحمتیں اللہ نے رکھ لی ہیں جن کے ذریعہ قیامت کے دن وہ اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔ (رواہ البخاری)

پھر فرمایا لَیَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ ؕ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ (کہ اللہ تعالیٰ تم سب کو قیامت کے دن ضرور جمع فرمائے گا جس میں کوئی شک نہیں جن لوگوں نے اپنے نفسوں کو خسارہ میں ڈالا وہ ایمان نہ لائیں گے) اللہ تعالیٰ نے سب کو اپنی مہربانی سے پیدا فرمایا وہ سب کی پرورش فرماتا ہے وہاں کے حساب و کتاب سے

باخبر فرمایا لیکن جن لوگوں نے اپنے نفسوں کو خسارے میں ڈال لیا فطرت اصلیہ کو کھو دیا عقل سلیم سے کام نہیں لیا وہ اپنی جانوں کو ضائع کر چکے۔ اب اُن کو ایمان لانا نہیں کوئی تو اپنے مال کو ضائع کرتا ہے ان لوگوں نے اپنی جانوں کو ضائع کر دیا اور ایمان جیسی پونجی کو ہاتھ نہ لگنے دیا اَلَا ذٰلِکَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ

رات اور دن میں جو کچھ سکونت پذیر ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے: پھر فرمایا وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِی الَّیْلِ وَالنَّهَارِ (اور اللہ ہی کے لیے ہے جو ساکن ہے رات اور دن میں) سَکَنَ ٹھہرنے کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے یعنی جو کچھ رات اور دن میں ٹھہرا ہوا ہے وہ اللہ ہی کی مخلوق ہے ساکن غیر متحرک ہونے کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے یعنی جو چیزیں رات اور دن میں غیر متحرک ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں یہ چیزیں بھی مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں داخل ہیں لیکن پھر بھی الگ سے ان کا ذکر فرمایا کیونکہ یہ چیزیں ہر وقت مخاطبین کے سامنے ہیں اور خود مخاطبین بھی اس میں شامل ہیں جو کچھ نظر کے سامنے ہو اُس کو دیکھ کر زیادہ بصیرت اور عبرت حاصل ہوتی ہے۔ پھر فرمایا۔

وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ کہ اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ سب اپنے اقوال اور اعمال کی طرف غور کریں کہ رضا کے خلاف تو نہیں چل رہے ہیں۔

آپ یہ اعلان کر دیں کہ میں غیر اللہ کو ولی نہیں بنا سکتا: پھر فرمایا قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِیًّا (الآیۃ) جو لوگ مشرک تھے وہ اپنے شرک کو چھوڑنے کو تیار نہ تھے اور وہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ دعوت توحید چھوڑ دیں اور ہمارے دین میں شامل ہو جائیں، اور یہ بات نئی نہیں تھی آنحضرت ﷺ سے پہلے جو انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے تھے ان کی امتوں نے بھی یہی بات کہی تھی۔ (کمافی سورۃ ابراھیم وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا) اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت رسول اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ان سے فرما دیں کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا ولی بنا لوں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ آسمانوں کا اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اسکو کھلایا نہیں جاتا اس میں مشرکین کی بے وقوفی پر تنبیہ ہے کہ وہ اللہ کے علاوہ جن کی پرستش کرتے ہیں انہوں نے تو کچھ بھی پیدا نہیں کیا اور نہ اللہ کے سوا کوئی پیدا کرنے والا ہے۔ یہ تو خود مخلوق ہیں یہ کیسی ناسمجھی کی بات ہے کہ خالق تعالیٰ شانہٗ کو چھوڑ کر مخلوق کی عبادت کی جائے، تم خود بے وقوفی میں مبتلا ہو مجھے بھی اس کی دعوت دیتے ہو اللہ تعالیٰ شانہٗ خالق بھی ہے رازق بھی ہے۔

تم بھی اس کا دیا ہوا کھاتے ہو اور اس کے علاوہ جن کی پرستش کرتے ہو ان کی حاجتیں بھی وہی پوری فرماتا ہے اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو کیونکر معبود بنایا جا سکتا ہے، وہ کھلاتا ہے اسکو کھلایا نہیں جاتا اسے کھانے کی حاجت نہیں جو لوگ کھاتے ہیں وہ حاجت مند ہیں جو خود حاجت مند ہو اس میں معبود ہونے کی صلاحیت کہاں ہے؟

پھر فرمایا اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ (آپ فرما دیجئے! کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اپنے رب کا سب

سے پہلا فرمانبردار اور دل وجان سے اس کے احکام کو ماننے والا اور تعمیل کرنے والا بن جاؤں میرے رب نے مجھ سے یہ بھی فرمایا وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (آپ ہرگز مشرکین میں سے نہ ہو جائیں) لہٰذا میں توحید ہی پر رہوں گا اور شرک اختیار نہیں کر سکتا تم بھی شرک چھوڑو اور توحید پر آ جاؤ۔

اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ جو فرمایا یہ اس اعتبار سے ہے کہ آخر الامم کے اوّلین مسلم اور فرمانبردار آپ ہی ہیں نیز شریعت پر عمل کرنے میں بھی آپ اوّل ہیں

قال صاحب الروح لان النبی علیہ السلام مامور بما شرعہ الاماکان من خصائصہ علیہ الصلوٰۃ والسلام وھو امام امتہٖ ومقتداھم وینبغی لکل آمران یکون ھو العامل اوّلا بما اُمر بہ لیکون ادعی الا متثال (صاحب روح المعانیؒ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ اپنی شریعت کے مامور ہیں مگر وہ امور جو کہ حضور ﷺ کی خصوصیت ہیں۔ حضور ﷺ اپنی امت کے امام اور مقتداء ہیں اور ہر حکم دینے والے کے شایان شان ہے کہ جن امور کا حکم کیا جائے سب سے پہلے وہ ان کو عملی جامہ پہنائے تاکہ وہ ان پر عمل کی دعوت دے) (ج ۷ ص ۱۱۰)

اس کے بعد فرمایا قُلْ اِنِّیْ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ (آپ فرما دیجئے! کہ میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے) بڑے دن سے قیامت کا دن مراد ہے اس دن کا عذاب بہت بڑا ہے مَنْ یُّصْرَفْ عَنْهُ یَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ جس سے اس دن عذاب ٹل گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم فرما دیا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ اور اس دن عذاب کا ٹل جانا واضح اور کھلی کامیابی ہے۔

ضرر اور خیر صرف اللہ تعالیٰ ہی پہنچا سکتا ہے: اس کے بعد فرمایا وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ (الآیۃ) کہ اے مخاطب! اگر اللہ تجھے کوئی ضرر دُکھ یا تکلیف پہنچا دے تو اُسے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی دُور کرنے والا نہیں۔ اور اگر وہ کوئی خیر (صحت وغناء وغیرہ) پہنچا دے تو اُسے کوئی روکنے والا نہیں (فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ) اور ہر چیز پر قادر ہے۔ اُسے چھوڑ کر جو غیروں کی عبادت کرتے ہو۔ انہیں تو خیر وشر پہنچانے کی کچھ بھی قدرت نہیں ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکوع سے سر اُٹھا کر جو اللہ کی حمد وثنا بیان کرتے تھے اس میں یہ بھی تھا۔

اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَالْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ (مشکوٰۃ المصابیح ج ا ص ۸۲)

(اے اللہ! جو کچھ آپ عطا فرمائیں اس کا کوئی روکنے والا نہیں اور جو کچھ آپ روک لیں اس کا کوئی دینے والا نہیں اور کسی مالدار کو اسکی مالداری آپ کے مقابلہ میں نفع نہیں دے سکتی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا آپ نے فرمایا اے لڑکے! تو اللہ کا دھیان رکھ اللہ تیری حفاظت فرمائے گا۔ تو اللہ کا دھیان رکھ تو اُسے اپنے آگے پائے گا۔ اور جب تو سوال کرے تو اللہ ہی سے سوال کر! اور جب تو مدد مانگے تو اللہ ہی سے مدد مانگ اور اس کا یقین رکھ کہ اگر ساری امت اس مقصد سے جمع ہو جائے کہ تجھے کچھ نفع پہنچا دے تو اس کے سوا کچھ نفع نہیں پہنچا سکتے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے اور اگر ساری

اُمت اس مقصد کے لئے جمع ہو جائے کہ تجھے کچھ ضرر پہنچا دے تو اس کے سوا کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے۔ (رواہ الترمذی قبیل ابواب صفۃ الجنۃ۔۱۲)

نفع اور ضرر مقدر ہے اور سب اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے وہ جسے محروم کر دے اُسے کوئی کچھ نہیں دے سکتا اور وہ جسے دکھ تکلیف اور نقصان پہنچائے اسے اس کے علاوہ کوئی نہیں ہٹا سکتا۔

پھر فرمایا وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ (اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور حکمت والا ہے باخبر ہے' وہ جسے جس حال میں رکھے اُسے اختیار ہے وہ حکیم ہے سب کچھ اسکی حکمت کے موافق ہے اور وہ خبیر بھی ہے سب کے احوال و اعمال کا اُسے علم ہے جس کے ساتھ جو بھی معاملہ ہے حکمت کے موافق ہے اور علم کے مطابق ہے۔)

قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ۚ قُلِ اللّٰهُ ۚ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۚ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ
آپ فرما دیجئے کہ گواہی کے لئے سب سے بڑھ کر کونسی چیز ہے؟ آپ فرما دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے اور میری طرف یہ قرآن وحی کے ذریعہ بھیجا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعہ
بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۚ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ۚ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ
تمہیں اور جس جس کو یہ قرآن پہنچے اسے ڈراؤں کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ دوسرے معبود ہیں؟ آپ فرما دیجئے کہ میں تو ایسی گواہی نہیں دیتا آپ فرما دیجئے کہ صرف وہی ایک معبود ہے
وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ
اور بلاشبہ میں اُن سے بیزار ہوں جن کو تم شریک بناتے ہو جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ رسول کو پہچانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ جن لوگوں نے
خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾
اپنی جانوں کو ضائع کر دیا سو وہ ایمان نہیں لائیں گے

اللہ کی گواہی سب سے بڑی گواہی ہے

تفسیر: تفسیر لباب النقول میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ نحام بن زید' قروم بن کعب اور بحری بن عمرو (مشرکین) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے اے محمد! کیا تم اللہ کے سوا کسی دوسرے کو معبود جانتے ہو؟ آپ نے فرمایا لَا اِلٰـــهَ اِلَّا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) میں اسی کو لے کر بھیجا گیا ہوں اور اسی کی طرف دعوت دیتا ہوں' اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً نازل فرمائی۔ کہ آپ فرما دیجئے کونسی چیز شہادت کے اعتبار سے بڑی ہے۔ پھر خود ہی جواب دیجئے کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے اس سے بڑھ کر کسی کی گواہی نہیں اس نے مجھے اپنا پیغامبر بنا کر بھیجا ہے۔ اور لا الہ الا اللہ کی دعوت دینے کا حکم فرمایا ہے۔ میں اسکی دعوت پر قائم ہوں اور اسی کا پابند ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے جو معجزات اور آیات عطا فرمائے تھے ان سے آپ کے رسول برحق ہونے کی

تصدیق ہوتی ہے۔اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعثت اور رسول ہونے کی گواہی ہے مزید فرمایا وَ اُوۡحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الۡقُرۡاٰنُ لِاُنۡذِرَکُمۡ بِہٖ وَمَنۡۢ بَلَغَ (اور میری طرف یہ قرآن وحی کے ذریعہ اُتارا گیا۔تا کہ میں تمہیں اس کے ذریعہ ڈراؤں کہ اللہ کی توحید کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کرو گے تو عذاب میں مبتلا ہو گے تمہارے علاوہ اور جس جس کے پاس یہ قرآن پہنچے ان سب کو میں توحید کی دعوت دیتا ہوں) اس میں اس بات کا بھی اعلان ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ صرف اپنے زمانہ کے مخالفین ہی کی طرف مبعوث ہی نہیں تھے۔ بلکہ تا قیامت جس جس شخص کو آپ کی بعثت کا علم ہوتا رہے۔اور قرآن پہنچتا رہے وہ سب آپ کی دعوت کے مخاطب ہیں اور سب پر آپ کی رسالت کا اقرار کرنا فرض ہے۔

سورۂ سبا میں فرمایا وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا وَّلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ (اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے خوش خبری سُنانے والا اور ڈرانے والا۔لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے) (صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۶) میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

والذی نفس محمد بیدہ لا یسمع بی احد من ھذہ الامۃ یھودی ولا نصرانی ثم یموت ولم یومن بالذی ارسلت بہ الا کان من اصحاب النّار (قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اس امت میں سے جس کسی کو میرے نبی ہونے کی خبر پہنچے گی اور وہ اس دین پر ایمان لائے بغیر مر جائے گا جو دین لیکر میں بھیجا گیا ہوں تو وہ ضرور دوزخ والوں میں سے ہوگا۔وہ یہودی ہو یا نصرانی)

پھر فرمایا اَئِنَّکُمۡ لَتَشۡہَدُوۡنَ اَنَّ مَعَ اللّٰہِ اٰلِہَۃً اُخۡرٰی (کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور بھی معبود ہیں؟) پھر فرمایا قُلۡ لَّاۤ اَشۡہَدُ (آپ فرما دیجئے! میں اس بات کی گواہی نہیں دیتا) قُلۡ اِنَّمَا ہُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیۡ بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِکُوۡنَ (آپ فرما دیجئے کہ معبود تو صرف ایک ہی ہے اور بلاشبہ میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں)

یہود و نصاریٰ کی ہٹ دھرمی: اس کے بعد یہود و نصاریٰ کی ضد اور ہٹ دھرمی بیان فرمائی اور فرمایا اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ یَعۡرِفُوۡنَہٗ کَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَہُمۡ (کہ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اُن کو پہچانتے ہیں کہ وہ واقعی اللہ کے نبی ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں) کیونکہ توریت اور انجیل میں آپ کی آمد کی خبر اور بشارت پڑھ چکے ہیں اور جو صفات و علامات آپ کے بارے میں بتائے گئے تھے انہیں دیکھ چکے ہیں۔پہچاننے کے باوجود منکر ہو رہے ہیں اَلَّذِیۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ فَہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ۝ (جن لوگوں نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے حق کا انکار کیا اور آپ کی نبوت کو نہ مانا یہ لوگ اپنی جانوں ہی کو تباہ کر بیٹھے یہ ایمان نہ لائیں گے)

وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوۡ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ ؕ اِنَّہٗ لَا یُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَیَوۡمَ نَحۡشُرُہُمۡ

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر بہتان باندھے اسکی آیتوں کو جھٹلائے بے شک بات یہ ہے کہ ظلم کرنے والے کامیاب نہیں ہوتے اور جس دن ہم اُن سب کو

جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ

جمع کریں گے پھر ان لوگوں سے ہم کہیں گے جنہوں نے شرک کیا۔ کہاں ہیں تمہارے شریک جن کے بارے میں تم دعویٰ کیا کرتے تھے؟ پھر نہ ہوگا ان کا فریب

اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

اس کے سوا کہ وہ کہیں گے قسم ہے اللہ کی جو ہمارا رب ہے ہم شرک کرنے والے نہ تھے۔ دیکھو کیسا جھوٹ بولا اپنی جانوں پر اور وہ سب کچھ غائب ہوا جو وہ جھوٹ بنایا

يَفْتَرُوْنَ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ

کرتے تھے اور ان میں بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور ہم نے اُن کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ اسکو سمجھیں اور اُن کے کانوں میں

وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ

بھاری پن کر دیا ہے۔ اور اگر یہ لوگ ہر طرح کی نشانیاں دیکھ لیں تب بھی اُن پر ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے جھگڑا کرتے ہیں جنہوں نے کفر کیا

هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ

وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ پچھلے لوگوں کی لکھی ہوئی باتوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ اور وہ لوگ اس سے منع کرتے ہیں اور اس سے دور ہوتے ہیں اور وہ نہیں ہلاک کرتے مگر اپنی ہی جانوں

وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝

کو اور سمجھتے نہیں ہیں۔

قیامت کے دن مشرکین سے سوال فرمانا اور اُن کا مشرک ہونے سے انکار کرنا

تفسیر: مشرکین کا یہ طریقہ تھا کہ شرک بھی کرتے تھے اور جب کہا جاتا تھا کہ اللہ پاک کے باغی مت بنو۔ توحید کو چھوڑ کر شرک اختیار نہ کرو تو کہہ دیتے تھے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے اور جو آیات بیّنات نبیوں کے واسطہ سے ان تک پہنچی تھیں انہیں جھٹلا دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اُسکی آیات کو جھٹلائے۔ یہ ظالم سمجھتے ہیں کہ ہم منہ زوری کر کے جو گمراہی پر جمے ہوئے ہیں اور نبی کی بات کو قبول نہیں کرتے یہ کامیابی کی بات ہے۔ ان کا یہ سمجھنا جہالت اور سفاہت پر مبنی ہے۔

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (بلاشبہ بات یہ ہے کہ ظالم کامیاب نہ ہوں گے) یہ منہ زوری اور ہٹ دھرمی کام نہ آئے گی۔ آخرت میں دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ ظالموں کی ناکامی اور بربادی کا تذکرہ فرما کر آخرت کا ایک منظر بیان فرمایا۔

اور ارشاد فرمایا وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ (اور

جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر ہم مشرکین سے کہیں گے کہ تمہارے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کے بارے میں تم دعویٰ کرتے تھے کہ وہ بھی معبود ہیں) یہ سن کر وہ کہیں گے وہ شرک سے منکر ہو جائیں گے اور وہاں بھی فریب کاری سے کام لیں گے۔ ان کا فریب یہی ہوگا کہ وہ کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ (کہ اللہ کی قسم ہم تو شرک کرنے والے نہ تھے) وہاں کا عذاب دیکھیں گے تو جھوٹ بول کر عذاب سے بچنے کی کوشش کریں گے جیسا کہ دنیا میں بعض مرتبہ اپنے افعال و اعمال کا انکار کر کے دنیاوی حاکموں کے سامنے چھٹکارا پا لیتے تھے۔ آخرت کے دن اللہ تعالیٰ قاضی ہوگا وہ علیم و خبیر سمیع بصیر ہے اس کے سامنے جھوٹ نہ چل سکے گا لیکن یہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی سے اپنے قصور کا انکار ہی کر دیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (دیکھو اپنی جانوں پر کیسا جھوٹ بولا اور وہ سب کچھ غائب ہوا جو وہ جھوٹ بنایا کرتے تھے) قیامت کے دن مشرکین کے اقوال مختلف اوقات میں مختلف ہوں گے۔ اوّلاً تو صاف صریح جھوٹ بول دیں گے کہ ہم مشرک نہ تھے کہ شاید اسی جھوٹ سے کام چل جائے اور عذاب میں داخل ہونے سے چھٹکارا ہو جائے، پھر جب اُن کے خلاف گواہیاں ہوں گی اور خود ان کے اعضاء بھی ان کے خلاف گواہی دیں گے تو اپنے جرم کا اقرار کر لیں گے۔ (فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ)

مشرکین کا قرآن سے منتفع نہ ہونا اور یوں کہنا کہ یہ پرانے لوگوں کی باتیں ہیں

اس کے بعد فرمایا وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ (اور اُن میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں) وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ (اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے کر دیئے کہ وہ اس کو سمجھیں یعنی یہ پردے انہیں قرآن سمجھنے نہ دیں گے) وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا (اور اُن کے کانوں میں بھاری پن کر دیا) (جس کی وجہ سے ٹھیک طرح سے سُن بھی نہیں سکتے) اور اس محرومی کی وجہ یہ ہے کہ وہ جو کان لگاتے ہیں تو سُننے اور سمجھنے کے لئے نہیں لگاتے بلکہ بطور تمسخر اور استہزاء کے کان لگاتے ہیں۔

وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا (اور اگر ساری نشانیاں دیکھ لیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے) کیونکہ ضد پر اُترے ہوئے ہیں اور ہٹ دھرمی پر کمر باندھ رکھی ہے۔ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (یہاں تک کہ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے جھگڑتے ہیں قرآن مجید جو کتاب مبین ہے دلائل سے بھری ہوئی ہے فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ مرتبہ کو پہنچی ہوئی ہے اس کے بارے میں کافر لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو پُرانے لوگوں کی لکھی ہوئی باتیں ہیں) دلائل کے سامنے عاجز ہیں لیکن ماننے کا ارادہ نہیں ہے بات نہیں بن پڑتی تو پہلے لوگوں کی لکھی ہوئی باتیں بتا دیتے ہیں۔

پھر فرمایا وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ (وہ لوگ آپ کے پاس آنے سے روکتے ہیں اور خود بھی دور ہوتے ہیں) دوہرے جرم کے مرتکب ہیں بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ ایذاء پہنچانے والوں کو روکتے ہیں اور آپ تک پہنچنے نہیں دیتے اور خود آپ کی دعوت توحید سے دُور رہتے ہیں۔ اگر یہ معنی مراد ہوں تو اس سے آپ کے چچا ابو طالب اور دوسرے اقرباء مُراد ہیں ان کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ لوگ آپ کو تکلیف پہنچائیں لیکن آپ کے دین کو بھی قبول نہ کرتے تھے۔

قال صاحب معالم التنزیل ج۲ ص۹۱ نزلت فی ابی طالب کان ینھی الناس عن اذی النبی ﷺ ویمنعھم وینئی عن الایمان به وفی تفسیر ابن کثیر ج۲ ص۱۲۷ قال سعید بن ابی هلال نزلت فی عمومة النبی ﷺ کانوا عشرة و کانوا اشد الناس فی العلانیة واشد الناس علیه فی السر. (تفسیر معالم التنزیل کے مصنف فرماتے ہیں یہ آیت ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ وہ دوسروں کو حضور ﷺ کی ایذاء رسانی سے منع کرتا تھا اور خود آپ ﷺ پر ایمان لانے سے گریزاں تھا اور تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حضرت سعید بن ابی ہلال فرماتے ہیں یہ آیت حضور ﷺ کے چچاؤں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو کہ دس تھے وہ اعلانیہ طور پر تو لوگوں پر شدید تھے مگر اندرونِ حال حضور ﷺ پر شدید تھے)

آخر میں فرمایا۔ وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ (یہ لوگ اپنی گمراہی اور افتراء اور کذب بیانی کی وجہ سے اپنی ہی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں اور وہ سمجھتے نہیں کہ اس طریق کار کا کیا انجام ہوگا)

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا يَا لَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِآيَاتِ رَبِّنَا وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۷﴾

اور آپ اگر اس وقت دیکھیں جب وہ کھڑے کئے جائیں گے دوزخ پر تو کہیں گے ہائے ہماری بربادی کاش ہم واپس کر دیئے جاتے اور اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلاتے اور ہم ایمان والوں میں سے ہو جاتے!

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَا كَانُوا يُخْفُونَ مِنْ قَبْلُ وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۲۸﴾

بلکہ بات یہ ہے کہ وہ جس چیز کو اس سے پہلے چھپایا کرتے تھے وہ ظاہر ہو گئی اور اگر وہ واپس کر دیئے جائیں تب بھی وہ کام کریں گے جس سے وہ منع کئے گئے اور بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں۔

وَقَالُوا إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ

اور انہوں نے کہا کہ بس یہی ہے ہماری دنیا والی زندگی اور ہم نہیں ہیں اٹھائے جانے والے اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کھڑے کئے جائیں گے اپنے رب کے حضور،

قَالَ أَلَيْسَ هَٰذَا بِالْحَقِّ ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا ۚ قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۳۰﴾

رب تعالیٰ شانہٗ کا سوال ہوگا کیا یہ حق نہیں ہے؟ جواب میں کہیں گے کہ ہاں! ہمارے رب کی قسم یہ حق ہے اب رب تعالیٰ شانہٗ فرمائیں گے کہ چکھلو عذاب اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے

کافروں کا دنیا میں دوبارہ آنے کی آرزو کرنا

تفسیر: ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے کافروں کا حال بیان فرمایا ہے اور روز محشر کا ایک منظر بتایا ہے فرمایا کہ اگر آپ ان لوگوں کا وہ حال دیکھیں جب وہ دوزخ پر کھڑے کئے جائیں گے تا کہ اس میں داخل کئے جائیں اور اپنی آنکھوں سے وہاں کا عذاب دیکھ لیں گے تو کہیں گے کہ کاش! ہم دنیا میں واپس کر دیئے جاتے اور اب وہاں جا کر اپنے رب کی

آیتوں کو نہ جھٹلاتے۔ آپ یہ دیکھیں گے تو عجیب منظر ہوگا۔

اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے کہ یہ بات نہیں ہے کہ ایمان کی رغبت اور محبت کی وجہ سے دنیا میں واپس جانے کی آرزو کر رہے ہیں بلکہ بات یہ ہے کہ جو کچھ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے تھے۔ یعنی کفر اس کا نتیجہ سامنے آ گیا۔ دنیا میں جانیکی آرزو اس لیئے کر رہے ہیں کہ عذاب نار سے خلاصی ہو جائے۔

اگر دنیا میں بھیج دیئے جائیں تو پھر بغاوت کریں گے: مزید ارشاد ہوگا وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ اور اگر ان کو دنیا میں دوبارہ بھیج دیا جائے تو پھر وہی کریں گے جس سے منع کیا گیا ہے۔ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (بلاشبہ وہ اپنی اسی بات میں جھوٹے ہیں کہ ہم آیات کی تکذیب نہ کریں گے۔ اور مومن بن جائیں گے)

وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ (اور وہ یوں کہتے ہیں کہ اجی اور کوئی زندگی نہیں ہے بس یہی دنیا والی زندگی ہے) انہوں نے رسولوں کی بات کو نہ اب مانا نہ جب مانیں گے۔ پھر فرمایا وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا (اگر آپ اُس منظر کو دیکھیں جبکہ وہ قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے اور اُس وقت اللہ جل شانہٗ وعَمَّ نَوَالُهٗ کا سوال ہوگا کہ کیا یہ حق نہیں ہے؟ اس پر وہ جواب میں کہیں گے ہاں! ہمارے رب کی قسم یہ حق ہے) لیکن اس وقت کی تصدیق کچھ کام نہ دے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ کہ اپنے کفر کی وجہ سے عذاب چکھ لو۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰي مَا فَرَّطْنَا

اس میں شک نہیں کہ وہ لوگ خسارہ میں پڑ گئے جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا یہاں تک کہ جب اُن کے پاس اچانک قیامت آجائیگی تو کہیں گے کہ ہائے ہماری حسرت اس پر جو ہم نے دنیا میں کوتاہی کی

فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰي ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ

اور وہ اپنے بوجھوں کو اپنی کمروں پر اٹھائے ہوئے ہوں گے خبردار! برا ہے وہ بوجھ جسے وہ اٹھا رہے ہوں گے اور نہیں ہے دنیا والی زندگی مگر ایک لعب

وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

اور لہو اور البتہ آخرت والا گھر اُن لوگوں کے لئے بہتر ہے جو پرہیز گاری اختیار کرتے ہیں کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟

تفسیر: ان آیات میں اوّل تو اللہ جل شانہٗ نے یہ فرمایا کہ جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا یعنی قیامت کے دن کا انکار کیا اور اس دن کے آنے کو نہ مانا وہ خسارہ میں پڑ گئے۔ اور انہوں نے اپنا نقصان کیا' اور نقصان بھی کیا؟ دنیا میں تو کچھ مال ہی کا نقصان ہو جاتا ہے آخرت کے اعتبار سے انہوں نے اپنی جانوں ہی کا نقصان کر دیا اور اپنی جانوں کو عذاب میں ڈالنے کا ذریعہ بن کر بالکل ہی جانوں کو کھو بیٹھے روز قیامت کا انکار کر دیا۔ اور انکار کرتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ یہاں تک

کہ جب اچانک قیامت آ جائیگی تو کہیں گے کہ کتنی بڑی حسرت کی چیز ہے جو ہم نے دنیا میں تقصیر کی، دنیا میں لگے رہے اسی کو سب کچھ سمجھا اور آخرت کی حاضری کو نہ مانا۔ اس وقت یہ لوگ اپنے گناہوں کے بوجھ اپنے اوپر لادے ہوئے ہوں گے۔ اور کفر اور دیگر اعمال کی سزا اور پاداش سے بچنے کا کوئی راستہ نہ ہوگا۔ موت کے وقت توبہ کے سب دروازے بند ہو گئے اور گناہوں کا بوجھ اتار کر پھینکنے کا کوئی راستہ نہ رہا۔ اب تو ان گناہوں کی سزا بھگتنی ہی ہوگی۔

خبردار! خوب سمجھ لیں کہ جو بوجھ اُٹھائے ہوئے ہیں وہ بہت بُرا بوجھ ہے جو ان کے دائمی عذاب کا ذریعہ بن رہا ہے۔

پھر فرمایا کہ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ (دنیا والی زندگی بس لعب ولہو ہے) یعنی باطل ہے اور غرور ہے نہ اس کو دوام ہے نہ اُس کے منافع اور لذتوں کو بقا ہے اُس کے ذریعہ حقیقی حاجت پوری نہیں ہوتی۔ حقیقی حاجت آخرت کی حاجت ہے، دنیا میں جس طرح بچے آپس میں مل کر کھیلتے ہیں کھانے کی دکان بھی کھولتے ہیں اور جھوٹ موٹ کو کھاتے بھی ہیں پھر تھوڑی دیر میں ماں باپ سے کھانا مانگنے لگتے ہیں اگر اُن سے کہا جائے کہ تمہارا تو ہوٹل کھلا ہوا تھا اس میں سے کیوں نہیں کھاتے اُس کا کیا ہوا؟ تو اس کا جواب یہی ہے کہ وہ تو ایک کھیل تھا حقیقت نہیں تھی۔ پیٹ تو حقیقی کھانے سے بھرتا ہے پیاس حقیقی پینے سے بجھتی ہے دنیا چونکہ لہو ولعب ہے اسلئے اس سے آخرت کی حاجتیں پوری نہ ہوں گی۔ وہاں تو مجرم شخص یہ کہے گا۔ مَآ اَغْنٰى عَنِّىْ مَالِيَهْ ۝ هَلَكَ عَنِّىْ سُلْطٰنِيَهْ (مجھے فائدہ نہ دیا میرے مال نے برباد ہو گیا میرا اقتدار) ہاں اسی دنیا میں جو حصہ اللہ کی رضا میں لگا دیا وہ حدود دنیاداری سے نکل گیا وہ آخرت میں کام دیگا۔ بشرطیکہ ایمان پر موت آئی ہو۔

پھر فرمایا وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ (اور البتہ دارِ آخرت بہتر ہے اُن لوگوں کے لئے جو شرک اور کفر سے بچتے ہیں) لہٰذا دارِ آخرت ہی کے لئے کوشش کرنا لازم ہے یہاں فنا ہے وہاں بقا ہے یہاں ذرا سا مزہ ہے وہاں اہل تقویٰ کے لئے مستقل دائمی لذّت اور آرام ہے اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (کیا تم نہیں سمجھتے) کفر و شرک کو چھوڑ کر ایمان اور اعمال صالح کیوں اختیار نہیں کرتے؟ سمجھ سے کام لیں تو کفر و شرک کی قباحت واضح ہو جائے اور ایمان اور اعمال صالح کا اُخروی نفع سمجھ میں آ جائے۔

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝۳۳
ہم جانتے ہیں کہ بے شک آپ کو ان کی باتیں رنجیدہ کرتی ہیں۔ سو یہ یقینی بات ہے وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے اور لیکن ظلم کرنیوالے اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔
وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا
اور بلاشبہ آپ سے پہلے رسولوں کو جھٹلایا گیا سو انہوں نے جھٹلائے جانے پر اور ایذائیں پہنچنے پر صبر کیا یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آ گئی اور
مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ۝۳۴ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ
اللہ کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ اور البتہ پیغمبروں کی بعض خبریں آپ کے پاس پہنچ چکی ہیں۔ اور اگر آپ کو ان کا اعراض کرنا گراں گذر رہا ہے

فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ

تو اگر آپ سے ہو سکے تو آپ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی زینہ تلاش کر لیں پھر آپ ان کے پاس معجزہ لے آئیں تو آپ ایسا کر لیجئے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو

لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ ۚ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٣٥﴾ إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ ۘ وَالْمَوْتَىٰ

ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا لہٰذا آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیے بات کو وہی قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں اور مردوں کو

يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿٣٦﴾ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ

اللہ زندہ فرمائے گا پھر اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے، اور انہوں نے کہا کہ اس کے رب کی طرف سے اس پر کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی آپ فرما دیجئے! کہ بلاشبہ اللہ اس پر قادر ہے

عَلَىٰ أَنْ يُنَزِّلَ آيَةً وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٧﴾

کہ نشانی نازل فرمائے لیکن ان میں سے بہت سے لوگ نہیں جانتے

مشرکین مکہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں

تفسیر: معالم التنزیل ج ۲ ص ۹۳ میں لکھا ہے کہ اخنس بن شریق کی ابو جہل سے ملاقات ہوگئی۔ اخنس نے ابو جہل سے کہا کہ اس وقت یہاں تیرے اور میرے سوا کوئی نہیں تو مجھے سچی بات بتا دے کہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) اپنے دعوے میں سچے ہیں یا جھوٹے؟ ابو جہل نے کہا اللہ کی قسم! اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد (ﷺ) سچے ہیں انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا لیکن ہماری جھٹلانے کی وجہ یہ ہے کہ جب بنو قصی (جو قریش کا ایک قبیلہ تھا جس میں سے رسول اللہ ﷺ تھے) کے پاس علمبرداری بھی چلی جائے اور سقایہ (یعنی حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت) بھی چلی جائے اور کعبہ شریف کی کلید برادری بھی چلی جائے اور مجلس شوریٰ کے سردار بھی انہی کو پہنچ جائے اور نبی بھی انہیں میں سے ہو جائے تو باقی قریش کے لئے کیا بچے گا؟

اور بعض روایات میں ہے کہ ابو جہل نے نبی اکرم ﷺ سے کہا کہ ہم آپ پر تہمت نہیں دھرتے اور نہ آپ کو جھٹلاتے ہیں ہم تو اس چیز کو جھٹلاتے ہیں جس کی دعوت لے کر آپ تشریف لائے اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ ان کو آپ کی نبوت و رسالت میں اور آپ کے دعوے کے سچے ہونے میں کوئی شک نہیں یہ آپ کو سچا سمجھتے ہیں لیکن انکو اللہ کی آیات سے ضد ہے۔ اللہ کی آیت ان کے اعتقادات اور ان کے شرک کے خلاف کھول کھول کر بیان کر رہی ہیں اسلئے ان کے مخالف ہیں اور ان کو جھٹلاتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کو تسلی: اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ

فَصَبَرُوْا عَلٰی مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا (اور آپ سے پہلے رسولوں کو جھٹلایا جاچکا ہے انہوں نے مخالفین کی تکذیب وایذاء رسانی پر صبر کیا یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آ گئی) اس میں دو باتیں ہیں۔ اوّل تو یہ کہ ان لوگوں کا جھٹلانا اور دُکھ اور تکلیف دینا کوئی نئی بات نہیں ہے آپ سے پہلے جو انبیاء کرام علیہم السلام آئے اُن کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ ان حضرات نے صبر کیا آپ بھی صبر کریں دوسری بات یہ ہے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام کے پاس ہماری مدد آ گئی۔ ان شاء اللہ آپ کے پاس بھی ہماری مدد آ جائے گی۔

وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ (اور اللہ کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں) اسکی تفسیر اور ربط بیان کرتے ہوئے صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا کہ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا (بے شک ہم ضرور ضرور اپنے رسول کی مدد کریں گے) اور فرمایا کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ (اللہ نے لکھ دیا کہ میں ضرور بالضرور غالب ہوں گا اور میرے رسول) اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ سارے رسولوں کے بارے میں ہے جیسے انبیاء سابقین کی مدد ہوئی آپ کی بھی مدد ہو گی۔ اللہ کے کلمات کو یعنی اس کے فیصلوں کو کوئی بدلنے والا نہیں۔

پھر فرمایا وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ اور البتہ آپ کے پاس پیغمبروں کی بعض خبریں آ چکی ہیں یعنی انبیاء سابقین علیہم السلام کے واقعات آپ کو معلوم ہیں اُن کی اُمتوں نے اُن کے ساتھ دشمنی اور ایذاء رسانی کا معاملہ کیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور ظالمین اور معاندین ہلاک اور برباد ہوئے آپ بھی صبر کریں اور مدد کا انتظار کریں۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ (الآیۃ) رسول اللہ ﷺ کو اسکی بہت زیادہ حرص تھی کہ میری قوم اسلام قبول کر لے وہ لوگ ایمان قبول نہیں کرتے اور بطور عناد طرح طرح کے معجزات کی فرمائش کرتے تھے کہ یہ معجزہ دکھاؤ اور یہ کام کر کے بتاؤ آپ کی خواہش ہوتی تھی کہ ان کی فرمائش کے مطابق معجزات ظاہر ہو جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی فرمائش پوری نہ کی جاتی تھی۔ خود قرآن کریم ان کے پاس بہت بڑا معجزہ موجود تھا اور دوسرے بھی معجزات سامنے آتے رہتے تھے لیکن وہ کہتے رہے کہ ایسا ہو جائے تو ہم مان لیں گے جب فرمائشی معجزات کا ظہور نہ ہوتا تھا تو آنحضرت ﷺ کبیدہ خاطر ہوتے تھے یعنی طبعی طور پر آپ کو ملال ہوتا تھا' اللہ جل شانہٗ نے آپ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر آپ کو ان کا اعراض کرنا گراں گذر رہا ہے تو اگر آپ سے ہو سکے تو آپ زمین میں کوئی سرنگ یا کوئی زینہ آسمان میں جانے کو تلاش کر لیں پھر آپ ان کے پاس معجزہ لے آئیں تو آپ ایسا کر لیجئے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر آپ زمین میں نیچے اُتر کر یا آسمان کے اوپر جا کر ان کا فرمائشی معجزہ لا سکتے ہیں تو آپ ایسا کر لیجئے۔ ان کی فرمائش کے مطابق معجزہ پیدا کرنا لازم نہیں ہے آپ کو اگر اصرار ہے تو آپ خود ہی فرمائشی معجزہ دکھا دیجئے لیکن اللہ کی مشیت کے بغیر تو کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ اسلئے آپ صبر ہی سے کام لیں اور تکوینی طور پر سب کو مسلمان ہونا بھی نہیں

اس لیے اس فکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ سب مسلمان ہو جائیں۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى (اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع فرما دیتا) فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ (تو آپ نادانوں میں سے نہ ہو جایئے) جو کچھ ہے اللہ کی حکمت کے مطابق ہے۔ آپ اللہ کی حکمت اور قضاو قدر پر راضی رہیں۔

پھر فرمایا اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ (حق کو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو قبول کرنے کے ارادہ سے سنتے ہیں) وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ (اور مُردہ لوگ یعنی کافر جن کے دل مُردہ ہو چکے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے دن اُٹھائے گا) ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ (پھر اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے) اور اپنے عقیدہ اور عمل کی سزا پالیں گے۔

پھر فرمایا: وَقَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ (اور اُن لوگوں نے کہا کہ کیوں نہیں اتاری گئی نشانی ان کے رب کی طرف سے) نشانیاں تو بہت تھیں لیکن جو اپنی تجویز کردہ نشانی چاہتے تھے اس کے بارے میں انہوں نے یہ بات کہی' اس کے جواب میں فرمایا۔ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً (آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ نشانی نازل فرمائے) وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (لیکن اُن میں سے بہت سے لوگ نہیں جانتے) اللہ تعالیٰ ان کا پابند نہیں کہ ان کے کہنے کے مطابق معجزات پیدا فرمائے' فرمائش کے مطابق معجزہ پیدا نہ فرمانا اس بات کی دلیل نہیں کہ اُسے اس بات پر قدرت نہیں ہے۔ اسے قدرت سب کچھ ہے لیکن اس کی تخلیق اس کی حکمت کے مطابق ہوتی ہے اور یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ فرمائش کے مطابق اگر معجزہ ظاہر ہو جائے اور پھر بھی نہ مانیں تو پھر ڈھیل نہیں دی جاتی۔ ان کو صرف عناد ہے قبول کرنا ہی نہیں اور اپنا بھلا برا نہیں جانتے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ
اور جو بھی کوئی جانور زمین میں چلنے والا ہے اور جو بھی کوئی پرندہ ہے جو اپنے بازوؤں سے اڑتا ہے یہ سب تمہاری ہی طرح کی اُمتیں ہیں۔ ہم نے کتاب میں
مِنْ شَىْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِى الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ
کوئی چیز نہیں چھوڑی۔ پھر سب اپنے رب کی طرف جمع کیے جائیں گے۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا وہ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھیروں میں ہیں۔
يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ
اللہ جسے چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے سیدھے راستے پر ڈال دے۔ آپ فرمایئے کہ تم بتاؤ اگر تم پر اللہ کا عذاب آجائے
اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ
یا تمہارے پاس قیامت آجائے کیا اللہ کے سوا کسی کو پکارو گے اگر تم سچے ہو' بلکہ تم اسی کو پکارتے ہو پھر وہ اگر چاہے تو اس مصیبت کو دور کر دیتا ہے

مَا تَدۡعُوۡنَ اِلَيۡهِ اِنۡ شَآءَ وَتَنۡسَوۡنَ مَا تُشۡرِكُوۡنَ﴿۴۱﴾

جس کی طرف تم اُسے پکارتے ہو۔ اور تم جو شرک کرتے ہو اُسے بھول جاتے ہو

چوپائے اور پرندے تمہاری طرح امتیں ہیں اللہ سب کو محشور فرمائے گا

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہ بتایا کہ زمین پر جو بھی چلنے والے چلتے ہیں اور جو پرندے اپنے بازوؤں سے اُڑتے ہیں سب تمہاری طرح کی امتیں یعنی مختلف جماعتیں ہیں۔ ان کے احوال محفوظ ہیں۔ ان سے متعلقہ امور مقرر ہیں ان کی جو مصلحتیں ہیں ان کے مطابق زندگیاں گذار رہے ہیں سب کو اللہ کی تقدیر اور تدبیر شامل ہے۔

قال صاحب الروح امم امثالکم فی ان احوالھا محفوظة و امورھا معینة ومصالحھا مرعیة جاریة علی سنن السداد منتظمة فی سلک التقدیرات الالٰھیة والتدبیرات الربانیة. (ج ۷ ص ۱۴۳) (صاحب روح المعانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ تمہاری طرح کی امتیں اس طرح ہیں کہ ان کے حالات محفوظ ہیں اور ان کے معاملات معین ہیں اور ان کی مصلحتوں کی رعایت کی جارہی ہے جو صحیح طریقہ سے چل رہی ہیں اللہ تعالیٰ کی تقدیرات اور تدبیرات کے نظام میں پابند ہیں)

پھر فرمایا مَا فَرَّطۡنَا فِی الۡكِتٰبِ (ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی) لوح محفوظ میں ساری کائنات اور اس کے احوال لکھے ہوئے ہیں اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جو نہ لکھی گئی ہو جو جانور اور پرندے موجود ہیں اور آئندہ ہونگے تقدیر ان سب کو بھی شامل ہے۔ انسانات اور جنات جو مکلف ہیں تقدیر صرف انہی پر مشتمل نہیں۔ بلکہ دوسری مخلوق کو بھی شامل ہے۔

پھر فرمایا ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمۡ يُحۡشَرُوۡنَ (پھر اپنے رب کی طرف جمع کئے جائیں گے) یعنی موت کے بعد قیامت کے دن سب جمع ہوں گے اور پھر اپنے اعمال کا بدلہ پائیں گے' معاندین ایسے معجزات کی فرمائش کرتے تھے جن کو اپنے پاس سے تجویز کرتے تھے اور موت کے بعد زندہ ہونے کے بھی منکر تھے اور اُن کو یہ اشکال ہوتا تھا کہ اتنی مخلوق ہے اور اتنے انسان ہیں یہ سب مریں گے پھر جئیں گے ان کی یادداشت کیسے رہے گی۔

اس کا استبعاد رفع فرمادیا کہ نہ صرف سارے بنی آدم بلکہ جتنی بھی مخلوق ہے چرند پرند تمام چوپائے حیوانات سب تمہاری طرح سے اُمتیں اور جماعتیں ہیں اور سب لوح محفوظ میں مندرج ہیں' اور اس کی تعداد بنی آدم سے بہت زیادہ ہے۔ لوح محفوظ میں اندراج سے کوئی چیز چھوٹی ہوئی نہیں ہے۔ تمہارا اور اُن سب کا زندہ کرنا کوئی مشکل بات نہیں۔ خالق تعالیٰ شانہٗ کے علم سے کوئی چیز نکل نہیں سکتی ایک ایک فرد کا اُسے علم ہے وہ ساری مخلوق سے پوری طرح باخبر ہے۔ یاد رکھنے کے لئے اُسے لکھنے کی ضرورت نہیں پھر بھی سب کچھ کتاب میں لکھ دیا ہے۔

جو قوم میں مکلف ہیں انسان اور جنات ان کا تو حساب ہونا ہی ہے۔ جانوروں کو بھی آپس میں بدلے دلائے جائیں گے

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن تم ضرور بالضرور اہل حقوق کے حقوق ادا کرو گے۔ یہاں تک کہ بے سینگوں والی بکری کو سینگوں والی بکری سے بدلہ دلایا جائیگا۔ (اگر سینگ والی نے اُسے دنیا میں مارا ہوگا)
(رواہ مسلم ج ۲ ص ۳۲۰)

تکذیب کرنیوالے بہرے اور گونگے ہیں: پھر فرمایا وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ (اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا گونگے اور بہرے ہیں اندھیریوں میں ہیں) کفر کی تمام انواع کے اعتبار سے الظلمٰت (اندھیریاں) جمع کے صیغہ کے ساتھ فرمایا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جہل کی ظلمت اور عناد کی ظلمت اور تقلید باطل کی ظلمت مراد ہو۔ کما قال صاحب الروح مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ (جسے اللہ چاہے گمراہ کرے) وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (اور جسے چاہے صراط مستقیم پر ڈال دے) اس میں بھی رسول اللہ ﷺ کو تسلی ہے کہ آپ کے ذمہ جو کام ہے کرتے رہیں یعنی حق کی دعوت دیتے رہیں۔ ہدایت دینا اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے آپ کے ذمہ ہدایت دینا نہیں ہے آپ کا کام صرف پہنچادینا ہے۔

مصیبت میں صرف اللہ کو پکارتے ہو: اس کے بعد ارشاد فرمایا قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (کہ آپ ان سے دریافت فرمائیے کہ تم لوگ جو توحید سے ہٹ رہے ہو اور شرک پر جمے ہوئے ہو۔ اگر تمہارے پاس عذاب دنیاوی پہنچ جائے یا قیامت آجائے کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟)

ایسا نہیں ہے بلکہ جب مصیبت پڑتی ہے تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہوتے ہو اور صرف اسی سے دفع مصائب کا سوال کرتے ہو۔ اس وقت معبودان باطلہ کو بھول جاتے ہو۔ اگر تم سچے ہو کہ معبودانِ باطل کی عبادت سے نفع پہنچتا ہے تو اُن کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف آڑے وقت میں کیوں متوجہ ہوتے ہو معلوم ہوا کہ یہ جھوٹے معبود جو تم نے بنا رکھے ہیں کسی بھی نفع اور ضرر کے مالک نہیں پھر ان کو پکارنا اور ان کی عبادت محض حماقت نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ پھر فرمایا بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ بلکہ تم اللہ ہی کو پکارتے ہو پھر وہ اس مصیبت کو دور کردیتا ہے جس کے دور کرنے کیلئے اسے پکارا، اور مصیبت کے وقت ان کو بھول جاتے ہو جن کو شریک ٹھہراتے ہو۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ۝ فَلَوْلَآ اِذْ

اور ہم نے آپ سے پہلی امتوں کی طرف رسول بھیجے سو ہم نے اس کو سختی کے ذریعہ اور تکلیف کے ذریعہ پکڑا تاکہ وہ عاجزی کریں۔ سو کیوں

جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا

انہوں نے عاجزی نہ کی جب اُن پر ہمارا عذاب آیا لیکن اُن کے دل سخت ہوگئے اور شیطان نے اُن کے اعمال کو مزین کر کے دکھلایا۔ سو جب

نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَیْءٍ ؕ حَتّٰۤی اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ

وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو انہیں کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ اس چیز پر اترائے جو اُن کو عطا کی گئی تو ہم نے اُن کو اچانک پکڑ لیا۔

بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾

سو اُس وقت نا امید ہو کر رہ گئے سو اُن لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی۔ جنہوں نے ظلم کیا اور سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے

سابقہ امتوں کا تذکرہ جو خوشحالی پر اترانے کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں

تفسیر: ان آیات میں پچھلی امتوں کا حال بتایا اور نبی اکرم ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا کہ آپ سے پہلے جو امتیں گذری ہیں ہم نے اُن کے پاس بھی اپنے رسول بھیجے انہوں نے اُن کو جھٹلایا لہٰذا ہم نے ان کو سختی اور دکھ تکلیف کے ذریعہ پکڑ لیا لفظ اَلْبَاسَآء وَالضَّرَّاء کے عموم میں وہ سب تکلیفیں داخل ہیں جو عام طور پر اہل دنیا کو انفرادی اور اجتماعی طور پر وقتاً فوقتاً پہنچتی رہتی ہیں۔

قحط' بھوک' مہنگائی' وبائی امراض جانوں اور مالوں کا نقصان یہ سب چیزیں ان دونوں لفظوں کے عموم میں آ جاتی ہیں۔

جب ان چیزوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان کی گرفت فرمائی تاکہ عاجزی کریں اور گڑ گڑائیں اور اپنے کفر سے توبہ کریں تو وہ الٹی چال چلے اور بجائے تضرع وزاری کے اور توبہ اور عاجزی کے اپنی گمراہی اور معصیت میں ہی لگے رہے ان کے دل سخت ہو گئے۔ اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظروں میں اچھا کر کے دکھایا اور بتایا کہ تم جس طریقہ پر ہو یہ خوب اور بہتر ہے۔ جب مصائب اور تکالیف کے باوجود حق کو اختیار نہ کیا اور کفر سے باز نہ آئے اور حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم اور تبلیغ کو بھول بھلیاں کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یعنی بہت زیادہ نعمتیں دیدیں اور مال ومتاع سے نواز دیا۔ خوب آرام وراحت سے عیش وعشرت کی زندگی گذارنے لگے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی بجائے نعمتوں پر اترانے لگے اور ایسے اترائے کہ نعمتیں دینے والے کو بھول ہی گئے۔

یعنی یہ خیال ہی نہ رہا کہ جس ذات پاک نے یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں اس کے حضور میں جھکیں جب یہ حال ہو گیا تو اللہ پاک نے اچانک ان کو گرفت فرمائی اور عذاب میں مبتلا فرما دیا۔ اور اب بالکل ہی رحمت سے نا امید ہو گئے۔ اور اس طرح سے ظالموں کی جڑ کٹ گئی اور ان کا کوئی فرد باقی نہ رہا۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لیئے ہے جو سب جہانوں کا رب ہے) اس نے دُکھ تکلیف میں مبتلا کر کے رجوع کرنے کا موقع دیا پھر نعمتوں سے نوازا لیکن وہ کسی طرح باز نہ آئے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے موافق ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دوسری اُمت پیدا فرمادی۔ ایک امت ہلاک ہوئی تو دوسری امت نے وہی طرز اختیار کیا جو اُن سے پہلی امت کا تھا۔

شکر کا مطلب اور شکر کی اہمیت: کسی فرد یا جماعت کے پاس جو بھی کوئی نعمت ہو اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھے اور اس کا شکر گذار ہو۔ دل سے بھی شکر گذار ہو اور اپنے اعضاء و جوارح کو بھی فرماں برداری میں لگائے اور نافرمانی سے بچائے تا کہ صحیح معنوں میں شکر گذار بن جائے۔ اگر کسی فرد یا قوم یا جماعت کے پاس کوئی نعمت ہو تو نہ اس پر اترائے اور نہ نعمت دینے والے کو بھولے۔ اور نہ نافرمانی اختیار کرے' اصل نعمت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے ساتھ ہو۔ اگر نعمتیں ہوں اور گنہگاری بھی ہو تو وہ نعمتیں' نعمتیں نہیں رہتیں کیونکہ ان کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ وہ گرفت اور عقاب و عذاب کا سبب بن جاتی ہیں۔

نعمتیں ہوں اور ان کے ساتھ اعمال صالحہ ہوں تو یہ اللہ کا مقبول بندہ ہونے کی دلیل ہے اگر نعمتیں ہوں اور نافرمانی ہو اور یہ سمجھے کہ میں اللہ کا مقرب بندہ نہ ہوتا تو یہ نعمتیں مجھے کیوں ملتیں۔ یہ حماقت اور بے وقوفی کی بات ہے جو اللہ تعالیٰ کے نظام تکوینی سے بے خبری پر مبنی ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کسی بندے کو دیکھو کہ گناہوں کے باوجود اللہ تعالیٰ اُسے دنیا کی محبوب چیزیں دے رہا ہے تو یہ استدراج ہے (جس کا معنی یہ ہے کہ ڈھیل دیکر نعمتیں عطا فرما کر اُسے گناہوں میں ترقی کا اور زیادہ موقع دیا جا رہا ہے تا کہ زیادہ وہ عذاب میں مبتلا ہو) اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے آیت بالا فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ آخر تک تلاوت فرمائی (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۳)

یہ انسان کی کیسی نا سمجھی ہے کہ نہ نعمت سے صحیح راہ پر آتا ہے اور نہ نعمت اور عذاب سے عبرت حاصل کرتا ہے۔ سورۂ اعراف میں فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ٥ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰی عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ (اور ہم نے جس کسی بستی میں کوئی نبی بھیجا تو وہاں کے لوگوں کو سختی اور تکلیف کے ذریعہ ضرور پکڑا تا کہ وہ لوگ گڑگڑائیں۔ پھر ہم نے بدل دیا سختی کو آسانی سے یہاں تک کہ وہ زیادہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ ہمارے باپ دادوں کو بھی تکلیف اور خوشی پہنچی ہے تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور وہ بے خبر تھے)

مصائب اور آفات سے عبرت لینے کی بجائے گناہوں پر اصرار کرتے رہنا اور عبرت لینے کی بجائے یہ کہہ کر خود فریبی میں مبتلا ہونا یہ تو دنیا میں ہوتا ہی رہتا ہے ہمارے آباؤ و اجداد بھی دُکھ تکلیف میں مبتلا ہوئے اسی طرح ہم پر بھی مصیبت آ گئی ہے یہ اور زیادہ حماقت کی بات ہے مصائب کا سبب گناہوں کو نہ سمجھنا اور گناہوں پر اڑے رہنا اور یہ کہنا کہ یہ تو دنیا

میں ہوتا ہی آیا ہے بڑی بدبختی ہے اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْ ذٰلِکَ

فرح محمود اور مذموم: فرح عربی میں خوش ہونے کو کہتے ہیں اور اسکی دو صورتیں ہیں ایک اس بات کی خوشی کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو نعمت عطا فرمائی کرم فرمایا مہربانی فرمائی' اور پھر زبان اور قلب کے اقرار اور شکر کے ساتھ اطاعت و فرمانبرداری کے کاموں میں لگے رہیں۔ یہ فرح اور خوشی محمود ہے۔

سورۂ یونس میں فرمایا قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَبِرَحْمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا ھُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ

(آپ فرما دیجئے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوش ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کو وہ جمع کر رہے ہیں)

اور فرح کی دوسری صورت یہ ہے کہ نعمتوں پر اترانے لگے۔ خالق کو یاد نہ کرے نعمتوں میں مست ہو جائے اور یہ سمجھے کہ یہ سب چیزیں میرے ہنر سے حاصل ہوئیں۔ اوپر جو فَرِحُوْا بِمَا اُوْتُوْا فرمایا اس سے یہی اترانے والا نعمتیں دینے والے کو بھلا دینے والا فرح مراد ہے قارون کی قوم نے اس سے کہا لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ (کہ تو مت اترا۔ بے شک اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا) اس پر قارون نے جواب میں کہا اِنَّمَآ اُوْتِیْتُہٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ (کہ مجھے جو کچھ ملا ہے میرے علم ہی کی وجہ سے ملا ہے) دینے والے کو بھولا' اپنے کمال کا مدعی ہوا۔ لامحالہ اپنے گھر سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا مالداری اور تنگدستی کے ذریعہ آزمائش ہوتی ہے تنگ دستی میں راہ حق پر اور اعمال صالحہ پر باقی رہنا اور گناہوں سے بچنا اتنا مشکل نہیں جتنا کہ مالداری میں حق پر جمنا اور دین پر چلنا دشوار ہوتا ہے۔

حضرت کعب بن عیاض رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر امت کے لئے ایک فتنہ ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے (مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۴۴۲)

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے تمہارے بارے میں تنگ دستی کا خوف نہیں لیکن مجھے تمہارے بارے میں اس بات کا خوف ہے کہ دنیا خوب دے دی جائے جیسے تم سے پہلے لوگوں کو دے دی گئی تھی پھر تم اسکی رغبت میں آپس میں مقابلہ کرنے لگو جیسے ان لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے کا مقابلہ کیا پھر وہ تمہیں ہلاک کر دے جیسے انہیں ہلاک کر دیا۔ (رواہ البخاری ج ۱ ص ۹۵۱ و مسلم ج ۲ ص ۴۰۷)

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰہُ سَمْعَکُمْ وَاَبْصَارَکُمْ وَخَتَمَ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ مَّنْ اِلٰہٌ غَیْرُ اللّٰہِ

آپ فرما دیجئے کہ اگر اللہ تمہارے کان' تمہاری آنکھیں لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے

یَاْتِیْکُمْ بِہٖ اُنْظُرْ کَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ ثُمَّ ھُمْ یَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ قُلْ اَرَءَیْتَکُمْ اِنْ اَتٰکُمْ

جو تم کو یہ چیزیں دیدے۔ دیکھ لیجئے! ہم کس طرح دلائل بیان کرتے ہیں پھر وہ اعراض کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے! اگر تم پر اللہ کا

عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ

عذاب آجائے بے خبری میں یا خبرداری میں تو کیا ظالموں کے علاوہ اور کوئی ہلاک کیا جائیگا۔ اور ہم پیغمبروں کو

اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

صرف خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے بھیجتے رہے ہیں۔ سو جو شخص ایمان لایا اور اصلاح کر لی سو اُن پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ غمگین ہوں گے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ

اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ان کو اس سبب سے عذاب پہنچ جائے گا کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے۔ آپ فرما دیجئے! کہ میں یہ نہیں کہتا

خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ؕ قُلْ هَلْ

کہ میں غیب کو جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو اسی کا اتباع کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ آپ فرما دیجئے

يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۝

کیا برابر ہو سکتا ہے اندھا اور دیکھنے والا کیا تم غور نہیں کرتے

اگر اللہ تعالیٰ سننے اور دیکھنے کی قوت سلب فرمالیں تو کون دینے والا ہے

تفسیر: ان آیات میں انذار اور تبشیر ہے۔ اوّل تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری سننے اور دیکھنے کی قوت کو ختم کر دے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے جس سے نہ دیکھ سکو نہ سُن سکو نہ سمجھ سکو تو بتاؤ اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو یہ چیزیں تمہیں دیدے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے سوا ایسا کوئی نہیں۔ پھر اللہ کو چھوڑ کر کسی غیر کو معبود بنانا کہاں کی عقلمندی ہے؟ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کا عذاب اچانک بے خبری میں بھی آ سکتا ہے اور خبرداری میں بھی۔ اگر عذاب آجائے تو ظالم ہی ہلاک ہوں گے لہٰذا ظلم کرنے والے ظلم سے باز آجائیں۔ سب سے بڑا ظلم شرک اور کفر ہے اسکو بھی چھوڑ دیں اور دوسرے مظالم سے بھی رُک جائیں پھر فرمایا کہ پیغمبروں کو خوش خبری کے لئے اور ڈرانے کے لئے بھیجا جاتا رہا ہے ان کی بشارت کو جس نے قبول کیا اور اُن کی بتائی ہوئی وعیدوں پر یقین کر کے جس نے نافرمانیوں کو چھوڑا ایمان قبول کیا اور اپنے احوال و اعمال کو درست کیا سو ایسی لوگوں پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ انہیں کوئی غم ہوگا اور جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور نبیوں کی دعوت پر ایمان نہ لائے ان کو نافرمانی کی وجہ سے عذاب پہنچے گا۔

نبوت کے لوازم میں مالدار یا غیب دان ہونا نہیں ہے: لوگ یہ سمجھتے تھے کہ نبی مال و دولت کے اعتبار سے ہم سے زیادہ ہونا چاہیئے۔ چونکہ اہل دنیا کے نزدیک دنیا ہی بڑی چیز ہے اسلئے نبوت اور رسالت کا مدار بھی مال زیادہ

ہونے پر سمجھتے تھے ایسے لوگوں کی جاہلانہ بات کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ (آپ ان سے فرما دیجئے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں) خزانے پاس ہونا نبوت و رسالت اور مقبولیت عند اللہ کی دلیل نہیں ہے۔ جس بات کی دعوت دی جارہی ہے اس میں غور کرو اور اُن دلائل کو سمجھو جو اثبات رسالت کے لئے پیش کئے جارہے ہیں۔ مالدار ہونے کو نبوت کا معیار بنانا جاہلانہ بات ہے۔

کچھ لوگ یوں کہتے تھے کہ غیب کی باتیں بتاؤں تو ہم آپ کو سچا جانیں ان کو بھی جواب دیدیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے اعلان کرا دیا کہ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ (میں غیب نہیں جانتا ہوں) غیب کا علم تو صرف اللہ ہی کو ہے۔ وہ جس کو جتنا چاہے عطا فرما دے اور غیب دانی نبوت و رسالت کی یا مقبولیت عند اللہ کی شرط نہیں ہے۔

بہت سے لوگوں کو آج بھی دیکھا جاتا ہے کہ مرشدین صالحین اور مصلحین سے رجوع نہیں کرتے کیونکہ وہ لوگ غیب کی خبریں نہیں بتاتے' اور جو شعبدے باز گدیاں سنبھالے بیٹھے ہیں اٹکل پچو' کاہنوں کی طرح کچھ باتیں بتاتے رہتے ہیں۔ اُن باتوں میں سے کوئی بات ٹھیک نکل جاتی ہے تو اُن ہی لوگوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں' اور اُن کو اللہ کا مقبول بندہ سمجھ لیتے ہیں ان میں بعض لوگ صاحب کشف بھی ہوتے ہیں۔ کشف شرعاً بالکل معتبر نہیں اور نہ یہ بزرگی کی دلیل ہے کشف بعض مرتبہ فاسقوں بلکہ جانوروں اور دیوانوں کو بھی ہوتا ہے اسکو مقبولیت عند اللہ کی دلیل سمجھنا غلط ہے ایمان اور اعمال صالحہ پر اور تقویٰ مدار مقبولیت ہے جو لوگ دنیا دار ہیں' بے نمازی ہیں' فسق و فجور میں مبتلا ہیں ان کو مُرشد بنانا اور اُن کا معتقد ہونا بہت بڑی گمراہی ہے۔

پھر فرمایا وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ (آپ فرما دیجئے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں) لہٰذا میرے اندر فرشتوں والی صفات تلاش نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت اسی میں ہے کہ انسانوں کا نبی انسان ہی ہو۔ انسانوں میں گھل مل کر ان کی حاجات کو اور صفات کو جان کر احکام سکھائے۔ قول سے بھی تربیت کرے اور عمل سے بھی۔

مشرکین کو اعتراض تھا کہ مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ (اس رسول کا کیا حال ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے) یہ ان لوگوں کا جاہلانہ اعتراض تھا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ کھانا کھانے کا طریقہ اور بازار کے احکام سکھانے کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر نبی کھانا نہ کھائے اور بازار میں نہ جائے تو متعلقہ احکام کون بتائے۔ منصب نبوت کے متعلق جو اُن کے غلط اشکالات یا معاندانہ اعتراضات تھے۔ مذکورہ بالا آیت میں ان سب کی تردید فرمائی۔

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓى اِلَیَّ (آپ فرما دیں کہ میں تو صرف اسی کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے) میں وحی الٰہی کا پابند ہوں جو حکم الٰہی ہوتا ہے اس پر خود بھی عمل کرتا ہوں اور تمہیں وہی بتاتا ہوں آخر میں فرمایا قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَالْبَصِیْرُ (آپ فرما دیجئے کیا برابر ہو سکتا ہے نابینا اور بینا) یعنی یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ تمہارے پاس اللہ کی

آیات آ گئیں، کلام اللہ سنایا جاتا ہے جس کی بلاغت تمہارے نزدیک مسلّم ہے اور جس کے مقابلہ میں تم چھوٹی سی سورت بھی نہیں لا سکتے، اور بھی معجزات ہیں جنہیں دیکھتے رہتے ہو۔ ضد اور عناد کو چھوڑو۔ بصیرت کی آنکھوں سے دیکھو اور غور و فکر کرو۔ اَفَلَا تَتَفَکَّرُوْنَ (کیا تم غور نہیں کرتے) اگر غور کریں تو حق قبول کرنے کا راستہ نکل آئے اور سب اعتراضات دفع ہو جائیں۔

علم غیب کے بارے میں اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ: اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق سے زیادہ علم دیا اور علومِ غیبیہ کا آپ کے برابر کسی مخلوق کو علم نہیں ہے آپ کا علم تمام اوّلین و آخرین سے زیادہ ہے۔ اور یہ علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے۔ جس کو سورہ آل عمران میں فرمایا وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِہٖ مَنْ یَّشَآءُ اور سورہ آل عمران میں فرمایا وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ فَلَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔

لیکن تمام کائنات اور غیر کائنات کو علم محیط ہونا یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے اس لئے عالم الغیب علی الاطلاق صرف اللہ ہی ہے وہ عالم الغیب بھی ہے اور عالم الشہادۃ بھی۔

جیسا کہ سورۂ الٓمٓ سجدہ اور سورۂ حشر میں فرمایا ہے، اور سورۂ نمل میں فرمایا قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ بعض لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے کہتے ہیں کہ موت سے پہلے آنحضرت ﷺ کو تمام علوم غیبی عطا کر دیئے گئے تھے۔ یہ ان لوگوں کا دعویٰ بے دلیل ہے اور جھوٹ ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے خود ایسی باتیں بتائیں کہ قیامت کے دن ایسا ایسا ہوگا اور مجھے اس کا علم اس وقت دیا جائے گا۔ مثلاً فرمایا کہ حوضِ کوثر پر میرے پاس بہت سے لوگ آئیں گے اور ان میں سے بہت سے لوگوں کو ہٹا دیا جائے گا۔ میں کہوں گا کہ یہ میرے آدمی ہیں فرشتے کہیں گے کہ آپ نہیں جانتے انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا نئی باتیں نکالی تھیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۷)

ان نئی باتوں میں سے یہ بھی ہے کہ لوگوں نے قرآن و حدیث کے خلاف اپنے عقیدے بنالئے اور رسول اللہ ﷺ کا علم اللہ تعالیٰ کے برابر بتا دیا۔ اور رسول اللہ ﷺ کو بھی عالم الغیب کہنے لگے۔

حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا میں جو شفاعت کے لئے سجدہ میں سر رکھونگا تو اللہ کی وہ حمدیں بیان کروں گا جو اُسی وقت اللہ میرے دل میں ڈالیں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۸)

اس سے بھی صاف واضح ہے کہ موت کے وقت سے پہلے بھی سب علوم نہیں دیئے گئے۔ محبت کے دعویدار قرآن و حدیث کی تصریحات بھی نہیں مانتے۔ ھٰذا من العجائب۔

وَاَنْذِرْ بِہِ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْ یُّحْشَرُوْٓا اِلٰی رَبِّھِمْ لَیْسَ لَھُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ

اور آپ اس کے ذریعے ان لوگوں کو ڈرایئے جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس ایسی حالت میں جمع کئے جائیں گے کہ نہ اُن کا کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی شفاعت کرنے والا۔

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ

تاکہ یہ لوگ ڈر جائیں اور اُن لوگوں کو دور مت کیجئے جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام جو چاہتے ہیں اُس کی رضا کو

مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِم مِّن شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ

ان کا حساب آپ کے ذمہ کچھ بھی نہیں۔ اور آپ کا حساب بھی ان کے ذمہ کچھ بھی نہیں کہ آپ ان کو دور کریں پھر آپ

الظَّالِمِينَ ۝ وَكَذَٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لِّيَقُولُوا أَهَٰؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّن بَيْنِنَا أَلَيْسَ

ظالموں میں سے ہو جائیں اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ آزمایا ہے تاکہ وہ کہیں کیا ہمارے درمیان سے یہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا۔ کیا

اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ ۝ وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ

اللہ شکر گذاروں کو خوب جاننے والا نہیں ہے؟ اور جب آجائیں وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں ہماری آیات پر تو ان سے کہہ دیجئے کہ تم پر سلامتی ہو۔ تمہارے رب نے

عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۖ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنكُمْ سُوءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِن بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ

اپنی ذمہ رحمت کو مقرر کرلیا ہے۔ کہ جو شخص تم میں سے جہالت کی وجہ کوئی گناہ کرلے پھر اس کے بعد توبہ کرلے اور اپنا حال درست کرلے تو بلاشبہ وہ

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَكَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَلِتَسْتَبِينَ سَبِيلُ الْمُجْرِمِينَ ۝

غفور ہے، رحیم ہے، اور اسی طرح ہم تفصیل سے آیات کو بیان کرتے ہیں، تاکہ مجرموں کا راستہ ظاہر ہو جائے

صبح وشام جو لوگ اپنے رب کو پکارتے ہیں انہیں دور نہ کیجئے

تفسیر: ان آیات میں اول تو رسول اکرم ﷺ کو خطاب فرمایا کہ آپ قرآن کے ذریعہ ان لوگوں کو ڈرایئے جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اپنے رب کی طرف جمع کئے جائیں گے جب اس وقت وہاں ان کا کوئی مددگار اور سفارش کرنے والا نہ ہوگا۔ آپ اُن کو تبلیغ کریں حق پہنچائیں اس امید پر کہ کفر سے اور معاصی سے بچ جائیں۔

قال صاحب الروح و جوّزان یکون حالا عن ضمیر الامرای انذرھم راجیا تقوٰھم (صاحب روح المعانیؒ فرماتے ہیں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ اَمر کی ضمیر سے حال ہو یعنی انہیں ڈرایئے اس حال میں کہ آپ ان کے پرہیزگار بن جانے کے بارے میں پُر امید ہوں)

اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا کہ جو لوگ اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں ان کو دور نہ کیجئے۔

فقراءِ صحابہؓ کی فضیلت اور انکی دلداری کا حکم: معالم التنزیل ج ۲ ص ۹۹ میں ہے کہ حضرت سلیمان فارسی اور خباب بن الارتّ رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی۔ اقرع بن یابس تمیمی اور عُیینہ بن حِصن فزاری اور دوسرے لوگ جو مؤلفۃ القلوب میں سے تھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (یہ لوگ اپنے قبیلوں کے رؤسا تھے) جب یہ آئے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ بلال، صہیب، عمار، خباب اور بعض دیگر صحابہ رضی اللہ

عنہم کے ساتھ تشریف فرما ہیں یہ وہ صحابہ تھے جنہیں دنیاوی اعتبار سے کمزور سمجھا جاتا تھا۔ آنے والے رؤسا نے جب اُن کو آپ کے پاس بیٹھا ہوا دیکھا تو ان پر حقارت کی نظریں ڈالیں اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اچھا ہوتا آپ ممتاز جگہ پر بیٹھتے اور ان لوگوں کو ہم سے دور کر دیتے۔ ان کے کپڑوں میں بُو آ رہی ہے ان سے ہم محفوظ ہو جاتے ان حضرات کے اُس وقت اُونی کپڑے تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے کپڑے موجود نہ تھے۔ ان رؤسا نے کہا کہ اگر ان کو ہٹا دیں اور اپنے سے دور کر دیں تو ہم آپ کے ساتھ بیٹھیں اور کچھ حاصل کریں آپ نے فرمایا میں مومنین کو دور کرنے والا نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا تو آپ یوں کیجئے کہ ہمارے لئے کوئی مجلس خاص مقرر فرما دیجئے تا کہ عرب لوگ ہماری فضیلت جان لیں آپ کے پاس عرب کے وفد آتے ہیں۔ ہمیں اس بات سے شرم آتی ہے کہ عرب کے لوگ ہمیں ان لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا دیکھیں۔ جب ہم آیا کریں تو آپ ان کو اٹھا دیا کریں۔ پھر جب ہم فارغ ہو جائیں تو اگر آپ چاہیں تو ان کے ساتھ تشریف رکھیں آپ نے فرمایا ہاں! یہ کر سکتا ہوں کہنے لگے اس بات کی توثیق کے لئے ہمیں کچھ لکھ کر دیجئے آپ نے کاغذ منگوایا اور حضرت علیؓ کو لکھنے کے لئے بلوایا۔ حضرت سلیمان اور خباب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس وقت ہم ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی وقت جبرائیل علیہ السلام آیت کریم وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ لے کر نازل ہوئے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے وہ کاغذ اپنے دست مبارک سے پھینک دیا۔ اور ہم لوگوں کو بلایا، ہم حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (تم پر سلام ہو تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو لازم فرما لیا) اس کے بعد ہم آپ کے ساتھ بیٹھے رہتے تھے اور آپ جب چاہتے ہمیں چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے (سورۂ کہف کی) یہ آیت نازل فرمائی وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَهٗ (اور آپ اُن کے ساتھ جم کر بیٹھے رہیئے جو اپنے رب کو صبح شام پکارتے اور اسکی رضا کو چاہتے ہیں) اس کے بعد رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس بیٹھے رہتے تھے۔ اور ہم آپ سے بہت قریب ہو کر بیٹھتے تھے اور اب یہ ہوتا تھا کہ اٹھنے کا وقت ہوتا تو ہم پہلے اٹھ جاتے تھے۔ تا کہ آپ بلا تکلف اُٹھ کر جا سکیں۔

جب یہ ماجرا ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا الحمد للہ الذی لم یمتنی حتٰی امرنی ان اصبر نفسی مع قوم من امتی (سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے اس وقت تک موت نہ دی جب تک کہ مجھے یہ حکم نہ فرمایا کہ میں اپنی امت میں سے ایک جماعت کے ساتھ جم کر بیٹھوں) پھر ہم لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا۔ معکم المحیا ومعکم الممات۔ (تمہارے ہی ساتھ میرا جینا ہے اور تمہارے ہی ساتھ میرا مرنا ہے)

اللہ جل شانہٗ نے ان لوگوں کی رعایت و دلداری کا حکم فرمایا جو دین اسلام قبول کر چکے تھے اور اپنے رب سے لو لگائے

رہتے تھے۔ ان کی رعایت و دلداری منظور فرمائی اور مکہ کے رؤسا نے جو یہ کہا کہ ان کو ہٹا دیا جائے تو ہم آپ کے پاس بیٹھیں گے ان کی درخواست رد فرمادی اور حضور اقدس ﷺ نے جو ان کی دلداری کا خیال فرمایا تھا (جو اس مشفقانہ جذبہ پر مبنی تھا کہ جو لوگ اپنے ہوگئے ہیں۔ اگر اُن کو مجلس میں بعض مرتبہ ساتھ نہ بٹھایا تو محبت اور تعلق میں کمی کرنے والے نہیں ہیں۔ اور یہ رؤسا جو علیحدہ مجلس کے لئے درخواست کر رہے ہیں ان کی بات مان لی جائے تو ان کا بہانہ بھی ختم ہو جائے اور ممکن ہے کہ ہدایت قبول کرلیں) اس خیال کی بھی اللہ تعالیٰ نے تائید نہیں فرمائی۔

اس سے جہاں ان حضرات صحابہؓ کی فضیلت معلوم ہوئی جن کو غریبی کی وجہ سے رؤسا عرب نے حقیر سمجھا تھا۔ وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ اسلام قبول کر چکے ہوں ان کی رعایت اور دلداری ان لوگوں سے مقدم ہے جو ابھی تک منکرین اسلام ہیں۔

یہ جو فرمایا مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (ان کا حساب آپ کے ذمہ کچھ بھی نہیں اور آپ کا حساب اُن کے ذمہ کچھ بھی نہیں کہ آپ ان کو دور کردیں پھر آپ ظالموں میں سے ہو جائیں) اس کا مطلب بعض مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ یہ فقراء صحابہؓ جو آپ کے پاس آتے ہیں اور ساتھ اُٹھتے بیٹھتے ہیں ان کا باطن ٹٹولنا آپ کے ذمہ نہیں ہے۔ آپ ان کے اخلاص کی تفتیش نہ کریں۔ ظاہر حال کے مطابق ان کے ساتھ معاملہ کریں اور ان کو اپنے پاس بٹھائیں اور فیض یاب کریں اور اپنے سے دور نہ کریں اور ان کے مقابلہ میں ان لوگوں کو ترجیح نہ دیں جنہوں نے ایمان قبول کیا ہی نہیں۔

دور کرنے کی وجہ یہ ہوسکتی تھی کہ ان میں اخلاص نہ ہوتا جب آپ کے ذمہ ان کے اخلاص کی تفتیش نہیں تو آپ ان کو کیوں دور کرتے ہیں۔ اور آپ کا حساب بھی ان کے متعلق نہیں کہ وہ آپ کی تفتیش کریں۔ بلکہ اس کا تو احتمال بھی نہیں ہے کہ امت اپنے پیغمبر کے باطن کے احوال معلوم کرلے کیونکہ ایمان کے ساتھ یہ بات جمع نہیں ہوسکتی۔ محتمل کو متیقن کیساتھ برابر قرار دے کر امت کے تفتیش حال باطنی کی نفی فرمادی۔

جو لوگ یہ کہیں کہ ہم مسلمان ہیں ان کے غیر مخلص ہونے کی کوئی ظاہری وجہ نہیں۔ تو ان کو کیوں دور کیا جائے۔ اسی صورت میں ان کو دور کیا جائے گا تو یہ ظلم کی بات ہوگی۔ صاحب روح المعانی ج ۷ ص ۱۶۰ میں لکھتے ہیں۔

وانما وظیفتک حسب ما ھو شان منصب الرسالة النظر الی ظواھر الامور واجراء الاحکام علی موجبھا وتفویض البواطن وحسابھا الی اللطیف الخبیر' وظواھر ھؤلاء دعاء ربھم بالغدٰوة والعشی اه الیٰ ان قال (وما من حسابک علیھم من شئ عطف علی ما قبلهٗ وجئ به مع ان الجواب قدتم بذلک مبالغة فی بیان کون انتفاء حسابھم علیه السلام بنظمه فی سلک ما لا شبھة فیه اصلاً وھو انتفاء کون حسابه علیه الصلوٰة والسلام اه) (جیسا کہ منصب رسالت کے شایانِ شان ہے آپ کا وظیفہ تو ظاہر حال کو دیکھنا اور اسی کے مطابق احکام جاری کرنا ہے اور باطنی معاملات کو اور ان کے حساب کو لطیف وخبیر کے سپرد کرنا ہے اور ان حضرات کے ظاہری حالات یہ ہیں کہ صبح شام اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں...... فرمایا وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ کا عطف ماقبل پر ہے اور جواب ماقبل پر مکمل ہو جانے کے باوجود اسے اس بات میں مبالغہ کے لئے لایا گیا ہے کہ ان کا حساب حضور ﷺ کے ذمہ نہیں ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے)

یہ تقدیر اس صورت میں ہے جبکہ حسابھم اور علیھم کی ضمیریں اَلَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ کی طرف راجع ہوں اور بعض مفسرین نے ان ضمیروں کو رؤسائے مشرکین کی طرف راجع کیا ہے اور آیت کا یہ مطلب بتایا ہے کہ یہ لوگ ایمان لائیں یا نہ لائیں آپ غرباء مسلمین کے مقابلہ میں ان کی پرواہ نہ کریں کیونکہ ان کے حساب کی ذمہ داری آپ پر نہیں جیسا کہ آپ کے حساب کی ذمہ داری ان پر نہیں۔ اگر یہ ذمہ داری آپ پر ہوتی یعنی ان کے مسلمان نہ ہونے پر آپ سے مواخذہ ہوتا تو اس صورت میں آپ ان کی وجہ سے غرباء مسلمین کو مجلس سے ہٹا سکتے تھے اور جب ایسا نہیں تو ان غرباء کو مجلس سے ہٹانا بے انصافی ہے۔ فَتَطْرُدَھُمْ فَتَکُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ میں اسی بے انصافی کو بیان فرمایا۔

متکبرین کی سزا اور مال و دولت پر گھمنڈ کرنیوالوں کو تنبیہ: جن لوگوں کے پاس مال و دولت ہو۔ یا کسی قسم کا چھوٹا بڑا اقتدار حاصل ہو۔ ان میں ایک یہ بہت بڑا مرض بھی ہوتا ہے کہ وہ غریبوں مسکینوں کو حقیر سمجھتے ہیں انہیں اس لائق بھی نہیں سمجھتے کہ وہ پاس بیٹھیں حتیٰ کہ وہ سلام بھی کریں تو سلام کا جواب دینے میں خفت و ذلّت محسوس کرتے ہیں یہ تکبر ہے اور تکبر انسان میں بدترین خصلت ہے۔ یہ صفت انسان کو حق قبول کرنے سے اور کفر کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہونے سے روکتی ہے۔ اور آخرت میں اس کا بڑا عذاب ہے۔

ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ متکبروں کو قیامت کے دن انسانوں کی صورت میں جمع کیا جائے گا ان کے جسم اتنے چھوٹے ہوں گے جیسے چیونٹیاں ہوتی ہیں ان پر ہر طرف سے ذلّت چھائی ہوگی۔ ان کو دوزخ کے جیل خانے کی طرف چلایا جائے گا جس کا نام بولس ہے۔ ان کے اوپر آگوں کو جلانے والی آگ چڑھی ہوگی۔ ان کو دوزخیوں کے جسم کا نچوڑ پلایا جائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۳)

مال و دولت پر گھمنڈ کرنا اور اسکی وجہ سے تکبر کرنا اور دوسروں کو حقیقی جاننا بہت بڑی حماقت ہے۔ مالدار ہونا انسان کا کوئی کمال نہیں۔ یہ تو انسان کے وجود سے علیحدہ خارجی چیز ہے۔ انسان کے اپنے ذاتی جو عمدہ اخلاق ہیں جن میں تواضع بھی ہے ان سے انسان میں فضیلت آتی ہے۔ اگر مال ہو اور مال کو اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرے اور اللہ کا شکر گذار بندہ بنے تو یہ بھی بلند اخلاق میں شمار ہوتا ہے۔ فی نفسہٖ مالدار ہونا کوئی انسان کی فضیلت اور کمال کی چیز نہیں۔ اہل دنیا میں جو یہ رواج ہے کہ مالدار اور صاحب اقتدار ہی کو بڑا سمجھا جاتا ہے خواہ کافر اور ملحد اور زندیق اور ظالم اور فاسق و فاجر ہی ہو یہ دنیا والوں کی حماقت اور جہالت ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان محبوب ہے۔ ایمان والے مُحبُوب ہیں۔ تقویٰ محبوب ہے اعمال صالحہ محبوب ہیں اس کے ہاں انہیں چیزوں سے فضیلت حاصل ہوتی ہے اور افضلیت کی شان انہی بندوں کو حاصل ہے جن میں تقویٰ ہے۔ (اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ) جو غریب صحابہ تھے ان کی اللہ تعالیٰ نے قدر دانی فرمائی اور رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ ان کو اپنے پاس سے مت ہٹاؤ۔ اور خود ان کے پاس جم کر بیٹھے رہا کرو۔ اور جن دنیا داروں کو آنحضرت ﷺ

اپنے پاس بٹھا کر تبلیغ کرنا چاہتے تھے۔ اُنکی شرط کیطرف توجہ نہیں فرمائی حالانکہ آپکا جذبہ شفقت پرمبنی تھا کہ یہ لوگ کسی طرح ایمان قبول کرلیں۔

غنی اور فقیر کا فرق آزمائش کے لئے ہے

پھر فرمایا وَ کَذٰلِکَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّیَقُوْلُوْٓا اَھٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنْۢ بَیْنِنَا (اور ہم نے اسی طرح آزمائش میں ڈالا ہے بعض کو بعض کے ذریعہ تاکہ وہ کہیں کیا یہ لوگ ہیں جن پر ہمیں چھوڑ کر اللہ نے احسان فرمایا) اس میں یہ بتایا ہے کہ اس دنیا میں غنی اور فقیر کا جو فرق رکھا گیا ہے اور دوسری حیثیتوں سے جو امتیاز ہے اس میں حکمت ہے اور وہ حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض کے ذریعے آزمائش میں ڈالا ہے جو غنی ہیں وہ فقیر کو حقیر سمجھتے ہیں۔

اسی طرح دوسری طرح کی جو چھوٹائی بڑائی پائی جاتی ہے اسکی وجہ سے بڑے بننے والے چھوٹوں کو نظر حقارت سے دیکھتے ہیں۔ یہ ایک آزمائش ہے جن لوگوں کو کسی طرح کی برتری حاصل ہے وہ بجائے نعمت دینے والے کا شکر ادا کرنے کے ان لوگوں کی طرف دیکھتے ہیں جو اس نعمت سے محروم ہیں اگر چھوٹے لوگ نہ ہوتے تو ممکن تھا کہ نعمت دینے والے کی طرف متوجہ ہوتے اور اس کا شکر ادا کرتے۔ لیکن مال و دولت اور اختیار اقتدار کے نشہ میں دوسروں کو حقیر جاننے کا طریقہ اختیار کر لیتے ہیں اور اسی طرح سے امتحان میں فیل ہوجاتے ہیں اگر سب ہی برابر ہوتے تو کوئی کسی کو حقیر نہ جانتا۔

جو لوگ مال و دولت اور اقتدار والے ہیں ان کے تکبر کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے کو ہر خیر کا مستحق سمجھتے ہیں۔ غریبوں اور مسکینوں کو دینی برتری ملنے کا بھی اہل نہیں سمجھتے اور وہ کہتے ہیں کہ کیا یہ پھٹیچر جن کے پاس ایک وقت کا کھانے کو نہیں اس لائق ہیں کہ ان کو ہدایت مل جائے اور ہم ہدایت سے محروم رہ جائیں۔ جس دین کو انہوں نے اختیار کیا ہے اگر یہ ہمارے دین سے بہتر ہوتا تو یہ لوگ اسے کیوں اختیار کرتے۔

سورۂ احقاف میں فرمایا وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَوْ کَانَ خَیْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَیْهِ (اور کافروں نے مومنین کے بارے میں کہا کہ اگر یہ چیز بہتر ہوتی جو انہوں نے اختیار کی ہے تو یہ ہم سے آگے نہ بڑھ جاتے) دولت مند ہر طرح کی دینی و دنیاوی برتری کو اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ جن لوگوں نے ہمارے دین کے خلاف دوسرا دین اختیار کیا اگرچہ دلائل واضحہ کے اعتبار سے وہ حق ہے لیکن چونکہ ہم نے اختیار نہیں کیا اسلئے وہ قابل قبول نہیں اس طبقہ کے لوگوں نے اپنا یہ حق خود سے تجویز کرلیا ہے اپنے خالق اور مالک کے قانون تکوینی اور تشریعی کو نہیں دیکھتے اور یہ نہیں سمجھتے کہ جس نے ہمیں مال دیا وہ دوسروں کو ہدایت عطا فرما سکتا ہے۔ مالدار ہی دین حق پر ہوں اور غریب ہی باطل پر ہوں یہ کوئی قانون تکوینی نہیں ہے۔ جسے اللہ نے مال و دولت عطا فرمایا ہے وہ غریبوں کو حقیر جاننے کی بجائے منعم حقیقی کی طرف

رجوع کرے۔ اور وہ طریقہ تلاش کرے جو اس کے رب کو پسند ہے اور ناشکری و نافرمانی سے پرہیز کرے اور جب حق بات پہنچ جائے تو اُسے فوراً قبول کرے۔ چونکہ غریبوں نے حق قبول کر لیا ہے اسلئے ہم اسے قبول نہیں کرتے بلکہ ہم اُسے حق سمجھتے ہی نہیں مالداروں کا یہ خیال سراپا تکبر ہے۔ جو حماقت پر مبنی ہے۔

اللہ جل شانہٗ نے فرمایا اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰکِرِیْنَ (کیا اللہ شکر گذاروں کو خوب نہیں جانتا) یعنی اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ شکر گذار بندے کون ہیں۔ غریبوں کے پاس مال نہیں پھر بھی شکر گذار ہیں اور اس شکر گذاری کی صفت ان کے لئے حق بات کے اختیار کرنے اور حق پر جمنے کا ذریعہ بن گئی۔ جن لوگوں کے پاس مال و دولت ہے وہ ناشکرے ہیں۔ اپنے کبر اور کفران نعمت کو نہیں دیکھتے۔ ان غریبوں کو دیکھ کر نفرت کر رہے ہیں۔ جن پر اللہ نے فضل فرمادیا اور ہدایت کی نعمت سے نواز دیا۔

زمانۂ نبوت میں ایسے متکبر تھے جن کا ذکر آیت شریفہ میں ہوا۔ آج بھی ایسے لوگ ہیں جو اپنے مال و دولت کے نشہ میں دین سے وابستہ رہنے والوں کو حقیر سمجھتے ہیں یہ لوگ اسلام کے دعویدار بھی ہیں لیکن اسلام پر چلنے والوں اور اسلامی اعمال اختیار کرنے والوں کو اور اسلامی امور سے نسبت رکھنے والوں کو حقیر جانتے ہیں۔ کہ ان کے کپڑے پھٹے ہیں، رہنے کا گھر کچا ہے، بھوکے پیاسے رہتے ہیں۔

مسجد و مدرسہ سے تعلق رکھنے والے مالداروں کی نظروں میں حقیر ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں، اسلام کے سب سے پہلے مؤذن حضرت بلالؓ کے نام پر اپنے بچوں کا نام رکھنے کو تیار ہیں لیکن اپنے بچے کو مؤذن تو کیا بناتے اذان دینے والے کو حقیر جانتے ہیں۔ اور مسجد کی روٹیاں کھانے والے کہہ کر اسکی آبرو گھٹاتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ مسجد کی روٹیاں کھانا حرام کھانے سے کہیں برتر اور بہتر ہیں یہ جو رشوت اور سود لے کر دولت جمع کی ہے اور حرام محکموں میں ملازمت کر کے جو کیش جمع کیا ہے جب آخرت میں وبال بنے گا اور مسجد کا مؤذن بخشا ہوا جنت میں جائے گا اس وقت اس تکبر اور مالداری کا اور نفرت کرنے کا نتیجہ سامنے آجائے گا۔

مالداری اور غریبی مقبولیت عند اللہ کا سبب نہیں ہے: جیسے مالدار ہونا فضیلت کا اور اللہ کی نزدیکی کا سبب نہیں اسی طرح غریب مسکین ہونا بھی اللہ کی نزدیکی یا فضیلت یا برتری کا سبب نہیں ہے۔ اللہ کی نزدیکی اور اللہ کے ہاں فضیلت او برتری ایمان اور اعمال صالحہ سے اور فرائض کی پابندی سے اور گناہوں کو چھوڑنے سے ہے۔ جس طرح بہت سے مالداروں میں تکبر ہے اور اللہ کی یاد سے غافل ہیں۔ فرائض و واجبات کی تارک ہیں اسی طرح بہت سے غریب اور مسکینوں کا بھی یہی حال ہے۔ وہ خواہ مخواہ مالداروں پر حسد کر کے مرے جا رہے ہیں اور بہت سے اُن میں سے اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرتے ہیں اور کفر کے کلمات کہتے ہیں کہ اللہ نے اُن کو دیا اور ہم کو نہ دیا۔ ایسی غریبی بھی وبال ہے اور باعث مواخذہ اور باعث عذاب ہے امیر ہو یا غریب سب پر لازم ہے کہ شریعت کے احکام کی پابندی کرے بلند اخلاق اختیار

کرے گناہوں سے بچے متقی بنے۔

رسول اللہ علیہ وسلم نے سب کو زندگی گذارنے کا ایک طریقہ بتایا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص ایسے شخص کو دیکھے جو مال میں اور شکل وصورت میں اس سے بڑھ کر ہے تو اپنے سے نیچے والے کو بھی دیکھ لے۔ (صحیح مسلم ج۲ص ۴۰۷)

دنیاوی چیزوں میں اپنے سے نیچے کو دیکھو تا کہ عبرت ہو اور یہ سمجھ میں آئے کہ اللہ نے ہمیں ہزاروں لاکھوں افراد سے بہتر بنایا ہے اور بہت زیادہ دیا ہے اور دین میں اپنے سے اوپر والے کو دیکھو جو اپنے سے زیادہ دیندار ہے۔ جو لوگ اللہ کی یاد میں لگے رہتے ہیں ان کے برابر ہونے بلکہ ان سے آگے بڑھنے کی حرص کرے۔

مساکین صالحین کی فضیلت: آیت شریفہ میں جن مسکینوں کی فضیلت بتائی ان کی تعریف میں فرمایا یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ (کہ یہ لوگ صبح شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اس کی رضا مندی کے طالب ہیں) جو غریب اس صفت سے متصف ہیں ان کو بلاشبہ ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے لیکن اعمال کی وجہ سے ہے غریبی کی وجہ سے نہیں۔ ایمان اور اعمال صالحہ ہوں اور غریبی بھی ہو تو قیامت میں اس کا یہ فائدہ پہنچ جائے گا کہ مالداروں سے پہلے جنت میں چلے جائیں گے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں ایک مرتبہ ضُعفاء مہاجرین کے پاس بیٹھ گیا (جن کے پاس مال نہ تھا اور کپڑوں کی اس قدر کمی تھی کہ) ان میں سے بعض بعض کے ذریعہ آپس میں پردہ کرتے تھے (یعنی اس ترتیب سے بیٹھتے تھے کہ ایک کی نظر دوسرے کی ران وغیرہ پر نہ پڑے) ایک شخص اُن میں سے قرآن مجید پڑھ رہا تھا وہ اسی حال میں تھے کہ رسول اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے آپ قریب میں تشریف لا کر کھڑے ہو گئے آپ کے تشریف لانے پر قرآن پڑھنے والا خاموش ہو گیا۔ آپ نے سلام کیا۔ پھر فرمایا تم کیا کر رہے تھے ہم نے عرض کیا کہ ہم کان لگا کر اللہ کی کتاب کو سُن رہے تھے آپ نے فرمایا۔

الحمد لله الذی جعل من اُمّتی من امرت ان اصبر نفسی معهم

(کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے میری اُمت میں ایسے افراد بنا دیئے جن کے ساتھ مجھے جم کر بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے)

اس کے بعد آپ نے اشارہ فرمایا جس پر حاضرین نے حلقہ بنا لیا اور سب کے چہرے آپ کی طرف متوجہ ہو گئے آپ نے فرمایا کہ اے مہاجرین کے مسکینو! تم اس بات کی خوشخبری قبول کر لو کہ تمہیں قیامت کے دن نور تمام (پورا نور) عطا کیا جائے گا تم مالداروں سے آدھے دن پہلے جنت میں داخل ہو گے اور یہ آدھا دن پانچ سو سال کا ہو گا۔ (رواہ ابوداؤد ج۲ص ۱۶۰)

پھر فرمایا وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (اور

جب آئیں آپ کے پاس وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں ہماری آیات پر تو آپ سلام علیکم کہیں اور یہ بھی کہیں کَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (کہ تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو لازم قرار دیا ہے)

جن حضرات کا اوپر ذکر تھا کہ انہیں اپنے سے دور نہ کرو اس میں ان کی دلداری کا حکم فرمایا کہ آپ ان کے لئے سلامتی کی دعا کریں اور ان کو بتادیں کہ تمہارا رب رحیم ہے اس نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر دیا۔ تمہارے ایمان اور عمل صالح کا اجر ضائع نہیں ہوگا۔

پھر فرمایا اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (کہ تم میں سے جس نے کوئی گناہ کر لیا نادانی کے ساتھ پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی سو وہ بخشنے والا رحیم ہے)

لفظ جہالت جس کا ترجمہ ہم نے نادانی سے کیا ہے اس سے علمی جہالت مراد نہیں۔ عملی جہالت مراد ہے۔ جان بوجھ کر گناہ کرنے والا بھی اس میں داخل ہے کیونکہ جو بھی گناہ ہوتا ہے وہ عملی جہالت کی وجہ سے ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کو گناہ جانتے ہوئے گناہ کرنا اور اس کے مواخذہ پر نظر نہ رکھنا یہ ایک طرح سے جہالت نادانی اور حماقت ہے۔

پھر فرمایا وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ (اور اسی طرح ہم آیات کی تفصیل بیان کرتے ہیں تا کہ مجرمین کا راستہ واضح ہو جائے) صاحب روح المعانی فرماتے ہیں ای وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُهُمْ نفعل ما نفعل من التفصيل یعنی آیات کے بیان کرنے کے متعدد فوائد ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ مجرمین کا راستہ کیا ہے (یعنی ان کا کیا انجام ہونے والا ہے)

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ

آپ فرما دیجئے! بیشک میں اس بات سے منع کیا گیا ہوں کہ ان کی عبادت کروں جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو۔ آپ فرما دیجئے! میں تمہارے خواہشوں کا اتباع نہیں کرتا۔

اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۞ قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِيْ

ایسا کروں تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت پانے والوں میں سے نہ ہوں گا۔ آپ فرما دیجئے کہ بے شک میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں اور تم نے اُسے جھٹلا دیا ہے۔ میرے پاس وہ نہیں ہے

مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ۞ قُلْ لَّوْ اَنَّ

جس کی تم جلدی کرتے ہو۔ کسی کا حکم نہیں ہے سوائے اللہ کے وہ حق کو بیان فرماتا ہے اور وہ فیصلہ کرنے والوں میں سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔ آپ فرما دیجئے! اگر میرے پاس

عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ۞

وہ چیز ہوتی جس کی تم جلدی کر رہے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے

گمراہوں کا اتباع کرنیکی ممانعت

تفسیر: ان آیات میں چند امور مذکور ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے چند باتوں کا اعلان کروایا ہے اوّلاً تو یہ فرمایا کہ آپ ان لوگوں سے فرمادیں کہ میں اللہ کے حکم کا پابند ہوں۔ میں معبودان باطلہ کی عبادت نہیں کرسکتا جنہیں تم پکارتے ہو، مجھ سے یہ امید نہ رکھنا کہ میں کبھی تمہارے باطل کا ساتھ دے دوں اور تمہاری خواہشوں کا اتباع کروں (العیاذ باللہ) خدانخواستہ میں ایسا کروں تو تمہاری طرح میں بھی گمراہ ہوجاؤں گا اور ہدایت پانے والوں میں سے نہ رہوں گا یہ وہی مضمون ہے جس کا سورۂ کافرون میں اعلان فرمایا۔

ثانیاً اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ آپ اعلان فرمادیجئے کہ میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں مجھے پورا یقین ہے کہ میں اللہ کا نبی ہوں رسول ہوں اور میں جس بات کی دعوت دے رہا ہوں وہ صحیح ہے دلائل واضحہ میرے دعویٰ کی سچائی پر قائم ہیں جس پر مجھے مکمل یقین ہے اور کسی طرح کا شک وشبہ نہیں۔ میں تمہاری باتوں کا کیسے ساتھ دے سکتا ہوں؟ مجھے تو اپنے دعوے کی صحت پر دلیل کے ساتھ یقین ہے اور تم اسکی تکذیب کر رہے ہو۔ تکذیب ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہو کہ اگر آپ سچے ہیں تو ہم پر کوئی عذاب لاکر دکھاؤ۔ ہمارے انکار وتکذیب کی وجہ سے ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا؟

عذاب بھیجنا اللہ کے اختیار میں ہے۔ میرے اختیار میں نہیں۔ حکم صرف اللہ ہی کا ہے۔ تکوینی اور تشریعی حکم کا صرف وہی مالک ہے۔ وہ عذاب بھیجے نہ بھیجے میرے اختیار میں کچھ نہیں، اور یہ ضد کرنا کہ عذاب آجائے تب ہی آپ کے دعوے کو سچا مانا جائے جہالت وحماقت کی بات ہے حق دلائل سے واضح ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حق کو بیان فرمادیا۔ دلائل سے واضح کردیا۔ دلائل ہوتے ہوئے حق کو نہ ماننا اور عذاب آجانے ہی کو ثبوت حق کا ذریعہ سمجھنا یہ تمہاری اپنی اُپج ہے۔ اور تمہارا خیال غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہوا وہوس کا پابند نہیں کہ تم جو کہو وہ کرے، جسے حق قبول کرنا ہو اس کے لیے واضح طور پر حق کا بیان ہوجانا کافی ہے (یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِينَ)

ثالثاً یہ فرمایا کہ آپ اعلان فرمادیں کہ جس چیز کی تم جلدی مچاتے ہو یعنی عذاب لانے کی تو یہ میرے پاس نہیں اگر میرے پاس ہوتا تو میرے تمہارے درمیان فیصلہ ہوچکا ہوتا۔ یعنی عذاب آگیا ہوتا۔ وہ تو اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ تم واضح حق کو نہیں جانتے عذاب چاہتے ہو اور ظلم کر رہے ہو حق قبول نہ کرنا ظلم ہے اور اللہ کو ظالموں کا پتہ ہے اور وہ دنیا میں عذاب نہیں بھیجتا تو یہ نہ سمجھ لینا کہ آخرت میں بھی عذاب نہیں۔

وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ

اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ ان کو اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہے اور تری میں ہے، اور نہیں گرتا ہے کوئی

اِلَّا یَعۡلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیۡ ظُلُمٰتِ الۡاَرۡضِ وَلَا رَطۡبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۵۹﴾ وَهُوَ

پتا مگر وہ اسکو جانتا ہے اور نہیں گرتا ہے کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہیں ہے کوئی تر چیز اور خشک مگر وہ کتاب مبین میں ہے۔ اور وہی ہے

الَّذِیۡ یَتَوَفّٰکُمۡ بِالَّیۡلِ وَیَعۡلَمُ مَا جَرَحۡتُمۡ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبۡعَثُکُمۡ فِیۡهِ لِیُقۡضٰۤی اَجَلٌ مُّسَمًّی ۚ

جو تمہیں قبضہ میں لیتا ہے رات کو۔ اور جانتا ہے جو کچھ کرتے ہو دن میں، پھر وہ تمہیں دن میں اٹھاتا ہے۔ تاکہ پوری کر دی جائے معیاد مقرر۔

ثُمَّ اِلَیۡهِ مَرۡجِعُکُمۡ ثُمَّ یُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۶۰﴾

پھر اسی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے۔ پھر وہ تمہیں ان کاموں کی خبر دیگا جو تم کیا کرتے تھے

اللہ ہی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، بر و بحر میں جو کچھ ہے وہ سب اُسکے علم میں ہے

تفسیر: پہلی آیت میں اللہ جل شانہٗ کے علم کی وسعت قدرے تفصیل کے ساتھ بیان فرمائی ہے۔ اجمالی طور پر علم الٰہی کو بہت سی جگہ بیان فرمایا ہے اور وَهُوَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ کا عموم ہر چیز کے علم کو شامل ہے۔ اس کا عموم موجودات، معدومات، ممکنات ممتنعات سب کے علم کو شامل ہے۔ اور سورۂ تغابن میں فرمایا یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَیَعۡلَمُ مَا تُسِرُّوۡنَ وَمَا تُعۡلِنُوۡنَ وَاللّٰهُ عَلِیۡمٌ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ۔ اور سورہ یونس میں فرمایا وَلَا یَعۡزُبُ عَنۡ رَّبِّکَ مِنۡ مِّثۡقَالِ ذَرَّةٍ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ اور سورہ مائدہ میں فرمایا اَنَّ اللّٰهَ یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ اور سوہ طلاق میں ہے وَ اَنَّ اللّٰهَ قَدۡ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عِلۡمًا یعنی اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ سورہ نمل میں فرمایا قُلۡ لَّا یَعۡلَمُ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ الۡغَیۡبَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَا یَشۡعُرُوۡنَ اَیَّانَ یُبۡعَثُوۡنَ آیت بالا میں یہ بیان فرمایا کہ غیب کی کنجیاں صرف اللہ ہی کے پاس ہیں انہیں صرف وہی جانتا ہے۔ خشکی اور سمندر میں جو کچھ ہے سب کو جانتا ہے۔ ہزاروں قسم کی مخلوق ان کی اجناس اور انواع واصناف اور اُن کے افراد اسے ان سب کا علم ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ جو بھی کوئی پتہ گرتا ہے اسے اس کا علم ہے اور زمین کی اندھیریوں میں (زمین کے اندر ساتویں زمین کی منتہیٰ تک) اور زمین کے اوپر جو بھی کوئی چیز ہے تر ہو یا خشک ہو اور جہاں بھی ہو وہ سب کتاب مبین یعنی لوح محفوظ میں موجود ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ رطب سے مراد وہ ہے جو اگتا ہے اور یابس سے مراد وہ ہے جو اگتا نہیں بعض علماء نے فرمایا ہے کہ رطب و یابس سے تمام اجسام مراد ہیں اسلئے کہ اجسام کی دو ہی قسمیں ہیں یعنی رطب اور یابس، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ رطب سے حی یعنی زندہ اور یابس سے بے جان چیزیں مراد ہیں۔

مفسرین کی ایک جماعت نے کتاب مبین سے لوحِ محفوظ کو مراد لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہے اور ابدی ہے اسے جاننے یا درکھنے کے لیے کسی کتاب کی ضرورت نہیں لوحِ محفوظ میں لکھنے کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ جو کچھ وجود میں آتا رہے فرشتوں کو اس کا علم ہوتا رہے کہ یہ سب معلومات الٰہیہ میں سے ہے اور مخلوقات الٰہیہ میں سے ہے اور ایک یہ حکمت بھی ہے کہ جو لوگ مکلف ہیں وہ یہ یقین کرلیں کہ ہمارے اعمال میں سے کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو لکھنے سے رہ گئی ہو۔ اس کتاب کو لوحِ محفوظ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ تحریف سے اور شیاطین کے وہاں تک پہنچنے سے محفوظ ہے کوئی اُسے بدل نہیں سکتا۔ (روح المعانی ج ۷ ص ۱۷۲)

علم غیب صرف اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے وہ جس مخلوق کو جتنا علم عطا فرمادے اسی قدر علم حاصل ہو جاتا ہے آلات کے ذریعہ جو علم ہو وہ علم غیب نہیں بعض بے علم لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ بارش آنے کا علم پہلے سے ہو جاتا ہے یا رحمِ مادر میں جو ہے اس کے نر مادہ ہونے کا علم ماہروں کو ہو جاتا ہے اسلئے یہ بھی علم غیب ہوا۔ یہ جاہلانہ بات ہے۔ بارش کا جو پتہ چل جاتا ہے وہ آلات کے ذریعہ ہواؤں کا رخ دیکھ کر پتہ چلاتے ہیں اور وہ بھی حتمی نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ کا علم ہمیشہ سے ہے اور آلات کے بغیر ہے جب آلات نہیں تھے جب بھی سب کچھ جانتا تھا اسی طرح مادہ منویہ کے تجربات سے اور ایکسرے وغیرہ سے نر و مادہ کا معلوم ہو جانا ہی بھی علم غیب نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کو علم کے لیے نہ آلات کی ضرورت ہے اور نہ تجربات کی اسے تو ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے معلوم ہے کہ ان کی کتنی نسل ہوگی اور ان کی نسل میں کس کس مرد اور کس کس عورت سے کون کون پیدا ہوگا۔

پھر فرمایا: وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ۔ (اللہ وہی ہے۔ جو تمہیں اٹھالیتا ہے رات کو) اس سے سُلا دینا مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نیند کو طاری فرمادیتا ہے جو ایک گونہ روح قبض کرنے کا ذریعہ ہے۔

حدیث شریف میں فرمایا اَلنَّوْمُ اَخُو الْمَوْتِ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۰۰) کہ نیند موت کا بھائی ہے۔ یہ سُلانا اور پھر جگا دینا سب اللہ ہی کی قدرت اور مشیت سے ہے جو دوبارہ زندہ ہونے کا نمونہ ہے وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ اور وہ جانتا ہے جو دن میں تم اعمال کرتے ہو چونکہ عام طور پر رات ہی کو سوتے ہیں اور دن کو کام کرتے ہیں اسلئے نیند کو رات کی طرف اور کسب عمل کو دن کی طرف منسوب فرمادیا۔ ورنہ جو لوگ دن کو سوتے ہیں رات کو کام کرتے ہیں انکا بھی ہر عمل اللہ کی مشیت وارادہ سے ہے اور سب کچھ اس کے علم میں ہے۔ سونا اور جاگنا انفرادی موت وحیات ہے اور وقوعِ قیامت اجتماعی موت ہے۔ اور اس کے بعد زندہ ہو جانے کا نام بعث ونشور ہے۔ دنیاوی زندگی گذر رہی ہے کبھی خواب ہے کبھی بیداری۔ خواب عارضی موت ہے اور ہر شخص کو حقیقی موت بھی آنی ہے اس حیات دنیوی کے لیے باری تعالیٰ شانہٗ کے علم میں ایک مُدّت مقرر ہے جب یہ مُدّت پوری ہو جائے گی تو مقرر اجل آئے گی۔

ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰٓی اَجَلٌ مُّسَمًّی پھر وہ تمہیں دن میں اٹھاتا ہے یعنی بیدار کرتا ہے تا کہ وقت مقررہ پورا کر دیا جائے، دنیا کی بیداری اور خواب اور موت و حیات اور اکتساب اعمال کو بیان فرمانے کے بعد قیامت کی حاضری کا ذکر فرمایا ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (پھر اس کی جانب تم کو لوٹ کر جانا ہے پھر تم کو بتا دیگا جو تم کرتے تھے) مطلب یہ ہے کہ دنیاوی زندگی کا گذرنا یونہی نہیں ہے، اس میں جو اعمال کرتے ہو قیامت کے دن وہ سامنے آئیں گے اور اُن کا نتیجہ بھی سامنے آئیگا۔ ہر شخص کو وہاں کی فوز و فلاح اور کامیابی کے لیے فکر مند ہونا چاہیئے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَیُرْسِلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰٓی اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ

اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ تمہارے اوپر نگرانی کرنے والے بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم سے کسی کو موت آجاتی ہے تو اُسکو ہمارے فرشتے قبض کر لیتے ہیں،

رُسُلُنَا وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَی اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ ﴿۶۲﴾

اور وہ کوتاہی نہیں کرتے پھر وہ اللہ کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے جو اُن کا مالک حقیقی ہے خبردار! اسی کے لئے حکم ہے اور وہ حساب لینے والوں میں سب سے جلدی حساب لینے والا ہے۔

قُلْ مَنْ یُّنَجِّیْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ

آپ فرمائیے کہ کون تم کو نجات دیتا ہے خشکی اور سمندر کی اندھیروں سے، تم اُسے چپکے عاجزی کے ساتھ پکارتے ہو بلاشبہ اگر ہمیں اس مصیبت سے نجات دیدی

لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۶۳﴾ قُلِ اللّٰهُ یُنَجِّیْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾

تو ہم ضرور ضرور شکر گذاروں میں سے ہو جائیں گے آپ فرما دیجئے اللہ تمہیں مصیبت سے نجات دیتا ہے اور ہر بے چینی سے، پھر تم شرک کرتے ہو

اللہ غالب ہے وہ نگرانی کرنیوالے فرشتوں کو بھیجتا ہے اور ہر مصیبت سے نجات دیتا ہے

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ اللہ اپنے بندوں پر غالب ہے اسے کوئی عاجز نہیں کر سکتا وہ اپنے بندوں کے بارے میں جو کچھ ارادہ فرمائے اس سے کوئی روک نہیں سکتا۔

پھر فرمایا: وَیُرْسِلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةً اور وہ تم پر اپنے نگران بھیجتا ہے۔ اس سے اعمال لکھنے والے فرشتے مراد ہیں جیسا کہ سورۃ الانفطار میں فرمایا وَاِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِیْنَ ۝ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (اور تمہارے اوپر نگران ہیں جو عزت والے کاتب ہیں وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو) بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے کاتبین کے علاوہ دوسرے فرشتے مراد ہیں جو آگے پیچھے آتے جاتے رہتے ہیں۔ اور بندوں کی حفاظت کرتے ہیں جیسے سورہ رعد میں فرمایا لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ یَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ۔ اگر عموم لفظ سے دونوں قسم کے فرشتے مراد لیے جائیں تو

اس میں بھی کوئی بُعد نہیں۔ اعمال لکھنے والے فرشتے حسنات اور سیئات لکھتے ہیں۔ جس میں اقوال واعمال سب آجاتے ہیں۔

سورہ ق میں فرمایا مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (انسان جو بھی کسی بات کا تلفظ کرتا ہے تو اس کے پاس نگران موجود ہے تیار)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تمہارے پاس رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے آگے پیچھے آتے جاتے ہیں۔ اور فجر اور عصر کی نماز میں ان کا اجتماع ہو جاتا ہے پھر وہ فرشتے جو رات کو تمہارے پاس رہے تھے اوپر چلے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ اُن سے دریافت فرماتے ہیں حالانکہ وہ اپنے بندوں کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ جواب میں عرض کرتے ہیں کہ ہم نے اُن کو نماز پڑھتے ہوئے چھوڑا اور جب ہم ان کے پاس گئے تھے تو اُس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۶۲ از بخاری و مُسلم)

پھر فرمایا حَتّٰى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا (یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کے پاس موت آجاتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے قاصد اُسکو اُٹھا لیتے ہیں) یعنی زندگی پھر جو فرشتے بندوں کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں وہ کار مفوضہ انجام دیتے رہتے ہیں پھر جب زندگی کی مدت ختم ہو جاتی ہے اور مقرر اجل آپہنچتی ہے تو وہ فرشتے روح قبض کر لیتے ہیں جو اس کام پر مقرر ہیں۔

صاحب روح المعانی نے ج ۷ ص ۱۱۶ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہاں رُسُلُنَا سے ملک الموت کے اعوان یعنی مددگار مراد ہیں۔ وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ (اور یہ فرشتے جو روح قبض کرنے پر مقرر ہیں کچھ بھی کوتاہی نہیں کرتے)

ثُمَّ رُدُّوْا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ (پھر وہ واپس کئے جاتے ہیں اللہ کی طرف جو اُن کا حقیقی اور واقعی مالک ہے)

اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحَاسِبِيْنَ (خبردار! اُسی کے لیے حکم ہے وہی فیصلے فرمائے گا۔ وہ حساب لینے والوں میں سب سے جلدی حساب لینے والا ہے) جن لوگوں کا حساب لیا جائے گا۔ ان کے مختلف احوال اور مختلف اعمال ہوں گے۔ کسی کا حساب جلدی اور کسی کا دیر میں ختم ہوگا لیکن اگر اللہ تعالیٰ سب ہی کا حساب ذرا سی دیر میں فرمانا چاہیں تو فرما سکتے ہیں فانه لا يشغله حساب عن حساب ولا شان عن شان.

پھر فرمایا قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (آپ فرما دیجئے کون ہے جو تم کو نجات دیتا ہے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "ظلمات البر والبحر" سے شدائد یعنی سختیاں اور مشکلات و مصائب مراد ہیں۔ جب انسان سختیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جو لوگ غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں اور انہیں پکارتے ہیں وہ لوگ بھی مصیبت کے وقت سب کو چھوڑ کر اللہ ہی کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً میں بیان فرمایا کہ تم آڑے وقت میں عاجزی کے ساتھ پوشیدہ طور پر اللہ ہی کو پکارتے ہو۔ اور یوں کہتے ہو لَئِنْ

اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ (اگر ہمیں اس مصیبت سے نجات دیدے تو ہم ضرور بالضرور شکر گذاروں میں سے ہو جائیں گے) یعنی آئندہ ہمیشہ شکر میں لگے رہیں گے۔

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ (اللہ تمہیں اس مصیبت سے اور ہر بے چینی سے نجات دیتا ہے) ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ (پھر تم شرک کرنے لگتے ہو) مصیبت میں خالص اللہ کو پکارتے ہو۔ اور شکر گذاری کے وعدے کرتے ہو پھر جب اللہ تعالیٰ مصیبت دور فرما دیتا ہے تو سب وعدے بھول جاتے ہو اور شرک کرنے لگتے ہو۔

سورہ یونس میں فرمایا فَلَمَّآ اَنْجٰهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (سو جب اُن کو اللہ نے نجات دیدی تو وہ اچانک زمین میں ناحق بغاوت کرنے لگتے ہیں) سورہ عنکبوت میں فرمایا۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ٥ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ وَلِيَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ (پھر جب کشتی میں سوار ہو جاتے ہیں تو اللہ کو پکارتے ہیں اسی کے لیے عبادت کو خالص کر کے، پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف نجات دیدیتا ہے تو اچانک شرک کرنے لگتے ہیں تا کہ وہ ناشکری کریں ہماری دی ہوئی نعمتوں کو اور تا کہ وہ فائدہ اٹھائیں سو وہ عنقریب وہ جان لیں گے) یہ مشرک انسان کا مزاج ہے کہ مُصیبت میں اللہ کی طرف اور آرام میں غیر اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ

آپ فرما دیجئے کہ وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر عذاب بھیج دے تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا بھڑا دے تم کو مختلف جماعتیں کر

شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾

کے اور چکھا دے ایک کو دوسرے کی سختی۔ آپ دیکھ لیجئے کہ ہم کیسی مختلف پہلوؤں سے آیات کو بیان کرتے ہیں تا کہ وہ سمجھ جائیں اور آپ کی قوم

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۭ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾

نے اسے جھٹلایا حالانکہ وہ حق ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ میں تم پر داروغہ بنا کر مقرر نہیں کیا گیا۔ ہر ایک خبر کا ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب تم جان لو گے

اللہ اس پر قادر ہے کہ اُوپر سے یا نیچے سے عذاب بھیج دے یا آپس میں جنگ کرا دے

تفسیر: انسانوں کو بحر و بر میں جو تکلیفیں پہنچ جاتی ہیں اور جن مصائب میں مُبتلا ہو جاتے ہیں۔ ان کے دفعیہ کے لیے اخلاص کے ساتھ سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگتے ہیں۔ پھر جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو ساری دعائیں بھول

جاتے ہیں یہ تو ان مُصیبتوں کا حال ہے جن میں مُبتلا ہو جاتے ہیں اور بے شمار مصیبتیں ایسی ہیں جو پہنچتی ہی نہیں ہیں اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ اوپر سے عذاب بھیج دے۔ پتھر برسا کر ہلاک کر دے۔ بہت زیادہ بارش بھیج دے یا سخت چیخوں کی آوازیں آ جائیں' اور اسے اس پر بھی قدرت ہے کہ بندوں پر نیچے سے عذاب بھیج دے۔ سیلاب آ جانا۔ زمین میں دھنس جانا یا نیچے سے عذاب بھیج دے۔ سیلاب آ جانا۔ زمین میں دھنس جانا۔ یہ نیچے سے عذاب آنے کی صورتیں ہیں اوپر اور نیچے دونوں جہتیں بیان فرما دیں جن سے عام طور پر عذاب آنے کا تصور ہو سکتا ہے ورنہ اللہ کو ہر چھ جہت سے عذاب بھیجنے کی قدرت ہے۔ رسول علیہ کی دعاؤں میں یہ بھی منقول ہے۔

اللّٰھم احفظنی من بین یدی ومن خلفی وعن یمینی وعن شمالی ومن فوقی وَاعوذبک بعظمتک ان اغتال من تحتی یعنی الخسف.

(اے اللہ! میری حفاظت فرما! میرے سامنے سے اور میرے پیچھے سے اور میرے دائیں سے اور میرے بائیں سے اور میرے اوپر سے اور میں آپ کی عظمت سے اسکی پناہ لیتا ہوں کہ اپنے نیچے سے ہلاک کر دیا جاؤں) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۱۰)

اس روایت میں ان اغتال من تحتی کی تفسیر خسف یعنی زمین میں دھنسا دیے جانے سے کی ہے اور اس سے اللہ کی پناہ مانگی ہے۔

سورۂ مُلک میں فرمایا: ءَاَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یَّخۡسِفَ بِکُمُ الۡاَرۡضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوۡرُ اَمۡ اَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یُّرۡسِلَ عَلَیۡکُمۡ حَاصِبًا فَسَتَعۡلَمُوۡنَ کَیۡفَ نَذِیۡرِ (کیا تم اس سے نڈر ہو گئے جو آسمان میں ہے کہ تم پر بھیج دے پتھر برسانے والی ہوا عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کیسا ہے میرا ڈرانا)

اَوۡ یَلۡبِسَکُمۡ شِیَعًا وَّیُذِیۡقَ بَعۡضَکُمۡ بَاۡسَ بَعۡضٍ (یا بھڑا دے تم کو گروہ گروہ کر کے اور چکھا دے بعض کو بعض کی سختی) یہ حاصل ترجمہ ہے' مفسر ابوالبرکات نسفی اپنی تفسیر مدارک التنزیل میں ج ۲ ص ۱۷ لکھتے ہیں۔

او یخلطکم فرقا مختلفین علی اھواء شتی کل فرقة منکم مشایعة لامام ومعنی خلطھم ان ینشب القتال بینھم فیختلطوا ویشتبکوا فی ملا حم القتال.

یعنی اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ تمہارے مختلف فرقے بنا دے جن کے اہواء افکار مختلف ہوں۔ ہر فرقہ اپنے اپنے پیشوا کے پیچھے چلتا ہو۔ اور خلط کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے درمیان جنگ کھڑی ہو جائے اور قتل وقتال کے معرکہ میں خلط ملط ہو جائیں اور ایک فریق دوسرے فریق میں گھس جائے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت ہے کہ تمہارے بہت سے فرقے بنا کر آپس میں جنگ کرا دے اور بعض کو بعض کی قدرت وطاقت اور دشمنی کا مزہ چکھا دے۔ یہ بھی ایک سزا ہے نہ تو آسمان سے آتی ہے اور نہ زمین سے نکلتی ہے۔ انسانوں کے اپنے افکار وتصورات اور معتقدات کی بناء پر فرقے بن جاتے ہیں اور آپس میں لڑائیاں ہوتی ہیں اور یہ

عذاب بہت بڑا عذاب ہے۔ پہلی امتوں پر بھی آتا رہا ہے اور اس امت میں بھی اس کے مظاہرے رہتے ہیں۔

حضرت زید بن اسلم (تابعی) نے بیان کیا کہ جب آیت بالا نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ **لاترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض بالسیوف** (تم لوگ میرے بعد کافر مت ہو جانا جس کی وجہ سے ایک دوسرے کو تلوار سے قتل کیا کرو گے حضرت حسن (تابعی) نے فرمایا کہ عَذَاباً مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ مشرکین کے لئے ہے اَوْيَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ مسلمانوں کے لئے ہے (دُرِّ منثور ج ۳ ص ۲۰)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبیلہ بنی معاویہ کی مسجد پر گذرے۔ وہاں آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی آپ نے لمبی دعا کی اور اس کے بعد فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے تین چیزوں کا سوال کیا۔ مجھے دو چیزیں عطا فرمادیں اور ایک کو قبولیت سے منع فرمادیا۔ میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میری امت کو قحط سے ہلاک نہ فرمانا دعا قبول ہوگئی۔

اور میں نے یہ سوال کی کہ میری امت کو غرق کر کے ہلاک نہ فرمانا۔ میری یہ دعا قبول ہوگئی۔ اور میں نے سوال کیا کہ آپس میں ان کی لڑائی نہ ہو تو اس بات کو قبول نہیں فرمایا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۱۲ ج ۲)

کبھی کبھار کہیں سیلاب آجائے کچھ لوگ غرق ہو جائیں یا قحط سے کچھ لوگ مر جائیں یہ دوسری بات ہے قحط سے یا غرق سے پوری اُمت ہلاک نہ ہوگی۔ اس کی دُعا اللہ جل شانہ نے قبول فرمالی ہے پھر فرمایا اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ (آپ دیکھ لیجئے ہم کیسے آیات کو مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ لوگ سمجھیں) اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ مختلف طریقوں سے تفصیل کے ساتھ دلائل بیان فرمائے تاکہ سمجھنے والے غور و فکر کریں اور سمجھنے کا ارادہ کریں تو سمجھ لیں۔

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ (اور آپ کی قوم نے اس عذاب کی تکذیب کی حالانکہ وہ حق ہے) قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ یعنی اگر وہ یوں کہیں کہ عذاب کب آئیگا تو آپ جواب دیدیں کہ میں تمہارے اوپر داروغہ بنا کر مقرر نہیں کیا گیا۔ عذاب کا لانا میرے بس میں نہیں ہے اللہ جب چاہے گا لے آئیگا۔

پھر فرمایا لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (ہر ایک خبر کا ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب تم جان لوگے) مطلب یہ ہے کہ جو خبریں دی گئی ہیں یہ محض خبریں ہی نہیں ہیں ان کے وقوع اور حصول کا وقت مقرر ہے جو اللہ کے علم میں ہے مقرر وقت آجائے گا تو اس کا ظہور ہو جائیگا اور تمہیں عنقریب تکذیب کی سزا معلوم ہو جائے گی۔

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ

اور اے مخاطب! جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیات کے بارے میں عیب جوئی کرتے ہیں تو ان سے کنارہ ہو جا! یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی دوسری بات میں لگ جائیں۔

وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ

اور اگر تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آجانے کے بعد ظالموں کے ساتھ مت بیٹھ۔ اور جو لوگ

يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ

احتیاط کرتے ہیں ان پر ظالموں کے حساب میں سے کچھ بھی نہیں ہے لیکن نصیحت ہے تا کہ وہ ڈرنے لگیں اور چھوڑ دے ان لوگوں کو جنہوں نے اپنے دین کو

لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِنْ

کھیل اور تماشا بنا لیا ہے اور دنیاوی زندگی نے ان کو دھوکے میں ڈالا ہے۔ اور قرآن کے ذریعہ ان کو نصیحت کیجیے تا کہ کوئی شخص اپنے اعمال کی وجہ سے نہ پھنس جائے جس کے لئے

دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا

اللہ کے علاوہ کوئی حمایتی اور سفارش کرنے والا نہ ہوگا۔ اور اگر نفس ہر طرح سے جان کا بدلہ دے تو اس سے نہ لیا جائے گا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اعمال کی وجہ سے

لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

پھنس گئے۔ ان کے لئے پینا ہے گرم پانی سے اور دردناک عذاب ہے کفر کرنے کی وجہ سے

ان مجلسوں میں بیٹھنے کی ممانعت جن میں اسلام کا مذاق بنایا جارہا ہو

تفسیر: بعض مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ مسلمین اور مشرکین ایک جگہ بیٹھتے تھے۔ مشرکین کو قرآن مجید کا احترام نہ تھا۔ بیٹھے بیٹھے اہل ایمان کے سامنے قرآن مجید کا مذاق بنانے لگتے تھے اور امور دین پر طعن کرنے لگتے تھے۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ جب تم ان ظالموں کو دیکھو تو ان سے اعراض کرو اور کنارہ کشی اختیار کرو۔ ہاں جب اپنی اس حرکت بد کو چھوڑ دیں اور دوسرے کسی کام میں عمل میں مشغول ہو جائیں تو پھر ان کے ساتھ بیٹھ سکتے ہو۔ اگر وہ استہزاء اور تمسخر کر رہے ہوں۔ اور تم بھولے سے ان کے پاس بیٹھے رہو تو جب یاد آ جائے اُٹھ جاؤ۔ اور ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو۔

یہ مضمون سورۂ نساء میں بھی گذرا ہے۔ وہاں اس آیت کا حوالہ دیکر فرمایا ہے وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ (سورۂ نساء آیت ۱۴۰)

اہل کفر سے اگر بالکل ہی دور رہیں تو ان کو حق بات کیسے پہنچائی جائے۔ اور نصیحت اور موعظت کا راستہ کیسے نکالا جائے۔ اس کے لئے ملنے کی ضرورت ہوتی ہے اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ (اور جو لوگ احتیاط کرتے ہیں ان پر ظالموں کے حساب میں سے کچھ بھی نہیں ہے لیکن نصیحت ہے تا کہ وہ ڈرنے لگیں)

اگر دینی یا دنیاوی ضرورت سے ان کے پاس جانا ہو جائے تو جو لوگ ایمان میں مضبوط ہیں اور منکر کو منکر جانتے ہوئے اپنی ذات کو محفوظ رکھ سکتے ہوں ان پر ان لوگوں کے حساب یعنی باز پرس اور طعن کرنے کے گناہ کا کوئی اثر نہ ہوگا جو تمسخر و استہزاء میں مشغول ہوں، یہ لوگ ان کے پاس جائیں ان کو نصیحت کریں۔ ممکن ہے نصیحت ان لوگوں کے حق میں کارگر

ہو جائے اور وہ طعن و تشنیع اور عیب جوئی سے پرہیز کریں۔ جس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ وہ اسلام کو قبول کر لیں۔

صاحب روح المعانی ج ۷ ص ۱۸۴ نے ابو جعفر سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ نازل ہوئی تو مسلمانوں نے کہا کہ مشرکین جب قرآن کریم کا استہزاء کرنے لگیں اور ہم اُسی وقت وہاں سے اُٹھ جائیں۔ پھر تو ہم مسجد حرام میں نہیں بیٹھ سکتے۔ اور بیت اللہ کا طواف بھی نہیں کر سکتے (کیونکہ مشرکین تو اپنی حرکت سے باز آنے والے نہیں) اس پر آیت وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ نازل ہوئی۔ جس میں یہ بتا دیا گیا کہ جب تم اپنے اعمال میں لگے ہوئے ہو اُن کی مجلس میں شریک نہیں ہو تو تم پر ان کے اعمال کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ اور جب اختلاط ہو جائے تو ان کی نصیحت اور خیر خواہی سے بھی غافل نہ ہونا۔ ممکن ہے نصیحت اثر کر جائے۔

لہو و لعب والوں کو چھوڑ دیجئے جنہیں دنیاوی زندگی نے دھوکہ میں ڈالا: اس کے بعد فرمایا وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا (الآیۃ) پہلی آیت میں اس بات کا ذکر تھا کہ جو لوگ آیات کا تمسخر و استہزاء کر رہے ہیں ان سے اعراض کرو اور ان کے ساتھ نہ بیٹھو۔

اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ ان سے اعراض کرنا کوئی مجلسوں کی شرکت کرنے پر ہی منحصر نہیں ہے۔ بلکہ مستقل یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جن لوگوں نے اپنے دین کو (یعنی ترک کرنے اس دین اسلام کو جو اُن کے لئے اللہ پاک نے بھیجا ہے) لہو لعب بنا لیا ہے۔ ان کو چھوڑے رکھو ان کو دنیاوی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔ اسی کو لذتوں میں مشغول ہیں اور آخرت سے غافل نہیں لیکن اس اعراض اور ترک تعلقات کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو تبلیغ نہ کی جائے۔ اس قرآن کے ذریعہ ان کو تبلیغ کرتے رہو۔ تا کہ کوئی شخص اپنے کردار کی وجہ سے عذاب میں نہ پھنس جائے اور ہلاک نہ ہو جائے۔

دنیا میں جو لوگ ہدایت سے دور ہیں حق قبول نہیں کرتے آخرت میں اُن کے لئے اللہ کے سوا کوئی دوست و سفارش کرنے والا نہ ہوگا۔ رسول کا کام تو دعوت دینا اور واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔ تا کہ اسکی دعوت کو قبول کر کے آخرت کی پکڑ اور عذاب سے محفوظ ہو جائیں لیکن اگر کوئی شخص اس ہدایت کو نہیں مانتا تو وہ اسکی اپنی حماقت ہے۔

میدان قیامت میں نہ کوئی مددگار ہوگا اور نہ سفارش کرنے والا ہوگا۔ اور اس وقت جو لوگ عذاب کی مصیبت میں گرفتار ہوں گے۔ وہ چاہیں گے کہ کچھ دے دلا کر چھوٹ جائیں اول تو وہاں فدیہ یعنی جان کا بدلہ دینے کے لئے کچھ نہ ہوگا اور بالفرض ہو بھی اور ہر طرح کا عوض دے کر جان چھڑانا چاہے تو کوئی عوض اور بدلہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ سورہ مائدہ میں فرمایا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اور بھی کئی جگہ قرآن مجید میں اس مضمون کو بالتصریح بیان فرمایا ہے۔

پھر فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا (کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اعمال کی وجہ سے عذاب میں پھنس

گئے) لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ (ان کے لئے پینا ہے گرم پانی سے) جو بہت گرم ہوگا۔ سورہ محمد میں فرمایا وَسُقُوا مَآءً حَمِيماً فَقَطَّعَ اَمْعَآءَ هُمْ (اوراُن کو گرم پانی پلایا جائے گا جو ٹکڑے ٹکڑے کر دیگا ان کی آنتوں کو) وَعَذَابٌ اَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا ان کے کفر کرنے کی وجہ سے)

فائدہ: مذکورہ بالا آیات سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان کو ایسی مجلسوں اور محفلوں میں جانا اور شریک ہونا ممنوع ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی یا رسول اللہ علیہ کی یا کتاب اللہ کی یا دین خداوندی کی یعنی اسلام کی تکذیب کی جاتی ہو یا ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہو۔ جن ملکوں میں مسلمان رہتے اور بستے ہیں ان میں ایسے ممالک بھی ہیں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور دشمنان اسلام اپنی اسلام دشمنی میں دین اسلام کا مذاق اڑانے اور رسول اللہ علیہ اور کتاب اللہ کا تمسخر کرنے سے باز نہیں آتے۔ اس کے لئے مجلسیں منعقد کرتے ہیں۔ ڈرامے تیار کرتے ہیں، مسلمانوں کو بھی شرکت کی دعوت دیتے ہیں۔

مسلمان، جہالت اور حماقت سے ان میں شریک ہو جاتے ہیں اور ملنساری سمجھ کر گوارا کر لیتے ہیں اسی طرح بعض دشمنان اسلام ایسے مضامین اور ایسی کتابیں شائع کر دیتے ہیں جن میں اسلام اور قرآن کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ کالج اور یونیورسٹیوں کے بے علم سٹوڈنٹس ریسرچ وغیرہ کے عنوان سے ان کو پڑھتے ہیں۔ حالانکہ ایسے اجتماعات میں شرکت اور ایسے رسائل کا پڑھنا حرام ہے۔ اپنے دین کا مذاق اپنے کانوں سے سُننا یا اپنی آنکھوں سے ایسے رسائل پڑھنا نہایت بے غیرتی کی بات ہے اگر کہیں غلطی سے کسی ایسے اجتماع میں شرکت کر لی جس میں دین اسلام کی کسی بھی چیز کا استہزاء کیا جا رہا ہو تو علم ہو جانے پر اُسی وقت وہاں سے اُٹھ کر چلے جائیں اور فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ پر عمل کریں۔

البتہ بعض ایسی صورتیں سامنے آ جاتی ہیں کہ دشمنوں کی باتوں کا توڑ کرنا ضروری ہوتا ہے اور ان کو منہ توڑ جواب دینا لازم ہوتا ہے ایسی نیت سے وہاں پہنچنا جائز ہے مگر اسی شخص کیلئے جو اُن کا جواب دے سکے۔

آج کل مصیبت یہ ہے کہ مسلمان اسلام کو تو پڑھتے ہی نہیں۔ بیس بیس سال دنیاوی علوم کی ڈگریاں حاصل کرنے میں لگا دیتے ہیں لیکن اسلام کے عقائد اور ارکان سے اور قرآن وحدیث اور نبی اکرم علیہ کی سیرت سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اسلئے دشمن کے اعتراضوں کو پیتے چلے جاتے ہیں ان کے جواب دینے سے عاجز ہوتے ہیں۔ اور بعض تو ان کی باتوں سے متاثر ہو جاتے ہیں اور ان کے دلوں میں اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات جگہ پکڑ لیتے ہیں اور جہالت کی وجہ سے احساس کمتری کا یہ عالم ہوتا ہے کہ دشمنوں کے اعتراض سنتے رہتے ہیں۔ اور کافروں پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتے۔

ایسے لوگوں کے لئے بالکل اختلاط اور میل ملاپ حرام ہے۔ عجیب تر بات یہ ہے کہ اسلامیات کی ڈگری لینے مستشرقین کے پاس جاتے ہیں اور وہ ان کے سامنے اسلام پر اعتراض کرتے ہیں اور اعتراضات ہی کا سبق دیتے ہیں اور انہوں نے جو کچھ پڑھایا ہے اس کے مطابق جواب ملنے سے ڈگری ملتی ہے پھر مسلمان طلباء میں آ کر اپنی باتوں کی تبلیغ کرتے ہیں جو

دشمنان دین سے سیکھ کر آئے ہیں۔ ایسی یونیورسٹیوں میں داخل ہونا بالکل حرام ہے۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ

آپ فرما دیجئے کیا ہم پکاریں اللہ کے سوا جو ہمیں نفع نہیں دیتا اور جو ہمیں ضرر نہیں دیتا اور کیا ہم اسکے بعد الٹے پاؤں لوٹا دیئے جائیں جبکہ اللہ نے ہمیں ہدایت دی

كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا

کیا ہم اس شخص کی طرح ہو جائیں جسے شیاطین نے جنگل میں بے راہ کر دیا ہو اس حال میں کہ حیران ہو کر بھٹکتا پھر رہا ہو۔ اس کے ساتھی ہیں جو اُسے بلاتے ہیں کہ ہدایت کی طرف آجا ہمارے پاس۔

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ

آپ فرما دیجئے بے شک اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے۔ اور ہم کو حکم ہوا ہے کہ ہم سارے جہانوں کے پروردگار کے فرمانبردار ہو جائیں۔ اور یہ کہ نماز کو قائم کرو اور رب العالمین سے ڈرو۔

وَهُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ

اور وہی ہے جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے اور وہی ہے جس نے حق کے ساتھ آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا۔ اور جس دن وہ فرمائے گا کہ ہو جا

فَيَكُوْنُ قَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾

سو وہ ہو جائے گا اور اس کا فرمان حق ہے اور اسی کے لئے ساری حکومت ہے جس دن صور پھونکا جائے گا۔ وہ جاننے والا ہے غیب کی چیزوں کو اور ظاہر چیزوں کو۔ اور وہ حکمت والا ہے خبر رکھنے والا ہے

صرف اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے

تفسیر: تفسیر دُرِّ منثور ج ۲ ص میں نقل کیا ہے کہ مشرکین نے اہل ایمان سے کہا کہ تم ہمارے راستہ کا اتباع کر لو اور محمد ﷺ کا راستہ چھوڑ دو۔ اس پر آیت کریمہ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا۔ نازل ہوئی۔

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بطور مثال ایک شخص کی حالت بیان فرمائی ہے جو کہ راستہ سے بھٹک گیا۔ اور جو لوگ اس کے ساتھ تھے اُسے صحیح راستہ کی طرف بُلا رہے ہیں اور جنگل میں جہاں وہ راہ گم کر چکا تھا وہاں شیاطین بھی موجود ہیں انہوں نے اسے پریشان کر رکھا ہے وہ اسے اپنی خواہشوں پر چلانا چاہتے ہیں۔ اس حالت میں وہ حیران کھڑا ہے۔ اگر وہ شیاطین کی طرف جاتا ہے تو وہ ہلاکت میں پڑتا ہے۔ اور اگر اپنے ساتھیوں کی آواز پر جاتا ہے تو ہدایت پا جاتا ہے اور شیاطین سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

اہل ایمان کو کافروں نے واپس گمراہی کی طرف لوٹ جانے کی دعوت دی اور بُت پرستی کی ترغیب دی۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ تم ان کو جواب دیدو کیا اللہ کو چھوڑ کر جو پوری طرح نفع و ضرر کا مالک ہے ہم ان کو پکاریں جو کچھ بھی نفع و ضرر نہیں دے سکتے اور کیا اللہ کی طرف سے ہدایت مل جانے کے بعد الٹے پاؤں واپس ہو جائیں؟ ایسا نہیں ہو گا۔ خدا نخواستہ العیاذ باللہ! اگر ہم ایسا کر لیں تو ہماری وہی مثال ہو جائیگی جیسے کوئی شخص جنگل میں راہ بھٹکا ہوا کھڑا ہوا سے شیاطین

نے حیران ہلکان کر رکھا ہو وہ اسے اپنی گمراہی میں ڈالنا چاہتے ہیں اور اس کے ساتھی اُسے ہدایت کی طرف بُلا رہے ہیں۔
خدانخواستہ اگر ہم کافروں کی بات مان لیں تو ہماری وہی حالت ہو جائے گی جو اُس حیران پریشان شخص کی حالت ہوتی ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى (آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے) جب ہمیں اللہ نے ہدایت کی نعمت سے نواز دیا تو اب ہم کفر وشرک کی طرف کیوں جائیں؟ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (اور ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ رب العالمین ہی کے فرماں بردار رہیں) وَاَنْ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ (اور یہ بھی حکم دیا ہے کہ نماز قائم کرو اور رب العالمین سے ڈرو) وَهُوَ الَّذِیْٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ (اور وہی رب العٰلمین ہے جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے) جب اسکی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اس وقت سب کے فیصلے ہو جائیں گے۔ ہم اس کی عبادت کو کیسے چھوڑ دیں اور اسکی توحید سے کیسے منہ موڑیں۔

پھر فرمایا: وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ (اور ہمارا رب وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ یعنی بالکل ٹھیک طریقے پر پیدا فرمایا) وَیَوْمَ یَقُوْلُ كُنْ فَیَكُوْنُ (اور جس دن اللہ تعالیٰ فرمادے گا کہ ہو جا بس ہو جائے گا) یعنی قیامت کے دن کا حشر ونشر کچھ بھی مستبعد نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کُنْ فرما دینا ہی اس کے وجود میں آ جانے کے لئے کافی ہے۔

قَوْلُهُ الْحَقُّ (اس کا فرمادینا حق ہے) وَلَهُ الْمُلْكُ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ (اور جس دن صور پھونکا جائے گا ساری حکومت اسی کی ہوگی) کوئی بھی مجازی بااختیار باقی نہ رہے گا۔ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ (وہ جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہری چیزوں کا) وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ (اور وہ حکمت والا خبر رکھنے والا ہے) وہ حکمت کے مطابق اور اپنے علم کے مطابق جزا سزا دیگا۔ اور صور پھونکے جانے میں تاخیر ہونا اسکی حکمت کے مطابق ہے۔ جب اُس کی حکمت کا تقاضا ہو گا صور پھونکنے کا حکم فرمادیگا۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّیْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۷۴﴾

اور جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کہا کیا تو بتوں کو معبود مانتا ہے؟ بلاشبہ میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھ رہا ہوں'

وَكَذٰلِكَ نُرِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ

اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں کی اور زمین کی مخلوقات دکھائیں۔ تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔ پھر جب اُس پر رات کی تاریکی چھا گئی تو

رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ

ایک ستارہ دیکھا کہا یہ میرا رب ہے پھر جب وہ ستارہ غروب ہو گیا تو یوں کہا کہ میں غائب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا پھر جب چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ میرا رب ہے

فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً

پھر جب وہ غروب ہو گیا تو کہا اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ کرتا تو میں ضرور گمراہ لوگوں میں سے ہوتا' پھر جب سورج کو چمکتا ہوا دیکھا

قَالَ هٰذَا رَبِّىْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ

تو کہا کہ یہ میرا رب ہے۔ یہ سب سے بڑا ہے پھر جب سورج غروب ہو گیا تو کہا اے میری قوم! میں ان چیزوں سے بری ہوں۔ جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو بے شک میں نے اپنا رخ

لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ۚ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّىْ

اُس ذات کی طرف موڑا جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا۔ میں سب کو چھوڑ کر اسی کی طرف مائل ہونے والا ہوں۔ اور مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

فِى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۚ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّىْ شَيْـًٔا ۗ وَسِعَ رَبِّىْ كُلَّ شَىْءٍ عِلْمًا ۗ

اور اس کی قوم نے حجت بازی کی تو اس نے جواب میں کہا کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے حجت بازی کرتے ہو حالانکہ اس نے مجھے ہدایت عطا فرمادی،

اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ

اور میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اس کا شریک بناتے ہو مگر ہاں جو کچھ میرا رب چاہے میرے پروردگار کا علم ہر چیز کو احاطہ کئے ہوئے ہے، کیا تم نصیحت حاصل نہیں

عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۚ فَاَىُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا

کرتے؟ اور میں کیونکر ان سے ڈروں جنہیں تم نے شریک بنایا ہوا ہے حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک بنالیا ہے جس کی کوئی دلیل

اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝

تم پر اللہ نے نازل نہیں فرمائی۔ سو دونوں فریقوں میں کون امن کا مستحق ہے اگر تم جانتے ہو

چاند سورج اور ستاروں کی پرستش کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مناظرہ

تفسیر: حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے بعد آنیوالے تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے باپ ہیں ان کی قوم بابل کے آس پاس رہتی تھی جو آجکل عراق کا ایک شہر ہے اس وقت وہاں کا بادشاہ نمرود نامی ایک شخص تھا وہ خدائی کا دعویدار تھا۔ ساری قوم بُت پرست تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد جس کا نام آزر تھا وہ بھی بُت پرست تھا اور ساری دنیا کفر و شرک میں مبتلا تھی۔ ایسے موقعہ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی وہ خالص مُوَحّد تھے۔ اللہ پاک کی توحید کی طرف انہوں نے اپنے باپ اور قوم کو دعوت دی اور اس بارے میں انہوں نے بہت تکلیف اٹھائی۔ نمرود سے آپ کا مناظرہ ہوا۔ (جس کا ذکر سورہ بقرہ کی آیت اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ میں گذر چکا ہے) اپنی قوم کو انہوں نے طرح طرح سے سمجھایا اور قائل کیا لیکن قوم نے ایک نہ مانا بُت پرستی پر جمے رہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا۔ جس کا واقعہ سورہ انبیاء (رکوع ۵) میں اور سورہ صافات (رکوع نمبر ۳) میں مذکور ہے۔

اپنے والد سے جو ابراہیم علیہ السلام نے خطاب فرمایا یہاں اس کا ذکر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اَتَتَّخِذُ

اَصْنَامًا اٰلِهَةً (کیا تو بتوں کو معبود بناتا ہے) اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں) سورۂ مریم میں ہے اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْـًٔا (جبکہ ابراہیم نے کہا اے میرے باپ تم کیوں ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو نہ سُنے اور نہ دیکھے اور تمہیں کوئی فائدہ نہ دے)

اپنے باپ کو صراطِ مستقیم کی دعوت دی اور بتایا کہ شیطان کی عبادت نہ کرو اور یہ بھی فرمایا تم جس دین پر ہو اس پر قائم رہنے سے اللہ پاک کی طرف سے عذاب پہنچ جائے گا۔ ان کے باپ نے ساری سُنی ان سُنی کر دی۔ اور کوئی بات نہ مانی اور سختی کے ساتھ جواب دیا۔ کہ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا (اگر تو باز نہ آیا تو تجھے ضرور بالضرور سنگسار کر دوں گا۔ یعنی پتھر مار مار کر ہلاک کر دوں گا اور تو مجھے چھوڑ کر بالکل ہی علیحدہ ہو جا)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو مختلف عنوانات سے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی اس کے ذیل میں ستارہ پرستوں سے بھی خطاب فرمایا علامہ ابن کثیر دمشقی البدایہ والنہایہ ج ا ص ۱۴۰ میں لکھتے ہیں کہ دمشق اور اُس کے آس پاس کے لوگ کواکب سبعہ (سات ستاروں) کی عبادت کیا کرتے تھے۔ دمشق کے سات دروازے تھے اور وہاں میلے لگاتے تھے۔ اور بھینٹ اور نذرانے چڑھاتے تھے۔ (کواکب سبعہ سے شمس۔ قمر۔ زحل۔ عطارد۔ مریخ۔ مشتری۔ اور زُہرہ مراد ہیں)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ جو یہاں قرآن مجید میں مذکور ہے۔ اپنے علاقے سے ہجرت کرنے کے بعد دمشق کے آس پاس کہیں پیش آیا واقعہ یہ ہے کہ ان کو ایک چمکدار ستارہ نظر آیا صاحب روح المعانی ج ۷ ص ۱۹۸ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ ستارہ مشتری تھا۔ اور حضرت قتادہؓ کی طرف یوں منسوب کیا ہے کہ یہ ستارہ زُہرہ تھا۔ بہر حال جو بھی ستارہ ہو خوب چمکدار اور روشن تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے دیکھ لیا تو اُس وقت جو ستارہ پرست موجود تھے ان سے بطور فرض بحیثیت ایک الزام دینے والے مناظر کے یوں فرمادیا کہ یہ میرا رب ہے خود تو موحد تھے۔ غیر اللہ کو رب نہیں مانتے تھے لیکن ان کو آخر میں قائل کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا' وہ ستارہ کچھ دیر کے بعد چھپ گیا تو آپ نے فرمایا کہ چھپ جانے والوں اور غروب ہونے والوں سے میں محبت نہیں کر سکتا' جو چھپ گیا وہ کہاں اس قابل ہو سکتا ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔

ابھی صاف بات نہ کہی حقیقت کی طرف اشارہ فرمادیا۔ اس کے بعد چاند نظر آیا جو بہ نسبت ستاروں کے بڑا تھا اور خوب زیادہ روشنی والا تھا۔ اس کو دیکھ کر اُسی پہلے انداز کے مطابق فرمادیا کہ یہ میرا رب ہے۔ پھر وہ بھی غروب ہو گیا تو اس مرتبہ فرمایا کہ اگر میرے رب نے مجھے ہدایت نہ دی ہوتی تو میں گمراہوں میں سے ہو جاتا۔ جب ستارہ غروب ہوا تھا تو فرمایا تھا کہ میں چھپ جانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ یعنی جو غائب ہو جائے اور ذاتی طور پر ایک حال پر باقی نہ رہ سکے میں اسے معبود نہیں مان سکتا' بات کو اپنے اوپر رکھ کر کہا جو گمراہوں کو دعوت دینے کا تبلیغ طریقہ ہے اس میں ان لوگوں پر تعریض تھی کہ تم لوگ عدیب ہو۔ جسے اپنے اوپر اختیار نہیں اسکو معبود بنائے ہوئے ہو' چونکہ پہلی مرتبہ ستارہ کے غروب ہونے پر وہ لوگ

کسی درجہ میں قائل ہو چکے تھے اسلئے چاند کے غروب ہو جانے پر بات کا رُخ بدل دیا۔

اس مرتبہ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ نہیں فرمایا بلکہ یوں فرمایا لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ اس میں بھی بات کو اپنے اوپر رکھا اور فرمایا میرا رب مجھے ہدایت نہ دیتا تو میں گمراہوں میں سے ہوتا۔ اس میں اشارۃً یہ بیان فرمادیا کہ تم لوگ ستارہ پرستی کی وجہ سے گمراہ ہو پھر جب سورج نکلا وہ اپنی چمک اور روشنی میں ستاروں سے اور چاند سے بڑھ کر تھا' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان لوگوں سے کہا کہ یہ میرا رب ہے یہ پہلے دونوں چمک دار ستاروں سے بڑا ہے۔ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اسی دنیا میں رہتے تھے۔ اور روزانہ آفتاب کو بھی دیکھتے تھے۔ اور انہیں معلوم تھا کہ آفتاب سے بڑا دوسرا کوئی ستارہ اپنے وجود مادّی اور چمک دمک کے اعتبار سے نہیں ہے' اور اس کے بعد کوئی بڑا ستارہ طلوع ہونے والا نہیں لہٰذا اُنہوں نے تیسری مرتبہ ستارہ پرستوں کو قائل کرنے کا موقع تھا اسلئے سورج کے غروب ہونے کا انتظار فرمایا' جب سورج بھی غروب ہو گیا تو بہت زوردار طریقہ پر فرمادیا۔

یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ (کہ اے میری قوم! جن چیزوں کو تم شریک بناتے ہو میں اُن چیزوں سے بری ہوں بیزار ہوں)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حاضرین کو بتایا کہ جن چیزوں کو تم معبود بناتے ہو ان کو تم نے معبود حقیقی کی خدائی میں شریک کر رکھا ہے۔ تمہارا یہ طریقہ غلط ہے جن چیزوں کو تم پوجتے ہو یہ تو اسی خدا وحدہٗ لاشریک کی مخلوق ہیں جس کی مشیت اور ارادہ سے ان کا وجود ہے۔ اور جس کی مشیت وارادہ سے یہ آتے جاتے ہیں نکلتے ہیں اور چھپتے ہیں۔

نیز یہ بھی بتادیا کہ میں شرک سے بری ہوں جس میں تم لگے ہوئے ہو تمہیں بھی شرک سے بیزار ہو جانا چاہئے۔ کیونکہ خالق جلّ مجدہٗ کے علاوہ کسی کو پوجنا راہِ ہدایت کے خلاف ہے۔ اس بات کی طرف لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ فرما کر اشارہ کر چکے تھے۔ کنایہ اور اشارہ کے بعد تصریح کا راستہ اختیار فرمایا اور واضح طور پر فرمادیا۔ کہ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ میں نے اپنا رُخ پھیر دیا اس ذات پاک کی طرف جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ میں باطل معبودوں کی طرف متوجہ نہیں ہوں میں اُن سے منہ موڑے ہوئے ہوں اور شرک کرنے والا نہیں ہوں۔

قوم کی حُجّت بازی کا جواب: باوجود یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارہ پرستوں کو دلیل سے عاجز کر دیا۔ اور بتا دیا کہ جس کے قبضہ قدرت میں ان چھوٹے بڑے ستاروں کا تصرف ہے' جس کے حکم سے یہ طلوع غروب ہوتے ہیں صرف وہی عبادت اور پرستش کے لائق ہے اور کسی بھی مخلوق کی عبادت کرنا یہ خالق و مالک کے ساتھ شرک کرنا ہے جو عقلی طور پر بھی بدترین چیز ہے' اور اپنے بارے میں موحّد ہونے اور شرک سے بیزار ہونے کا اعلان فرما دیا تب بھی ان کی قوم نے

حجت بازی جاری رکھی۔ وہ کہنے لگے کہ تم یہ کیسے کہتے ہو یہ چیزیں عبادت کے لائق نہیں۔ ہم تو اپنے باپ دادوں کو ان کی عبادت کرتے ہوئے دیکھتے آئے ہیں تم ہم سے ہمارا دین چھڑوانا چاہتے ہو۔ حالانکہ تم کو بھی ہمارے دین میں آجانا چاہئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں فرمایا اَتُحَآجُّوْنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ (کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو حالانکہ اُس نے مجھے ہدایت دی) جب مجھے ہدایت مل گئی جس کو میں پوری طرح بصیرت سے ہدایت سمجھتا ہوں تو اب معبود حقیقی کو کیسے چھوڑوں اسی نے مجھے ہدایت دی ہے اور اسی سے میں ہر طرح کی خیر کی امید رکھتا ہوں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے معبود سے ڈرایا ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے واضح طور پر فرمادیا کہ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖ (کہ جن چیزوں سے مجھ کو ڈراتے ہو میں ان سے نہیں ڈرتا) یہ تو خود بے جان ہیں۔ نفع وضرر کے مالک نہیں۔

مزید فرمایا اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا۔ تمہارے یہ معبودان باطلہ تو کچھ بھی ضرر اور نقصان نہیں پہنچا سکتے ہاں میرا رب ہی اگر چاہے تو ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی نقصان یا تکلیف پہنچ جائے۔ میرے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ (کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے) دلیل سے عاجز ہو جانے کے بعد اور یہ جاننے کے بعد کہ تمہارے اور معبودان باطلہ کچھ نفع اور ضرر نہیں پہنچا سکتے شرک پر اَڑے ہوئے ہو تمہاری سمجھ میں آجانا چاہئے اور تمہیں نصیحت قبول کرنی چاہئے۔

قال صاحب الروح ج۷ ص ۲۰۵ ای اتعرضون بعد ما اوضحته لکم عن التامل فی ان الهتکم بمعزل عن القدرة علی شی ما من النفع او الضرر فَلَا تتذکرون انها غیر قادرة علیٰ اضراری (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یعنی کیا تم میرے واضح کردینے کے بعد بھی اس بات میں غور کرنے سے بھاگتے ہو کہ تمہارے معبود کسی قسم کا کچھ بھی نفع یا نقصان پہنچانے کی کوئی طاقت نہیں رکھتے، کیا اب بھی تم نہیں سمجھتے کہ وہ مجھے نقصان دینے پر قادر نہیں ہیں)

پھر فرمایا وَكَیْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ میں ان چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم نے شریک بنایا ہے وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا (حالانکہ تم نہیں ڈرتے اس بات سے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک بنالیا جن کے شریک ہونے کی اللہ نے تم پر کوئی دلیل نازل نہیں کی) تمہارے معبود تو بے قدرت ہیں۔ میں ان کی طرف سے بے خوف ہوں اور پُر امن ہوں۔ میں ان سے کیوں ڈروں۔ تم پر لازم ہے کہ معبود حقیقی سے ڈرو جسے نفع وضرر پہنچانے کی پوری قدرت ہے۔ اور تم نے اس کے جو شریک تجویز کر لیے ہیں یہ سب اپنے پاس سے تجویز کئے ہیں جس کی کوئی سند اور دلیل اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔ اپنی اس حرکت بد کیوجہ سے تمہیں معبود حقیقی سے ڈرنا لازم ہے۔

قال صاحب الروح ج۷ ص ۲۰۲ ای کیف اخاف انا ما لیس فی حیز الخوف اصلًا وانتم لا تخافون غائلة ما هو اعظم المخوفات واهولها وهو اشراککم بالله تعالٰی الذی فطر السّمٰوٰت والارض ماهو من جملة مخلوقاته. (صاحب روح المعانیؒ فرماتے ہیں یعنی میں اس چیز سے کیسے ڈروں جو کہ بالکل ڈرنے کے قابل نہیں ہے اور تم اس شر سے نہیں ڈرتے جو کہ سب سے زیادہ ڈرنے کی چیز ہے اور سب سے زیادہ اندوہناک ہے اور وہ ہے تمہارا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا جس نے آسمانوں اور زمینوں کو بنایا جو اس کی مخلوقات میں سے ہیں)

فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (سو دونوں فریقوں میں کون سا فریق امن کا مستحق ہے اگر تم جانتے ہو)۔

مطلب یہ ہے کہ میں تو معبود حقیقی کا پرستار اور عبادت گذار ہوں اور تم نے اس کے ساتھ شریک بنا رکھے ہیں تم غور کر لو کہ لائق امن وامان کون ہے میں ہوں یا تم ہو؟ مجرم تو تم ہو شرک کرتے ہو اور معبود حقیقی سے نہیں ڈرتے اور مجھے باطل معبودوں سے ڈراتے ہو اپنی صحیح سمجھ سے کام لیتے تو تمہارا علم تمہیں صحیح راہ پر ڈال دیتا۔

پھر فرمایا اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ حضرت ابراہیم اور ان کی قوم کے ساتھ ان کا مکالمہ اور مباحثہ بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک مستقل قانون بتا دیا اور وہ ایک ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان میں ظلم یعنی شرک کی ملاوٹ نہ کی تو ان کے لیے امن کی ذمہ داری ہے اور ان کے لیے یہ بات طے شدہ ہے کہ وہ امن سے رہیں گے اور یہ بھی طے شدہ ہے کہ وہ ہدایت پر ہیں۔ اہل ایمان کے بارے میں باامن ہونے کی بشارت دیدی جو ایمان اللہ کے ہاں معتبر ہے اس کے علاوہ جو عقائد و اعمال ہوں ان کے بارے میں کوئی کیسا ہی ہدایت پر ہونے کا دعوے دار ہو وہ ہدایت پر نہیں۔ اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ہم بھی تو خدا کو مانتے ہیں لہٰذا ہم بھی عذاب سے بے خوف ہونے کے مستحق ہیں۔ اور ہدایت پر ہیں اس آیت میں جواب دیدیا کہ ان لوگوں کا اللہ کو ماننا اور اللہ کے نزدیک مقبول و معتبر نہیں ہے جو اپنے ایمان میں شرک کو ملاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے تجویز کرتے ہیں اللہ کے ہیں ایمان معتبر ہے جس میں اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک پر اور اس کے رسولوں پر اور اس کی کتابوں پر اور آخرت کے دن پر اور اُن تمام چیزوں پر ایمان لائے جو اللہ نے اپنے نبیوں کے ذریعہ بتائی ہیں خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کے بعد تو آپ پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مومن ہو ہی نہیں سکتا۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَیْنٰهَاۤ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۸۳﴾

اور یہ ہماری حجت تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی۔ ہم جس کو چاہیں مرتبوں کے اعتبار سے بلند کرتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب حکمت والا ہے علم والا ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَیْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَیْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّیَّتِهٖ دَاوٗدَ

اور ہم نے ان کو اسحٰق اور یعقوب عطا کئے اور ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی۔ اور اس سے پہلے ہم نے نوح کو ہدایت دی اور ان کی ذرّیت سے داؤد کو

وَسُلَیْمٰنَ وَاَیُّوْبَ وَیُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِیَّا وَیَحْیٰى

اور سلیمان کو اور ایوب کو اور یوسف کو اور موسیٰ کو اور ہارون کو۔ اور ہم اسی طرح نیک کاروں کو جزا دیتے ہیں۔ اور زکریا کو اور یحیٰی کو

وَعِیْسٰى وَاِلْیَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِسْمٰعِیْلَ وَالْیَسَعَ وَیُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى

اور عیسیٰ کو اور الیاس کو۔ سب صالحین میں سے ہیں' اور اسماعیل کو اور الیسع کو اور یونس کو اور لوط کو۔ اور سب کو ہم نے فضیلت دی

الْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۶﴾ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَیْنٰهُمْ وَهَدَیْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۸۷﴾

جہانوں پر اور اُن کے کچھ باپ دادوں اور کچھ اولاد اور کچھ بھائیوں کو اور ہم نے اُن کو چن لیا۔ اور اُن کو ہدایت دی سیدھے راستے کی طرف۔

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾

یہ اللہ کی ہدایت ہے وہ اس کے ذریعہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور اگر یہ حضرات شرک اختیار کر لیتے تو جو اعمال کیا کرتے تھے وہ سب حبط ہو جاتے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا

یہ وہ حضرات ہیں جن کو ہم نے کتاب دی اور حکمت اور نبوت عطا کی۔ سو اگر زمانہ موجودہ کے لوگ نبوت کا انکار کریں تو ہم نے اس کے لئے بہت سے لوگ ایسے مقرر کر دیے ہیں

لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ

جو اس کا انکار کرنے والے نہیں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی سو آپ ان کی ہدایت کا اقتداء کریں۔ آپ فرما دیجئے کہ میں اس پر تم سے

اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾

کسی معاوضہ کا سوال نہیں کرتا یہ تو صرف نصیحت ہے جہانوں کے لئے

حضرات انبیاء کرام علیہم السّلام کا تذکرہ اور اُن کا اقتداء کرنیکا حکم

تفسیر: اوپر حجت بیان کی جو ابراہیم علیہ السلام نے ستارہ پرستوں کو پیش کی اور انہیں بتایا کہ غروب ہونے والا معبود نہیں ہوسکتا۔ اور یہ کہ میں تمہارے معبودانِ باطلہ سے نہیں ڈرتا یہ دلیل اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو بتا دی اور ان کے دل میں ڈالدی۔ جس سے انہوں نے قوم کو سمجھایا اور قائل کر دیا اور جواب سے عاجز کر دیا وَتِلْكَ حُجَّتُنَا میں اسی کو بیان فرمایا ہے اس کے بعد فرمایا۔

نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ (ہم درجات کے اعتبار سے جس کو چاہیں بلند کر دیتے ہیں) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سب ہی درجات عالیہ والے تھے اور اُن میں اللہ پاک نے بعض کو بعض پر رفعت و فضیلت دی ہے جیسا کہ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ میں بیان فرمایا ہے' حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بلند درجات والے تھے جنہوں نے اللہ کی راہ میں بہت تکلیفیں اٹھائیں اور اپنی قوم سے بڑے بڑے مقابلے کئے اور نمرود کے ساتھ بحث و مناظرہ کیا جس سے وہ لاجواب ہو کر رہ گیا۔ اور ان کے بعد جتنے بھی انبیاء اکرام علیہم السلام تشریف لائے سب ان کی نسل میں سے ہیں آپ ابوالانبیاء ہیں۔ صلی اللہ علیہ وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کے بعد اُن کے بیٹے اسحٰق اور اُن کے بیٹے یعقوب علیہما السلام کا ذکر فرمایا اور فرمایا كُلًّا هَدَيْنَا کہ ہم نے ان سب کو ہدایت دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود اپنی اولاد کو تعلیم دی۔ ان حضرات نے اس کو اپنایا اور باقی رکھا اور اپنی اولاد کو بھی اسی کی وصیت کی۔

پھر فرمایا وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ ۔ اور اس سے پہلے ہم نے نوح کو ہدایت دی‘ حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے کیونکہ اُن کے زمانہ کے طوفان میں ہلاک ہونے کے بعد زمین پر جو دوبارہ آبادی ہوئی وہ اُن کی اولاد سے پھیلی‘ روح المعانی ج ۷ ص ۲۱۱ بحوالہ معجم طبرانی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ انبیاء کرام میں سب سے پہلے کون تھے؟ تو فرمایا نوح علیہ السلام تھے اُن کے اور آدم علیہ السلام کے درمیان دس قرن کا فاصلہ تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کو جو سب سے پہلا نبی بتایا۔ یہ اولیت اضافیہ پر محمول ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے نبی ہونے کی تصریح حدیث میں موجود ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۱۳)

حضرت نوح علیہ السلام کا نام جو نوح مشہور ہے اس کو بعض حضرات نے عجمی یعنی غیر عربی بتایا ہے۔ علامہ کرمانی نے فرمایا ہے کہ یہ لفظ سریانی زبان میں اس کا معنیٰ ساکن کا ہے لیکن حاکم نے مستدرک میں فرمایا ہے کہ اُن کا نام عبدالغفار تھا۔ اور اُن کا نام نوح اسلیئے مشہور ہوا کہ وہ خوف و خشیت کی وجہ سے اپنے نفس کے بارے میں زیادہ رونے والے تھے۔

اگر نوح لفظ عجمی ہو تو اس لیئے غیر منصرف نہ ہوا کہ متحرک الاوسط نہیں ہے۔ پھر فرمایا وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسٰى وَهٰرُونَ ۔ اور ابراہیم کی ذُرّیت سے ہم نے داؤدؑ سلیمانؑ ایوبؑ یوسفؑ موسیٰ اور ہارون کو طریق حق کی ہدایت کی حضرت داؤد علیہ السلام وہی ہیں جنہوں نے جالوت کو قتل کیا تھا اور اللہ نے ان کو نبوت اور حکومت عطا فرمائی تھی‘ اُن کے بعد اُن کے بیٹے سلیمان علیہ السلام بادشاہ ہوئے اور نبی بھی۔ انہوں نے بیت المقدس کی تعمیر کی تھی‘ اور حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں ابن جریر نے کہا ہے کہ وہ ابن موص ابن روم ابن عیص ابن اسحاق تھے۔

اس اعتبار سے حضرت اسحاق علیہ السلام اُن کے جدّ رابع ہوئے۔ مورخ ابن عساکر سے منقول ہے کہ اُن کی والدہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی تھیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام تو مشہور ہی ہیں۔ وہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے پوتے اور حضرت ابراہیمؑ کے پڑپوتے تھے‘ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم۔ (رواہ البخاری ج ۱ ص ۴۹۷)

پھر حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا ذکر فرمایا ان دونوں کا تذکرہ قرآن مجید میں بار بار آیا ہے۔ ہارُونَ علیہ السلام موسےٰ علیہ السلام کے بھائی تھے اس کی تصریح قرآن مجید میں موجود ہے (هٰرُونَ اَخِي اشْدُدْ بِهٖ اَزْرِي) لیکن حقیقی بھائی تھے یا ماں شریک اِس میں دونوں قول ہیں۔ موسےٰ اور ہارون دونوں غیر عربی لفظ ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اُن کو بچپن میں درختوں کے درمیان ڈال دیا گیا تھا جہاں پر پانی بھی تھا۔ قبطی زبان میں پانی کو مُوْ اور درخت کو شَا کہا جاتا ہے اسلئے اُن کو مُوشَا کہا جانے لگا پھر عربی میں شؔ‘ سؔ سے بدل گیا چونکہ الف مقصورہ کی صورت میں لکھا اور پڑھا جاتا ہے اس لئے اس پر اعراب ظاہر نہیں ہوتا۔ قانون نحوی کے اعتبار سے غیر منصرف

ہونا چاہیے۔ لفظِ ہارون کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ عبرانی زبان میں اس کا معنی مُحَبّ کا ہے یعنی جو سب کو محبوب ہو۔

اس کے بعد فرمایا وَ کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ (اور اسی طرح ہم اچھے کام کرنے والوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں) یعنی جیسے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اور اُن کے بعد والے حضرات کو نوازا اور اُن کے اعمال پر اُن کو اچھا بدلہ عطا کیا ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں اور ہماری یہی عادت ہے۔ (روح المعانی بزیادۃ)

اس کے بعد فرمایا وَزَکَرِیَّا وَیَحْیٰی وَعِیْسٰی وَاِلْیَاسَ ۔ یہ بھی وَوَهَبْنَا کے ماتحت ہے یعنی یہ حضرات بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذُرّیت سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی نبوت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت زکریا علیہ السلام حضرت یحییٰ علیہ السلام کے والد تھے۔ اور انہوں نے اللہ پاک سے دعا کی تھی کہ مجھے ذریتِ طیبہ عطا فرمائیں۔ باوجود ان کی بیوی کے بانجھ ہونے کے اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطا فرمایا جس کا نام یحییٰ رکھا۔ حضرت زکریا علیہ السلام ہی کے زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ مریم بتول بھی اُن کی والدہ کے دُعا مانگنے پر پیدا ہوئیں۔ انہوں نے نذر مانی تھی کہ میرے لڑکا پیدا ہوتو میں بیت المقدس کی خدمت میں لگادوں گی لیکن وہاں لڑکے کی بجائے لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام مریم رکھا اور یہ لڑکی جلدی جلدی بڑی ہوتی چلی گئی۔ اور پھر اس کے بطن سے بغیر کسی مرد کے واسطہ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ یہ سارا واقعہ سورۂ ال عمران کے چوتھے پانچویں رکوع میں گذر چکا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بنی اسرائیل میں سے تھے اور اُن کا یہ نسب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے صرف والدہ کے توسط سے ملتا ہے۔ اس اعتبار سے وَمِنْ ذُرِّیَّتِهٖ کے عموم میں وہ بھی شامل ہے۔ اس سے بعض حضرات نے استدلال کیا ہے کہ ذرّیت کا لفظ بیٹیوں کی اولاد کو شامل ہے۔ وفیہ خلاف بین العلماء (راجع روح المعانی) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر فرمایا ان کو بعض حضرات نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے بتایا ہے۔

پھر فرمایا کُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ (یہ حضرات صالحین میں سے تھے) یعنی صالحیت میں کامل تھے۔ ہر وہ کام جس کا کرنا مستحسن ہو اور ہر اس کام سے بچنا جس سے بچنے کا حکم ہو یہ سب صالحیت کے مضمون میں شامل ہیں۔

سب سے بڑے صالحین حضرت انبیاء علیہم السلام ہیں۔ پھر فرمایا وَاِسْمٰعِیْلَ وَالْیَسَعَ وَیُوْنُسَ وَلُوْطًا۔ اگر اس کو وَمِنْ ذُرِّیَّتِهٖ کے بعد ذکر کئے جانے والے حضرات پر معطوف کیا جائے تو یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذرّیت میں سے نہیں تھے۔ نیز حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں بھی یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے نہیں تھے۔

اس اشکال کے رفع کرنے کے یہاں اَرْسَلْنَا یا بَعَثْنَا یا هَدَیْنَا محذوف مان لینے سے اشکال ختم ہو جاتا ہے۔ حضرت

اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ اور اُن کی نسل سے سیدنا محمد ﷺ تھے۔ جن کے لیے حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام دونوں نے یوں دعا کی تھی رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ الایۃ ۔ حضرت اسمٰعیل کے بعد الیسع کا تذکرہ فرمایا۔ ان کو ابن اخطوب بن العجوز بتایا گیا ہے۔ مفسرین کہتے ہیں کہ یہ کلمہ عجمی ہے اس پر الف لام خلاف قیاس داخل ہوا۔ وقرء حمزة والكسائي اللَّيۡسَعَ عليٰ وزنة ضَيۡغَم 'اور ایک قول یہ ہے کہ یوشع کا معرب ہے وَاللّٰه تعاليٰ اَعلم:۔

حضرت یونس علیہ السلام کے والد کا نام متّٰی تھا یہ نینوی علاقہ کے رہنے والے تھے اور وہاں کے رہنے والوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ ان کا تذکرہ سورہ انبیاء (ع ٦) میں اور سورۂ صافات (ع ٥) میں اور سورۂ نون والقلم (ع ٢) میں قدرے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے ہم اس کو انشاء اللہ سورہ صافات کی تفسیر میں بیان کریں گے۔ پھر حضرت لوط علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا آپ لوط بن ہاران بن آزر ہیں حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی کے بیٹے تھے ابراہیم علیہ السلام کی دعوت پر انہوں نے بھی لبیک کہا اور اُن کے ساتھ اپنے وطن سے ہجرت کر کے ملک شام میں تشریف لے آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو بھی نبوّت سے سرفراز فرمایا اور چند بستیوں کی طرف مبعوث فرمایا جن کا تذکرہ سورہ اعراف (رکوع نمبر ۹) میں اور سورۂ شعراء وغیرہ میں فرمایا ہے تفصیل جاننے کے لیے سورہ اعراف کا مطالعہ فرمائیں ۔

پھر فرمایا وَكُلًّا فَضَّلۡنَا عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ اور ہم نے ان سب کو جہانوں پر فضیلت دی۔ چونکہ خاتم النبیین ﷺ ان سب سے افضل ہیں اسلیئے مفسرین لکھتے ہیں علی عالمی عصر ھم یعنی اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں پر ان کو فضیلت دی۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں۔

پھر فرمایا وَمِنۡ اٰبَآئِهِمۡ وَذُرِّيّٰتِهِمۡ وَاِخۡوَانِهِمۡ یعنی اوپر جن حضرات کا ذکر ہوا اُن کے آباء اور ان کی ذریّتوں اور اُن کے بھائیوں میں سے بھی بہت سوں کو ہدایت ہوئی۔ یہ معنی اس صورت میں ہے جبکہ هَدَيۡنَا محذوف مانا جائے اور فَضَّلۡنَا سے بھی متعلق ہوسکتا ہے جس کا معنی یہ ہوگا کہ ان حضرات کے آباء اور ذرّیات اور اخوان میں سے بھی بہت سوں کو فضیلت دی۔

قال صاحب الروح ومن ابتدائية والمفعول محذوف اى وهدينا من اٰبائهم واَبناءِ هم واخوانهم جماعات كثيرة اور معطوف على كلافضّلنا ومن تبعيضية أى فضلنا بعض اٰباءِ هم الخ. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اور من ابتدائیہ ہے اور مفعول محذوف ہے یعنی ہم نے ان آباء واجداد اور ان کے بیٹوں اور ان کے بھائیوں میں سے بہت سی جماعتوں کو ہدایت دی۔ اور عطف کلا فضلنا پر ہے اور من تبعیضیہ ہے یعنی ان کے بعض آباء کو)

پھر فرمایا وَاجۡتَبَيۡنٰهُمۡ وَهَدَيۡنٰهُمۡ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ (اور ہم نے ان کو چُن لیا اور اُن کو ہدایت دی) اس میں مضمون سابق کی تقریر اور تاکید ہے۔ پھر فرمایا ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ یہ صراط مستقیم کی ہدایت اللہ کی ہدایت ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اسکی ہدایت فرمادے اس میں یہ بتایا کہ ہدایت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے کسی کو گھمنڈ نہیں ہونا چاہئے کہ میں صاحب ہدایت ہوں۔ حضرات انبیاء ہوں یا اولیاء سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں سب کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے اور صراط مستقیم پر باقی رکھا۔

پھر فرمایا وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (اور اگر یہ لوگ شرک کرتے تو جو عمل کیا کرتے تھے وہ سب ثواب کے اعتبار سے باطل ہو جاتے) کیونکہ شرک اور کفر تمام اعمال کو باطل کر دیتا ہے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے شرک اور کفر کا صدور نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اُن سے گناہ بھی سرزد نہیں ہوتے کیونکہ وہ معصوم ہیں' بطور فرض یہ بات فرمائی اور اس سے دوسروں کو سبق مل گیا کہ جب انبیاء کرام علیہم السلام کا یہ حال ہے تو دوسرا کوئی شخص جو مشرک ہو گا اُس کے اعمال صالحہ (جو بظاہر دیکھنے میں اعمال صالحہ ہیں) کا ثواب کیسے مل سکتا ہے کافر اور مشرک کے اعمال باطل ہیں اور اگر کسی نے اسلام کے زمانہ میں اعمال کئے اور پھر مُرتد ہو گیا تھا اس کے اعمال بھی باطل ہیں۔

پھر فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ (یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب دی اور حکم دیا اور نبوت عطا کی) اس میں جو لفظ کتاب ہے اس سے جنس مراد ہے جس جس نبی کو جو کتاب ملی عموم جنس میں اُن سب کا ذکر آ گیا۔ اور الحکم جو فرمایا اس سے حکمت یعنی حقائق الاشیاء کی معرفت مراد ہے اور لوگوں کے درمیان صحیح صحیح فیصلے کرنا بھی مراد لے سکتے ہیں کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی امتوں کے درمیان فیصلے بھی فرماتے تھے۔ ان حضرات کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ لفظ نبوت وارد ہوا ہے لفظ رسالت نہیں ہے نبی تو ہر پیغمبر ہے لیکن رسول کے بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ رسول وہ ہے جسے نئی شریعت اور نئی کتاب دی گئی ہو۔

لفظ نبوۃ لا کر سب کو مضمون بالا میں شریک فرما لیا۔ پھر فرمایا فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ سو اگر یہ لوگ یعنی اہل مکہ اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ ان حضرات کی نبوت کا انکار کریں (جس میں سیدنا محمد رسول ﷺ اور قرآن کا انکار بھی ہے کیونکہ ان حضرات کی نبوت کی خبر رسول اللہ ﷺ نے اور قرآن مجید نے دی ہے) سو ہم نے اس کے لئے ایسے لوگوں کو مقرر کر دیا ہے جو اس کے منکر نہیں۔ یعنی انبیاء سابقین علیہم السلام کی نبوت پر ایمان لانے والے اور خاتم الانبیاء ﷺ اور آخری کتاب قرآن مجید پر ایمان لانے والے لوگوں کو کثیر تعداد میں ہم نے مقرر کر دیا ہے ایمان لانے والے کثیر تعداد میں ہیں۔

حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ کی تفسیر میں دیگر اقوال بھی ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں جتنے بھی اہل ایمان ہیں وہ سب مراد ہیں اس قول میں جامعیت ہے جو اولین اور آخرین تمام اہل ایمان کو شامل ہے۔

پھر فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ یہ وہ حضرات ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی۔ سو آپ ان کی ہدایت کا اتباع کریں۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اصولِ ایمان یعنی توحید اور ایمان بالملائکہ اور ایمان بکتب اللہ و رسلہ اور ایمان بالیوم الآخر میں ان حضرات کی اقتداء کا حکم ہے۔

نیز حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی جو صفات تھیں (عبادت زُہد شکر تواضع اور تضرع) ان چیزوں میں ان کا اقتداء کرنا مراد ہے۔ ان حضرات نے اپنی قوموں کے انکار اور ایذاء رسانی پر صبر کیا۔ حلم سے کام لیا آپ بھی اسکو اختیار کریں سورۂ صٓ کے سجدہ کے بارے اختلاف ہے۔ حضرات شوافع کے نزدیک سورہ صٓ میں سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۰۹ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سورہ صٓ کی تلاوت کرتے ہوئے آیت سجدہ پر سجدہ کیا تو حضرت مجاہد تابعی جو اُن کے شاگرد ہیں انہوں نے دریافت کیا کہ آپ نے کس دلیل سے یہاں سجدہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم یہ آیت نہیں پڑھتے۔

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ الیٰ قولہ تعالیٰ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ ۔ حضرت داؤد علیہ السلام ان حضرات میں تھے جن کی اقتداء کا تمہارے نبی کو حکم دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے وہاں سجدہ کیا (لہٰذا ہم بھی سجدہ کرتے ہیں) حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سورہ صٓ کا سجدہ واجب ہے۔

پھر فرمایا قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا کہ میں اس پر تم سے کوئی اُجرت طلب نہیں کرتا۔ (یہ جو تبلیغ اور دعوت کا کام ہے یہ سب اللہ کی رضا کے لئے ہے اس کا ثواب مجھے اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے) سورہ سبا میں فرمایا قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ط اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (آپ فرما دیجئے کہ میں نے تم سے جو معاوضہ طلب کیا ہو وہ تمہارے ہی لئے ہے بس میرا اجر صرف اللہ پر ہے اور وہ ہر چیز کی اطلاع رکھتا ہے) مطلب یہ ہے کہ میں تم سے کسی معاوضے کا طلب گار نہیں ہوں۔ بالفرض میں نے تم سے کبھی طلب کیا تو مجھے نہیں چاہیئے وہ تم خود ہی رکھ لو۔

آخر میں فرمایا اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ (یہ قرآن جو میں تمہیں سُناتا ہوں یہ جہانوں کے لئے محض ایک نصیحت ہے) اس میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت عمومی کا ذکر ہے۔ جب قرآن سارے جہانوں' سارے جنات اور سارے انسانوں کے لئے ہے اور کسی خاص قوم کے لئے مخصوص نہیں ہے تو قرآن لانے والا بھی ان سب کے لئے اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہے۔

قال صاحب الروح واستدل بالاية على عموم بعثته ﷺ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اور اس آیت سے حضور ﷺ کی بعثت کے عام ہونے پر استدلال کیا گیا ہے)۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ط قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ

اور لوگوں نے اللہ کی قدر نہیں پہچانی جیسے پہچانی تھی جبکہ انہوں نے کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی بھی چیز نازل نہیں فرمائی آپ فرما دیجئے کہ کس نے اتاری وہ کتاب

الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ

جسے موسیٰ لے کر آئے جو نور تھی اور لوگوں کے لئے ہدایت تھی۔ تم نے اُسے الگ الگ ورقوں میں کر رکھا ہے جنہیں تم ظاہر کرتے ہو اور بہت کچھ چھپاتے ہو

كَثِيْرًا ج وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ط قُلِ اللّٰهُ لا ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾

اور تم کو وہ باتیں بتائی گئی ہیں جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے نہیں جانا۔ آپ فرما دیجئے کہ اللہ نے نازل فرمایا۔ پھر اُن کو چھوڑ دیجئے اپنی خرافات میں کھیلتے رہیں گے

یہودیوں کی ضد اور عناد کا ایک واقعہ

تفسیر: ان آیات میں اوّل تو یہ فرمایا کہ لوگوں نے اللہ کو ایسا نہیں پہچانا جیسا کہ پہچاننا چاہئے تھا بہت سے لوگ تو ذات باری تعالیٰ کے منکر ہی رہے اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو مانا ان میں سے بہت سوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنا دیئے اور اللہ کی صفات کمالیہ علم وقدرت وغیرہ کو ماننے کی طرح نہ مانا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے موافق حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور کتابیں نازل فرمائیں بہت سے لوگ ان کے منکر ہو گئے۔

اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ (جبکہ انہوں نے کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں کیا) حضرت مجاہد تابعی نے فرمایا اس سے مشرکین مکہ مُراد ہیں جنہوں نے یہ بات کہی' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے یہودی مراد ہیں۔ دُرِّ منثور ج ۳ ص ۲۹ میں ہے کہ مالک بن صیف ایک یہودی تھا۔ وہ آنحضرت ﷺ سے جھگڑا کرنے لگا۔ یہ علماء یہود میں سے تھا اور بھاری بدن والا تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل فرمائی کیا تو توریت میں یہ مضمون پاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھاری جسم والے عالم سے بُغض رکھتا ہے یہ سن کر وہ غصہ ہو گیا اور کہنے لگا کہ اللہ کی قسم اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔ وہ ضد میں آ کر یہ بات کہہ گیا۔ اور الفاظ کے عموم سے توریت شریف کے نازل ہونے کی بھی نفی ہو گئی۔ اس کے ساتھی جو موجود تھے انہوں نے احساس بھی دلایا اور کہا کہ افسوس ہے تو ایسی بات کہہ رہا ہے۔ کیا موسیٰ علیہ السلام پر بھی کچھ نازل نہیں ہوا؟ اس نے پھر وہی اپنی بات دُہرائی کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ یہ عناد کی حد ہے کہ ضد میں آ کر انسان اپنے مسلّمہ عقائد کا بھی انکار کر بیٹھے اور اپنے دین و ایمان کا بھی منکر ہو جائے۔

بعض لوگ بہت ہی نڈر ہوتے ہیں وہ بھی کہتے ہیں کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں لیکن اللہ کی بطش شدید اور مواخذہ سے نہیں ڈرتے۔ جوشِ غضب میں کُفریہ باتیں کہہ جاتے ہیں۔ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (کہ انہوں نے اللہ کی ذات وصفات کو ایسا نہیں مانا جس طرح ماننا تھا) اللہ کی ناراضگی اور گرفت کا اندیشہ انہیں بالکل نہیں۔ یہ جانتے ہوئے کہ اللہ نے کتابیں نازل فرمائی ہیں پھر بھی جرأت جاہلانہ کر کے یہ کہہ دیا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا ان لوگوں کی تردید میں فرمایا۔ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰی نُوْرًا وَّهُدًی لِّلنَّاسِ (آپ فرما دیجئے کس نے اتاری وہ کتاب جسے موسیٰ لائے جو نور تھی اور لوگوں کے لئے ہدایت تھی) اس میں بطور استفہام تقریری اُن ہی لوگوں سے سوال فرمایا جو منکر ہو رہے تھے اور عناد میں یوں کہہ گئے کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔ ان سے سوال فرمایا کہ اب تک تو تم یہ کہتے اور مانتے رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت شریف نازل فرمائی

اور اب کہہ رہے ہو کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا کیا یہ حق اور حقیقت کا انکار نہیں ہے؟

ساتھ ہی علماء یہود کے ایک بدترین کردار کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا۔ (کہ تم نے توریت کو بجائے) اکٹھی مجموعی یکجا کتاب بنانے کے مختلف اوراق میں رکھ چھوڑا ہے۔ جس میں سے کچھ ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپاتے ہو) جب ان کے عوام کچھ بات پوچھنے کے لئے آتے تھے تو صندوق وغیرہ میں ہاتھ ڈال کر کوئی سا بھی ایک ورق نکال لیتے تھے اور سائل کے مطلب کے مطابق پڑھ کر سنا دیتے تھے۔ تاکہ اس سے کچھ مال مل جائے نیز توریت شریف میں جو حضور اقدس ﷺ کی نعت وصفت بیان کی گئی تھی جسے وہ جانتے تھے اپنے عوام سے اسکو چھپاتے تھے۔ توریت شریف کے احکام جو اس وقت تک ان کے پاس موجود تھے ان کو بھی چھپاتے تھے۔ اور ان کی بجائے دوسرا حکم بتا دیتے تھے۔ جیسا کہ زانیوں کے رجم کے بیان میں اسکی تفصیل گذر چکی ہے۔ (انوار البیان ص ۹۰ ج ۳)

پھر فرمایا وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْا اَنْتُمْ وَلَا اٰبَآؤُكُمْ (اور تم کو وہ باتیں بتائی گئیں جن کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا جانتے تھے) قُلِ اللّٰهُ آپ فرما دیجئے اللہ نے نازل فرمائی) اس کی تفسیر میں اور ترکیب نحوی میں متعدد اقوال ہیں جو صاحب روح المعانی نے ذکر کئے ہیں اقرب ترین تفسیر ہمارے نزدیک وہ ہے جو صاحب بیان القرآن نے اختیار کی۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جس توریت کی یہ حالت ہے کہ اس کو اوّلاً تو تم مانتے ہو دوسرے بوجہ نور اور ہدی ہونے کے ماننے کے قابل بھی ہے۔ تیسرے ہر وقت تمہارے استعمال میں ہے گو استعمال شرم ناک ہے لیکن اسکی وجہ سے گنجائش انکار تو نہیں رہی۔ چوتھے تمہارے حق میں وہ بڑی نعمت اور منت کی چیز ہے۔ اس کی بدولت عالم بنے بیٹھے ہو۔ اس حیثیت سے بھی اس میں گنجائش انکار کی نہیں۔ یہ بتلاؤ کہ اسکو کس نے نازل کیا ہے اور چونکہ اس سوال کا جواب ایسا متعین ہے کہ وہ لوگ بھی اس کے سوا کوئی جواب نہ دیتے اسلئے خود ہی جواب دینے کے لئے حضور کو حکم ہے کہ (قُلِ اللّٰهُ) کہ آپ ہی کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے کتابِ مذکور کو نازل فرمایا ہے۔

پھر فرمایا ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ (پھر ان کو چھوڑ دیجئے اپنی خرافات میں کھیلتے رہیں گے) مطلب یہ ہے کہ جو کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی یہ لوگ اسے مانتے بھی ہیں اور پھر عناد میں یوں بھی کہہ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا۔ اُن سے یہ سوال فرمانے کے بعد کہ توریت کس نے نازل فرمائی خود ہی جواب دیجئے کہ اللہ نے نازل فرمائی۔ پھر یہ جواب سنا کر ان کو چھوڑ دیجئے یعنی ان کے پیچھے نہ لگیئے آپ کا فرض منصبی بتا دینا ہے منوانا نہیں ہے وہ اپنی خرافات میں لگے رہیں گے۔ اپنا انجام دیکھ لیں گے اور انہیں پتہ چل جائے گا کہ حسن عاقبت مؤمنین متقین کے لئے ہے۔

قال ابن كثير اى ثم دعهم فى جهلهم وضلالهم يلعبون حتى ياتيهم من الله اليقين فسوف يعلمون الهم العاقبة ام لعباد الله المتقين۔ (علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی پھر ان کو ان کی جہالت اور گمراہی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دئیے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں یقین آئے گا تو عنقریب جان لیں گے کہ حُسنِ انجام ان کے لئے ہے یا اللہ تعالیٰ کے متقی بندوں کے لئے ہے)

فائدہ: رسول ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ میری امت پر وہ دَور آئے گا جو بنی اسرائیل پر آیا تھا جو بنی اسرائیل نے کیا۔ یہ لوگ بھی وہ سب کچھ کریں گے (حذو النعل بالنعل) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۰) آپ کی اس پیشین گوئی کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے مسلمان بنی اسرائیل کے طور طریقے اختیار کئے ہوئے ہیں اور بہت سے وہ لوگ جو مذہب کی طرف منسوب ہیں پیری مریدی کی گدیاں سنبھالے بیٹھے ہیں اُن کا وہی کسب دنیا والا ڈھنگ ہے جو بنی اسرائیل کے لوگوں کا تھا۔ خود ہدایت سے دُور، اتباعِ سُنت سے بعد۔ مُریدوں کو کیا ہدایت دیں؟ صرف جلب زر کے لیے گدیاں سنبھالے بیٹھے ہیں اور قبروں کے مجاور بنے ہوئے ہیں۔

جو دنیا کے طلب گاروں پیروں کا حال ہے وہی جھوٹے مدعیان علم کا طریقہ ہے جنہیں جاہ و مال کی طلب ہے۔ ایسے لوگ جانتے بوجھتے ہوئے صحیح مسئلہ بتانے سے گریز کرتے ہیں تاکہ عوام ہم سے نہ کٹ جائیں۔ اہل حق سے مناظرہ کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں اور اپنے باطل دعوے کو باطل سمجھتے ہوئے حجت بازی کرتے رہتے ہیں اور قرآن و حدیث سے اپنے مطلب کے موافق تحریف کر کے استدلال کر لیتے ہیں۔ جیسے ایک مدعی علم نے آنحضرت سرور عالم ﷺ کی فضیلت ثابت کرنے کے لیے بھرے مجمع میں کہہ دیا کہ قرآن مجید میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نہیں ہے۔

اس پر ایک حافظ صاحب اُٹھ کر چل دیئے تو اسٹیج سے کہنے لگا کہ دیکھو وہ چلا وہابی! حافظ صاحب موصوف نے کہا کہ میں اسلئے جارہا ہوں کہ تو نے غلط بیانی کی ہے کہ قرآن مجید میں لا الٰہ الا اللہ نہیں ہے حالانکہ قرآن مجید میں موجود ہے۔

مقرر کہنے لگا کہ قرآن میں لا الہ الا اللہ کہاں ہے؟ حافظ صاحب نے کہا قرآن مجید لاؤ تو میں نکال کر بتاؤں۔ قرآن مجید لایا گیا۔ حافظ صاحب نے نکال کر دکھادیا (سورۂ صافات رکوع ۲) اور سورہ محمد رکوع ۲ میں لا الہ الا اللہ موجود ہے جب قرآن مجید میں نکال کر دکھا دیا تو مقرر کہنے لگا کہ یہ وہابیوں کا قرآن ہے۔ ان لوگوں نے اپنے پاس سے لکھ دیا ہوگا۔

اپنی بات کی پچ میں ایسی جسارت کرنا بالکل اسی طرح کی بے باکی ہے جیسے مالک بن صیف یہودی نے نفسانیت کی وجہ سے یوں کہہ دیا کہ اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔

روافض میں تو یہ بات بہت ہی زیادہ رواج پذیر ہے کہ خود سے جو اپنا دین تراش لیا ہے اس کے مقابلے میں احادیث شریفہ کی تصریحات کو تو کیا مانتے۔ قرآن مجید کے صریح اعلانات کے منکر ہیں۔ اپنی بات رکھنے کے لیے قرآن کی تحریف کے قائل ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے سورۂ توبہ میں سابقین مہاجرین اوّلین اور اُن کے متبعین بالاحسان کے لیے جو رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ کا اعلان فرمادیا۔ یہ لوگ اس سے راضی نہیں اور مہاجرین وانصار کو کافر کہتے ہیں جب ان کے سامنے قرآن مجید کی آیات پیش کی جاتی ہیں جن میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدح وستائش ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ قرآن مجید میں تحریف ہوئی ہے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر یوں کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے بدا ہو گیا تھا یعنی اللہ تعالیٰ کو پتہ

نہ تھا کہ یہ لوگ بعد میں کافر ہو جائیں گے (العیاذ باللہ)

کیسی ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف جہل کی نسبت کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن اپنی خود تراشیدہ بات کو غلط کہنے کو تیار نہیں۔ جتنے بھی گمراہ فرقے گذرے ہیں یا اب موجود ہیں سب کا یہی حال ہے۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِيْنَ
اور یہ کتاب ہے جو ہم نے نازل کی ہے بڑی برکت والی ہے اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ اور تا کہ آپ مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس کے رہنے والوں کو ڈرائیں۔ اور جو لوگ
يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾
آخرت کا یقین رکھتے ہیں اس پر ایمان لاتے ہیں اور وہ اپنی نماز کی پابندی کرتے ہیں

قرآن مجید مبارک کتاب ہے سابقہ کتب کی تصدیق کرتی ہے

تفسیر: یہود نے یہ جو کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا اس سے قرآن مجید کا انکار بھی لازم آگیا۔ لہٰذا قرآن مجید کے نازل فرمانے کا متصلاً ہی تذکرہ فرمایا۔ اور قرآن مجید کی دوصفات بیان فرمائیں اوّل یہ کہ مبارک ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ اللہ کی دوسری کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔

صاحب روح المعانی ج ۷ ص ۲۲۱ مُبَارَکٌ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ای کثیر الفائدة والنفع لا شتماله علی منافع الدارین وعلوم الاوّلین والأخرین یعنی یہ کتاب بہت زیادہ فائدہ والی ہے اسلئے کہ اس میں دونوں جہان کے منافع ہیں اور اوّلین اور آخرین کے علوم ہیں۔

قرآن مجید کی دوسری صفت یہ بیان کی کہ اس سے پہلے جو اللہ کی کتابیں ہیں اُن سب کی تصدیق کرنے والا ہے' اس میں یہودیوں کو تنبیہ ہے کہ اس کتاب سے منحرف نہ ہوں جو کتاب تمہارے پاس ہے یہ کتاب اس کے معارض نہیں ہے بلکہ اس کی تصدیق کرتی ہے۔

توریت شریف پر بھی ایمان لاؤ اور اس کتاب پر بھی۔ پھر فرمایا وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا اور تا کہ آپ ڈرائیں اُمّ القریٰ کے رہنے والوں کو اور جو اس کے آس پاس کے رہنے والے ہیں۔ اُمّ القریٰ مکہ معظمہ کا ایک نام ہے۔ نزول قرآن کے زمانہ میں چونکہ آس پاس کی بستیوں میں یہ بڑی بستی تھی اور اپنی ضرورتوں کے لئے لوگ یہاں آتے جاتے تھے۔ اس لئے اس کو ام القریٰ (بستیوں کی ماں) کے نام سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ اس میں قرآن مجید کا مقصد نزول بیان فرمایا اور وہ یہ کہ اس کے ذریعہ اہل مکہ اور وہاں کی آس پاس کی بستیوں کو حق کی دعوت دی جائے اور مخالفت حق سے ڈرایا جائے۔

لفظ وَمَنْ حَوْلَهَا کا مصداق مکہ مکرمہ کے آس پاس کی بستیاں ہیں۔ اور بعض حضرات نے پوری دنیا مراد لی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت تمام جنات اور انسانوں کے لئے ہے۔ اسی لئے دوسری جگہ قرآن مجید میں فرمایا۔

وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (سورہ انعام ع ۲) آخر میں فرمایا وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ وَھُمْ عَلٰی صَلَاتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ یعنی جو لوگ آخرت پر ایمان لاتے ہیں انہیں آخرت کی نجات کا فکر ہے اور وہاں کے عذاب کا ڈر ہے۔ اسلئے ان کا غور وفکر انہیں قرآن پر ایمان لانے پر آمادہ کرتا ہے۔ اور یہ لوگ ایمان لاکر نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔ کیونکہ نماز میں بار بار ایمانی تقاضوں پر عمل کرنے کا مظاہرہ ہوتا ہے اور نماز ایمان کی سب سے بڑی علامت ہے اور دین کا ستون ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْہِ شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا یوں کہے کہ میری طرف وحی کی گئی۔ حالانکہ اس کی طرف کچھ بھی وحی نہیں کی گئی۔ اور اس سے بڑھ کر زیادہ ظالم کون ہوگا جو یوں کہے

سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ ؕ وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَاسِطُوْٓا

کہ میں ایسا کلام نازل کرونگا جیسا اللہ نے نازل کیا اور اگر تو اس منظر کو دیکھے جبکہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے

اَیْدِیْھِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَکُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْھُوْنِ بِمَا کُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ غَیْرَ الْحَقِّ

ہونگے کہ نکالو اپنی جانیں آج تم کو ذلت والے عذاب کی سزا دی جائے گی۔ اس وجہ سے کہ تم اللہ کے ذمہ جھوٹی باتیں لگاتے تھے

وَکُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِہٖ تَسْتَکْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی کَمَا خَلَقْنٰکُمْ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّتَرَکْتُمْ مَّا

اور اس کی آیتوں کو ماننے سے تکبر کرتے تھے اور البتہ تم ہمارے پاس آؤ گے الگ الگ جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا اور تم نے اپنے پیٹھ پیچھے وہ چھوڑ دیا جو ہم نے

خَوَّلْنٰکُمْ وَرَآءَ ظُھُوْرِکُمْ ۚ وَمَا نَرٰی مَعَکُمْ شُفَعَآءَکُمُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّھُمْ فِیْکُمْ شُرَکٰٓؤُا ؕ لَقَدْ

تمہیں عطا کیا تھا اور ہم نہیں دیکھ رہے ہیں تمہارے ساتھ تمہارے سفارشیوں کو جن کے بارے میں تم نے خیال کیا تھا کہ وہ تمہارے بارے میں شریک ہیں اس میں کوئی شک نہیں

تَّقَطَّعَ بَیْنَکُمْ وَضَلَّ عَنْکُمْ مَّا کُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾

کہ تمہارا آپس کا تعلق منقطع ہوگیا اور تمہارے وہ دعوے گئے گذرے ہوگئے جو تم کیا کرتے تھے

اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنیوالوں اور نبوت کے جھوٹے دعویداروں سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا؟

تفسیر: اس سے پہلی آیت میں بعض یہودیوں کا ذکر تھا جنہوں نے ضد اور عناد کے جوش میں کہہ دیا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔ اب اُس شخص کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولے اور اللہ کی طرف یہ بات منسوب کرے کہ اُس نے مجھے نبی بنایا یا کسی اور طرح سے اللہ پر افتراء کرے مثلاً یوں کہے کہ اللہ نے اپنے شریک بنالئے ہیں یا اللہ نے کسی کو اپنا بیٹا بنالیا ہے یا یوں کہے کہ میں بھی ایسا کلام نازل کروں گا جیسا اللہ نے نازل کیا۔ مفسر ابن کثیر ج ۲ ص

۱۵۷ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ای من ادعی انه یعارض ما جاء من عند الله من الوحی یعنی اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو یہ دعوے کرے کہ اللہ نے جو کچھ وحی بھیجی ہے میں اس کا معارضہ کروں گا اور اُس جیسی عبارت بنالوں گا۔

علماء نے فرمایا ہے کہ یہ آیت مسیلمہ کذاب کے بارے میں نازل ہوئی جس نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ یہ شخص تک بندی کے طور پر کچھ جملے بنالیتا تھا اور کچھ شعبدہ بازی بھی کر لیتا تھا جب لوگوں کے سامنے قرآن مجید کا چیلنج آیا کہ اس جیسی ایک سورت بنا کر لاؤ تو اس پر بعض لوگوں نے اپنی جہالت سے کچھ جملے بنائے تھے لیکن خود ہی آپس میں ان کو نا قابل معارضہ تسلیم کر لیا تھا۔

مسیلمہ کذاب نے بھی کچھ جملے بنائے تھے وہ بھی ایسے ہی جاہلانہ اور احمقانہ تھے۔ قرآن مجید کے مقابلہ میں نہ کوئی لا سکا ہے اور نہ لا سکے گا بعض لوگوں کو قائد بننے اور مشہور ہونے اور عوام الناس کو اپنا معتقد بنانے کا شوق ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں نے خاتم النبیین ﷺ کے بعد نبوت کے دعوے کئے۔ آپ کے بعد جتنے بھی مدعیان نبوت گذرے ہیں سب ذلیل وخوار ہوئے بعض لوگوں نے مسیح موعود ہونے کا اور کسی نے مہدی بننے کا دعویٰ کیا۔ جھوٹ کا سہارا کہاں تک لیا جا سکتا ہے۔ اس طرح کے سب لوگ ذلیل ہو کر نا پید ہو گئے۔

کافروں کی ذلت موت کے وقت: جھوٹے مدعیان نبوت کو سب سے بڑا ظالم بتانے کے بعد ظالموں کی ذلت اور بدحالی اور موت کے وقت کی تکلیف کا تذکرہ فرمایا وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِىْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ (اور اگر تو دیکھے اس موقعہ کو جب کہ ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے کہہ رہے ہوں گے کہ نکالو اپنی جانوں کو۔ آج تم کو اس کے بدلہ ذلت کا عذاب دیا جائے گا کہ تم اللہ کے ذمہ وہ بات لگاتے تھے جو ناحق تھی اور تم اسکی آیات کے قبول کرنے سے تکبر کرتے تھے)

یعنی آیات قبول کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔ اور تمہارے نفسوں کو آیات کے قبول کرنے میں عار اور ذلت محسوس ہوتی تھی اور تم یہ سمجھتے تھے کہ اللہ کی آیات کے سامنے جھکنا ہماری خودداری کے خلاف ہے۔ جس نے اللہ کے ذمہ جھوٹ لگایا اور یہ کہا کہ اللہ نے کوئی چیز نازل نہیں فرمائی اور جس نے اللہ کے کلام کا معارضہ اور مقابلہ کرنے کی بات کہی اور جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا ان لوگوں کا یہ سب عمل دنیاوی بڑائی اور جاہ واقتدار حاصل کرنے اور حاصل شدہ قیادت اور پیشوائی اور بڑائی کی حفاظت کے لئے تھا ان کے لئے ذلت کا عذاب ہے جو موت کے وقت سے شروع ہوگا۔

کافروں کو موت کے وقت جو عذاب ہوتا ہے اس کا ذکر سورۂ محمد میں بھی فرمایا ہے ارشاد فرمایا فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ (پس کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی جانیں نکال رہے ہوں گے مار رہے

ہوں گے ان کے چہروں اور پشتوں کو)

موت کے وقت جو کافروں کو عذاب ہوتا ہے اس کی تفصیلات احادیث شریفہ میں وارد ہوئی ہیں حضرت براء بن عازب ﷺ سے روایت ہے جب کافر کے دنیا سے جانے کا اور آخرت کی طرف پہنچنے کا وقت ہوتا ہے تو اس وقت آسمان سے سیاہ چہروں والے فرشتے نازل ہوتے ہیں ان کے ساتھ ٹاٹ ہوتے ہیں۔ وہ اس کے پاس آ کر وہاں تک بیٹھ جاتے ہیں جہاں تک نظر پہنچتی ہے۔ پھر ملک الموت تشریف لاتے ہیں وہ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے خبیث جان! تو نکل اللہ کی ناراضگی کی طرف، وہ روح اس کے جسم میں متفرق ہو جاتی ہے (یعنی جسم میں ادھر اُدھر پھرتی ہے کیونکہ نکلنا نہیں چاہتی) حضرت ملک الموت (زبردستی) اُس کی جان کو اس طرح نکالتے ہیں جیسے بھیگا ہوا اُون سیخ پر لپٹا ہوا ہو اور طاقت کے ذریعہ اُس اُون سے نکالا جائے۔ جب اس کی روح کو ملک الموت نکال لیتے ہیں تو دوسرے فرشتے جو وہاں موجود ہوتے ہیں وہ پلک جھپکنے کے برابر ذرا سی دیر بھی ان کے ہاتھ میں نہیں چھوڑتے ان کے ہاتھ سے لیکر ان ٹاٹوں میں رکھ دیتے ہیں جو ساتھ لیکر آئے تھے اور اس روح سے ایسی بدبو نکلتی ہے جیسے زمین پر سب سے زیادہ سڑی ہوئی نعش سے کبھی بدبو آئی ہو۔ اس روح کو لیکر وہ آسمان کی طرف چڑھ جاتے ہیں فرشتوں کی جس جماعت پر بھی گذرتے ہیں تو وہ پوچھتے ہیں یہ کون خبیث روح ہے؟ وہ اس کا بُرے سے بُرا نام لیکر جس سے وہ دنیا میں پکارا جاتا تھا جواب دیتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں ہے۔ یہاں تک کہ قریب والے آسمان تک لے جاتے ہیں وہاں پہنچ کر دروازہ کھلواتے ہیں تو وہ دروازہ نہیں کھولا جاتا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سورۂ اعراف کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَایَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ ۔(نہیں کھولے جائیں گے ان کے لئے آسمان کے دروازے اور نہیں داخل ہوں گے جنت میں یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو جائے) اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل نہیں ہو سکتا لہٰذا کافر بھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتے۔

یہ حدیث طویل ہے جس میں اس کے بعد عذاب قبر کا ذکر ہے۔ جو مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴۲ پر بحوالہ مسند احمد مذکور ہے۔ پوری حدیث ان شاء اللہ تعالیٰ ہم سورۂ اعراف کی مذکورہ بالا آیت کے ذیل میں لکھیں گے معلوم ہو گیا کہ کافر کا عذاب موت کے وقت سے شروع ہو جاتا ہے اور پھر قبر میں بھی عذاب ہے۔ حشر میں بھی ہے اور اس کے بعد دوزخ میں بھی ہے جو دائمی ہے، کافر کے عذاب کی ابتداء تو موت کے وقت سے ہی ہوگی اور اس کی انتہا نہیں ہے۔ ابدالآباد ہمیشہ ہمیشہ عذاب ہی میں رہے گا۔ ثبّتنا اللہ علی الایمان واماتنا عَلَى الْهُدٰى۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان پر ثابت قدم رکھے اور ہدایت پر موت دے)

قیامت کے دن ہر ایک علیحدہ علیحدہ آئیگا: اسکے بعد فرمایا وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى . اس میں قیامت کے دن کی حاضری کی حالت بتائی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا (کہ تم ہمارے پاس تنہا آئے ہو) اور ہر ایک اپنے قبیلے سے اور احباب و

اصحاب سے اور ہر جماعت سے علیحدہ ہو کر بالکل تنہا حاضر ہوگا۔ سورۂ مریم میں فرمایا لَقَدْ اَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا (بیشک اُس نے سب کو شمار کر رکھا ہے اور ہر ایک اس کے پاس تنہا آئے گا) دنیا میں جو اپنے قبیلوں جماعتوں لشکروں اور قوموں اور برادریوں پر بھروسہ کر کے زندگیاں گزارتے ہیں اور کفر و شرک و معاصی پر آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں ان کے آپس کے یہ تعلقات ختم ہو جائیں گے۔ اور وہاں کوئی کسی کا نہ ہوگا۔ (اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ)

پھر فرمایا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (یعنی جیسے ہم نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اسی حالت میں قیامت کے دن آؤ گے۔) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ قیامت کے دن تم اس حال میں جمع کئے جاؤ گے کہ تن پر کپڑے نہ ہوں گے اور سب بے ختنہ ہوں گے اس کے بعد آپ نے سورۂ انبیاء کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ (جیسے کہ ہم نے ابتداء میں پیدا کیا تھا اسی طرح ہم لوٹائیں گے۔ ہمارے ذمہ یہ وعدہ ہے بے شک ہم اس کے مطابق کرنے والے ہیں) پھر فرمایا کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے۔ (رواہ البخاری ج ۲ ص ۶۹۳)

سب مال و دولت دنیا ہی میں چھوڑ گئے: پھر فرمایا وَتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ (اور تم نے اپنے پیچھے چھوڑ دیا جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا) اوپر یہ بتایا کہ دنیا میں جو جماعت اور قبیلوں پر بھروسہ ہوتا ہے اور جو جماعتیں اپنی مدد کے لئے بنائی جاتی ہیں اور جاہ و اقتدار کے لئے اپنے ماننے والے بنائے جاتے ہیں یہ سب کچھ آخرت میں کام دینے والے نہیں کیونکہ وہاں ہر ایک فرداً فرداً آئے گا۔

اب یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ہم نے دنیا میں تمہیں جو کچھ (مال و دولت آل و اولاد حشم و خدم) عنایت فرمایا تھا تم وہ سب دُنیا ہی میں چھوڑ کر آ گئے۔ دنیا میں لوگ مال کماتے ہیں ایک کے دس بناتے ہیں۔ تھوڑے مال کو بہت زیادہ کر لیتے ہیں۔ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو مال میں آخرت کا حصہ رکھتے ہوں۔ اور مال کے شرعی حقوق ادا کرتے ہوں۔ عموماً مال ہی کو مقصود بنا لیتے ہیں۔ اسی کے لیے مرتے ہیں اور اُسی کے لیے جیتے ہیں کماتے ہیں کھانے کے لیے اور کھاتے ہیں کمانے کے لیے۔ ایسے لوگوں کا مال آخرت میں وبال ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں اور اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہیں۔ اور دنیا کے لیے وہ شخص جمع کرتا ہے جس کو عقل نہیں (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان کما فی المشکوٰۃ ص ۴۴۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب مرنے والا مر جاتا ہے تو فرشتے آپس میں پوچھتے ہیں (کہ اپنے مال اور اعمال سے) کیا لیکر آیا جو اُس نے آگے بھیجا تھا اور دُنیا کے لوگ یہ پوچھتے

ہیں کیا چھوڑ کر گیا۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان کذا فی المشکوٰۃ ص ۴۴۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن انسان کو اس حالت میں لایا جائیگا کہ گویا وہ بھیڑ کا بچہ ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کر دیا جائیگا اس سے اللہ تعالیٰ کا سوال ہوگا کہ میں نے تجھے مال عطا کیا۔ اور تجھ پر انعام کیا سو تو نے کیا کیا؟ وہ جواب دیگا کہ اے رب! میں نے اسے جمع کیا اور خوب بڑھایا اور جتنا تھا اس سے خوب زیادہ کر کے چھوڑ آیا۔ مجھے واپس بھیج دیجئے میں سب آپ کے پاس لیکر آتا ہوں۔

اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہوگا کہ مجھے وہ دکھا جو تو نے پہلے سے یہاں بھیجا تھا پھر وہی عرض کریگا کہ میں نے جمع کیا اور اُسے بڑھایا اور جتنا تھا اس سے زیادہ کر کے چھوڑ آیا لہٰذا مجھے واپس بھیج دیجئے میں سب آپ کے پاس لیکر آجاؤں گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ ایسا شخص نکلے گا جس نے کوئی بھی خیر نہیں بھیجی ہوگی لہٰذا اس کو دوزخ کی طرف بھیج دیا جائے گا۔ (رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ ص ۴۴۳)

پھر فرمایا وَمَا نَرٰی مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِیْكُمْ شُرَكٰٓؤُا (ہم نہیں دیکھ رہے ہیں تمہارے ان سفارشیوں کو جن کی نسبت تم دعویٰ کرتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں شریک ہیں) لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ (البتہ تمہارا آپس کا تعلق منقطع ہو گیا اور جو تم دعوے کیا کرتے تھے وہ آئے گئے ہو گئے)

قیامت کے دن اہل دنیا کے آپس کے تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ اور جن لوگوں کے بارے میں جھوٹا خیال تھا کہ یہ ہماری سفارش کریں گے ان سے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا وہ سب ایک دوسرے سے بیزاری ظاہر کرینگے اور اسوقت علانیہ طور پر واضح ہو جائیگا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کے خلاف جو عقائد تھے اور خود ساختہ خیالات سب باطل تھے۔

اِنَّ اللّٰهَ فٰلِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی ؕ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ ۝۹۵

بے شک اللہ دانوں اور گٹھلیوں کا پھاڑنے والا ہے، اور نکالتا ہے زندہ کو مُردہ سے، اور نکالنے والا ہے مردہ کو زندہ سے، یہ اللہ ہے پھر تم کہاں اُلٹے چلے جا رہے ہو۔

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّیْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝۹۶ وَهُوَ الَّذِیْ

وہ پھاڑنے والا ہے صبح کا اور اس نے بنایا رات کو آرام کی چیز اور اس نے چاند اور سورج کو ایک خاص حساب سے رکھا ہے، یہ مقرر کرنا ہے اس ذات کا جو غالب ہے علم والا ہے، اور وہ ایسا ہے

جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝۹۷ وَهُوَ الَّذِیْٓ

جس نے تمہارے لئے ستاروں کو پیدا فرمایا تاکہ تم ان کے ذریعہ خشکی اور دریا کی اندھیریوں میں ہدایت پاؤ۔ ہم نے آیات کھول کر بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں، اور وہ ایسا ہے

اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ ۝۹۸ وَهُوَ الَّذِیْٓ

جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا سو ایک جگہ زیادہ رہنے کی ہے اور ایک جگہ تھوڑے سے وقت رہنے کی ہے، ہم نے ان لوگوں کے لئے آیات کو کھول کر بیان کر دی ہیں جو سمجھتے ہیں

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَ

جس نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعہ ہر قسم کی اُگنے والی چیزیں نکالیں پھر ہم نے نکالا اس سے سبز والی چیزوں کو۔ ہم نکالتے ہیں اس سے دانے جو ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہیں۔ اور

مِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ

کھجور کے درخت یعنی اس کے گچھوں سے خوشے نکالے جو جھکے ہوئے ہیں اور انگوروں کے باغ اور زیتون کے باغ نکالے اور انار جو آپس میں ملتے جلتے ہیں اور ایسی بھی ہیں

مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

جو ملتے جلتے نہیں ہیں ۔ اسکے پھلوں کیطرف دیکھو اور اس کے پکنے کی طرف ۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لائیں

مَظاہرِ قدرتِ الٰہیہ اور دلائلِ توحید

تفسیر : اس عالم میں اللہ شانہٗ کے جو تصرفات ہیں ان آیات میں ان میں سے بعض تصرفات کا تذکرہ فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی جو بندوں پر نعمتیں ہیں ان میں سے بعض یاد دلائی ہیں۔ ان سب میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی نشانیاں بھی ہیں' اوّل تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دانوں اور گٹھلیوں کو پھاڑ دیتا ہے ذرا سا دانہ اور چھوٹی سی گٹھلی ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے کہ کوئی دانہ تخم بن جائے جس سے کھیتی کے پودے نکل آئیں تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ دانہ پھٹ جاتا ہے اس سے پودا نکل آتا ہے۔

اسی طرح جب گٹھلی سے کوئی درخت نکالنا منظور ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ گٹھلی پھٹ جاتی ہے اور اس سے بڑے بڑے درخت نکل آتے ہیں۔ جن کے پھلوں سے زمین پر بسنے والے مستفید اور منتفع ہوتے ہیں۔

پھر فرمایا یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ کہ وہ زندہ کو مُردہ سے نکالتا ہے وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ اور وہ مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے۔ ان دونوں باتوں کی تشریح میں جو مختلف اقوال ہیں ان کا ذکر سورہ آل عمران کے رکوع نمبر ۳ میں گذر چکا ہے۔ (۱) اس کی ایک بہت زیادہ معروف مثال یہ ہے کہ زندہ جانور سے انڈا نکلتا ہے جو بے جان ہوتا ہے پھر اس بے جان انڈے سے بچہ نکلتا ہے جو زندہ ہوتا ہے۔ درختوں سے خشک دانے نکلنا اور دانوں سے ہرے بھرے درختوں کا وجود میں آجانا یہ بھی زندہ کو میت سے اور میت کو زندہ سے نکالنے کا مصداق ہے۔

پھر فرمایا ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ (یہ قادر مطلق اللہ ہے سو تم کہاں اُلٹے پھرے جا رہے ہو) اس کی عبادت کو چھوڑ کر شرک میں کیوں مُبتلا ہو۔

پھر فرمایا فَالِقُ الْاِصْبَاحِ (اللہ صُبح کا پھاڑنے والا ہے) اس کی مشیت اور ارادہ سے رات کی تاریکی چلی جاتی ہے روشنی پھٹتی ہے جس سے صبح نمودار ہو جاتی ہے وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا (اور اس نے رات کو آرام کی چیز بنایا) دن میں کام کاج کرنے والے محنت کوشنے والے تھکے ماندے رات کو آرام کرتے ہیں۔ نیند تو دن کو آجاتی ہے لیکن رات کی نیند میں جو آرام ہے اور تھکن اُترنے کا جو فطری انتظام ہے وہ دن کی نیند میں نہیں ہے' دن بھر میں زیادہ سو بھی نہیں سکتے۔ کام کاج اور

کاروبار کے تقاضے بعض مرتبہ آنکھ لگنے بھی نہیں دیتے آنکھ لگ بھی گئی تو کاروبار کا ہجوم جو دماغ پر سوار ہوتا ہے وہ بار بار جگا دیتا ہے۔

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا (اور اللہ تعالیٰ نے چاند اور سورج کو ایک خاص حساب سے مسخر فرما دیا) ان کی گردش سے رات دن اور ہفتے اور مہینے بنتے چلے جاتے ہیں۔ جن سے عبادات کے اوقات اور معاملات کی تاریخیں معلوم ہوتی ہیں۔ جمعہ کا دن کب ہے رمضان المبارک کب آئیگا حج کی تاریخ میں کیا دیر ہے۔ جو کچھ کسی سے قرض لیا ہے اس کی ادائیگی میں کتنی مدت ہے ان سب امور کا جواب چاند اور سورج کی گردش سے معلوم ہوتا رہتا ہے۔

ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (یہ مقرر فرمانا ہے ایسی ذات پاک کا جو عزیز یعنی غالب ہے اور علیم یعنی پوری طرح سے جاننے والا ہے) پھر فرمایا وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (اور اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے ستاروں کو پیدا فرمایا تا کہ تم ان کے ذریعہ راہ پاؤ۔ خشکی کی تاریکیوں میں اور سمندر کی تاریکیوں میں) رات کو جب سفر میں ہوتے ہو اور راستہ بھول جاتے ہو۔ یا سمندر میں ہو اور راستہ بھول جاؤ تو ستاروں کی طرف دیکھ کر پتہ چلا لیتے ہو۔ کہ مشرق کدھر ہے اور مغرب کدھر ہے پھر اپنے اسی علم کی روشنی میں آگے بڑھتے ہو اور صحیح راستہ پا کر منزل مقصود کو پہنچ جاتے ہو۔

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ (بے شک ہم نے نشانیاں بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں) جو آیات مذکورہ کو سمجھتے ہیں اور آیات تکوینیہ میں غور کرتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِیْ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (اور اللہ وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا) یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے انسان کی ابتداء ہوئی اور نسلاً بعد نسلٍ ان کی اولاد بڑھتی ہوئی چلی آئی ہے جس کا سلسلہ تو الد اس طرح سے ہے کہ اول نطفہ باپ کی پُشت میں ہوتا ہے پھر ماں کے رحم میں آجاتا ہے پھر وہاں سے مختلف مدارج طے کرتے ہوئے جیتی جاگتی تصور باہر آجاتی ہے۔

مُسْتَقَرٌّ سے باپ کی پُشت اور مُسْتَوْدَعٌ سے ماں کا رحم مراد ہے باپوں کی پُشتیں تو اصل مُستقر یعنی ٹھہرنے کی جگہیں ہیں کیونکہ مادۂ منویہ وہاں اور کہیں سے نہیں آیا۔ اور ماؤں کے رحموں کو مُسْتَوْدَع فرمایا کیونکہ ان میں نطفہ مرد کی طرف سے آتا ہے اور کچھ مدت کے لیے بطور ودیعت وہاں رکھ دیا جاتا ہے۔

بعض مفسرین مُستقر اور مستودع کے وہ معنی لکھے ہیں جیسا ہم نے ابھی بیان کئے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ مُستودع سے باپ کی پُشت اور مستقر سے ماں کا رحم مراد ہے۔ رحمِ مادر کو مستقر کہنا تو اس اعتبار سے سمجھ آتا ہے کہ رحم میں نطفہ داخل ہونے کے بعد وہاں ٹھہر جاتا ہے اور مختلف اَدوار سے گذر کر

انسانی صورت میں باہر آجاتا ہے لیکن باپ کی پشت کو جو مستودع فرمایا یعنی ودیعت رکھنے کی جگہ۔ اس کے بارے میں صاحب روح المعانی ج ۷ ص ۲۳۶ فرماتے ہیں کہ اس کی تقریر اس طرح ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوم میثاق میں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ساری ذریت کو نکالا تھا اور پھر عہد اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے بعد ان کو واپس کر دیا تھا تو گویا ان کا واپس کرنا ایک طرح ودیعت رکھنا ہوا۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے گا اس ودیعت کو واپس نکال لے گا۔

مُستقر و مُستودع کی تیسری تفسیر یوں کی گئی ہے کہ مُستقر سے زمین پر ٹھہرنا اور رہنا مراد ہے اور مستودع سے قبر مراد ہے یہ تفسیر بھی الفاظ قرآن سے بعید نہیں۔ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ (کہ تحقیق ہم نے آیات بیان کی ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں نجوم کے تذکرہ میں یَعْلَمُوْنَ فرمایا اور اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ کا تذکرہ فرما کر آخر میں لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ فرمایا۔ کیونکہ نفس واحدہ سے پیدا فرمانا اور پیدا ہونے والوں کے احوال مختلفہ میں تصرف فرمانا زیادہ لطیف اور دقیق ہے۔

پھر فرمایا وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً (اور اللہ وہی ہے جس نے آسمان سے پانی نازل فرمایا) فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا پھر ہم نے نکالا اس کے ذریعہ ہر چیز کے پودوں کو پھر ہم نے نکالا ان سے ہرے بھرے درختوں کو نُخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ہم اس سے دانے نکالتے ہیں جو ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہیں وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ اور کھجور کے درختوں سے یعنی اس کے گچھوں سے خوشے نکالے جو قریب قریب ہیں وَجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ (اور ہم نے انگوروں کے باغیچے نکالے) وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ اور زیتون اور انار نکالے جو آپس میں دیکھنے میں متشابہ ہیں اور غیر متشابہ۔ یہ زیتون اور رُمّان دونوں سے متعلق ہے یعنی ان میں سے ایسے پھل ہیں جو دیکھنے میں ایک دوسرے کے متشابہ ہیں اور ایسے بھی ہیں جو ایک دوسرے کے متشابہ نہیں ہیں اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَیَنْعِهٖ دیکھ لو ان کے پھلوں کی طرف یعنی اور ان کے پکنے کی طرف اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں اس آیت میں اللہ جل شانہٗ نے درختوں کے پیدا فرمانے کا ذکر فرمایا ہے جن میں دلائل توحید ہیں اور بندوں پر انعام بھی۔ آسمان سے پانی کا نازل فرمانا پھر اس کے ذریعہ بیل والے اور تنے والے پودے نکالنا اور بالوں میں دانوں کا ایک دوسرے پر چڑھا ہوا ہونا اور کھجوروں کے خوشوں کا جھکا ہوا ہونا اور انگور اور زیتون اور انار کے درخت پیدا فرمانا اور کچے پھلوں کے بعد ان کا پک جانا یہ سب توحید کے دلائل ہیں اور ان میں بندوں کا انتفاع بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے جو بندے مومن ہیں اور جو دلائل آنے کے بعد حق سے منہ نہیں موڑتے ایمان کو قبول کر لیتے ہیں ان سب کے لئے مذکورہ بالا چیزوں میں دلائل توحید ہیں۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا

اوران لوگوں نے جنات کو اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں حالانکہ اس نے انکو پیدا فرمایا ہے اور اس کے لئے انہوں نے بیٹے اور بیٹیاں بغیر علم کے تراش رکھے ہیں وہ ان باتوں سے پاک ہے اور برتر ہے

يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ

جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں وہ آسمانوں کا اور زمین کا بے مثال پیدا فرمانے والا ہے کہاں ہو سکتی ہے اس کی اولاد حالانکہ اس کی بیوی نہیں ہے اور اس نے پیدا فرمایا ہر چیز کو

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى

اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے یہ اللہ تمہارا رب ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہر چیز کا پیدا فرمانےوالا ہے اور وہ

كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ؗ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾

ہر چیز کا نگہبان ہے نگاہیں اُسے محیط نہیں ہو سکتیں اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہے اور وہ بڑا باریک بین خبردار ہے

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا فرمایا وہ معبود برحق ہے اولاد ہونا اس کے لئے عیب ہے

تفسیر: اوپر اللہ تعالیٰ شانہٗ کی الوہیت اور خالقیت پر دلائل قائم کیے ہیں اب ان آیات میں مشرکین کی بداعتقادی کی تردید فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ ان لوگوں نے جنات کو یعنی شیاطین کو اللہ کا شریک قرار دے رکھا ہے جنات کے اور شیاطین کے توجہ دلانے سے بتوں کی عبادت کرنے لگے اور شیاطین کی ایسی اطاعت کرنے لگے جیسی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جاتی ہے نیز شیاطین مشرکین کے پاس بری بری صورتوں میں آتے ہیں اور ان کو خواب اور بیداری میں ڈراتے ہیں لہٰذا وہ ان کے شر اور ضرر کے بچنے کے خیال سے انکی تصویریں اور مجسمے بنالیتے ہیں اور پھر ان کی پوجا کرتے ہیں۔

صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کے بارے میں نقل فرمایا ہے کہ یہ ان زندیقوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور حیوانوں کو پیدا کیا اور ابلیس نے درندے اور سانپ بچھو اور شرور پیدا کئے۔ لہٰذا جن سے ابلیس اور اس کے اتباع مراد ہیں یہ قول اختیار کیا جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے لیکن احقر کے نزدیک جنات کی عبادت بالمعنیٰ المعروف مراد لی جائے تو یہ زیادہ اقرب ہے جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔

سورۂ جن میں فرمایا وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا مشرکین کی یہ کیسی جہالت اور حماقت ہے کہ پیدا تو کیا اللہ نے اور الوہیت میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں اور مخلوق کے ساتھ وہ معاملہ کرتے ہیں جو اللہ کے ساتھ کرنا چاہئے بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ خَلَقَهُمْ کی ضمیر منصوب جن کی طرف راجع ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے جنات کو کیسے اللہ کا شریک ٹھہرایا حالانکہ ان جنات کو بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا

وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ کہ ان لوگوں نے اللہ کے لئے گھڑ لئے بیٹے اور بیٹیاں نصاریٰ نے تو عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنایا اور یہودیوں نے حضرت عُزیر علیہ السلام کو اور مشرکین مکہ نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بنا دیا' ان لوگوں نے جہالت کے سبب یہ سب کچھ تجویز کیا۔ اور انہوں نے یہ نہ جانا کہ ہم جس ذات کی طرف اولاد منسوب کر رہے ہیں اس کے لئے اولاد کا ہونا عیب اور نقص ہے اور اسکی شان اس سے بہت برتر بلند اور بالا ہے کہ اسکی اولاد ہو۔ اسی کو فرمایا سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ (کہ اللہ تعالیٰ اس چیز سے پاک ہے اور بلند اور بالا ہے جو یہ لوگ اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں)

مشرکین کے عقائد شرکیہ اور اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرنے والوں کی تردید فرماتے ہوئے مزید فرمایا بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کا اور زمین کا بے مثال پیدا فرمانے والا ہے اس نے عالم سفلی اور عالم علوی کو پیدا فرمایا۔ آسمان و زمین کا مادہ پیدا فرمایا اور آسمان کو سات طبق بنا دیا اور زمین کو پھیلا دیا۔ ایسے خالق اور بے مثال صانع اور مُبدِع کو اولاد کی کچھ حاجت نہیں۔ کیونکہ اولاد کی ضرورت مدد کے لئے ہوتی ہے۔ آسمان و زمین کی تخلیق میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ سورہ سبا میں فرمایا۔

مَا لَهٗ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۔ مزید فرمایا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ یعنی اس کی اولاد کیسے ہوگی حالانکہ اس کے ساتھ والی یعنی بیوی نہیں ہے۔ اولاد بیوی سے پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی کوئی بیوی نہیں اور نہ ہو سکتی ہے کیونکہ اس میں احتیاج الی الغیر ہے جب اسکی بیوی نہیں اور نہ ہو سکتی ہے تو اولاد کیسے ہو سکتی ہے۔

وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ ۔ اور اس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں وہ مخلوق بھی ہے جسے اللہ کی اولاد بتاتے ہیں۔ خالق مخلوق کے درمیان رشتہ ولادت کہاں ہو سکتا ہے اور مخلوق اپنے خالق کی اولاد کیسے ہو سکتی ہے لوگوں نے جو اولاد تجویز کی ہے انہوں نے خالق کا مرتبہ نہیں پہچانا اور اپنی جہالت سے اللہ پاک کے لئے اولاد تجویز کر بیٹھے وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ (اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے) اسے مشرکین کے عقائد شرکیہ کا علم ہے' اور وہ ان کے اعمال شرکیہ سے بھی باخبر ہے وہ ان سب کا مواخذہ فرمائے گا اور سزا دیگا۔

پھر فرمایا ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ (یہ اللہ تمہارا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہر چیز کا پیدا فرمانے والا ہے لہٰذا تم اسکی عبادت کرو) ان صفاتِ جلیلہ سے جو ذات متصف ہو وہی لائق عبادت ہے۔ مخلوق میں نہ شانِ ربوبیت ہے نہ شانِ خالقیت ہے پھر وہ کیسے شریک الوہیت ہو سکتے ہیں۔

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِيْلٌ (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا نگہبان ہے) تمام چیزوں میں جیسے چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے اُسے تصرف فرمانے کا اسکو پورا پورا اختیار ہے۔ پھر یہ مخلوق کیسے عبادت کی مستحق ہو سکتی ہے؟ جو ہر چیز کا خالق ہے اور ہر چیز میں تصرف فرمانے والا ہے صرف وہی عبادت کے لائق ہے اور اس کے علاوہ کوئی بھی ان صفات سے متصف نہیں اور لائق عبادت نہیں۔

پھر فرمایا لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کرتیں وہ سب نگاہوں کو محیط ہے اور وہ لطیف ہے باخبر ہے) اس آیت میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی ایک خاص صفت بیان فرمائی اور وہ یہ کہ نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا احاطہ فرماتا ہے اس صفت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں دنیا میں اسکو نہیں دیکھا جا سکتا۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام نے دیدار الٰہی کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے لَنْ تَرَانِيْ فرمادیا۔ (کہ تم مجھے نہیں دیکھ سکو گے) وہ نگاہوں کو بھی دیکھتا ہے اور نگاہیں جس چیز کو دیکھتی ہیں وہ ان کو بھی دیکھتا ہے۔ اور جو چیزیں مَرْئِی (دکھائی دینے والی) نہیں ہیں ان کو بھی اس کا علم مُحیط ہے۔ جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا جیسا کہ سورۂ قیامہ میں فرمایا وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (اس دن بہت سے چہرے تروتازہ ہونگے اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے) اللہ تعالیٰ جسم نہیں ہے پھر بھی اسے دیکھیں گے اور جب دیکھیں گے تو وہ کسی جگہ میں نہیں ہوگا اور یہ بات وہیں سمجھ میں آئے گی۔ خالق کی رؤیت کو مخلوق کی رؤیت پر قیاس نہ کیا جائے۔

پھر فرمایا وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ اور وہ لطیف ہے (جسے حواس کے ذریعہ مشاہدہ میں لایا جا سکتا ہے) (اور وہ باریک بین ہے ہر چیز کو دیکھتا ہے) اور وہ خبیر ہے (جو ہر چیز سے باخبر ہے)

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۗ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ

تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بصیرت والی چیزیں آ چکی ہیں سو جو شخص دیکھے گا سو وہ اپنے ہی لئے اور جو اندھا بنے گا اس کا وبال اسی کی جان پر ہوگا۔ اور میں تم پر

بِحَفِيْظٍ ۝ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ اِتَّبِعْ

نگران نہیں ہوں اور ہم اسی طرح دلائل کو مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں اور تاکہ یہ لوگ یوں کہیں کہ آپ نے پڑھ لیا ہے اور تاکہ ہم اسے ان لوگوں کے لئے بیان کریں جو جانتے ہیں آپ اس کا اتباع

مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ

کیجئے جس کی آپ کے رب کی طرف سے وحی کی گئی، کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی اور آپ مشرکین سے رُوگردانی کیجئے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ

اَشْرَكُوْا ۗ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝

لوگ شرک نہ کرتے، اور ہم نے آپ کو ان پر نگران نہیں بنایا اور آپ ان پر داروغہ نہیں ہیں

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بصیرت کی چیزیں آ چکی ہیں

تفسیر: توحید کے دلائل اور اللہ تعالیٰ کی صفات جلیلہ بیان فرمانے کے بعد اب دلائل میں غور کرنے کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے۔ اولاً ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس بصیرت کی چیزیں آ چکی ہیں اگر اپنی عقل کو متوجہ کرو گے اور ان بصیرت کی چیزوں میں غور و فکر کرو گے تو حقائق کو پہنچ جاؤ گے۔ دلائل توحید بھی سمجھ میں آ جائیں گے اور توحید بھی سمجھ میں آ جائے گی۔

جو شخص غور وفکر کرے گا بینا بنے گا تو اس کا نفع اسی کی جان کو ہوگا۔ اور جو شخص اندھا بنا رہے گا دلائل وبصائر میں غور کرنے سے گریز کریگا تو اس کا نقصان اسی کو ہوگا' پھر رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ آپ کی ذمہ داری صرف پہنچانے کی ہے عمل کروانا آپ کے ذمہ نہیں' آپ اُن سے فرمادیں کہ میں تم پر نگران نہیں ہوں۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہم اسی طرح مختلف پہلوؤں سے دلائل بیان کرتے ہیں تا کہ ان لوگوں پر حجت پوری ہو جائے اور تا کہ وہ یوں کہیں کہ اے محمد (ﷺ) تم نے پڑھ لیا۔ یعنی جو کچھ تم بیان کرتے ہو دوسروں سے سیکھ لیا (اور کہتے ہو کہ اللہ کی طرف سے ہے) اور تا کہ ہم اس کو بیان کریں ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ہم مختلف پہلوؤں سے دلائل بیان کرتے ہیں تا کہ آپ اُن کو پہنچا دیں اور تا کہ منکرین ضد وعناد کی وجہ سے یوں کہیں کہ آپ نے ان مضامین کو کسی سے پڑھ لیا ہے اور تم دوسروں سے سیکھ کر ہم سے خطاب کرتے ہو (کمافی سورۃ النحل اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ) اس طرح سے وہ لوگ اور زیادہ مجرم بنتے ہیں اور ان دلائل کے بیان کرنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ ہم علم والوں کے لئے اچھی طرح کھول کر بیان کردیں (کیونکہ جو اہل علم ہیں وہ ہی منتفع ہوتے ہیں)

پھر فرمایا "اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ" کہ آپ اس کا اتباع کیجئے جس کی آپ کے رب کی طرف سے آپکو وحی کی گئی۔ اس کا آپ فکر نہ کیجئے کہ کون راہ راست پر آتا ہے اور کون نہیں آتا۔ تکوینی طور پر کچھ لوگ ایسے ہیں جو نہیں مانیں گے اور کچھ ایسے ہیں جو مان لیں گے یہ تکوینی فیصلے اللہ تعالیٰ کی حکمت کے موافق ہیں اگر اللہ چاہتا تو یہ شرک نہ کرتے لیکن سب کچھ اسکی مشیت اور ارادہ حکمت کے موافق ہے آپ اپنا کام کریں یعنی پہنچا دیں وَمَا جَعَلْنٰکَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ۚ اور ہم نے آپکو ان کا نگران نہیں بنایا عمل کریں یا نہ کریں یہ جانیں وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَکِیْلٍ آپ ان پر داروغہ بنا کر مسلّط نہیں کئے گئے۔ لہٰذا آپ کو اس فکر میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ منکرین بات نہیں مانتے اور حق کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَیَّنَّا لِكُلِّ

اور ان کو برا مت کہو جنہیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں سو وہ اللہ کو برا کہیں گے براہ جہالت حد سے گزر کر' ہم نے ایسے ہی مزین کر دیا ہر

اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ

امت کے لئے اُن کے عمل کو۔ پھر اپنے رب کی طرف ان کو لوٹنا ہے۔ سو وہ انہیں ان کاموں کو جتلا دے گا جو وہ کرتے تھے۔ اور انہوں نے اپنی قسموں میں خوب زور لگا کر اللہ کی قسم کھائی

جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ لَّیُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا یُشْعِرُكُمْ

کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آجائیگی تو وہ ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے۔ آپ فرما دیجئے کہ نشانیاں اللہ ہی کی طرف سے ہیں اور تمہیں

اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ

اس کی کیا خبر کہ جب وہ نشانی آ جائیگی تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔ اور ہم ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو پلٹ دیں گے جیسا کہ وہ اس پر پہلی بار ایمان نہ لائے

اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝

اور ہم ان کو اس حال میں چھوڑے رہیں گے کہ وہ اپنی سرکشی میں اندھے بنے رہیں

مشرکین کے معبودوں کو برا مت کہو

تفسیر: ان آیات میں اوّل تو یہ فرمایا کہ جو لوگ غیر اللہ کو پکارتے ہیں اور غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں ان کے معبودوں کو بُرے الفاظ میں یاد مت کرو' چونکہ تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہو اور انہیں تم سے دشمنی ہے اسلئے ضد میں آ کر اپنی جہالت سے اللہ پاک کو برے الفاظ سے یاد کریں گے' ضد وعناد والے کو یہ ہوش نہیں ہوتا کہ میری بات کہاں لگے گی' یوں تو مشرکین بھی اللہ تعالیٰ کو ماننے کا دعویٰ کرتے اور اس کے بارے میں خالق کائنات ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں لیکن جب ضد میں آئیں گے تو صرف یہ دیکھیں گے کہ مسلمانوں نے ہمارے معبودوں کو بُرا کہا ہے لہٰذا ہمیں بھی اُن کے معبود کو بُرا کہنا چاہئے' یہ لوگ ضد اور عناد کے سبب حَدِّ ادب کو پھاند جائیں گے۔ اور اللہ وحدہٗ لاشریک کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کریں گے' چونکہ یہ حرکت بد اُن کی تمہارے عمل کے جواب میں ہوگی۔ اس لئے ان کے معبودان باطلہ کو بُرے الفاظ میں یاد کر کے اس کا سبب نہ بنو کہ وہ لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ جل شانہٗ سبحانہٗ وتقدس کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کریں۔

لباب النقول ص ۱۰۳ میں مصنف عبدالرزاق سے نقل کیا ہے کہ کافروں کے بتوں کو اہل ایمان بُرے الفاظ میں یاد کرتے تھے تو وہ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی شان میں نازیبا کلمات کہہ جاتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ نازل فرمائی۔ حضرات علماء کرام نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ جو کام خود کرنا جائز نہیں اس کا سبب بننا بھی جائز نہیں' حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کبیرہ گناہوں میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی دیگا اور کسی کی ماں کو دے گا تو وہ اس کی ماں کو گالی دیگا (اس طرح سے وہ اپنے ماں باپ کو گالی دینے والا بن جائیگا) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۹ از بخاری ومسلم)

پھر فرمایا كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ (ہم نے اسی طرح ہر اُمت کے لئے اُن کے عمل کو مزیّن کر دیا) جو لوگ کافر ہیں کفر ہی سے چپکے ہوئے ہیں کفر کو اچھا سمجھتے ہیں دنیاوی زندگی ختم ہوگئی تو میدانِ قیامت میں سب پروردگار عالم جل مجدہٗ کی طرف لوٹیں گے سو وہ انہیں جتادیگا کہ وہ کیا کام کرتے تھے پھر اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کی جزا بھی دے دیگا' یہ مزیّن کرنا تکوینی

طور پر ہے اس سے تشریعی اوامر پر کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ جو لوگ کافر ہیں اپنے اختیار سے کفر اختیار کئے ہوئے ہیں۔

جب حقانیت اسلام کے دلائل ان کے سامنے آتے ہیں تو اپنے اختیار سے اسلام سے دور بھاگتے ہیں اور قبول نہیں کرتے۔

کافروں کی جھوٹی قسمیں کہ فلاں معجزہ ظاہر ہو جائے تو ایمان لے آئیں گے

اس کے بعد فرمایا وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ (اور انہوں نے بہت زوردار طریقہ پر اللہ کی قسم کھائی کہ ہمارے کہنے کے مطابق فرمائشی معجزہ ظاہر ہو جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے) ان لوگوں کی یہ تاکیدی قسمیں سن کر مسلمانوں کو خیال ہوا کہ جن معجزات کی فرمائش کر رہے ہیں وہ ظاہر ہو جاتے تو اچھا تھا تاکہ یہ لوگ ایمان لے آتے لیکن انہیں تو ایمان لانا نہیں ہے معجزات کی فرمائش ایمان نہ لانے کا ایک بہانہ ہے۔

تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۶۴ میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ سے ایمان لانے کے بارے میں بات کی تو کہنے لگے کہ اے محمد (ﷺ) آپ ہمیں بتاتے ہیں کہ موسیٰؑ کے پاس ایک لاٹھی تھی جسے پتھر میں مارتے تھے تو بارہ چشمے پھوٹ پڑتے تھے اور آپ نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ عیسیٰ مردوں کو زندہ کرتے تھے اور یہ بھی بتایا ہے کہ قوم ثمود کے لئے بطور معجزہ ایک اونٹنی ظاہر کی گئی تھی، آپ ہمارے لئے بھی کوئی ایسی ہی نشانی ظاہر کریں آپ نے فرمایا کہ تم کون سی نشانی چاہتے ہو؟ کہنے لگے کہ صفا پہاڑ سونا بن جائے آپ نے فرمایا کہ اگر ایسا ہو جائے تو میری تصدیق کرو گے کہنے لگے اگر ایسا ہو گیا تو ہم سب آپکا اتباع کر لیں گے آپ اللہ جل شانہٗ سے دعا کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ جبرائیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے کہا کہ آپ غور فرما لیجئے دو صورتوں میں سے ایک صورت اختیار فرما لیں آپ چاہیں کہ پہاڑ صفا کا سونا بن جائے تو ایسا ہو جائیگا لیکن اگر ان لوگوں نے تصدیق نہ کی تو اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دیدے گا۔ اور اگر آپ چاہیں تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں تاکہ کفر سے توبہ کر کے ایمان لے آئیں (گو اس میں دیر لگے گی) آپ نے فرمایا کہ میں ان کو اسی حال میں چھوڑ دیتا ہوں (جنہیں توبہ کرنا ہو توبہ کر کے ایمان لے آئیں) اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ سے وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ يَجۡهَلُوۡنَ ٥ تک نازل فرمائی۔

قُلۡ اِنَّمَا الۡاٰيٰتُ عِنۡدَ اللّٰهِ ط (آپ فرما دیجئے کہ معجزات سب اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں) وہ چاہے تو ان کی فرمائشوں کے مطابق معجزات ظاہر فرمائے اور اگر اس کی مشیت نہ ہو تو کوئی بھی معجزہ ظاہر نہ ہو وَمَا يُشۡعِرُكُمۡ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ یہ اہل ایمان کو خطاب ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تمہیں کیا خبر ہے کہ اُن کی مطلوبہ نشانی آجائے گی جب بھی وہ ایمان نہ لائیں گے، ان کی قسمیں جھوٹی ہیں خواہ کیسی ہی زوردار ہوں۔ آخر میں فرمایا۔

وَنُقَلِّبُ اَفۡـئِدَتَهُمۡ وَاَبۡصَارَهُمۡ اور ہم اُن کے دلوں کو اور اُن کی نگاہوں کو پلٹ دیں گے نہ حق کے طالب ہوں گے نہ

حق پر نظر کریں گے کَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ جیسا کہ یہ لوگ اس قرآن پر پہلی مرتبہ ایمان نہ لائے وَنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ٥ اور ہم اُن کو اس حال میں چھوڑے رہیں گے کہ وہ اپنی سرکشی میں اندھے بنے رہیں۔

قال القرطبی فی تفسیرہٖ ج۷ ص ۶۵ هذه اٰية مشكلة' ولا سيما وفيها "وَنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ٥" قيل المعنى ونُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَنظَارَهُمْ يوم القيمة على لهب النار وحرّ الجمر' كما لم يومنوا فى الدّنيا وَنَذَرُهُمْ فى الدّنيا' اى نمهلهم ولا نعاقبهم' فبعض الاب فى الأخرة' وبعضها فى الدنيا ونظيرها "وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ" فهٰذا فى الأخِرة "عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ" فى الدّنيا'

وقيل: ونُقَلِّبُ فى الدّنيا: اى نحول بينهم وبين الايمان لو جَآء تهم تلك الأية' كما حُلنا بينهم وبين الايمان اوّل مرّة لما دعوتهم وأظهرت المعجزة' وفى التنزيل "وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ" والمعنىٰ كان ينبغى ان يؤمنوا اذا جَائتهم الاية فرأوها بابصارهم وعرفوها بقلوبهم' فاذا الم يؤمنوا كان ذٰلك بتقليب الله قلوبهم وابصارهم كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ' ودخلت الكاف على محذوف اى فلا يؤمنون كما لم يؤمنوا به اوّل مرة' اى اول مرّة اتتهم الايات التى عجزوا عن معارضتها مثل القران وغيرہٖ.

علامہ قرطبیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں یہ آیت مشکل ہے اور خصوصاً یہ حصہ کہ وَنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ بعض نے کہا معنی یہ ہے کہ ہم قیامت کے دن ان کے دل اور ان کی آنکھیں آگ کے شعلوں اور انگاروں کی تپش پر بدلتے رہیں گے جیسا کہ یہ دنیا میں ایمان نہیں لائے اور ہم انہیں دنیا میں چھوڑ رہے ہیں یعنی ہم انہیں مہلت دے رہے ہیں اور دنیا میں پوری سزا نہیں دے رہے پس کچھ عذاب آخرت میں ہوگا اور کچھ دنیا میں ہے اس کی مثال یہ آیت ہے وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ کہ ("کئی چہرے اس دن جھکے ہوئے ہوں گے") تو یہ آخرت میں ہوگا عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ (کام کرنے والے تھکے ہوئے) یہ دنیا میں ہے۔

اور بعض نے کہا اس کا مطلب ہے ہم انہیں دنیا میں بدلتے رہتے ہیں یعنی ان کے پاس نشانی آتی ہے تو ہم ان کے اور ان کے ایمان کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں جیسا کہ پہلی دفعہ جب آپ نے انہیں دعوت دی اور معجزہ دکھلایا تو ہم ان کے اور ان کے ایمان میں حائل ہو گئے' اور قرآن کریم میں ہے وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ (جان لو کہ اللہ تعالیٰ بندے اور اس کے دِل کے درمیان حائل ہوتا ہے) مطلب یہ ہے کہ جب ان کے پاس نشانی آئی تو انہوں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے دلوں سے پہچانا تو انہیں ایمان لانا چاہئے تھا۔ جب یہ ایمان نہیں لائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر دینے کی وجہ سے تھا۔ جیسا کہ یہ اس پر پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے۔ اور کاف محذوف پر داخل ہے یعنی پس وہ ایمان نہیں لائیں گے جس طرح پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے یعنی پہلی مرتبہ جب ان کے پاس نشانیاں آئیں جن کے مقابلے سے وہ عاجز تھے جیسا کہ قرآن کریم اور دیگر نشانیاں۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَاۤ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَىْءٍ قُبُلًا

اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے اتار دیں اور ان سے مُردے بات کرلیں اور ہم جمع کر دیں ان پر ہر چیز ان کے آمنے سامنے

مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ

تب بھی وہ ایسے نہیں ہیں کہ ایمان لے آئیں مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ اور لیکن ان میں اکثر وہ ہیں جو جہالت کی باتیں کرتے ہیں۔ اور اسی طرح ہم نے

نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِىْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا

ہر نبی کے لئے دشمن مقرر کردیئے ہیں جو شیاطین ہیں انسانوں میں سے اور جنات میں سے ان میں بعض بعض کو ایسی باتوں کا وسوسہ ڈالتے ہیں جو بظاہر اچھی لگتی ہیں وہ یہ کام دھوکہ دینے کے لئے کرتے ہیں۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ

اور اگر تیرا رب چاہے تو یہ لوگ یہ کام نہ کریں، سو چھوڑ دیجئے ان کو اور ان باتوں کو جو وہ جھوٹ بناتے ہیں۔ اور تاکہ اس کی طرف ان لوگوں کے دل مائل ہو جائیں

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے۔ اور تاکہ وہ اسے پسند کریں اور تاکہ وہ مرتکب ہو جائیں ان کاموں کے جن کا وہ ارتکاب کرتے ہیں

معاندین کا مزید تذکرہ اور شیاطین کی شرارتیں

تفسیر: ان آیات میں معاندین کا مزید عناد بیان فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ فرمائشی معجزے طلب کرنا حق قبول کرنے کے لئے نہیں۔ محض باتیں بنانے اور بہانے تراشنے کے لئے ہے۔ اگر ہم ان پر فرشتے اتار دیں اور مُردے ان سے باتیں کرلیں اور ہم ہر چیز ان کے سامنے لے آئیں یعنی غیب کی چیزیں ان کے سامنے ظاہر کردیں مثلاً دوزخ دکھا دیں تب بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ ایمان لانا مقصود نہیں ہے پھر بھی فرمائشیں کرتے ہیں جو سراپا جہالت ہے پھر فرمایا وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ (الآیۃ) اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی ہے کہ یہ لوگ جو دشمنی میں لگے ہوئے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں۔ آپ سے پہلے جو نبی آئے ہم نے ان کے لئے انسانوں میں اور جنات میں سے دشمن بنا دیئے تھے۔

یہ دشمن ایک دوسرے کو ایسی ایسی باتیں سمجھاتے ہیں جو بظاہر بہت اچھی مزیّن معلوم ہوتی تھیں۔ جیسے کسی بدصورت چیز پر ملمع کر کے بظاہر خوب صورت بنا دی جائے یہ لوگ ایسی باتیں سامنے لاکر اپنے لوگوں کو دھوکہ دیتے تھے تاکہ ایمان قبول نہ کریں۔ جو حال انبیاء سابقین علیہم السلام کے دشمنوں کا تھا وہی ان لوگوں کا حال ہے جو آپ کی مخالفت کر رہے ہیں۔ لہٰذا آپ غم نہ کیجئے ایسا ہوتا ہی رہا ہے۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ (اگر آپ کا رب چاہتا تو یہ لوگ ایسا نہ کرتے) ان لوگوں کا وجود اور ان کی مخالفت حکمتوں

پرمبنی ہے فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ (سو جب اس میں اللہ کی حکمتیں ہیں تو آپ فکر مند نہ ہوں ان کو اور یہ جو کچھ افتراء کر رہے ہیں اس کو چھوڑ یے) یعنی اس غم میں نہ پڑیئے کہ یہ لوگ مخالفت میں لگے ہوئے ہیں۔

وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْئِدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اور وہ لوگ فریب دینے والی باتوں کے وسوسے اسلئے ڈالتے ہیں کہ ان کی طرف ان لوگوں کے قلوب مائل ہو جائیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے وَلِيَرْضَوْهُ تا کہ وہ اسے پسند کر لیں۔ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ۝ اور تا کہ ان کاموں کے مرتکب ہوتے رہیں جن کا ارتکاب کرتے ہیں۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ

تو کیا اللہ کے سوا کسی دوسرے فیصلہ کرنے والوں کو تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہاری طرف مفصل کتاب نازل فرمائی ہے اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی

الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ وَتَمَّتْ

وہ جانتے ہیں کہ بلا شبہ آپ کے رب کی طرف سے اتاری ہوئی ہے۔ سو آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں اور

كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ

آپ کے رب کے کلمات سچائی اور عدل کے اعتبار سے پورے ہو گئے اس کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ سننے والا جاننے والا ہے اور اگر آپ بات مان لیں ان میں سے اکثر لوگوں کی

مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا

جو زمین میں ہیں تو آپ کو اللہ کی راہ سے بہکا دیں گے۔ وہ نہیں اتباع کرتے مگر گمان کا اور وہ صرف

يَخْرُصُوْنَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝

اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکتا ہے اور اللہ ہدایت پر چلنے والوں کو خوب جانتا ہے

اللہ کی کتاب مفصل ہے اور اس کے کلمات کامل ہیں

تفسیر: رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی آیات سُناتے تھے اور اس کے احکام بتاتے تھے۔ اس کی ذات وصفات کے متعلق عقائد کی تلقین فرماتے تھے، وہ خالق ہے مالک ہے قادر مطلق ہے سمیع بصیر ہے۔ علیم خبیر ہے اس کا ہر فیصلہ حق ہے لیکن مشرکین چاہتے تھے کہ آپ ان باتوں کو چھوڑ دیں اور وہ خود اپنے باطل معبودوں کی چھوڑنے کو تیار نہ تھے اور آپ کو بھی اپنی گمراہی کی طرف کھینچنا چاہتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ ان سے یوں فرمائیں کہ میں اللہ کو چھوڑ کر اور کس کو فیصلہ کرنے والا مان لوں۔ اس کی ذات تمام صفات کمالیہ سے متصف ہے جب اس جیسا کوئی ہے ہی نہیں تو میں اسے چھوڑ کر اور کس کو حَکَم (فیصلہ کرنے والا) بناؤں، میں تو اسی کو مانتا ہوں اور اسی کے فیصلہ پر راضی ہوں اور کوئی نہیں جس کے فیصلہ

پر راضی ہونے کا فیصلہ کروں اس نے تمہاری طرف مفصل کتاب نازل فرمائی ہے جس میں تفصیل کے ساتھ ہدایت بیان فرما دی ہے۔ جن لوگوں کو اس کتاب سے پہلے اللہ نے کتاب دی تھی وہ جانتے ہیں کہ یہ واقعی آپ کے رب کی طرف سے ہے لیکن جو معاند ہیں وہ عناد کی وجہ سے شک کرتے ہیں سو آپ شک کرنے والوں سے نہ ہوں۔ چونکہ کسی نبی کو اپنی نبوت میں شک ہونے کا احتمال ہو ہی نہیں سکتا اسلئے یہ خطاب گو بظاہر آپ کو ہے لیکن دوسروں کو سنانا مقصود ہے کہ کتاب اللہ کی حقانیت میں شک نہ کرو۔

پھر فرمایا وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ط (اور آپ کے رب کے کلمات کامل ہو گئے صدق اور عدل کے اعتبار سے) اسمیں رب تعالیٰ شانہٗ کے کلمات یعنی کلمات قرآن کے کامل ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے۔

کلمات سے وہ مضامین مراد ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ قرآن مجید میں بہت سے احکام ہیں جو تفصیل سے بتا دیئے ہیں اور بہت سے احکام رسول اللہ ﷺ کو مفوض کر دیئے ہیں۔ آپ کا بتانا اللہ تعالیٰ کا بتانا ہے' آپ کی اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے۔ یہ سب احکام سچے ہیں اور عدل پر مبنی ہیں ان میں انصاف ہے' کسی پر ظلم وزیادتی اور کسی کی حق تلفی ان احکام میں روا نہیں رکھی گئی اور بعض حضرات نے عدل کو اعتدال کے معنی میں لیا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے احکام میں اعتدال ہے نہ ہر چیز مُباح ہے اور نہ ہر چیز حرام اور ممنوع ہے۔ کچھ مکروہات بھی ہیں ایسا بھی نہیں کہ سارا دین لوگوں کی خواہش کے مطابق ہو۔ اور ایسا بھی نہیں کہ انسانوں کی خواہشوں اور نفس کے تقاضوں کا بالکل ہی لحاظ نہ کیا گیا ہو۔ اللہ کے دین میں بنی آدم کے نفسوں کے تقاضوں کی بھی رعایت ہے اور کچھ بندشیں بھی ہیں۔ ان بندشوں میں بنی آدم کی خیر مضمر ہے۔ اگر کوئی بھی چیز ممنوع نہ ہو تو انسانوں میں اور چوپاؤں میں کوئی فرق نہ رہے' پھر جو احکام ہیں ان میں استطاعت کی قید ہے۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ بھی فرمایا اور لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا بتا کر یہ فرما دیا کہ کسی جان کی وسعت اور طاقت سے زیادہ عمل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ یہ عَدْلًا کی تفسیر ہوئی۔

اور "صِدْقًا" جو فرمایا یہ قرآن کریم کے بیان فرمودہ واقعات اور قصص اور وعدوں اور وعید سے متعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بیان فرمایا بالکل سچ ہے اس میں کسی قسم کے شک اور شبہ کی گنجائش نہیں۔

پھر فرمایا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ (اللہ کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں) اس کا کلام لفظی اور معنوی تحریف سے محفوظ ہے اس نے خود اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ جب اللہ تعالیٰ نے خود اپنی کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے تو اُسے کون بدل سکتا ہے اور کس میں طاقت ہے کہ اس میں تحریف کر دے؟ دشمن تک یہ جانتے ہیں کہ یہ قرآن وہی ہے جو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا تھا اس وقت سے لیکر اب تک چودہ سو سال ہو چکے ہیں اور وہ ہو بہو اسی طرح موجود ہے جس طرح نازل ہوا تھا۔

پھر فرمایا وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ کہ اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے وہ سب کی باتیں سنتا ہے اسے مخالفوں اور معاندوں کی باتوں کی خبر ہے اور سب باتوں کا علم ہے۔ قرآن کے موافق اور مخالفت جو بھی ہیں وہ قیامت کے دن حاضر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ سبحانہٗ اپنے علم کے مطابق سب کے فیصلے فرمائیں گے۔

زمین کے اکثر رہنے والے گمراہ کرنیوالے ہیں: اس کے بعد فرمایا وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ (الآیۃ) اس میں یہ ارشاد فرمایا کہ زمین پر جو لوگ بستے ہیں ان میں اکثر گمراہ ہیں۔ ان اکثریت والوں کی اطاعت کرو گے تو یہ تمہیں راہِ حق سے ہٹا دیں گے۔

معلوم ہوا کہ اکثریت دلیل حقانیت نہیں ہے جیسا کہ سورۂ مائدہ میں فرمایا قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ دنیا میں اکثریت گمراہوں کی ہے جو اللہ کی راہ سے ہٹے ہوئے ہیں ان کی بات مانو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ حق والوں کے پاس اٹھو بیٹھو اور ان سے حق سیکھو۔

سورۂ توبہ میں فرمایا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ) اللہ کے یہاں محبوبیت کا مدار ایمان اور تقویٰ پر ہے اکثریت پر نہیں ہے۔

پھر فرمایا إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ اکثر لوگ محض اپنے گمان کے پیچھے چلتے ہیں وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ اور محض اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں۔ لہٰذا اکثریت والوں کی اطاعت اور ان کا اتباع تباہ و برباد کرنے والا ہے۔

پھر فرمایا۔ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ (بلاشبہ آپ کا رب اچھی طرح جانتا ہے ان لوگوں کو جو اس کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں۔ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پر چلنے والوں کو۔ وہ قیامت کے دن اپنے علم کے مطابق فیصلے فرمائے گا۔ اہل ضلال کو ضلال کی سزا اور اہل ہدایت کو ہدایت کی جزا ملے گی)۔

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا

سو اس میں سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو اگر تم اس کی آیات پر ایمان لائے ہو اور تمہارے لئے اس کا کیا باعث ہو سکتا ہے کہ اس میں سے نہ کھاؤ

ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ۗ وَإِنَّ

جس پر اللہ کا نام لیا گیا حالانکہ اس نے تمہیں تفصیل سے بتا دیا ہے جو تم پر حرام کیا گیا۔ مگر اس صورت میں کہ تمہیں سخت مجبوری ہو۔ بلاشبہ

كَثِيرًا لَيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ﴿۱۱۹﴾ وَذَرُوا

بہت سے لوگ اپنی خواہشوں کے ذریعہ بغیر علم کے گمراہ کرتے ہیں، بے شک تیرا رب خوب جانتا ہے حد سے آگے بڑھنے والوں کو اور چھوڑ دو

ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ ﴿۱۲۰﴾

ظاہری گناہ اور باطنی گناہ، بے شک جو لوگ گناہ کرتے ہیں عنقریب انہیں ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى

اور مت کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔ اور بے شک وہ گناہ ہے۔ اور بلاشبہ شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں

اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

تاکہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کا کہا مانا تو بے شک تم مشرک ہو جاؤ گے

حلال ذبیحہ کھاؤ، اور حرام جانوروں کے کھانے سے پرہیز کرو

تفسیر: دُرِّمنثور ج ۳ ص ۴۱ میں ان آیات کا سبب نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہودی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے بطور اعتراض یوں کہا کہ جس جانور کو ہم قتل کر دیں (یعنی ذبح کر دیں) اسے تو آپ کھا لیتے ہیں اور جس جانور کو اللہ تعالیٰ قتل کر دے (یعنی اُسے موت دیدے اور وہ بغیر ذبح کے مر جائے) آپ اس کو نہیں کھاتے۔

ایک روایت یوں بھی ہے جسے ابن کثیر نے ج ۲ ص ۱۶۹ نقل کیا ہے کہ فارس کے لوگوں نے قریش مکہ کو آدمی بھیج کر یہ سمجھایا کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں بحث کرو کہ آپ اپنے ہاتھ چھری لے کر جس جانور کو ذبح کرتے ہیں وہ تو آپ کے نزدیک حلال ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ سونے کی چھری سے ذبح کرتے ہیں وہ آپ کے نزدیک حرام ہے۔

امام ترمذی نے تفسیر سورۃ الانعام میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سوال کیا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! ہم جسے خود قتل کرتے ہیں اُسے کھا لیتے ہیں اور جسے اللہ قتل کرتا ہے اُسے نہیں کھاتے (یہ انہوں نے بطور اعتراض کے کہا) اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ نازل فرمائی (قال الترمذی ھذا حدیث حسن غریبٌ)

پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ یہ اعتراض یہود نے کیا تھا اور دوسری روایت سے معلوم ہوا ہے کہ اہل فارس کے سمجھانے اور سُجھانے پر قریش مکہ نے کیا تھا۔ مفسر ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہودیوں سے اس اعتراض کا صادر ہونا بعید ہے کیونکہ وہ خود میتہ یعنی غیر ذبیحہ کو نہیں کھاتے تھے اھ لیکن اس بات کی وجہ سے روایت کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ معترض اندھا تو ہوتا ہی ہے جسے اعتراض کرنا ہو وہ کہاں سوچتا ہے کہ یہ بات مجھ پر بھی آ سکتی ہے۔ اعتراض کرنے والے جاہلوں نے صرف موت کو دیکھ لیا اور ذبیحہ اور غیر ذبیحہ کے درمیان جو فرق ہے اس کو نہیں دیکھا لہٰذا اعتراض کر بیٹھے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہر جانور کے کھانے کی اجازت نہیں دی۔ قرآن مجید میں اجمالاً ارشاد فرمایا کہ پاکیزہ جانور حلال ہیں اور خبیث جانور حرام ہیں۔

سورۂ اعراف میں ارشاد ہے۔ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پاکیزہ چیزوں

کوحلال اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں نیز بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ کے کھانے کی اجازت دیدی سوائے ان جانوروں کے جن کا استثناء فرمادیا (اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ) اور مزید تفسیر کا بیان رسول اللہ ﷺ کی طرف سپرد فرمادیا۔ آپ نے حلال اور حرام جانوروں کی تفسیر بتادی لیکن جن جانوروں کو حلال قرار دیا ہے ان کے حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ ان کو ذبح کردیا جائے۔

ذبح کا مطلب یہ ہے کہ گلے کی رگیں کاٹ دی جائیں جن سے جانور سانس لیتا ہے اور کھاتا پیتا ہے۔ اور جن میں خون گذرتا ہے۔ ذبح کرنے سے بھی کسی جانور کا کھانا اس وقت حلال ہوگا جبکہ ذبح کے وقت بِسْمِ اللّٰهِ پڑھی گئی ہو۔ (یعنی اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو) ذبح کرنیوالا جو اللہ کا نام لے کر ذبح کرے مسلمان یا کتابی یعنی یہودی یا نصرانی ہو۔ ان کے علاوہ اور کسی کا ذبیحہ حلال نہیں۔ ذبح کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ جانور کے اندر جو خون ہے وہ رگیں کٹنے سے نکل جاتا ہے خون کا کھانا پینا حرام ہے۔ جب خون نکل گیا تو اب گوشت بغیر خون کے رہ گیا لہٰذا ذبیحہ کا کھانا حلال ہوگیا۔

اعتراض کرنے والے نے فرق کو تو دیکھا نہیں اور اس بات کو سمجھا نہیں کہ ذبح کرنے میں کیا حکمت ہے اور ذبح کرنے سے جانور کیوں حلال ہوتا ہے اور اپنی موت مرجانے سے کیوں حرام ہوتا ہے یہ خون نکلنے والی بات ان کی سمجھ میں نہ آئی جو ذبیحہ اور غیر ذبیحہ میں فرق کرنے والی چیز ہے۔

اگر کوئی مسلم یا کتابی کسی جانور کو لاٹھی مار مار کر ہلاک کردے اگرچہ بسم اللہ پڑھ لے تو وہ جانور حلال نہ ہوگا۔ کیونکہ لاٹھیوں سے مارنے سے خون نہیں نکلا جو گلے کی رگوں سے نکل جاتا ہے ایسے جانور کا نام ''موقوذہ'' ہے جس کا ذکر سورۂ مائدہ کے شروع میں گذر چکا۔

جب معترضین نے اعتراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے آیات بالا نازل فرمائیں اور مسلمانوں کو خطاب فرمایا کہ جس حلال جانور پر اللہ کا نام لیا گیا یعنی اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا اسے کھاؤ۔ اور جس جانور پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہیں لیا گیا اسے مت کھاؤ' دشمنوں کی باتوں میں نہ آؤ اور ان کے اعتراض کو کوئی وزن نہ دو اللہ نے تمہیں حلال حرام کی تفصیل بتادی' اللہ کے حلال کئے ہوئے جانور کو نہ کھانا اور دشمنوں کی باتوں میں آجانا اہل ایمان کی شان کے خلاف ہے۔

اسی کو فرمایا وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ اور اگر تم ان کی اطاعت کروگے تو شرک کرنے والے ہوجاؤ گے۔ یعنی اللہ کی بات ماننے کے بجائے دوسروں کی بات مان کر مشرکوں کے زُمرہ میں آجاؤ گے۔

جس جانور کو اللہ کا نام لے کر مسلم یا کتابی نے ذبح کیا ہو بشرطیکہ وہ جانور حلال ہو اس کے کھانے کی اجازت دیدی اور جو جانور میتۃ ہو (یعنی اپنی موت مرگیا ہو یا جسے اللہ کا نام لئے بغیر ذبح کیا گیا ہو) اس کے کھانے کو حرام قرار دیدیا گیا اور اسے فسق یعنی حکم عدولی بتایا۔ ہاں حالت مجبوری میں غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ کے ساتھ مشروط کرکے مردار کھانے کی اجازت دیدی۔

وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ اور بلاشبہ بہت سے لوگ بغیر علم کے اپنی خواہشات کے ذریعہ گمراہ کرتے ہیں۔ یعنی جو بھی کوئی بغیر سند بات ان کے خواب وخیال میں آ جاتی ہے اس کے ذریعہ لوگوں کو بہکاتے اور گمراہ کرتے ہیں اللہ کے حکم کے پابند نہیں ہوتے۔ اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے حد سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ (بیشک تیرا رب حد سے نکلنے والوں کو خوب جانتا ہے) وہ ان کو سزا دے گا۔

ظاہری اور پوشیدہ تمام گناہوں سے بچنے کا حکم:

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ (اور چھوڑ دو ظاہری گناہ اور باطنی گناہ) اس میں ظاہری اور باطنی دونوں طرح کے گناہ چھوڑنے کا حکم فرمایا ہے۔ جو گناہ ظاہری طور پر علانیہ ہے وہ بھی چھوڑو اور جو پوشیدہ ہو اُسے بھی چھوڑو اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو جانتا ہے اور وہ گناہوں کی سزا دینے پر پوری طرح قادر ہے گناہ گار یہ نہ سمجھیں کہ تنہائی میں جو گناہ کر لیا اللہ تعالیٰ کو اسکی خبر نہیں ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ۝ بلاشبہ جو لوگ گناہ کرتے ہیں انہیں عنقریب ان کے اعمال کی جزا دیدی جائے گی۔

وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ اور بلاشبہ شیاطین اپنے دوستوں کی طرف وسوسے ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں۔ اہل فارس مشرک تھے اور قریش مکہ بھی مُشرک تھے انہوں نے مشرکین مکہ کو یہ بات سمجھائی کہ تم محمد علیہ السلام پر یہ اعتراض کرو۔ اور یہودیوں نے آپس میں ایک دوسرے کو سمجھایا کہ تم یہ اعتراض لے کر جاؤ اور مسلمانوں سے جھگڑا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بتا دیا کہ تم ان کی باتوں میں نہ آؤ۔ اگر تم نے ان کا کہا مانا تو تم مشرک ہو جاؤ گے یعنی مشرکوں والا کام کر لو گے۔ یعنی اللہ کے حکم کی خلاف ورزی اور غیروں کی اطاعت کر کے شرک کرنے والے بن جاؤ گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو چھوڑ کر دوسروں کے حکم کی ماننا اور ان کو تحلیل وتحریم کا مختار سمجھنا مشرکوں کا کام ہے

(فی معالم التنزیل قال الزجاج فیه دلیل علی من احل شیئاً مما حرم اللہ او حرم ما احل اللہ فهو مشرک) (معالم التنزیل میں ہے کہ زجاج فرماتے ہیں اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال کہے یا اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کہے تو وہ مشرک ہے)

مسئلہ: اگر ذبح کرتے وقت قصداً اللہ کا نام لینا چھوڑ دیا تو اس جانور کا کھانا حلال نہیں اگرچہ ذبح کرنے والا مسلم یا کتابی ہو۔ اور جس جانور پر ذبح کرنے والا بسم اللہ پڑھنا بھول گیا اس کا کھانا جائز ہے بشرطیکہ ذبح کرنیوالا مسلم یا کتابی ہو مذبوحہ اور میتہ جانوروں کے بارے میں متعدد مسائل سورۂ مائدہ کے پہلے رکوع کی تفسیر کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔ (انوار البیان ج۳ ص ۱۳)

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِى

جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اُسے زندہ کر دیا اور اس کے لئے ایسا نور مقرر کر دیا جس کے ذریعہ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے کیا یہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ

الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۚ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا

اندھیریوں میں ہے ان سے نکلنے والا نہیں۔ کافر جو عمل کرتے ہیں وہ ان کے لئے اسی طرح مزین کر دیئے گئے اور اسی طرح ہم نے

فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۚ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

ہر بستی میں وہاں کے بڑوں کو مجرم بنا دیا۔ تا کہ وہ اس میں مکر کریں اور وہ صرف اپنی ہی جانوں کے ساتھ مکر کرتے ہیں اور شعور نہیں رکھتے

مومن زندہ ہے اس کے لئے نور ہے
اور کافر اندھیریوں میں گھرا ہوا ہے

تفسیر: علامہ بغویؒ معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۲۸ میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت دو خاص آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ پھر ان دو آدمیوں کے تعین میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا سے حضرت حمزہ بن عبد المطلب (رسول ﷺ کے چچا) مراد ہیں اور مَثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ سے ابو جہل مُراد ہے واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ ابو جہل نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ پر گھوڑے کی لید پھینک دی تھی۔ حضرت حمزہؓ کو اس کا پتہ چلا جو شکار کر کے ہاتھ میں کمان لئے ہوئے آ رہے تھے اور ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ابو جہل کی حرکت کا علم ہوا تو غصہ میں بھر گئے اور ابو جہل کے پاس آ کر اس کے سر پر کمان ماری وہ عاجزی کرنے لگا۔ اور کہنے لگا کہ تم دیکھتے نہیں ہو کہ یہ کیسا دین لے کر آئے ہمیں بے وقوف بناتے ہیں اور ہمارے معبودوں کو بُرا کہتے ہیں اور ہمارے باپ دادوں کے مخالف ہیں۔ اس پر حضرت حمزہؓ نے فرمایا کہ تم سے بڑھ کر بے وقوف کون ہو گا تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرتے ہو۔ پھر انہوں نے اسی وقت اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔ اس پر آیت کریم اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ ط نازل ہوئی۔ سبب نزول جو بھی ہو۔ آیت کا عموم ہر کافر اور ہر مومن کو شامل ہے۔

جو لوگ پہلے کافر تھے وہ کفر کی وجہ سے مُردہ تھے۔ جس نے اسلام قبول کر لیا وہ زندوں میں شمار ہو گیا اور اسے نور ایمان مل گیا۔ وہ اسی نور ایمان کو لے کر لوگوں میں پھرتا ہے اور یہ نور ایمان اسے خیر کا راستہ بتاتا ہے اور اعمالِ صالحہ کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا جو مُردہ تھا اسے ہم نے زندہ کر دیا ایمان کا نور دیدیا وہ اس جیسا کہاں ہو سکتا ہے جو اندھیریوں میں ہے۔ برابر انہیں میں گھرا ہوا ہے وہاں سے نکلنے والا نہیں۔

پھر فرمایا كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ جس طرح اہل ایمان کے لئے ایمان مزین کر دیا گیا ہے

اسی طرح کافروں کے لئے ان کے اعمال کفریہ مزین کر دیئے گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے اور وہ اپنی حرکت بد کو اچھا؟ سمجھ رہے ہیں۔

ہر بستی میں وہاں کے بڑے مجرم ہوتے ہیں: اس کے بعد فرمایا وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِىْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا ط (اور اس طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے بڑوں کو مجرم بنا دیا) مطلب یہ ہے کہ جیسے اہل مکہ میں دنیاوی اعتبار سے بڑے لوگ مجرم بنے ہوئے ہیں اسی طرح ہم نے ہر بستی میں آپ سے پہلے ایسے لوگ مقرر کئے جوان لوگوں کے سردار تھے اور گناہوں میں پیش پیش تھے۔

لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا تاکہ یہ لوگ مکر کریں یعنی اللہ کی ہدایت نہ پھیلنے دیں اور اس کے خلاف شرارتیں کریں۔ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ہ اور ان کا مکر ان کی جانوں ہی کے ساتھ ہے۔ اور انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔ اسلام کے خلاف شرارتیں کرتے ہیں۔ اور یہ نہیں جانتے کہ اس کا وبال انہیں پر پڑتا ہے۔

صاحب معالم التنزیل لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ اہل مکہ نے مکہ کے اطراف وجوانب میں ہر راستہ پر چار چار آدمی بٹھا دیے تھے۔ تاکہ وہ لوگوں کو سیدنا محمد رسول ﷺ پر ایمان لانے سے روکتے رہیں۔ جو شخص باہر سے آتا اور مکہ میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ اس سے یہ لوگ کہتے تھے کہ دیکھنا اس شخص سے بچ کر رہنا کیونکہ وہ جادوگر ہے جھوٹا ہے۔

درحقیقت ہر بستی اور ہر علاقہ کے رئیس اور چودھری اور اہل اقتدار اور اہل مال ہی عوام الناس کو ہدایت پر نہیں آنے دیتے۔ نہ خود ہدایت قبول کرتے ہیں نہ اپنے عوام کو حق قبول کرنے دیتے ہیں۔ جیسا کہ پورے عالم میں اس کا مظاہرہ ہے۔

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ اَللّٰهُ

اور جب ان کے پاس کوئی آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ ہم کو ایسی چیز نہ دی جائے جیسی کہ اللہ کے رسولوں کو دی گئی اللہ

اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ

جانتا ہے جہاں اپنے پیغام کو بھیجے۔ عنقریب ان لوگوں کو اللہ کے یہاں ذلت اور سخت عذاب پہنچے گا

شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

اس وجہ سے کہ وہ مکر کرتے تھے

ولید بن مغیرہ کی اس جہالت کی تردید کہ ہمیں رسالت ملنی چاہئے

تفسیر: معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۲۸ میں آیت بالا کا سبب نزول یوں لکھا ہے کہ ولید بن مغیرہ نے رسول اللہ ﷺ

سے کہا کہ اگر نبوت واقعی کوئی چیز ہے تو میں تم سے زیادہ اس کا اہل ہوں کیونکہ میری عمر بھی تم سے زیادہ ہے اور میرا مال بھی کثیر ہے اور دوسرا سبب نزول یہ نقل کیا ہے کہ ابوجہل نے کہا کہ بنو عبد مناف نے شرافت کے سلسلے میں ہم سے مقابلہ بازی کی یہاں تک کہ ہم گھوڑ دوڑ کے گھوڑے بن کر رہ گئے اب وہ کہہ رہے ہیں کہ ہم میں ایک نبی ہے جس کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ اللہ کی قسم ہم اس مدعی نبوت پر ایمان نہ لائیں گے۔ جب تک ہمارے پاس بھی اسی طرح وحی نہ آجائے جیسی اس کے پاس آتی ہے۔

اس پر اللہ جل شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی جسمیں ولید بن مغیرہ کا بھی جواب ہو گیا اور ابوجہل کا بھی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ رسالت ونبوت سے سرفراز کرنا یہ اللہ جل شانہ کے انتخاب اور اختیار سے متعلق ہے وہ جسے چاہتا ہے اس عہدہ سے سرفراز فرماتا ہے اور اسے معلوم ہے کہ رسالت اور نبوت کا اہل کون ہے اور اس عہدہ جلیلہ کا تحمل کس میں ہے یہ کہنا کہ میں مستحق رسالت ہوں اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کو جہل کی طرف منسوب کرنا ہے۔ جنہوں نے یہ اعتراض کیا ہے انہیں اللہ کے یہاں ذلت پہنچے گی اور انہیں سخت سزا ملے گی۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ
سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینے کا ارادہ فرمائے اس کے سینہ کو ہدایت کے لئے کھول دیتا ہے اور جس کے بارے میں یہ ارادہ فرمائے کہ اسکو گمراہ فرمائے
صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ ۚ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ
اس کے سینہ کو تنگ کر دیتا ہے۔ گویا کہ وہ بڑی تکلیف کے ساتھ آسمان میں چڑھ رہا ہے ایسے ہی ان لوگوں پر اللہ عذاب بھیج دیتا ہے
لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾
جو ایمان نہیں لاتے

صاحب ہدایت کا سینہ کشادہ اور گمراہ کا سینہ تنگ ہوتا ہے

تفسیر: آیت قرآنیہ سن کر اور آیات تکوینیہ دیکھ کر بہت سے لوگ مسلمان ہو جاتے تھے اور اکثر کفر سے چمٹے رہتے تھے اس آیت میں اللہ رب العزت تعالیٰ شانہ نے یہ بتایا کہ اللہ جل شانہ جس شخص کو ہدایت دینا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔ اس کے دل میں اسلام کی طرف سے کوئی شک اور شبہ باقی نہیں رہتا۔ اور بلا پس وپیش سچے دل سے پورے اخلاص کے ساتھ قبول کر لیتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ جسے گمراہی میں باقی رکھنا چاہے اس کے سینہ کو تنگ کر دیتا ہے اسلام کی دعوت سنکر اس کا سینہ تنگ ہو جاتا ہے اور اسلام قبول کرنے کی بات سامنے آتی ہے تو یہ اسے ایسا دوبھر اور دشوار معلوم ہوتا ہے کہ جیسے وہ بڑی مصیبت

کے ساتھ آسمان پر چڑھ رہا ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت بالا تلاوت فرمائی پھر ارشاد فرمایا کہ جب نور سینہ میں داخل ہو جاتا ہے تو سینہ کھل جاتا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا ایسی کوئی نشانی ہے جس کے ذریعہ اسکو پہچان لیا جائے۔ آپ نے فرمایا ہاں اس کی نشانی یہ ہے کہ دار الغرور (دنیا) سے دور رہے اور دار الخلود (ہمیشہ رہنے کی جگہ) کی طرف رجوع کرے اور موت سے پہلے اس کی تیاری کرلے (رواہ البیہقی فی شعب الایمان کمافی المشکوٰۃ ص ۴۴۶)

سینہ کی تنگی کا مطلب بتاتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو دل میں انقباض ہونے لگے اور گھبراہٹ محسوس ہو اور اگر بتوں کی عبادت کا ذکر آئے تو دل میں خوشی کی کیفیت طاری ہو (ذکرہ فی معالم التنزیل)

معلوم ہوا کہ مومن کو اپنے ایمان پر شاداں فرحاں خوب خوش رہنا چاہئے ایمان اور ایمانیات کی وجہ سے دل میں خوشی کی لہریں دوڑتی رہیں۔

پھر فرمایا کَذٰلِکَ یَجْعَلُ اللّٰہُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ اللہ ایسے ہی عذاب بھیج دیتا ہے ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے۔

علماء تفسیر نے رجس کے کئی معنی کئے ہیں۔ روح المعانی میں اولاً عذاب اور خذلان کا ترجمہ کیا ہے۔ پھر حضرت مجاہد تابعی سے نقل کیا ہے کہ " الرجس مالا خیر فیہ" یعنی جس میں کوئی خیر نہ ہو وہ رجس ہے۔ پھر علامہ راغب اصفہانی سے نقل کیا ہے کہ الرجس الشئ القذر (یعنی گھناؤنی چیز۔ اور زجاج سے نقل کیا ہے ھو اللعنۃ فی الدنیا والعذاب فی الاٰخرۃ۔ یہاں یہ سب معانی مراد ہو سکتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ پاک گمراہ شخص کا سینہ تنگ کر دیتا ہے اسی طرح ان لوگوں پر رجس ڈال دیتا ہے جنہیں ایمان لانا نہیں ہوتا۔

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿١٢٦﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ

اور یہ آپ کے رب کا سیدھا راستہ ہے بے شک ہم نے واضح طور پر ان لوگوں کے لئے آیات بیان کردی ہیں جو نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ ان کے لئے سلامتی کا گھر ہے

عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٧﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ۚ يٰمَعْشَرَ

ان کے رب کے پاس اور وہ جو اعمال کرتے ہیں ان کے سبب اللہ ان کا مددگار ہے، اور جس دن ان سب کو جمع کرے گا۔

الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا

اے جنات کی جماعت تم نے انسانوں میں سے کثیر تعداد کو اپنا تابع کر لیا۔ اور انسانوں میں جو ان کے دوست تھے وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم میں بعض نے

بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِیْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ
بعض سے نفع حاصل کیا۔ اور ہم پہنچ گئے اس مقررہ میعاد کو جو آپ نے ہمارے لئے مقرر فرمائی۔ فرمانِ خداوندی ہوگا کہ دوزخ تمہارا ٹھکانہ ہے۔ اس میں ہمیشہ رہو گے سوائے اس کے
اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا
جسے اللہ چاہے، بے شک تیرا رب حکمت والا ہے علم والا ہے۔ اور اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض کا ولی بناتے ہیں بہ سبب ان کے اعمال کے
یَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾
جو وہ کرتے ہیں

اللہ تعالیٰ کا راستہ سیدھا ہے

تفسیر: مومن اور کافر کا فرق بیان فرمانے کے بعد اب صراطِ مستقیم کی دعوت دی جارہی ہے۔ (دین اسلام) تیرے رب کا راستہ ہے جو سیدھا راستہ ہے اس میں کوئی کجی اور ٹیڑھا پن نہیں ہے اس کی دعوت بھی واضح ہے' جو لوگ نصیحت حاصل کرنے والے ہیں ان کے لئے واضح طور پر آیات بیان کردیں۔ پھر صراطِ مستقیم پر چلنے والوں کے لئے دو انعام ذکر فرمائے اوّل یہ کہ ان کے لئے ان کے رب کے پاس دارالسلام ہے۔

اہل ایمان کے لئے دارالسلام کا وعدہ: دارالسلام کا معنی ہے سلامتی کا گھر۔ اور اس سے جنت مراد ہے جنت میں ہر طرح کے مصائب اور تکالیف سے سلامتی ہوگی۔ نہ جسمانی کوئی تکلیف ہوگی نہ روحانی۔ نہ آپس میں بُغض ہوگا نہ کینہ ہوگا نہ حسد ہوگا نہ دشمنی ہوگی' اور نہ نعمتوں کے ختم ہونے کا چھیننے کا اندیشہ ہوگا۔ جب جنت میں داخل ہوں گے تو فرمایا جائے گا اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ ٥ کہ داخل ہو جاؤ جنت میں سلامتی کے ساتھ امن وامان کی حالت میں۔ اہل جنت کو اللہ کی طرف سے سلام آئے گا۔ جس کا تذکرہ کرتے ہوئے سورہ یٰسین میں فرمایا سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ ٥ فرمایا ہے۔ الحاصل! جنت دارالسلام ہے وہاں سلامتی ہی سلامتی ہے جعلنا اللہ من اھلھا۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا ولی ہے۔ دوسرے انعام کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَهُوَ وَلِیُّهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ٥ یعنی اللہ ان کا ولی ہے بسبب ان کے عمل کے جو وہ کرتے تھے۔

صاحب معالم التنزیل ج ۷ ص ۱۳۰ لکھتے ہیں یتولاھم فی الدنیا بالتوفیق وفی الأخرۃ بالجزاء یعنی اللہ تعالیٰ دنیا میں ان کا ولی یعنی دوست ہے اور مددگار ہے جس نے ایمان کی توفیق دیدی اور آخرت میں بھی ان کا دوست ہوگا وہ انہیں ایمان کا بدلہ دے گا۔

قیامت کے دن جنات سے اور انسانوں سے سوال: اس کے بعد قیامت کے دن جو سوالات ہوں گے ان میں سے ایک سوال کا ذکر فرمایا وَیَوْمَ یَحْشُرُھُمْ جَمِیْعًا کہ جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو یعنی جنات اور انسانوں کو محشر میں جمع فرمائے گا اور جنات سے اللہ تعالیٰ کا یوں خطاب ہوگا یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَکْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ط کہ اے جنات کے گروہ تم نے کثیر تعداد میں انسانوں کو اپنے تابع کر لیا۔ جنات سے شیاطین مُراد ہیں۔

جب ابلیس مردود ہوا تھا اس نے کہا تھا لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِکَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا (کہ میں تیرے بندوں میں سے حصہ مقررہ اپنا بنالوں گا) اور یہ بھی کہا تھا لَاَقْعُدَنَّ لَھُمْ صِرَاطَکَ الْمُسْتَقِیْمَ o ثُمَّ لَاٰتِیَنَّھُمْ مِّنْ م بَیْنِ اَیْدِیْھِمْ وَمِنْ خَلْفِھِمْ وَعَنْ اَیْمَانِھِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِھِمْ وَلَا تَجِدُ اَکْثَرَھُمْ شٰکِرِیْنَ (کہ میں ان کے لئے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھوں گا۔ پھر ان کے پاس ان کے سامنے سے اور پیچھے سے اور ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے آؤں گا اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گذار نہ پائیں گے)

ابلیس نے جو کہا تھا وہ برابر اپنی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ اس کی ذرّیّت بھی اسکی کوششوں میں اس کی معاون و مددگار ہے۔ اور انسانوں کی غفلت کی وجہ سے شیاطین اپنی محنت میں کامیاب ہیں انہوں نے اکثر انسانوں کو اپنا بنالیا ہے اور صراطِ مستقیم سے ہٹا کر گمراہ کر دیا شیاطین الجن سے اللہ جل شانہٗ فرمائیں گے کہ انسانوں میں سے کثیر تعداد کو تم نے اپنا بنالیا۔ اور ان کو صراطِ مستقیم سے ہٹا دیا۔

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہٗ کا یہ خطاب توبیخ کے طور پر ہوگا یعنی بطور ڈانٹ ڈپٹ ان سے یہ خطاب ہوگا۔

انسانوں کا جواب اور اقرار جرم: وَقَالَ اَوْلِیٰٓؤُھُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِیْٓ اَجَّلْتَ لَنَا (اور شیاطین کے دوست جو انسانوں میں سے تھے جنہوں نے ان کا اتباع کیا تھا یوں کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم میں بعض سے بعض نے انتفاع کیا) یعنی انسان جنات سے اور جنات انسانوں سے متمتع ہوئے۔

صاحب روح المعانی نے حضرت حسن اور ابن جریج وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ انسانوں کا جنات سے نفع حاصل کرنا یوں تھا کہ جب ان میں سے کوئی شخص سفر پر جاتا اور جنات کا خوف ہوتا تو جس منزل پر اترنا ہوتا تو یوں کہتے کہ اَعُوْذُ بِسَیِّدِ ھٰذَا الْوَادِی (کہ میں اس وادی کے سردار کی پناہ لیتا ہوں) اللہ کی پناہ لینے کی بجائے شیاطین کی پناہ لیتے تھے۔ اور شیاطین کا انسانوں سے نفع حاصل کرنا یہ تھا کہ جب یہ لوگ اعوذ بسید ھذا الوادی کہتے تھے تو جنات خوش ہوتے اور کہتے تھے کہ دیکھو انہوں نے ہم کو پناہ دینے پر قادر سمجھا اور جو پناہ اللہ سے مانگنی چاہئے تھی ہم سے مانگی۔ انسانوں کا گروہ آپس میں ایک دوسرے سے نفع حاصل کرنے کا اقرار کرنے کے بعد یوں کہے گا۔ کہ وَبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِیْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ط

(اور ہم پہنچ گئے اس مقرر میعاد کو جو ہمارے لئے آپ نے مقرر فرمائی تھی) اس اَجل یعنی مقررہ میعاد سے بعض حضرات نے موت اور بعض نے قیامت کا دن مراد لیا ہے انسانوں کا گروہ یہ بات بطور اقرار جرم کہے گا۔ جس میں اظہار ندامت بھی ہے کہ ہم نے ایسا کیوں کیا! حسرت بھی ہے کہ اگر ایسا نہ کرتے تو اچھا ہوتا۔

قَالَ النَّارُ مَثْوٰكُمْ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ دوزخ تمہارے ٹھہرنے کی جگہ ہے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی ابلیس کو خطاب کرکے بتادیا تھا۔ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ٥ (کہ میں ضرور دوزخ کو بھر دوں گا تجھ سے اور ان تمام لوگوں سے جو تیرا اتباع کریں گے) یہ اعلان اسی وقت فرمادیا تھا جب ابلیس نے تکبر کیا اور اس نے بنی آدم کو بہکانے کی قسم کھا کر اپنا مضبوط ارادہ ظاہر کیا اللہ تعالیٰ نے اس کے دعوے پر اسے اور اس کے ماننے والوں کو دوزخ میں بھیجنے کا فیصلہ صادر فرمایا۔ اسی کے مطابق آج دوزخ میں شیطان کے ماننے والوں میں ٹھکانا ہوگا۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا (یہ لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے) اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ۔ (مگر یہ کہ جو اللہ چاہے) یعنی وہ چاہے تو دوزخ سے نکال سکتا ہے۔ مگر کافروں کو نہیں نکالے گا جیسا کہ دوسری آیت میں خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا فرمایا۔

اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ٥ (بے شک تیرا رب حکمت والا جاننے والا ہے) اس طرح ہم بعض ظالموں کو بعض کا ولی بناتے ہیں بسبب ان کے اعمال کے جو وہ کرتے تھے۔

نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ کی تفسیر: نُوَلِّيْ کا یہ ترجمہ جو بھی لکھا گیا حضرت قتادہ سے منقول ہے۔ صاحب معالم التنزیل نے ان سے نقل کیا ہے نَجْعَلُ بَعْضَهُمْ اَوْلِيَآءَ بَعْضٍ کہ ہم ظالموں کو آپس میں ایک دوسرے کا دوست بناتے ہیں۔ یہ معنی بھی صحیح ہے دنیا میں ہر وقت اس کا مظاہرہ ہے اور اسی دوستی کی وجہ سے آپس میں مل کر اسلام اور اہل اسلام کی دشمنی میں ایک دوسرے کی معاونت کرتے رہتے ہیں۔

اور بعض حضرات نے نُوَلِّيْ کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ ظالموں کو ایک دوسرے سے قریب کردیں گے۔ یعنی قیامت کے دن ایک ہی قسم کے لوگوں کی جماعتیں بنادی جائیں گی۔ پھر یہ جماعتیں دوزخ میں چلی جائیں گی۔ جیسا کہ سورۂ صافات میں فرمایا۔

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ٥ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ٥ ظالموں کو اور ان کے ہم مشربوں کو اور اُن معبودوں کو جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے جمع کرو پھر انکو دوزخ کا راستہ دکھاؤ اور سورۂ زُمر میں فرمایا وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا (اور جن لوگوں نے کفر کیا اُنہیں گروہ گروہ بنا کر دوزخ کی طرف ہانکا جائے گا)

آیت کا ایک اور معنی بھی بعض مفسرین نے لکھا ہے۔ صاحب معالم التنزیل نے لکھا ہے ای نسلط بعض الظالمین علٰی بعض کہ ہم بعض ظالموں کو بعض دوسرے ظالموں پر مسلّط کردیتے ہیں اور ایک ظالم کو دوسرے ظالم کے ہاتھ سے سزا دلوا دیتے ہیں۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ

اے جنوں اور انسانوں کے گروہ کیا تمہارے پاس رسول نہیں آئے وہ میرے احکام بیان کرتے تھے

وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

اور تم کو اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے وہ جواب دیں گے کہ ہم اپنے جانوں پر گواہی دیتے ہیں اور ان کو دنیا والی زندگی نے دھوکہ میں ڈالا۔

وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ

اور وہ اپنی جانوں پر گواہی دیں گے کہ بلاشبہ وہ کافر تھے۔ یہ اس وجہ سے کہ تیرا رب بستیوں کو ظلم کے سبب ہلاک کرنے والا نہیں ہے

الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ

اس حال میں کہ وہاں کے لوگ بے خبر ہوں اور ہر ایک کے لئے ان کے اعمال کے سبب درجات ہیں اور تیرا رب ان کاموں سے غافل نہیں ہے

عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۚ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ

جو کام وہ کرتے ہیں۔ اور تیرا رب غنی ہے رحمت والا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں ختم کر دے اور تمہارے بعد تمہارے پیچھے

مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ

جس کو چاہے آباد کر دے جیسا کہ اس نے تمہیں دوسری قوم کی نسل سے پیدا فرمایا۔ بلاشبہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور آنے والی چیز ہے اور تم

بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ

عاجز نہیں کر سکتے۔ آپ فرما دیجئے اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو بلاشبہ میں عمل کر رہا ہوں سو عنقریب جان لو گے کہ کس

تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۗ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

کے لئے ہے اس عالم کا انجام کار' بے شک کامیاب نہیں ہوتے ظالم لوگ

جن و انس سے سوال!

کیا تمہارے پاس رسول نہیں آئے تھے؟ اور ان کا اقرار جرم

تفسیر: ان آیات میں اوّل تو اللہ جل شانہٗ نے اپنے اس خطاب کا ذکر فرمایا جو جناتؑ کی جماعت سے اور انسانوں سے قیامت کے دن ہوگا۔ دونوں جماعتوں کے مجرمین کافرین جو میدان حشر میں موجود ہوں گے ان سے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے جنات اور اے انسانو! کیا تمہارے پاس تم میں سے پیغمبر نہیں آئے جو تمہیں میرے احکام بتاتے تھے اور تمہیں آج کے دن کی حاضری سے اور اعمال کے نتائج سامنے آنے سے باخبر کرتے تھے اور تمہیں ڈراتے تھے کہ دیکھو ایک دن

ایسا آنے والا ہے تم اس کے لئے فکر مند ہو جاؤ اور ایمان لاؤ۔

اوّل تو مجرمین اقرار جرم سے گریز ہی کریں گے۔ اور اپنے کفر و شرک کا انکار ہی کر بیٹھیں گے جیسا کہ دوسری آیت میں ان کا قول وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ o ذکر فرمایا ہے۔ پھر بعد میں اپنے ہاتھ پیروں کی گواہی سے اور اپنے نبیوں کی گواہی کیوجہ سے مجبور ہو کر اقرار کرلیں گے۔ جس کا تذکرہ اوپر آیت بالا میں فرمایا۔

"قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا" وہ کہیں گے کہ اپنی جانوں کے مقابلہ میں ہم گواہی دے رہے ہیں کہ واقعی ہم مجرم تھے اور واقعی ہم کافر تھے۔ درمیان کلام ان لوگوں کی گمراہی کا اور کفر و شرک پر جمنے کا سبب بھی ذکر فرمادیا۔

وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا۔ یعنی دنیا والی زندگی نے انہیں دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔ دنیاوی زندگی کو انہوں نے اصل سمجھا اور اس کے منافع اور ثمرات اور شہوات و لذات ہی کے پیچھے پڑے رہے۔ ایمان کی دعوت دینے والوں اور یوم آخرت کی یاددہانی کرانے والوں کی باتوں پر دھیان نہ دیا۔

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى یعنی یہ رسولوں کا بھیجنا اس وجہ سے ہے کہ تیرا رب بستیوں کو یعنی ان کے رہنے والوں کو ان کے ظلم کے سبب اس طرح ہلاک نہیں فرماتا کہ وہ لوگ اپنے ظلم کے انجام سے بے خبر ہوں۔

اللہ جل شانہٗ پیغمبر بھیجتا ہے جو لوگوں کو ایمان کی دعوت دیتے ہیں۔ توحید اختیار کرنے والوں کا اچھا انجام اور مشرکوں و کافروں کا برا انجام بتاتے ہیں۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعہ سب کچھ بتادینے کے بعد جب لوگ باز نہیں آتے تو اللہ پاک کی طرف سے ان لوگوں کی ہلاکت کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ ہلاکت کا سبب بھی بتادیا کہ وہ ظلم ہے ہر گناہ ظلم ہے اور کفر بھی ظلم ہے اور سب سے بڑا ظلم ہے۔

اعمال کے اعتبار سے لوگوں کے درجات مختلف ہیں: پھر فرمایا وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا (اور ہر ایک کے لئے اپنے اپنے اعمال کے اعتبار سے مختلف درجات ہیں) ثواب والوں کے بھی مختلف درجات ہیں اور عقاب والوں کے بھی' اور جس نے جو کچھ کیا اپنے اپنے عمل کے اعتبار سے جزا اور سزا پالے گا۔

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ (اور تیرا رب ان کاموں سے غافل نہیں ہیں جو وہ کرتے ہیں) اس میں یہ بات بتادی کہ حساب لینے والا اور جزا دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے علم سے کسی کا کوئی عمل باہر نہیں۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ میرے سارے اعمال کا بدلہ کیسے ملے گا۔ کسے خبر ہے کہ میں نے کیا کیا ؟ خوب سمجھ لیں کہ جسے جزا دینا ہے اُسے سب کچھ معلوم ہے۔

اللہ تعالیٰ غنی ہے رحمت والا ہے: پھر فرمایا وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ (تیرا رب غنی ہے بے نیاز ہے' رحمت والا ہے) اُسے کسی چیز کی اور کسی کے عمل کی حاجت نہیں۔ ہاں! ساری مخلوق اس کی محتاج ہے وہ اپنی مخلوق پر رحم کرتا ہے اس نے

مخلوق کو وجود بھی بخشا' ان کو رزق بھی بخشا ہے اور انکی حاجتیں بھی پوری فرماتا ہے' دنیا میں تو سب ہی پر اس کی رحمت ہے اور آخرت میں اہل طاعت کے لئے مخصوص ہے۔

اللہ چاہے تو تمہیں ختم کر کے دوسرے لوگوں کو لے آئے: اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَیَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا یَشَآءُ (اگر پروردگار عالم جل مجدہ چاہے تو تمہیں ختم کردے اور تمہارے بعد دوسروں کو اپنی زمین پر آباد فرمادے)۔

كَمَاۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّیَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِیْنَ (جیسا کہ اس نے تمہیں ایک دوسری قوم کی نسل سے پیدا فرمادیا) آج وہ تمہارے دادے پردادے کہاں ہیں جن کی نسل سے تم ہو۔ جس طرح تدریجی طور پر پرانی ایک نسل کے بعد دوسری نسل لانے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے اس طرح سے وہ یہ بھی کرسکتا ہے کہ دفعۃً سب کو ختم کردے پھر اس کی جگہ دوسروں کو آباد کردے وہ تو بے نیاز ہے تم تو بے نیاز نہیں ہو تم اپنی بقا میں اس کے محتاج ہو اور حاجات پوری کرنے کے لئے تمہیں اس کی رحمت کی ضرورت ہے۔

دنیا میں بھی تم اس کے محتاج ہو اور موت کے بعد بھی۔ لہٰذا اپنی ضرورت سے ایمان قبول کرو اور اعمال صالحہ اختیار کرو۔

قیامت ضرور آنے والی ہے: پھر فرمایا: اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ (بلاشبہ جس کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے وہ ضرور آنیوالی چیز ہے) یعنی قیامت اور حساب و کتاب اور عذاب و ثواب اور جنت و دوزخ کی جو خبریں تمہیں دی جارہی ہیں اور تمہیں جو یہ بتایا جارہا ہے کہ مومنین کی یہ جزا ہے اور کافروں کی یہ سزا ہے یہ سب کچھ ہونے والا ہے سامنے آجانے والا ہے۔ دیر لگنے کی وجہ سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ یونہی باتیں ہیں۔

وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ۝ (اور تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کرسکتے) اور موت سے اور قیامت کے دن پیش آنے والے حالات سے جان چھڑا کر کہیں جا نہیں سکتے۔ سورۂ مریم میں فرمایا۔ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۝ وَكُلُّهُمْ اٰتِیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَرْدًا ۝ (اللہ تعالیٰ نے سب کو خوب اچھی طرح شمار میں رکھا ہے اور سب اس کے پاس ایک ایک ہو کر حاضر ہوں گے) بہت سے جاہل قیامت کا انکار کرتے ہوئے کہہ دیتے ہیں کہ ہزاروں سال ہوگئے اب تک تو قیامت آئی نہیں یہ احمقانہ بات ہے خالق و مالک جل مجدہٗ کا وعدہ سچا ہے اس کے علم میں اس کا وقت مقرر ہے وہ اپنے وقت مقررہ پر آئے گی۔ کسی چیز کے وجود میں آنے میں دیر لگنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کا وجود نہ ہوگا۔

اپنی اپنی جگہ عمل کرتے رہو انجام کا پتہ چل جائے گا: پھر فرمایا قُلْ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ (آپ فرمادیجئے کہ اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو میں بھی اپنے طور پر عمل کرتا ہوں)

میں تمہیں بتارہا ہوں کہ کفر و شرک کا انجام برا ہے اس وقت تم نہیں مانتے۔ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ (سو عنقریب تم جان لوگے کہ اس عالم میں انجام کار کس کے لئے نفع مند ہوا) جب آنکھیں میچیں گی اُس وقت آنکھیں کھلیں گی کہ نفع والا ہم اپنے کو سمجھ رہے تھے لیکن اب پتہ چلا کہ نفع والے ایمان اور اعمال صالحہ والے تھے لیکن وہاں سمجھ میں آنا

بے فائدہ ہوگا اسی دنیا میں سمجھ لیں اور ایمان لے آئیں تو نفع والے ہوجائیں اور آخرت کے خسارہ سے بچ جائیں گے۔

ظالم کامیاب نہیں ہوتے: اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (بلاشبہ بات یہ کہ ظلم کرنے والے کامیاب نہیں ہوتے) اس میں قاعدہ کلیہ کے طور پر بتادیا کہ ظالمین یعنی کافر و مشرک کامیاب نہ ہوں گے۔ کفر و شرک والے سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے فائدہ میں ہیں لیکن وہ حقیقت میں نقصان میں جارہے اور خسارہ میں پڑ رہے ہیں قیامت کے دن جب تباہ حال ہوں گے اس وقت حقیقت حال کا پتہ چلے گا۔

کیا جنّات میں سے رسول آئے ہیں؟ فائدہ: آیت شریفہ میں یہ جو فرمایا اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنات میں بھی رسول انہی میں سے آتے رہے ہیں کیونکہ یہ خطاب انسانوں اور جنوں دونوں جماعتوں کو فرمایا ہے۔

حضرات مفسرین نے اس بارے میں علماءِ سلف کے مختلف اقوال نقل کئے۔ مفسر ابن کثیر نے ج ۲ ص ۱۷۷ بحوالہ ابن جریر ضحاک بن مزاحم سے نقل کیا ہے کہ جنات میں بھی رسول گذرے ہیں اور لکھا ہے کہ ان کا استدلال اسی آیتِ کریمہ سے ہے پھر لکھا ہے کہ آیت اس معنی میں صریح نہیں ہے ہاں محتمل ہے۔ کیونکہ مِنْكُمْ کا معنی من جملتکم بھی ہوسکتا ہے جس کا معنی ہوگا کہ مجموعہ انس و جن سے رسول بھیجے گئے جیسا کہ سورہ رحمٰن میں فرمایا ہے یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝ اس میں مِنْهُمَا کی ضمیر بحرین کی طرف راجع ہے۔ حالانکہ لؤلؤ اور مرجان صرف شور سمندر سے نکلتے ہیں۔ اس اعتبار سے مِنْهُمَا بمعنی مِنْ جملتهما ہوا اور رُسُلٌ مِّنْكُمْ سے بھی یہ معنی مراد لئے جاسکتے ہیں۔

مفسر ابن کثیر نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ جنات میں رسول نہیں آئے اور اس قول کی مجاہد اور ابن جریج وغیر واحد من السلف والخلف کی طرف منسوب کیا ہے اور روح المعانی میں بعض حضرات کا یہ قول نقل کیا ہے۔ کہ رُسُلٌ مِّنْكُمْ میں جو لفظ رُسُل آیا ہے یہ لفظ عام ہے یعنی حقیقی رسولوں کو اور رسولوں کے رسولوں کو شامل ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جو حضرات اللہ کے رسول تھے وہ اپنے طور پر دین حق کے پہنچانے کے لئے جن افراد کو امتوں کے پاس بھیجا کرتے تھے انکو بھی وصول فرمایا یعنی جنات کی طرف جنات میں سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام جو مبلغ بھیجا کرتے تھے ان پر یہ لفظ رسولوں کا فرستادہ ہونے کے اعتبار سے صادق آتا ہے رسول تو بنی آدم ہی میں سے تھے لیکن رسولوں کے ارسال فرمودہ نمائندے جنات میں سے بھی تھے۔

یہ تو معلوم ہے کہ بنی آدم سے پہلے اس دنیا میں جنات رہتے اور بستے تھے اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ قوم بھی احکامِ خداوندی کی مکلف ہے۔ جب یہ قوم مکلف ہے تو تبلیغ احکام کے لئے اللہ تعالیٰ ان کے پاس رسول نہ بھیجے ہوں سمجھ میں نہیں آتا۔ بلکہ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ کا عموم اس بات کو بتاتا ہے کہ بنی آدم سے پہلے جنات میں انہیں میں سے

رسول آتے ہوں گے۔

بنی آدم کے زمین پر آباد ہو جانے کے بعد جنات کو انہیں انبیاء ورسل کے تابع فرما دیا ہو جو بنی آدم میں سے آتے رہے تو یہ ممکن تو ہے لیکن قطعی ثبوت کے لئے کوئی دلیل نہیں۔

بہر حال جو بھی صورت ہو اس بات کو سب ہی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت خاتم النبیین سرور دو عالم ﷺ رسول الثقلین ہیں اور رہتی دنیا تک جس طرح انسانوں کی طرف مبعوث ہیں جنات کی طرف بھی مبعوث ہیں۔

سورۃ احقاف کے آخری رکوع میں حضرت خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں جنات کی حاضری کا تذکرہ پھر ان کا اپنی قوم کی طرف جانا اور انکو اسلام کی دعوت دینا اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰہِ وَاٰمِنُوْا بِہٖ مذکور ہے۔

اور سورۃ الرحمٰن میں جنات سے بار بار خطاب ہونا اور آنحضرت ﷺ کا جنات کو سورۃ الرحمٰن سُنانا اور ان کی دعوت پر ان کی جائے سکونت پر تشریف لے جا کر تعلیم دینا۔ اور تبلیغ فرمانا (جس کا احادیث شریف میں ذکر ہے) اس سے یہ بات خوب ظاہر اور بہت ہی واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ جنات کی طرف بھی مبعوث ہیں جن حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ بنی آدم کے دنیا میں آباد ہو جانے کے بعد جنات کی ہدایت کے لیے بھی وہی رسول مبعوث تھے جو بنی آدم کی طرف بھیجے گئے ان کے اس قول کی اس سے تائید ہوتی ہے کہ جب جنات کی جماعت رسول ﷺ کی خدمت میں حاضری دے کر واپس ہوئی تو انہوں نے اپنی قوم سے جو باتیں کیں ان میں یہ بھی تھا۔ یٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا کِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ یَھْدِیْٓ اِلَی الْحَقِّ وَاِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ان کا اپنی قوم سے یہ کہنا کہ ہم نے ایسی کتاب سُنی جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی جو اس کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس کے سامنے ہے۔

اس سے معلوم ہوا کے جنات توریت شریف پر عمل کرتے تھے۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں خود ان میں سے کوئی رسول ہوتا تو وہ اسی کا اتباع کرتے۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِیْبًا فَقَالُوْا ھٰذَا لِلّٰہِ بِزَعْمِھِمْ

اور ان لوگوں نے اللہ کے لئے ایک حصہ کھیتوں اور مویشیوں میں سے مقرر کر دیا جو اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں ہیں سو انہوں نے اپنے خیال

وَھٰذَا لِشُرَکَآئِنَا ۚ فَمَا کَانَ لِشُرَکَآئِھِمْ فَلَا یَصِلُ اِلَی اللّٰہِ ۚ وَمَا کَانَ لِلّٰہِ فَھُوَ

سے یوں کہا کہ یہ اللہ کے لئے ہے اور یہ ہمارے شرکاء کے لئے ہے سو جو ان کے معبودوں کے لئے ہے وہ اللہ کیطرف نہیں پہنچتا اور جو اللہ کے لئے

یَصِلُ اِلٰی شُرَکَآئِھِمْ ؕ سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

ہے سو وہ انکے شرکاء کیطرف پہنچ جاتا ہے یہ لوگ برا فیصلہ کرتے ہیں

مشرکین نے کھیتیوں اور جانوروں کو شرک کا ذریعہ بنایا

تفسیر: مشرکین جو طرح طرح سے شرک پھیلا ہوا ہے جس کی صورتیں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ لوگ اپنے شرکاء یعنی اپنے باطل معبودوں کے نام پر کچھ مال نامزد کر دیتے تھے۔ اور بہت سا مال ان پر بھینٹ کے طور پر چڑھاتے تھے ان کے ناموں پر جانوروں کے کان کاٹ دیتے تھے اور ان کے نام سے بہت سے جانوروں کو آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ مشرکین میں اب بھی ایسے طریقے رائج ہیں۔

آیت بالا میں مالیاتی سلسلہ کے ایک شرک کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے کھیتیاں اور مویشی پیدا فرمائے ہیں اور یہ سب اسی کی ملکیت ہے۔ مشرکین یہ کرتے تھے کہ ان میں سے کچھ حصّہ اپنے معبودانِ باطلہ کے لیے مقرر کر دیتے تھے۔ اس کے مصارف بھی انہوں نے تجویز کر رکھے تھے۔

اب ہوتا یہ تھا کہ جو حصہ اللہ کے لیے مقرر کیا تھا اس میں کچھ حصہ اگر معبودِ ان باطلہ کے حصّہ میں مل گیا تو اُسے تو ملا ہی رہنے دیتے تھے۔ اور اگر معبودِ ان باطلہ والے حصہ میں کچھ حصّہ اس حصہ میں مل جاتا جو اللہ کے لیے مقرر کیا تھا تو اسے جھٹ الگ کر لیتے تھے۔ پہلی حماقت اور ضلالت تو یہ کہ اللہ کے علاوہ معبود تجویز کر لئے پھر دوسری گمراہی یہ کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا فرمودہ چیزوں میں بہت سا مال معبودان باطلہ کے لیے نامزد کر دیا۔ پھر تیسری گمراہی یہ کہ اپنے بتوں اور باطل معبودوں کو خالق و مالک جل مجدہ کے مقابلہ میں فضیلت دیدی کہ اللہ تعالیٰ کا حصہ اگر اُن کے حصہ میں مل جائے تو ملا ہی رہے اور ان کے لیے جو حِصہ مقرر کر لیا تھا اس میں سے اگر اللہ تعالیٰ کے حصہ میں کچھ مل جائے تو فوراً جدا کر لیتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ کہ یہ لوگ بُرا فیصلہ کرتے ہیں بعض اکابر نے فرمایا کہ امتِ حاضرہ کا بھی کچھ ایسا ہی طریق کار ہے کہ جو وقت عبادت ذکر و تلاوت کے لیے مقرر کرتے ہو اس وقت میں دنیوی کام تو کر لیتے ہو اور جو وقت دنیا کے لیے مقرر کیا ہے اس میں سے ذکر و تلاوت میں لگانے کو تیار نہیں ہوتے۔

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا

اور اسی طرح مشرکین کے لئے ان کے شرکاء نے اولاد کا قتل کرنا مزیّن کر دیا تا کہ وہ اُن کو ہلاک کر دیں اور تا کہ وہ ان پر ان کے دین کو

عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَقَالُوْا

رَلا ملا دیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ سو آپ ان کو اور جو کچھ وہ افتراء کرتے ہیں اسے چھوڑ دیجئے۔ اور ان لوگوں نے اپنے خیال کے مطابق

هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ

یوں کہا کہ یہ مویشی ہیں اور کھیتی ہے جس پر پابندی ہے اس کو بس وہی لوگ کھائیں گے جن کو ہم چاہیں۔ اور کچھ جانور ایسے ہیں جن کی پشتیں حرام کی گئی ہیں۔

ظُهُورُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيهِمْ بِمَا

اور کچھ جانور ایسے ہیں جن پر اللہ کا نام نہیں لیتے اللہ پر بہتان باندھتے ہوئے، عنقریب وہ انہیں سزا دیگا بسبب اس کے کہ

كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ

وہ افتراء کرتے ہیں، اور انہوں نے کہا کہ جو کچھ ان جانوروں کے پیٹوں میں ہے وہ ہمارے مردوں کے لئے خالص ہے اور ہماری بیویوں پر حرام

عَلٰى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ

قرار دیدیا گیا ہے۔ اور اگر وہ مردار ہو تو وہ سب اس میں شریک ہیں۔ سو وہ انہیں عنقریب اس بات کی سزا دیگا جو وہ بیان کرتے ہیں، بے شک وہ

حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿۱۳۹﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوا مَا

حکمت والا ہے علم والا ہے، بے شک وہ لوگ خسارہ میں پڑ گئے جنہوں نے اپنی اولاد کو بے وقوفی سے بغیر علم کے قتل کیا اور اللہ نے انہیں

رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿۱۴۰﴾

جو رزق عطا فرمایا اللہ پر بہتان باندھتے ہوئے اُسے حرام قرار دیدیا بے شک وہ لوگ گمراہ ہوئے اور وہ ہدایت پر چلنے والے نہیں ہیں

مشرکین کا اپنی اولاد کو قتل کرنا اور کھیتیوں اور جانوروں کے بارے میں اپنی طرف سے تحریم اور تحلیل کے قواعد بنانا

تفسیر: اس دنیا میں ہادیٔ عالم رحمۃ للعالمین ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے پوری دنیا جہالت، ضلالت، سفاہت کفر و شرک سے بھری ہوئی تھی۔ عرب کے لوگ مشرک بھی تھے اور جاہل بھی، ان میں جہالت اور جاہلیت دونوں پوری طرح جگہ پکڑے ہوئی تھی طرح طرح کی شرکیہ رسمیں نکال رکھی تھیں۔

جانوروں اور ان کے بچوں اور کھیتیوں کے بارے میں طرح طرح کے افعال قبیحہ میں مبتلا تھے اور یہ افعال اور رسوم انہیں شیاطین الجن اور شیاطین الانس نے سمجھا رکھی تھیں جن میں بعض کا ذکر فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ میں اور بعض کا ذکر مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں اور بعض کا ذکر مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ (الآیۃ) میں اور بعض کا ذکر آیت وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيبًا میں گذر چکا ہے ان آیات میں بھی ان کے چند افعال قبیحہ اور رسوم ذمیمہ کا تذکرہ فرمایا ہے۔

اول تو یہ فرمایا کہ بہت سے مشرکین کو اُن کے شرکاء یعنی شیاطین نے اس پر آمادہ کر دیا کہ اپنی اولاد کو قتل کریں اور ان کے اس عمل کو اُن کی نظر میں مزین اور مستحسن کر دیا۔ اہل عرب بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے اور رزق کی تنگی کے ڈر سے بھی اولاد کو قتل کر دیتے تھے جیسا کہ دو رکوع کے بعد یہ مضمون آ رہا ہے۔

شیاطین نے ان کی نظروں میں اولاد کے قتل کرنے کو ایسا مزین کر دیا تھا کہ وہ اس عمل میں ذرا بھی جھجک محسوس نہیں کرتے اور ذرا سی بھی مامتا ان کے دل میں نہیں آتی تھی جو قتل اولاد سے مانع ہو۔ شیاطین نے ان کو اس کام پر ڈالا تاکہ ان کو برباد کریں اس میں سب سے بڑی بربادی یہ ہے کہ آخرت کے عذاب کے مستحق ہوئے اور ایک طرح سے دنیاوی بربادی بھی ہے کیونکہ جب اولاد زندہ نہ چھوڑی جائے گی تو آئندہ نسلیں بھی نہ چلیں گی اسباب ظاہرہ کے اعتبار سے اس میں نسل انسانی کی بربادی بھی ہے۔

لِيُرْدُوْهُمْ (تاکہ انہیں برباد کریں) کے ساتھ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ بھی فرمایا (تاکہ وہ ان پر ان کے دین کو رَلا ملا دیں) معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۲۴ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسکی تفسیر کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ لیدخلوا علیھم الشک فی دینھم و کانوا علٰی دین اسماعیل علیہ السلام فرجعوا عنہ بلبس الشیاطین (تاکہ وہ انہیں اپنے دین کے بارے شک میں ڈالیں چنانچہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین پر تھے شیطان کی تلبیس کی وجہ سے اس سے ہٹ گئے)

مطلب یہ ہے کہ ان کو شیاطین نے ان کے دین کے بارے میں شک میں ڈالدیا یہ لوگ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین پر تھے۔ شیاطین کی تلبیس کی وجہ سے اس دین کو چھوڑ بیٹھے۔ اس کے بعد مشرکین عرب کی ایک اور مشرکانہ حرکت کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ انہوں نے مویشیوں اور کھیتیوں کے بارے میں پابندیاں لگا رکھی تھیں وہ عقیدہ رکھتے تھے کہ فلاں فلاں مویشی اور فلاں کھیتی کا استعمال ہر شخص کو جائز نہیں' وہ کہتے تھے کہ ان کو صرف وہی لوگ کھا سکتے ہیں جن کو ہم چاہیں۔ اپنے خیال باطل کے موافق انہوں نے حرام حلال کے کچھ قوانین بنا رکھے تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جو چیز سب کے لئے حلال فرمائی اسکو بعض کے لئے حرام قرار دیدینا ظلم اور تعدی ہے اور اللہ تعالیٰ کے قوانین میں دخل دینا ہے اس لئے اس کی قباحت بیان فرمائی مشرکین عرب نے یہ بھی کر رکھا تھا کہ بعض جانوروں کو سواری کے لئے استعمال کرنا حرام قرار دے رکھا تھا جس کی کچھ تفسیر آیت کریمہ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ کے ذیل میں گذر چکی ہے۔ یہ لوگ ان جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور ان پر سوار ہونے اور بار برداری کرنے کو حرام سمجھتے تھے اسی کو وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا میں بیان فرمایا۔

وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ پھر ان کی سزا کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (اللہ تعالیٰ ان کو عنقریب سزا دیگا اس وجہ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں)

مشرکین عرب نے جو حرام حلال کے خود ساختہ قوانین بنا رکھے تھے ان میں سے یہ بھی تھا کہ بعض جانوروں کے پیٹوں میں جو حمل ہوتا تھا اس کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ خالص ہمارے مردوں کے لئے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جب بچہ زندہ پیدا ہو جائے اور اگر بچہ مردہ پیدا ہو جاتا تو کہتے کہ اسکو مرد وعورت سب کھا سکتے ہیں۔

یعنی دونوں فریق کو اس کے کھانے کی اجازت ہے اس تحلیل اور تحریم کا قانون بھی انہوں نے خود ہی تجویز کر رکھا تھا جسے وَقَالُوْا مَا فِیْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا ط میں بیان فرمایا۔ ان کے ان باطل خیالات کی تردید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ (وہ انہیں عنقریب اس بات کی سزا دیگا جو وہ بیان کرتے ہیں بے شک وہ حکمت والا ہے علم والا ہے)

آخر میں فرمایا:- قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ط (بے شک خسارہ میں پڑ گئے جنہوں نے اپنی اولاد کو بے وقوفی سے بغیر علم کے قتل کیا) وَحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ (اور انہیں اللہ نے جو رزق عطا فرمایا اللہ پر بہتان باندھتے ہوئے اسے حرام قرار دیدیا) قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ (بے شک یہ لوگ گمراہ ہوئے اور ہدایت پر چلنے والے نہیں ہیں) اوپر جو مشرکین کے شرکیہ خیالات اور رسوم و اعمال اور خرافات مذکور ہوئے آخر میں ان کی گمراہی اور اُخروی سزا کا اجمالی تذکرہ فرما دیا۔ کہ یہ لوگ بالکل خسارہ میں پڑ گئے دنیا میں گمراہ ہوئے اور آخرت کے عذاب کے مستوجب ہوئے ان کا کوئی حق نہیں تھا کہ اپنی اولاد کو قتل کریں۔ گو یہ باپ تھے لیکن اللہ تعالیٰ سب کا خالق و مالک ہے قتل کرنے والے اور مقتول بچے سب اسی کی ملکیت ہیں۔ قاتلین نے اللہ کی مخلوق کو ناحق قتل کرنے کا پاپ اپنے ذمہ لیا۔ نیز انہوں نے اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو حرام قرار دیا اور اس تحریم کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا۔ یہ سب عذاب آخرت میں مبتلا ہونے کی باتیں ہیں۔

فائدہ: لفظ شرکاء مشرکین کے معبودانِ باطلہ کے لئے بھی استعمال ہوا ہے کیونکہ مشرکین نے ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا اور عبادت میں شریک کیا (العیاذ باللہ) اور شیاطین الجن اور شیاطین الانس کو بھی شرکاء فرمایا ہے۔ جن کے کہنے پر مشرکین چلتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری سفارش کرتے ہیں۔

سورۃ انعام میں ایک خطاب کا ذکر فرمایا جو مشرکین سے کیا جائے گا۔ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ اور سورۃ یونس میں فرمایا وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ (قال البغوی فی معالم التنزیل سمیت الشیاطین شرکاء بانهم اطاعوهم فی معصیة الله واضیف الشرکاء الیهم لانهم اتخذوها) (تفسیر معالم التنزیل میں علامہ بغویؒ فرماتے ہیں شیاطین کو شرکاء کہا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے میں مشرکین نے انہیں شیاطین کی اطاعت کی ہے اور شرکاء کا ان کی طرف اضافہ کیا گیا کیونکہ انہوں نے ان کو اختیار کر لیا ہے)

فائدہ: آیت بالا سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ تمام اشیاء و اجناس کی تحلیل و تحریم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اسی نے اپنے بندوں کو پیدا فرمایا اور ان کے لئے استمتاع اور انتفاع کے لئے مختلف اشیاء پیدا فرمائیں اسے اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہے جس کے لئے حلال قرار دے اور جس کے لئے چاہے حرام قرار دے۔ بندوں کو کسی چیز کے حرام یا حلال قرار دینے کا اختیار نہیں جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ خدائی اختیارات کو اپنے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں اس لئے اسے

مشرکانہ افعال میں شمار فرمایا اسمبلیوں میں قانون خداوندی کے خلاف جو لوگ قانون پاس کرتے ہیں وہ بھی مجرم ہیں۔

اہل بدعت مشرکین کی راہ پر: مشرکین نے جو یہ تجویز کر رکھا تھا کہ فلاں چیز مردوں کے لئے حلال ہے اور عورتوں کے لئے حرام ہے اس طرح کا رسم و رواج آج بھی بہت سے اہل بدعت میں پایا جاتا ہے۔ ایک بزرگ کے سامنے یہ سوال پیش کیا گیا کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے جو نیاز دی جاتی ہے اس سے آپ منع کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ (قطع نظر اس بات کے کہ یہ بہت سی بدعات پر مشتمل ہے اور دوسری نیازوں کا بھی یہی حال ہے) اس میں جو یہ قانون ہے کہ اس میں سے لڑکے نہیں کھا سکتے صرف عورتیں ہی کھا سکتی ہیں یہ وہی پابندی ہے جو مشرکین عرب نے جانوروں کے بارے میں تجویز کر رکھی تھی جو چیز اللہ تعالیٰ نے سب کے لئے حلال کی اس کو بعض کے لئے حرام قرار دینا اللہ تعالیٰ کے قانون کی سخت خلاف ورزی ہے اور شرک ہے۔

وَهُوَ الَّذِىٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا
اور وہی ہے جس نے باغیچے پیدا فرمائے جو چڑھائے جاتے ہیں چھپریوں پر اور ایسے بھی ہیں جو چھپریوں پر نہیں چڑھائے جاتے اور پیدا فرمائے کھجور کے درخت
اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ
اور کھیتی جس میں مختلف قسم کے کھانے کی چیزیں ہیں اور پیدا فرمایا زیتون کو اور انار کو جو ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور غیر مشابہ بھی ہیں۔ کھاؤ ان کے پھلوں سے
وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ
جبکہ پھل لائیں اور کٹائی کے دن اس کا حق دیدو اور فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچی کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں فرماتا اور اس نے چوپاؤں میں سے ایسے جانور
الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ
پیدا فرمائے جو بوجھ اٹھانے والے ہیں، اور ایسے جانور بھی جو زمین سے لگے ہوئے ہیں۔ اللہ نے جو تمہیں عطا فرمایا اس میں سے کھاؤ، شیطان کے قدموں کا
اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾
اتباع نہ کرو بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے

باغات اور کھیتیاں اور چوپائے انسانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے بڑے انعامات ہیں

تفسیر: ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے اپنے ان انعامات کا تذکرہ بیان فرمایا جو اپنی مخلوق پر پھلوں اور کھیتیوں

کے ذریعے فرمائے ہیں۔

اوّل تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دو طرح کے باغ پیدا فرمائے کچھ باغ ایسے ہیں جو معروشات ہیں یعنی ان کی بیلیں جو چھپریوں پر چڑھایا جاتی ہیں جیسے انگوروں کی اور بعض سبزیوں کی بیلیں' اور بہت سے باغ ایسے ہیں جن کی شاخیں اوپر نہیں چڑھائی جاتیں۔ اس دوسری قسم میں کچھ درخت ایسے ہوتے ہیں جن کا تنا ہوتا ہے اس کی بیل ہی نہیں ہوتی جیسے زیتون' انار' انجیر' کھجور' آم اور جیسے گیہوں وغیرہ جو اپنے مختصر سے تنے پر کھڑے رہتے ہیں اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کی بیلیں تو ہوتی ہیں لیکن انہیں چھپریوں پر چڑھایا نہیں جاتا جیسے کدو' خربوزہ' تربوز وغیرہ اللہ تعالیٰ نے کسی درخت کو تنے والا بنایا اور کسی کو بیل والا اس سب میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں۔

جو سبزیاں بیل والی ہیں عموماً وہ بھاری بھاری ہوتی ہیں جیسے تربوز' خربوزہ۔ کھیتی کے بارے میں فرمایا۔

وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ کہ اللہ تعالیٰ نے کھیتی پیدا فرمائی جس میں طرح طرح کے کھانے کی چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک ہی آب و ہوا اور ایک ہی زمین سے نکلنے والے غلوں میں کئی قسم کا تفاوت ہوتا ہے پھر ان کے فوائد اور خواص اور ذائقے بھی مختلف ہیں۔ صاحب معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۳۵ پر لکھتے ہیں۔

ثمرہ وطعمه منها الحلو والحامض والجيد والردی

یعنی کھیتیوں کے پھل مختلف ہیں کوئی میٹھا ہے کوئی کھٹا ہے کوئی بڑھیا ہے کوئی ردی ہے پھر فرمایا وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ یعنی اللہ تعالیٰ نے زیتون اور انار پیدا فرمائے ان میں سے ایک جنس کے پھل دیکھنے میں دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں لیکن مزے میں متشابہ نہیں ہوتے رنگ ایک اور مزہ مختلف ہوتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا۔

كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ الخ کہ اس کے پھلوں میں سے کھاؤ جب وہ پھل لائے۔ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ اور کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس حق سے پیداوار کی زکوٰۃ مُراد ہے جو بعض صورتوں میں عُشر یعنی ۱/۱۰ اور بعض صورتوں میں نصف العُشر ۱/۲۰ واجب ہوتی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ چونکہ آیتِ کریمہ مکیہ ہے اور زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی اسلئے اس سے زکوٰۃ کے علاوہ محتاجوں پر خرچ کرنا مراد ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ شروع میں کھیتی کاٹنے کے وقت غیر معین مقدار غریبوں کو دینا واجب تھا۔ پھر یہ وجوب زکوٰۃ کی فرضیت سے منسوخ ہوگیا۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مذکورہ بالا آیت مدنیہ ہے (اگرچہ سورۃ مکیہ ہے) اس صورت میں پیداوار کی زکوٰۃ مراد

لینا بھی درست ہے (من روح المعانی)

پیداوار کی زکوٰۃ کے مسائل سورۂ بقرہ کی آیت یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ کی تفسیر میں ملاحظہ فرمالیں (انوار البیان ص۴۹۲ جلد نمبر۱)

پھر فرمایا وَلَا تُسْرِفُوْا (اور حد سے آگے مت بڑھو) بے شک حد سے آگے بڑھنے والوں کو اللہ پسند نہیں فرماتا۔ عربی میں اسراف حد سے آگے بڑھنے کو کہتے ہیں۔ عام طور سے اس لفظ کا ترجمہ فضول خرچی سے کیا جاتا ہے اور چونکہ اس میں بھی حد سے آگے بڑھ جانا ہے اس لئے یہ معنی بھی صحیح ہے۔

اور فضول خرچی کے علاوہ جن افعال اور اعمال میں حد سے آگے بڑھا جائے ان سب کے بارے لفظ اسراف مستعمل ہوتا ہے۔ اگر سارا ہی مال فقراء کو دیدے اور تنگ دستی کی تاب نہ ہو تو یہ بھی اسراف میں شمار ہوتا ہے۔

صاحب روح المعانی نے ج۸ ص ۳۸ پر حضرت ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے ایک دن کھجوروں کے باغ کے پھل توڑے اور کہنے لگے کہ آج جو بھی شخص آئے گا اسے ضرور دے دوں گا لوگ آتے رہے اور یہ دیتے رہے حتیٰ کہ شام کے وقت ان کے پاس کچھ بھی نہ بچا اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔

حضرت ابو مسلم نے فرمایا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ کٹائی سے پہلے پیداوار میں سے مت کھاؤ کیونکہ اس سے فقراء کے حق میں کمی آئے گی۔ حضرت ابن شہاب زُہری نے آیت کا مطلب یہ بتایا کہ پیداوار کو گناہوں میں خرچ نہ کرو۔ پھر اس انعام کو ذکر فرمایا جو انسانوں پر مویشیوں کے ذریعہ فرمایا ہے اول تو یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ جانور ایسے پیدا فرمائے جو حمولہ ہیں یعنی بار برداری کا کام کرتے ہیں اور ان کے قد بھی بڑے ہیں۔

اور دوسری قسم کے جانور وہ ہیں جن کے قد چھوٹے ہیں گویا کہ وہ زمین پر بچھے ہوئے ہیں ان پر بوجھ نہیں لادا جا سکتا۔ جیسے کہ بھیڑ بکری اور دُنبہ ان چھوٹے قسم کے جانوروں پر سامان تو نہیں لادا جا سکتا لیکن ان کے دوسرے فائدے ہیں۔ ان کا دودھ پیا جا سکتا ہے گوشت کھایا جاتا ہے۔ اور بڑے جانوروں کی نسبت ان کا گوشت عمدہ ہوتا ہے اور ان کے بالوں سے اوڑھنے پہننے اور بچھانے کے کپڑے تیار کئے جاتے ہیں۔ پھر فرمایا۔

کُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ (اللہ نے جو رزق دیا ہے اسے کھاؤ) اور اللہ کے قانون میں دخل نہ دو۔ جو اللہ کی شریعت میں حلال ہے اسے حلال رہنے دو۔ اور جو حرام ہے اسے حرام رہنے دو۔ اور اپنے باپ دادوں کی طرح (شیطان کے قدموں کا اتباع نہ کرو) جانوروں اور کھیتوں کے سلسلہ میں جو انہوں نے رسوم قبیحہ شرکیہ نکال رکھی تھیں انہیں اختیار مت کرو۔ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ بے شک شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ

آٹھ طرح کے نر اور مادہ پیدا فرمائے' کیا بھیڑ میں سے دو اور بکری میں سے دو' آپ فرمائیے کہ اللہ نے ان دونوں نروں کو حرام

اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ

قرار دیا ہے یا دونوں مادہ کو۔ یا اس بچہ کو جس کو دونوں مادہ پیٹ میں لئے ہوئے ہوں' تم مجھے کسی دلیل سے بتاؤ اگر

صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ

سچے ہو اور اونٹ میں سے دو اور گائے میں سے دو پیدا فرمائے آپ فرمائیے! کیا اللہ نے ان دونوں نروں کو

حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ

حرام قرار دیا ہے یا دونوں مادہ کو یا اس بچہ کو جس کو دونوں مادہ پیٹ میں لئے ہوئے ہیں۔ کیا تم

شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ

حاضر تھے جب اللہ نے تمہیں اس کی وصیت فرمائی۔ سو اس سے زیادہ کون ظالم ہو گا جس نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا'

النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

تا کہ بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کرے بے شک اللہ ظالموں کو راہ نہیں بتاتا

جانوروں کی آٹھ قسمیں ہیں ان میں مشرکین نے اپنے طور پر تحریم اور تحلیل کر دی

تفسیر: مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے ان جانوروں کی آٹھ قسمیں پیدا فرمائیں جنہیں تم استعمال کرتے ہو جن کا دودھ پیتے ہو گوشت کھاتے ہو۔ ان میں سے دو قسمیں بھیڑ سے پیدا فرمائیں یعنی نر اور مادہ' اور دو قسمیں بکری سے پیدا فرمائیں یعنی نر اور مادہ' اور دو قسمیں اونٹ کی پیدا فرمائیں یعنی نر اور مادہ' اور دو قسمیں گائے کی پیدا فرمائیں۔ یعنی نر اور مادہ۔

اب ان جانوروں کی تحلیل و تحریم تم نے اپنے پاس سے کر لی تم نے کوئی شرط اور قید لگا کر نروں کو حرام قرار دے دیا۔ کبھی ان کے جوڑوں یعنی مادہ جانوروں کو حرام قرار دے دیا۔ پھر اپنی اس حرکت کو اللہ جل شانہ کی طرف منسوب کرتے ہو اور کہتے ہوں کہ یہ تحلیل اور تحریم اللہ کی طرف سے ہے۔ بتاؤ اللہ نے ان کے نروں کو حرام قرار دیا ہے یا ان کے مادوں کو یا اس چیز کو جس پر مادوں کے رحم مشتمل ہوتے ہیں یعنی نر اور مادہ دونوں۔ اس تحریم کو نسبت تم نے اللہ کی طرف کیسے کی؟ اگر تم سچے

ہوتو اسکی دلیل لاؤ' کیا تم اس وقت موجود تھے جب اللہ تعالیٰ نے تمہارے بیان کے مطابق ان کو حرام قرار دیا اور تم سے فرمایا کہ یہ چیزیں حرام ہیں؟

ظاہر ہے کہ نہ اللہ نے ان کو حرام قرار دیا اور نہ تمہارے پاس اس کی دلیل ہے اور نہ اللہ تعالیٰ نے تم کو بتایا ہے کہ یہ چیز تم پر حرام ہے۔ تم نے خود ہی شرطیں اور قیدیں لگا کر بعض جانوروں کو بعض صورتوں میں بعض افراد کے لئے حرام قرار دیا اور ساتھ ہی اسکو اللہ کی طرف منسوب کر دیا اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بولے۔؟

یہ جھوٹا شخص بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے جو صریح ظلم ہے' اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو آخرت میں جنت کی راہ نہیں دکھائیگا کیونکہ دنیا میں کفر اختیار کر کے دوزخ کے مستحق ہو گئے۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً

آپ فرما دیجئے جو کچھ میری طرف وحی بھیجی گئی میں اس میں کھانے والے کو کوئی چیز حرام نہیں پاتا۔ سوائے اس کے کہ مردار ہو یا

اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ

بہتا ہوا خون ہو یا سور کا گوشت ہو۔ کیونکہ بلاشبہ وہ ناپاک ہے۔ یا ایسی چیز کو حرام پاتا ہوں۔ جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو سو

اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَعَلَی الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا

جو شخص حالت اضطراری میں ہو اس حال میں کہ باغی اور حد سے آگے بڑھنے والا نہیں سو تیرا رب بخشنے والا مہربان ہے اور یہودیوں پر

كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ

ہم نے ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا اور گائے اور بکری میں سے ہم نے ان پر ان دونوں کی چربیاں حرام کر دیں۔ سوائے اس کے جو ان کی پشت

ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَایَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ بِبَغْیِهِمْ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

پر یا ان کی آنتوں پر لگی ہوئی ہو یا جو ہڈی کے ساتھ مل جائے یہ ہم نے ان کی بغاوت کی وجہ سے ان کو جزا دی۔ اور بے شک ہم سچے ہیں۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ وَلَا یُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۴۷﴾

سو اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ فرما دیں کہ تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے' اور اس کا عذاب مجرموں سے نہیں ٹالا جائے گا

کیا کیا چیزیں حرام ہیں

تفسیر: مشرکین عرب نے جانوروں کے کھانے پینے اور استعمال کرنے میں جو اپنی طرف سے تحریم و تحلیل کا معاملہ کر لیا تھا جس کا اوپر کی آیات میں ذکر ہو چکا ہے۔ اس کی تردید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میرے رب نے میری طرف

جو وحی بھیجی ہے میں اُس میں صرف ان چیزوں کو حرام پاتا ہوں۔

اول: مردار (جو جانور خود اپنی موت سے مرجائے)

دوم: دم مسفوح یعنی بہنے والا خون (یہ قید اسلئے لگائی کہ ذبح شرعی کے بعد جو خون گوشت میں لگا رہ جاتا ہے اس کا کھانا جائز ہے۔ نیز تلی اور جگر کا کھانا جائز ہے یہ دونوں اگر چہ خون ہیں لیکن منجمد ہونے کیوجہ سے دم مسفوح نہیں رہے)

سوم: خنزیر کا گوشت۔ اس کے بارے میں فَاِنَّهٗ رِجْسٌ فرمایا کہ وہ پورا کا پورا بجمیع اجزاءٖ ناپاک ہے۔ اس کا گوشت چربی ہڈی بال کوئی چیز بھی پاک نہیں ہے۔ کیونکہ یہ نجس العین ہے اسلئے ذبح کر دینے سے بھی اس کی کوئی چیز پاک نہ ہوگی۔ برخلاف دوسرے جانوروں کے اگر وہ بلا ذبح بھی مرجائیں تب بھی ان کے بال اور ہڈی پاک ہیں۔

چہارم: وہ جانور جس پر ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ چار چیزوں کی حرمت بیان فرما کر حالت اضطراری میں ذرا سا کھا لینے کی اجازت دیدی جس سے دو چار لقمے کھا کر وقتی طور پر جان بچ جائے اور وہاں سے اٹھ کر حلال کھانے کی جگہ تک پہنچ سکے۔

ان چیزوں کی توضیح اور تشریح سورۂ بقرہ کی آیت اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ (رکوع ۲۱) اور سورۂ مائدہ کی آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ (رکوع اوّل) کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

آیت بالا میں یہ بتایا ہے کہ کسی چیز کی حرمت وحلت کا فیصلہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوسکتا ہے اور وحی صرف انبیاء کرام علیہم السلام پر ہی آتی تھی۔ آنحضرت ﷺ آخر الانبیاء تھے۔ اسلئے اللہ کی وحی کا انحصار صرف آپ پر ہوگیا۔ اور آپ پر اس وقت تک جو وحی آئی تھی اس کے موافق صرف مذکورہ بالا چیزیں حرام تھیں بعد میں دوسری چیزوں کی حُرمت بھی نازل ہوئی جو سورۂ مائدہ میں مذکورہ ہیں۔

حِلّت اور حُرمت کا اصول اجمالی طور پر سورۂ اعراف میں يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ فرما کر بیان فرما دیا ہے۔ لہٰذا کوئی شخص آیت بالا سے یہ استدلال نہیں کرسکتا۔ کہ مذکورہ بالا چار چیزوں کے علاوہ باقی سب حلال ہیں کیونکہ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب قرآن مجید نازل ہو رہا تھا اور اس کے بعد بہت سے احکام نازل ہوئے۔

یہودیوں پر انکی بغاوت کیوجہ سے بعض چیزیں حرام کردی گئی تھیں: پھر بعض ان چیزوں کا تذکرہ فرمایا جو یہودیوں پر حرام کردی گئی تھی جو امت محمدیہ کے لئے حلال ہیں۔ ان حرام کردہ چیزوں میں اول تو وہ جانور تھے جو ناخن والے ہیں۔ ناخن والے جانوروں سے وہ جانور مراد ہیں جن کا پنجہ یا کُھر پھٹا ہوا نہ ہو۔ جیسے اونٹ اور شتر مرغ، مرغابی اور بطخ۔

حضرت ابن عباسؓ، حضرت سعیدؒ بن جُبیر، حضرت قتادہؒ اور حضرت مجاہد نے اسکی یہی تفسیر فرمائی ہے۔ اونٹ کے بارے میں گذر چکا ہے کہ ملت ابراہیمیہ میں یہ حلال تھا پھر حضرت اسرائیل یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے اسکو اپنے نفس پر حرام قرار دیدیا تھا۔ پھر روایتی طور پر ان کی اولاد میں اونٹ کی حرمت چلی آئی۔

پھر شریعت موسویہ میں بھی بنی اسرائیل پر اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام رہا قال النسفی فی المدارک فلما نزلت التورة علی موسٰی حرم علیھم فیھا لحوم الابل والبانھا لتحریم اسرائیل ذلک علی نفسه (راجع تفسیری قوله تعالٰی كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الآیة) (تفسیر مدارک میں علامہ نسفیؒ فرماتے ہیں پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ نازل ہوئی تو اس میں بنی اسرائیل پر اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام کیا گیا تھا کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر یہ چیزیں حرام کی تھیں) پھر فرمایا وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ شُحُوْمَهُمَاۤ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَاۤ اَوِ الْحَوَایَاۤ[1] اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ گایوں اور بکریوں کا گوشت تو یہودیوں کے لئے حلال تھا البتہ ان کی چربیاں حلال نہ تھیں صرف وہ چربی حلال تھی جو ان کی پشت پر ہو یا ان کی آنتوں میں لگی ہوئی ہو یا جو ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔

پھر فرمایا ذٰلِکَ جَزَیْنٰهُمْ بِبَغْیِهِمْ ۔ کہ ہم نے انکو یہ سزا ان کے ظلم و زیادتی کیوجہ سے دی۔ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ اور بلاشبہ ہم سچے ہیں۔

یہ مضمون سورۂ نساء میں بھی گذر چکا ہے (انوار البیان ج ۲ ص ۵۲) وہاں ارشاد ہے۔ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ طَیِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ ۔ (سو ہم نے یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ان پر حرام کر دیں پاکیزہ چیزیں جو اُن کے لئے حلال تھیں) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بغاوت کرنا اور گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرنا پاکیزہ چیزوں سے محرومی کا سبب ہے یہودیوں پر تو تشریعی طور پر پاکیزہ چیزیں حرام کر دی تھیں لیکن خاتم النبیین ﷺ پر نبوت ختم ہو جانے کی وجہ سے اب تشریعی طور پر کوئی حلال چیز حرام نہیں ہو سکتی۔ لعدم احتمال النسخ البتہ تکوینی طور پر طیبات سے محرومی ہو سکتی ہے۔ اور ہوتی رہتی ہے جس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے اس کے اسباب مختلف بن جاتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ یعنی اگر وہ آپ کی تکذیب کریں اور تکذیب کے لئے بہانہ بنائیں کہ اگر آپ سچے ہیں اور ہم مجرم ہیں تو ہم پر اللہ کا عذاب کیوں نہیں آتا' تو آپ ان کو جواب دے دیں کہ تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے وہ اپنی حکمت کے مطابق جب چاہتا ہے عذاب بھیجتا ہے اس کی طرف سے سزا دینے میں ڈھیل دیا جانا اس بات کی دلیل نہیں کہ تمہارا مواخذہ نہ ہوگا۔ جب اس کا عذاب آتا ہے تو وہ ٹالا نہیں جا سکتا۔ مجرمین جب گرفتار عذاب ہوتے ہیں تو ان کو چھٹکارہ نہیں ہوتا۔

[1] قیل جمع حاویة کزاویة وزوایا ووزنه فواعل. واصله حواوی فقلبیت الواو التی هی عین الکلمة همزة لانها ثانی حرفی لین. اکتفا مدة مفاعل ثم قلبت الهمزة المکسورة یاء ثم فتحت لثقل الکسرة علی الیاء فقلبت الیاء الاخیرة الفا لتحرکها بعد فتحة فصارت حوایا او قلبت الواو همزة مفتوحة ثم الیاء الاخیرة الفاثم الهمزة یاء لو قوعها بین الفین کما فعل بخطایا (بعض نے کہا حَوَایا۔ حاویة کی جمع ہے جیسے زَوَایا' زاویَة کی جمع ہے بروزن فواعل اور اصل میں حواوی تھا پھر واو جو عین کلمہ ہے اسے ہمزہ سے تبدیل کیا گیا کیونکہ وہ لین کا دوسرا حرف ہے تو اس طرح وہ مَدّۃ بن گیا۔ پھر ہمزہ مکسورہ کو یاء سے تبدیل کیا پھر آخری یاء کو متحرک ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے الف سے تبدیل کیا تو وہ حوایا بن گیا یا واو کو ہمزہ مفتوحہ سے تبدیل کیا پھر آخری یاء کو الف سے تبدیل کیا پھر دو الفوں کے درمیان ہونے کی وجہ سے یاء کیا گیا جیسا کہ خطایا کے ساتھ کیا گیا) (ذکرہ صاحب الروح ص ۴۸ ج ۸)

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن

جن لوگوں نے شرک کیا وہ عنقریب یوں کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو یہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادے اور نہ ہم

شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِندَكُم

کسی چیز کو حرام قرار دیتے' اسی طرح جھٹلایا ان لوگوں نے جو اُن سے پہلے تھے یہاں تک کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھ لیا۔ آپ فرما دیجئے

مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ﴿١٤٨﴾

کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے۔ سو تم اسے ہمارے سامنے ظاہر کرو۔ تم صرف گمان کے پیچھے چلتے ہو اور صرف اٹکل سے باتیں کرتے ہو۔

قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۖ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٤٩﴾ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَاءَكُمُ الَّذِينَ

آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہی کے لئے ہے حجت بالغہ۔ سو اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دیدیتا۔ آپ فرما دیجئے کہ لے آؤ اپنے گواہوں کو جو اس بات کی

يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ هَٰذَا ۖ فَإِن شَهِدُوا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ

گواہی دیتے ہوں کہ بے شک اللہ نے ان چیزوں کو حرام قرار دیا۔ سو اگر وہ گواہی دیں تو آپ ان کے ساتھ گواہی نہ دیں' اور آپ ان لوگوں کی خواہش کا اتباع

الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُم بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ﴿١٥٠﴾

نہ کریں جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور دوسروں کو اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں

مشرکین کی کٹ حجتی

تفسیر: انسان کا کچھ ایسا مزاج ہے کہ گناہ بھی کرتا ہے اور اس کے ساتھ حجت بازی بھی' اور وہ چاہتا ہے کہ اپنی رائے اور اپنی طبیعت کے مطابق کام بھی کرتا رہوں اور جو شخص گنہگاری پر تنبیہ کرے جواب دے کر اس کا منہ بھی بند کر دوں' اور اس کے لئے طرح طرح کی دلیلیں تراشتا ہے اور حجتیں نکالتا ہے۔ مشرکین کو جب بتایا گیا کہ تم خالق مالک جل مجدہٗ کے ساتھ شرک کرتے ہو۔ حالانکہ وہی خالق و مالک اور رازق ہے اور تم اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں تحریم کی رسمیں جاری کرتے ہو اور حلال چیزوں کو حرام قرار دیتے ہو تو اس کے جواب میں مشرکین نے یہ حجت نکالی کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتا ہے۔ ہم نے اور ہمارے باپ دادوں نے جو شرک کیا اور جو حلال چیزوں کو حرام قرار دیا یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے ہوا' اگر وہ ہمارے اس عقیدہ و عمل سے ناراض ہوتا تو ہمیں کیوں کرنے دیتا۔

ان کی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے ان عقائد اور اعمال سے ناراض ہے تو ہمیں ان کاموں کو کرنے ہی نہ دیتا۔ اس کے جواب میں فرمایا۔

كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ان لوگوں نے حجت نکالی اور رسولوں کی تکذیب کی یہاں تک کہ ہمارا عذاب چکھ لیا اسی طرح یہ لوگ بھی تکذیب کر رہے ہیں ان کو بھی عذاب کا منتظر رہنا چاہئے۔

ان لوگوں نے جو اپنے عمل اور عقیدہ کے بارے میں دلیل دی ہے کہ اللہ راضی نہ ہوتا تو ہمیں شرک پہ کیوں قائم رہنے دیتا اس کے جواب میں فرمایا۔

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا (آپ فرما دیجئے کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے جسے تم ہمارے لئے ظاہر کرو) یہ استفہام انکاری ہے مطلب یہ ہے کہ تمہارے پاس کوئی علم نہیں ہے جس پر تمہاری حجت کی بنیاد ہو۔ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ تم صرف گمان کے پیچھے چلتے ہو۔ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ اور اس کے سوا کوئی بات نہیں کہ تم اٹکل سے بات کرتے ہو۔

یہ جو تم نے دلیل دی ہے کہ اللہ راضی نہ ہوتا تو ہمیں دین شرک پر کیوں قائم رہنے دیتا اور ہم اپنی طرف سے چیزوں کو کیوں حرام قرار دیتے یہ دلیل جاہلانہ ہے محض تمہارا ایک خیال ہے اور محض ایک اٹکل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دنیا میں ابتلاء اور امتحان کے لئے بھیجا اور امتحان اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ عمل کرنے والوں کو احکام دے دیئے جائیں اور اوامر و نواہی پہنچا دیئے جائیں انکو عمل کرنے کا اختیار بھی ہو اور نہ کرنے کا بھی۔ اگر انسان کو تکوینی طور پر مجبور کر دیا جاتا کہ خواہی نخواہی فلاں عمل ضرور ہی کرے اور عمل کرنے نہ کرنے کا اختیار نہ ہوتا۔ بلکہ عمل کرنے پر مجبور ہوتا تو ابتلاء اور امتحان کیسے ہوتا۔؟

اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ اس نے عقل اور ہوش دیدیا عمل کرنے کی قوت دیدی اور کرنے نہ کرنے کا اختیار بھی دیدیا۔ اب جو شخص شرک اختیار کرتا ہے اور اپنے پاس سے تحلیل و تحریم کرتا ہے وہ اپنے اختیار سے کرنے کی وجہ سے ماخوذ ہے۔ ہوتا تو سب کچھ اللہ کی مشیت و ارادہ سے ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو کچھ وجود میں آئے اللہ اس سے راضی بھی ہے۔ راضی ان اعمال سے ہے جن کے بارے میں اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ صاف صاف بتا دیا کہ یہ عقائد اور اعمال میری رضا کے ہیں جو عقائد غلط ہیں اور جو افعال ممنوع ہیں وہ ان سے راضی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی کے لئے حجت بالغہ ہے: پھر فرمایا قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ (آپ فرما دیجئے! کہ اللہ ہی کے لئے حجت بالغہ ہے) یعنی اللہ ہی کی حجت پوری ہے اور تمہاری کٹ حجتی غلط ہے۔

فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت پر لے آتا) لیکن چونکہ حق اور باطل دونوں کے وجود میں آنے اور باہمی ایک دوسرے کے مقابل چلنے میں اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمتیں ہیں اسلئے اس نے ایصال الی المطلوب والی ہدایت سے سب کو نہیں نوازا' البتہ راہِ حق بتانے والی ہدایت سب کے لئے عام ہے۔

پھر فرمایا قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۔ (آپ فرما دیجئے کہ اپنے گواہوں کو لے آؤ

جن کا تم اتباع کرتے ہو اور جن کی باتوں پر چلتے ہو اور ان سے کہو کہ اس بات کی گواہی دیں کہ یہ چیزیں جو تم نے حرام قرار دے رکھی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے لیکن وہ گواہی نہیں دے سکتے)

فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ سو بالفرض اگر یہ لوگ گواہی دیں تو آپ ان کے ساتھ گواہی نہ دیجئے۔ یعنی ان کی تصدیق نہ کیجئے کیونکہ ان کی گواہی محض جھوٹ ہوگی وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ٥ (آپ ان لوگوں کے خواہش کا اتباع نہ کریں جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اپنے رب کے برابر دوسروں کو ٹھہراتے ہیں) اس میں اپنی خواہشوں کا اتباع کرنے والوں کا یعنی کافروں اور مشرکوں کے اتباع سے منع فرمایا۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ

آپ فرما دیجئے کہ آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر بتاؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ ٹھہراؤ اور اپنے والدین کے ساتھ احسان کرو

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ

اور اپنی اولاد کو تنگ دستی کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم تم کو رزق دیں گے اور ان کو بھی اور مت قریب جاؤ بے حیائی کے کاموں کے

مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ

جو اُن میں سے ظاہر ہیں اور جو پوشیدہ ہیں۔ اور مت قتل کرو اس جان کو جسے اللہ نے حرام قرار دیا مگر حق کے ساتھ۔ یہ وہ چیزیں ہیں

وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ

جن کا اللہ نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو اور مت قریب جاؤ یتیم کے مال کے مگر اسی طریقہ سے جو اچھا ہو۔

حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ

یہاں تک کہ وہ سن بلوغ کو پہنچ جائے۔ ناپ اور تول کو انصاف کیساتھ پورا کرو ہم کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ عمل کرنے کا حکم نہیں دیتے۔

وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ

اور جب تم بات کرو تو انصاف کو اختیار کرو اگرچہ وہ تمہارا قرابت دار ہی ہو۔ اور اللہ کے عہد کو پورا کرو یہ وہ چیزیں ہیں جن کا اللہ نے تمہیں تاکیدی حکم دیا تاکہ تم نصیحت

تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ

حاصل کرو۔ اور بلاشبہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے سو تم اس کا اتباع کرو۔ اور مت اتباع کرو دوسرے راستوں کا سو وہ راستے تمہیں اللہ کے راستہ سے

سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

ہٹا دیں گے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو

دس ضروری احکام

تفسیر: معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۴۰ میں لکھا ہے کہ مشرکین نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا چیزیں حرام کی ہیں وہ بتایئے اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا الأية۔

ان آیات میں دس چیزوں کا تذکرہ فرمایا ہے جن میں بعض اوامر ہیں اور بعض نواہی ہیں جن چیزوں کو بصورت امر بیان فرمایا چونکہ اُن کے مقابل چیزیں حرام ہیں اس لیئے یوں فرمایا کہ آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں۔

(۱) اوّل یہ فرمایا کہ اپنے رب کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

(۲) یہ کہ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

(۳) اپنی اولاد کو تنگ دستی کے ڈر سے قتل نہ کرو عرب کے بے رحم جاہل اپنی اولاد کو دو وجہ سے قتل کر دیتے تھے۔ اوّل اس لیے کہ یہ بچے کہاں سے کھائیں گے؟ ان کو ساتھ کھلانے سے تنگ دستی آجائے گی یہ نہیں سمجھتے تھے کہ رازق اللہ تعالیٰ شانہٗ ہے وہ خالق بھی اور رازق بھی ہے اس نے پیدا کیا تو رزق بھی دیگا اسی کو فرمایا نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ کہ ہم تمہیں رزق دیں گے اور انہیں بھی۔

اولاد کو قتل کرنے کا دوسرا سبب یہ تھا عرب کے بعض علاقوں اور بعض خاندانوں میں جس کسی شخص کے یہاں لڑکی پیدا ہو جاتی تو وہ مارے شرم کے لوگوں کے سامنے نہیں آتا تھا چھپا چھپا پھرتا تھا۔ جیسا کہ سورہ نحل میں فرمایا يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ جب بچی پیدا ہوتی تھی تو اس وقت اسے زندہ دفن کر دیتے تھے۔ اسی کی سورۃ التکویر میں فرمایا وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ (اور جبکہ زندہ دفن کی ہوئی بچی کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کس گناہ کیوجہ سے قتل کی گئی)

بے حیائی کے کاموں سے بچو: (۴) بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ۔ جو ظاہر ہیں اور جو باطن ہیں اس میں ہر طرح کی بے حیائی کے کاموں کی ممانعت آگئی زنا اور اس کے لوازم' اور ننگا رہنا' ستر دکھانا' لوگوں کے سامنے ننگے نہانا۔ ان چیزوں کی ممانعت الفاظ قرآنیہ سے ثابت ہوگئی۔

سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چار چیزیں حضرات انبیاء علیہم السلام کے طریقۂ زندگی والی ہیں۔ اوّل حیاء' دوسرے عطر لگانا' تیسرے مسواک کرنا' چوتھے نکاح کرنا۔

سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ کھلے میدان میں غسل کر رہا ہے۔ آپ منبر پر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ شرم والا ہے چھپا ہوا ہے۔ شرم کرنے کو پسند فرماتا ہے۔ سو تم سے جب کوئی شخص غسل کرے تو پردہ کرے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ حیاء و ایمان دونوں ساتھ ساتھ ہیں سو جب ان میں سے ایک اٹھایا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۲)

ناجائز طور پر خون کرنے کی ممانعت: (۵) کسی جان کو قتل نہ کرو جس کا خون کرنا اللہ نے حرام قرار دیا۔ ہاں اگر حق کے ساتھ قتل کیا جائے تو اس کی اجازت ہے۔[۱]

آج کل قتل کی گرم بازاری ہے ایک مسلمان کو دوسرا مسلمان دنیاوی دشمنی کیوجہ سے یا دنیا کے حقیر نفع کے لئے قتل کر دیتا ہے۔ قتل مسلم کا وبال بہت زیادہ ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ آسمان زمین والے سب مل کر اگر کسی مومن کے قتل میں شریک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اوندھے منہ کر کے دوزخ میں ڈال دیگا۔ (مشکوٰۃ ص ۳۰۰)

مسلمان کی تو بہت بڑی شان ہے جو کافر مسلمانوں کی عملداری میں رہتے ہیں جنہیں ذمّی کہا جاتا ہے اور جن کافروں سے حفاظت جان کا معاہدہ ہو جائے انکو بھی قتل کرنا حرام ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص میری اُمت پر تلوار لے کر نکلا جو نیک اور بد کو مارتا چلا جاتا ہے اور ان کے قتل سے پرہیز نہیں کرتا اور جو معاہدہ والے کا عہد پورا نہیں کرتا تو ایسا شخص مجھ سے نہیں اور نہ میں اُس سے ہوں۔

(رواہ المسلم کما فی المشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۱۹)

ان امور کو بیان فرما کر ارشاد فرمایا ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (کہ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا تمہیں اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو اور عقل سے کام لو)

یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ: (۶) یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ سوائے اس صورت کے جو اچھی ہو۔ یعنی جس میں یتیم کی خیر خواہی اور بھلائی ہو۔ یتیم کے مال کو ناحق نہ اڑاؤ۔ اور ظلماً نہ کھاؤ جس کا ذکر سورۂ بقرہ (رکوع نمبر ۲۶) اور سورۂ نساء (رکوع نمبر ۱) میں ہو چکا ہے۔

---

[۱] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی مسلمان آدمی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیتا ہے اس کا خون کرنا حلال نہیں ہے ہاں اگر تین کاموں میں سے کوئی ایک کام کر لے تو اُسے قتل کیا جائیگا۔ (۱) شادی شدہ ہونیکے بعد زنا کر لے (تو اُسے سنگسار کر دیا جائیگا) (۲) جو کسی کو (عمداً) قتل کر دے (جس کا قتل کرنا جائز نہ ہو) اسے قصاص میں قتل کر دیا جائیگا (۳) جو شخص دین اسلام کو چھوڑ دے اور مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ ہو جائے (رواہ مسلم ج ۲ ص ۵۹)

ناپ تول میں انصاف کرو: (۷) انصاف کے ساتھ ناپ تول کو پورا کرو۔ بہت سے لوگوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ: اپنے لئے ناپ تول کریں تو ناپ تول پوری کر کے لیں اور دوسروں کو ناپ تول کر دیں تو کم ناپیں اور کم تولیں۔ اسی کو فرمایا وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ ۝ الَّذِیۡنَ اِذَا اکۡتَالُوۡا عَلَی النَّاسِ یَسۡتَوۡفُوۡنَ ۝ وَاِذَا کَالُوۡھُمۡ اَوۡ وَّزَنُوۡھُمۡ یُخۡسِرُوۡنَ (ہلاکت ہے کمی کرنے والوں کے لئے جو لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب لوگوں کو کو ناپ یا تول کر دیتے ہیں تو کم کر دیتے ہیں)

اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّھُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ ۝ لِیَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ۝ یَّوۡمَ یَقُوۡمُ النَّاسُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝ (کیا یہ لوگ یہ یقین نہیں رکھتے کہ اُٹھائے جائیں گے بڑے دن کے لئے جس میں لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے) کم ناپنے اور کم تولنے کا رواج حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم میں تھا انہوں نے انہیں بہت سمجھایا نہ مانے اور اُلٹا حضرت شعیب علیہ السلام پر اعتراضات کرنے لگے اور کٹ حجتی پر اُتر آئے پھر اسکی وجہ سے عذاب میں مُبتلا ہوئے اور ایک چیخ کے ذریعے سے سب ہلاک ہوگئے۔ جیسا کہ سورۂ ھود میں مذکور ہے۔

ناپ تول میں کمی کرنے کا وبال: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت اکرم ﷺ نے ناپ تول کرنے والوں سے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ تم لوگ ایسی دو چیزوں میں مبتلا کئے گئے ہو جن کے بارے میں تم سے پہلی امتیں ہلاک ہو چکی ہیں (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۵۰ از ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ ناپ اور تول میں کمی نہ کرو۔ اس حرکت بد کی وجہ سے گذشتہ امتوں پر عذاب آچکا ہے مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جس قوم میں خیانت کا رواج ہو جائے اللہ ان کے دلوں میں رُعب ڈال دے گا۔ اور جس قوم میں زنا کاری پھیل جائے ان میں موت زیادہ ہوگی اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کریں گے ان کا رزق منقطع ہو جائے گا اور جو لوگ ناحق فیصلے کریں گے ان میں قتل و خون عام ہو جائے گا۔ اور جو لوگ عہد کی خلاف ورزی کریں گے ان پر دشمن مسلط کر دیئے جائیں گے۔

ساتھ یہ بھی فرمایا لَا نُکَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَھَا کہ ہم کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ عمل کرنے کا حق نہیں دیتے۔ لہٰذا ان احکام کے بجالانے میں کوئی دشواری نہیں ہے۔

قال البغوی فی معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۴۲ مفسرًا الھم یکلف المعطی اکثر ممّا اوجب علیه ولم یکلف صاحب الحق الرضا باقل من حقه حتی لا تضیق نفسه عنه بل امر کل واحدٍ منھما بما یسعه مما لا حرج علیه فیه اھ (علامہ بغویؒ اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دینے والے پر جو واجب ہے اس کو اس سے زیادہ کا مکلّف نہیں بنایا اور حقدار کو اپنے حق سے کم پر راضی ہونے کا مکلّف نہیں بنایا تا کہ اس سے اسے دل تنگی نہ ہو بلکہ ان میں سے ہر ایک کو اسی کا حکم دیا ہے جو اس کی وسعت میں ہے کہ جس میں اس پر کوئی حرج بھی نہیں ہے)

فائدہ: جس طرح ناپ تول میں کمی کرنا حرام ہے اسی طرح وقت کم دینا تنخواہ پوری لینا یا کام کئے بغیر جھوٹی خانہ پُری

کردینا یا رشوت کی وجہ سے اس کام کو نہ کرنا جس کی ملازمت کی ہے۔ یہ سب حرام ہے اور جن محکموں میں ملازمت کرنا حرام ہے ان کی تنخواہ بھی حرام ہے اگرچہ ڈیوٹی پوری دیتا ہو۔

انصاف کی بات کرو: جب تم بات کہو تو انصاف کی بات کہو۔ اور یہ نہ دیکھو کہ ہماری انصاف کی بات کس کے مخالف پڑے گی۔ گواہی دینا ہو تو حق کے موافق گواہی دو۔ انصاف کرنا ہو تو حق کے موافق فیصلہ کرو اگر تمہارا قریبی عزیز ہو۔ اور اس کے مخالف سچی گواہی دینی پڑے اور اس کے خلاف حق کا فیصلہ کرنا پڑے تو کرڈالو اس کی تشریح اور توضیح سورۂ نساء کی آیت یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔ (انوار البیان ج۲ ص۴۸۰)

اللہ کے عہد کو پورا کرو: (۹) اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو۔ یہ مضمون سورۂ بقرہ کے تیسرے رکوع اور سورۂ مائدہ کے پہلے رکوع کی تفسیر میں گذر چکا ہے، جو بندے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہیں ان کا اللہ تعالیٰ سے عہد ہے کہ وہ احکام کی تعمیل کریں گے۔ اور امر کے مطابق چلیں گے۔ اور جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے اجتناب کریں گے لہٰذا ہر مومن بندہ اپنے عہد پر قائم رہے۔ اور اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کا جو عہد لیا تھا وہ تو سارے ہی انسانوں سے لیا گیا تھا اور سب ہی نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا۔ پھر اس اقرار کو اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے یاد دلایا لہٰذا ہر انسان پر لازم ہے کہ اس عہد کی پاسداری کرے۔ اور اپنے عقیدہ اور عمل سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرے اور اس دین کو قبول کرے جو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔

ان امور کو بیان فرما کر ارشاد فرمایا۔ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (یہ وہ چیزیں ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو)

صراطِ مستقیم کا اتباع کرو: (۱۰) بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے سو تم اس کا اتباع کرو۔ اور دوسرے راستوں کا اتباع نہ کرو کیونکہ یہ راستے تمہیں اللہ کے راستہ سے ہٹا دیں گے، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے قرآن نازل فرمایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کا مبلّغ اور مُعلّم اور مُبیّن (بیان کرنے والا) بنایا۔ اور آپ کی اطاعت فرض کی۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع یہ سیدھا راستہ ہے جو صحابہ کرام اور تابعین عظام سے لیکر ہم تک پہنچا ہے جو لوگ دین اسلام کے متبع نہیں جیسے یہود و نصاریٰ اور جو لوگ دین اسلام کے مدعی ہیں لیکن اصحابِ اَہواء ہیں اپنی خواہشوں کے مطابق دین بناتے ہیں اور الحاد و زندقہ کی باتیں کرتے ہیں۔ ایسے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ پر نہیں ہیں۔

ان لوگوں کے راستے پر جو شخص چلے گا وہ صراط مستقیم سے ہٹ جائے گا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ پر نہ رہے گا، آخرت میں اسی کی نجات ہے جو آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ پر ہو۔

صراطِ مستقیم کے علاوہ سب راستے گمراہی کے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے اور اس کے دائیں بائیں خطوط کھینچے اور فرمایا کہ یہ مختلف راستے ہیں ان میں سے ہر راستہ پر شیطان ہے جو اس کی طرف بلاتا ہے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ الآیة (رواہ احمد والنسائی والدارمی کمافی المشکوٰۃ ص۳۰) پھر ارشاد فرمایا ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ کی یہ وہ چیزیں ہیں جن کی تمہیں اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو تقویٰ اختیار کرنے میں ہر بات آ گئی اور اوامر کی بھی پابندی کی جائے اور جن چیزوں سے منع فرمایا ان سے بھی اجتناب کیا جائے۔ بُرے اعمال' عقائد باطلہ' افکار باطلہ' کفر' شرک سب سے بچنا تقویٰ کے مفہوم میں داخل ہے۔

فائدہ: آیات بالا میں دس باتوں کا حکم دیا ہے۔ یہ دس باتیں بہت اہم ہیں جن میں حقوق اللہ اور حقوق العباد سب کی رعایت کرنے کا حکم دیا ہے اور آخر میں صراط مستقیم سے ہٹنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی وصیت کو دیکھنا چاہے۔ جس پر آپ کی مہر ہے تو یہ آیات قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ سے لے کر لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تک پڑھ لے (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ الانعام)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ سورہ انعام میں یہ آیات محکمات ہیں جو اُمّ الکتاب ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے آیاتِ بالا تلاوت کیں۔ (ابن کثیر ج۲ ص۱۸۷)

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِیْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًى

پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جس سے اچھے عمل کرنے والوں پر نعمت پوری ہوگئی۔ اور جس میں ہر چیز کا تفصیلی بیان ہے اور جو ہدایت ہے

وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۵۴ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ

اور رحمت ہے تاکہ وہ اپنے رب کی ملاقات کا یقین کریں۔ اور یہ کتاب ہم نے نازل کی جو بابرکت ہے۔ سو اس کا اتباع کرو اور ڈرتے رہو تاکہ

تُرْحَمُوْنَ ۝۱۵۵ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ

تم پر رحمت ہو۔ اس واسطے کہ کبھی تم کہنے لگو کہ کتاب جو اتری تھی سو انہیں دو فرقوں پر جو ہم سے پہلے تھے اور ہم ان کے

دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ۝۱۵۶ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ

پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے یا تم یوں کہنے لگتے کہ اگر ہم پر کتاب اتاری جاتی تو ہم اُن لوگوں سے بڑھ کر زیادہ ہدایت پر چلنے والے ہوتے۔

جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ

سو تمہارے رب کی طرف سے دلیل اور ہدایت اور رحمت آ گئی ہے سو اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ کی آیات کو جھٹلائے اور اُن سے روکے

عَنْهَا ؕ سَنَجْزِی الَّذِیْنَ یَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰیٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا یَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

ہم عنقریب ان کو بڑے عذاب کی سزا دیں گے جو ہماری آیات سے روکتے ہیں اس سبب سے کہ وہ روکا کرتے تھے

توریت شریف کامل کتاب تھی رحمت اور ہدایت تھی

تفسیر: ثُمَّ تربیت ذکری کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ مذکورہ باتوں کے بعد یہ بات جان لو کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب عطا کی تھی اور اس میں ان لوگوں کے لئے نعمت کی تکمیل ہے جو نیکوکار ہیں جو اس کتاب پر اچھی طرح عمل کریں۔ اور یہ کتاب ایسی تھی جس پر ہر چیز تفصیل سے بیان کی تھی جو موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے متعلق تھی۔ اور وہ کتاب ہدایت بھی تھی اور رحمت بھی۔ اس کتاب سے توریت شریف مراد ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی تا کہ بنی اسرائیل اس کتاب پر ایمان لائیں اور آخرت کی تصدیق کریں۔

قرآن مبارک کتاب ہے: اس کے بعد قرآن مجید کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے یہ کتاب نازل کی جو مبارک ہے یعنی دین و دنیا کے اعتبار سے اس میں خیر ہی خیر ہے لہٰذا تم اس کا اتباع کرو اور تقویٰ اختیار کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

اہل عرب کی کٹ حجتی کا جواب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے جو یہ کتاب نازل کی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ تم یوں نہ کہنے لگو کہ ہم سے پہلے دو جماعتوں پر کتاب نازل ہوئی تھی (یعنی یہود و نصاریٰ پر) اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے وہ ہماری زبان میں نہ تھی لہٰذا ہم اس سے استفادہ نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل فرما کر اس عذر کو ختم کر دیا اور یہ بھی ممکن تھا کہ تم یوں کہتے کہ ہمیں کتاب نہیں دی گئی۔ اگر ہم پر کتاب نازل ہوتی تو ہم خوب اچھی طرح عمل کرتے اور ہم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی عمل کرنے میں ان سے بڑھ چڑھ کر ثابت ہوتے۔ اور ان کے مقابلہ میں زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔

اللہ جل شانہ نے فرمایا فَقَدْ جَآءَكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل آ چکی ہے یعنی قرآن کریم اور وہ ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی (اب اس پر عمل کرنا اور ہدایت پر چلنا تمہارا کام ہے)

اس کے بعد فرمایا فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا۔ کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ کی آیات کو جھٹلائے اور جو شخص اس پر عمل کرنا چاہے اسکو عمل سے روکے اور باز رکھے اللہ کی کتاب نازل ہونے کے بعد اس پر عمل کرنے کی بجائے تکذیب کرنا خود بھی عمل نہ کرنا اور دوسروں کو روکنا یہ خود کو ہلاکت اور عذاب میں ڈالنے کا سبب ہے۔

سَنَجْزِی الَّذِیْنَ یَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰیٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا یَصْدِفُوْنَ جو لوگ ہماری آیات سے روکتے ہیں ہم ان کے اس عمل کی وجہ سے انہیں برا عذاب دیں گے۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اہل عرب کی اس کٹ حجتی کو ختم فرمادیا کہ ہم سے پہلے اہل کتاب کو کتاب دی گئی تھی ہم ان کی لغت کو نہیں جانتے تھے۔ اب جب اہل عرب کی لغت میں کتاب نازل ہوگئی تو یہ عذر ختم ہوگیا۔

اسی طرح یہ بات کہ ہم پر کتاب نازل ہوتی تو ہم ایسا ایسا کرتے اور یوں عمل کر کے جو ہر دکھاتے اور خوب بڑھ چڑھ کر ہدایت میں آگے بڑھتے اس بارے میں بھی ان پر حجت پوری ہوگئی' شاید کوئی شخص یہ اشکال پیش کرے کہ قرآن تو عربی زبان میں نازل ہوا جو قومیں عربی زبان نہیں جانتیں ان کی حجت کا کیا جواب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اہل عرب کی زبان میں نازل فرمانا یہ ان کے ساتھ خصوصی انعام ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی اور زبان میں نازل فرمادیتا اور سارے انسانوں کو اس کے اتباع کا حکم دیتا جن میں اہل عرب بھی تھے تو یہ بھی صحیح ہوتا' ساری مخلوق اسکی مملوک ہے وہ کسی کا پابند نہیں اس نے عربی میں قرآن مجید نازل فرمایا اور خاتم النبیین ﷺ کو عرب سے مبعوث فرمایا اور سارے عالم کے انسانوں کو اپنے آخری رسول اور آخری کتاب پر ایمان لانے کا مکلف فرمایا۔

قرآن مجید کو ھُدًی لِّلنَّاسِ (سب لوگوں کیلئے ہدایت) فرمایا' اور سید المرسلین ﷺ کے بارے میں فرمایا ''وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا'' (اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام انسانوں کے لئے بشیر ونذیر بنا کر) اس سے آپ کی عمومی بعثت کا اعلان فرمادیا۔ سارے انسانوں کو آپ کی دعوت پہنچ چکی ہے۔ اب جو شخص اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر ایمان نہ لائے اپنا برا خود کرے گا۔ اسلئے کہ تم یوں کہنے لگتے کہ ہم سے پہلے دو فرقوں پر کتاب نازل کی گئی تھی اور ہم اگر اللہ تعالیٰ عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں اپنی آخری کتاب نازل فرماتا اور عربوں کو حکم دیتا کہ تم اس کا اتباع کرو تو اس پر بھی کسی کو کچھ اعتراض کرنے کی گنجائش نہ تھی۔ جب اللہ جل شانہٗ نے سارے انسانوں کو قرآن کے اتباع کا حکم دیدیا تو سب پر لازم ہے کہ اس کے احکام کو سیکھیں۔

قرآن مجید کو پڑھیں اور پڑھائیں پورے عالم میں بیسیوں زبانیں ہیں جس جس نے اسلام قبول کرلیا وہ سب پڑھتے پڑھاتے ہیں اور اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ بلکہ قرآن مجید کی تفسیریں زیادہ تر غیر عرب ہی نے لکھی ہیں۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ يَوْمَ يَاْتِيْ

یہ لوگ بس اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آجائیں یا آپ کا رب آجائے یا آپ کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی آجائے جس دن

بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ

آپ کے رب کی نشانیوں میں سے ایک نشانی آجائے گی تو کسی شخص کو اس کا ایمان نفع نہیں دیگا جو پہلے سے ایمان نہیں لایا تھا جس نے

فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو آپ فرمادیجئے کہ تم انتظار کرو۔ ہم انتظار کر رہے ہیں

جب مغرب سے سورج طلوع ہوگا کسی کا ایمان اور توبہ قبول نہ ہونگے

تفسیر: پہلی آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس جو واضح حجت آ چکی ہے قرآن نازل ہو چکا ہے جو ہدایت ہے اور رحمت ہے' اور اس آیت میں یہ فرمایا کہ حق واضح ہونے کے بعد اور ہدایت سامنے آ جانے کے بعد اب کسی انتظار کی ضرورت نہیں حق قبول کرو اور ہدایت پر آ ؤ۔ اب بھی حق قبول نہیں کرتے تو کیا انتظار ہے (ان کا ڈھنگ ایسا ہے) جیسے اسی انتظار میں ہیں کہ فرشتے ان کے پاس آ جائیں یا اللہ تعالیٰ ہی ان کے پاس پہنچ جائے۔ یا اللہ تعالیٰ کی کسی بڑی نشانی کے انتظار میں ہیں' لیکن جس دن اس کی ایک نشانی ظاہر ہو جائے گی تو کسی کافر کو اس وقت اس کا ایمان لانا نفع نہ دے گا' اور جو کوئی صاحب ایمان بد اعمالیوں میں مبتلا ہو جس نے اپنے ایمان میں کوئی عمل خیر نہ کیا ہو اس کی بھی توبہ قبول نہ ہوگی۔

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان بالغیب معتبر ہے جب آنکھوں سے دیکھ لیا تو اس کے بعد ایمان معتبر نہ ہوگا جب قیامت ہوگی تو اس وقت سب مؤمن ہو جائیں گے مگر اس وقت ایمان لانا کچھ فائدہ نہ دیگا۔ پچھم سے سورج نکلنا بہت بڑی نشانی ہے۔ اس وقت جو شخص ایمان لائے گا قبول نہ ہوگا۔ جو شخص گناہوں میں مبتلا ہو اور موت کے فرشتے نظر آنے لگیں اس وقت کی توبہ قبول نہیں اس سے پہلے جو توبہ کی جائے وہ مقبول ہے پچھم سے سورج نکل آنے کے بعد جس طرح کسی کا ایمان قبول نہیں اسی طرح توبہ بھی قبول نہیں ہوگی۔

صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۶۷ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ پچھم سے سورج طلوع نہ ہو۔ سو جب سورج (پچھم سے) نکلے گا اور لوگ اسے دیکھ لیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے اور اس وقت کسی شخص کو ایمان نفع نہ دیگا اس کے بعد آپ نے آیت بالا تلاوت فرمائی۔

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے مغرب کی طرف ایک دروازہ بنایا ہے جو اتنا چوڑا ہے کہ اس کی دونوں جانبوں کے درمیان ستر سال تک چل سکتے ہیں یہ دروازہ توبہ کا دروازہ ہے۔ جب تک اس کی جانب سے سورج نہیں نکلے گا اس وقت تک بند نہ کیا جائے گا۔ (اور اس وقت تک توبہ قبول ہوتی رہے گی) اللہ عزوجل نے یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ میں اسی کو بیان فرمایا ہے۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہجرت منقطع نہ ہوگی جب تک توبہ منقطع نہ ہوگی۔ اور توبہ منقطع نہ ہوگی جب تک پچھم سے سورج نہ نکلے گا (رواہ ابو داؤد والدارمی) پچھم سے سورج کا نکلنا

قیامت کے قریب ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ظاہر ہونے کے اعتبار سے سب سے پہلی نشانی پچھم سے سورج کا نکلنا اور دابۃ الارض کا ظاہر ہونا ہے جو چاشت کے وقت لوگوں پر ظاہر ہوگا ان دونوں میں سے جو بھی ظاہر ہوگی دوسری نشانی اس کے بعد قریب ہی زمانہ میں ظاہر ہو جائے گی۔ (رواہ مسلم ص ۴۰۴ جلد ۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ہیں جب ان کا ظہور ہوگا تو کسی شخص کو اس کا ایمان نفع نہ دیگا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو۔ اور جس نے اپنے ایمان میں کسی خیر کا کام نہ کیا ہوگا (۱) پچھم سے سورج کا نکلنا (۲) دجال کا ظاہر ہونا (۳) دابۃ الارض کا نکلنا (رواہ مسلم ص ۸۸ جلد ۱)

دابۃ الارض کے بارے میں انشاء اللہ تعالیٰ سورۂ نمل کی آیت وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ (الاٰیۃ) کے ذیل میں احادیث نقل کی جائیں گی۔ آخر میں فرمایا قُلِ انْتَظِرُوْا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ اس میں تہدید ہے کہ وضوحِ حق کے بعد ایمان نہیں لاتے تو کب ایمان لائیں گے؟ جب پچھم کی طرف سے سورج نکلنے والی نشانی ظاہر ہو گی کیا اس وقت ایمان لائیں گے لیکن اس وقت ایمان لانا مقبول نہ ہوگا لہٰذا اس سے پہلے ابھی آ جائے گا کہ کفر کی وجہ سے اہل کفر عذاب نار میں گرفتار ہوں گے اور مومن جنت میں جائیں گے۔

فائدہ: ہیئت و ریاضی پر ایمان رکھنے والے بعض لوگ مغرب سے سورج نکلنے کو محال سمجھتے ہیں۔ یہ انکی جہالت کی باتیں ہیں۔ اللہ جل شانہٗ ہر چیز کا خالق و مالک ہے سورج کو بھی اسی نے پیدا کیا ہے اور اسی نے اس کو مسخر فرمایا ہے اور اسی نے سورج کا نظام مقرر فرمایا ہے کہ وہ اس طرف سے نکلے اور اس طرف سے چھپ جائے اسے یہ بھی قدرت ہے کہ سورج کو غروب والی جہت پر پہنچا کر واپس اسی جانب لے آئے جدھر سے وہ گیا ہے اس حقیقت کو فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ میں بیان فرمایا ہے اللہ تعالیٰ ہی اس کو مشرق سے نکالتا ہے اور مغرب میں چھپا دیتا ہے۔ بلکہ دونوں جہات کا نام مشرق مغرب اسی طلوع و غروب کی وجہ سے رکھا گیا اگر اللہ تعالیٰ شانہٗ آفتاب کی گردش کا نظام ایسا مقرر فرماتے کہ جس جانب میں غروب ہوتا اسی جانب سے نکلا کرتا تو طلوع ہونے والی جانب کو مشرق اور اس کی مقابل جانب کو مغرب کہا جاتا۔

فائدہ: مفسر ابن کثیر ص (۱۹۴ جلد نمبر ۲) نے بحوالہ ابن مردویہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ پچھم سے سورج نکلنے سے پہلے ایک رات تین راتوں کے برابر ہو جائے گی۔ لوگ گھبرا اٹھیں گے کہ صبح ہوتی ہی نہیں۔ اور چیخنے لگیں گے۔ گھبرا کر مسجدوں کی طرف چلے جائیں گے۔ اچانک پچھم کی جانب سے سورج نکل آئے گا اور آسمان کے درمیان تک پہنچ کر واپس ہو جائے گا اور اس کے بعد اپنے اسی مطلع سے نکلے گا جہاں سے نکلا کرتا تھا۔

مفسر ابن کثیر نے روایت نقل کر کے کوئی کلام نہیں کیا صرف اتنا کہہ دیا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور صحاح ستہ میں

نہیں ہے واللہ اعلم بالصواب۔

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ؕ اِنَّمَاۤ

بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں تفریق کر دی اور گروہ گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، بس

اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

ان کا معاملہ اللہ ہی کے حوالے ہے۔ پھر ان کے وہ کام ان کو جتا دے گا جو وہ کیا کرتے تھے

دین میں تفریق کرنے والوں سے آپ بَری ہیں

تفسیر: انسان میں سب سے بڑی بیماری تو یہ ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کو نہ مانے یا مانے لیکن اس کے ساتھ شرک کرے اور اس نے جو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ اپنا دین بھیجا اس کی تکذیب کرے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اور اس کے دین کو جھٹلائے۔ اور دوسری گمراہی یہ ہے کہ وہ اللہ کو بھی مانے اس کے بھیجے ہوئے دین کو ماننے کا دعویدار بھی ہو لیکن اللہ کے دین میں اپنی طرف سے ایسی باتیں داخل کر دے جو اللہ تعالیٰ کے دین میں نہیں ہیں۔ شیطان کی یہ بہت بڑی چالاکی ہے۔ بہت سے وہ لوگ جو یوں کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کے دین کو قبول کیا جو اُس نے اپنے رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ بھیجا۔ ان میں بعض لوگوں پر شیطان اپنا یہ داؤ چلاتا ہے اور انکو ایسے افکار و آراء اور اوہام واہواء پر ڈالدیتا ہے جن کی وجہ سے وہ خداوند قدوس کے بھیجے ہوئے دین کے دائرہ سے باہر ہو جاتے ہیں وہ اپنے خیال میں دین کے دائرہ میں ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں دین سے خارج ہوتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ کے مقبول بندے ہیں لیکن وہ بارگاہ خداوندی سے مردود ہوتے ہیں اس امت سے پہلے جو امتیں گذری ہیں انہوں نے ایسی حرکتیں کیں۔ یہود و نصاریٰ کی گمراہی معروف ہی ہے۔ یہودیوں کا دعویٰ تھا اور اب بھی ہے کہ ہم اللہ کے مقرب بندے ہیں لیکن اللہ کے دین کو چھوڑ کر جس کی بنیاد ہی توحید پر ہے مشرک ہو گئے اور حضرت عُزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بتا دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے اور ان کے قتل کے درپے ہو گئے۔ پھر سیدنا حضرت محمد ﷺ پر ایمان نہ لائے نیز نصاریٰ بھی دین حق سے ہٹ گئے اور انہوں نے اپنے دین میں شریک ملا دیا۔ انہیں میں سے کسی نے حضرت مسیح بن مریم کے بارے میں یہ عقیدہ بنالیا کہ ابن مریم اور اللہ ایک ذات کا نام ہے اور بعض لوگوں نے انہیں اللہ کا بیٹا بتایا۔ اور بعض لوگوں نے یوں کہا معبود تین ہیں یعنی اللہ کے ساتھ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ بھی معبود ہیں۔ پھر بعض یہود نے انہیں عقیدۂ تکفیر پر ڈالدیا اب وہ اس بات کے معتقد ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قتل (العیاذ باللہ) ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو گیا ان کے نزدیک اتوار کے دن چرچ میں جانے سے بعض گناہ پوپ کے سامنے بیان کر دینے سے اور بعض یوں ہی عام طور پر معاف ہو جاتے ہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ)

مشرکین عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہونے کے مدعی تھے سب کو معلوم ہے ان کا دین توحید خالص پر مبنی تھا۔ انہوں نے بڑی بڑی تکلیفیں اُٹھائیں آگ میں ڈالے جانے تک منظور کیا مگر توحید کی دعوت نہ چھوڑی۔ لیکن ان کے دین کے ماننے والوں نے (جن میں مشرکین عرب بھی تھے) بُت پرستی شروع کر دی اور عین کعبہ شریف میں بُت رکھ دیئے۔ جب ان کے سامنے توحید کی دعوت رکھی گئی تو ان کو اچنبا معلوم ہوا اور کہنے لگے اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ

اور جب ان پر بت پرستی کی نکیر کی گئی اور بتایا گیا کہ یہ شرک ہے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے تو کہنے لگے کہ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی (کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اسلئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے نزدیک کرتے ہیں)

کبھی کہتے تھے هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (ہم نے جو یہ معبود بنا رکھے ہیں یہ اللہ کے ہاں ہماری سفارش کر دیں گے) یہ ساری باتیں خود تراشیں شرک کیا گمراہ ہوئے اور پھر بھی اسی خیال میں غرق کہ اللہ ہم سے راضی ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں یعنی اس کے وجود کا یقین رکھتے ہیں ان میں بہت سے لوگوں نے اللہ کے بھیجے ہوئے دین کو نہیں مانا اور جنہوں نے مانا انہوں نے اللہ کے دین میں اللہ کی ناراضگی کی باتوں کو شامل کر دیا اور دین حقیقی میں تفریق کی صورتیں نکال دیں اور بہت سی جماعتوں میں بٹ گئے۔

(صاحب روح المعانی ج۸ ص ۶۸) نے سُنن ترمذی اور حلیہ ابو نعیم اور شعب الایمان للبیہقی سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اے عائشہؓ جن لوگوں نے اپنے دین سے جدائی اختیار کی اور فرقے فرقے بن گئے یہ بدعتوں والے لوگ ہیں اور وہ لوگ ہیں جو اپنی خواہشوں پر چلتے ہیں اور جو اس امت کے گمراہ لوگ ہیں ان کے لئے کوئی توبہ نہیں۔ اے عائشہ! ہر گناہ والے کے لئے توبہ ہے سوائے اہل بدعت اور اصحاب اہواء کے۔ ان کے لیئے توبہ نہیں۔ لہٰذا میں ان سے بری ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں۔

یہ حدیث نقل کرنے کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس روایت کے پیش نظر اب یوں کہا جائے گا کہ مشرکین کا حال بیان کرنے کے بعد اہل بدعت کا حال بیان فرمایا کہ اہل بدعت کا حال اہل شرک سے بعید نہیں ہے۔

گمراہ فرقوں کا تذکرہ: شیطان اس فکر میں لگا رہتا ہے کہ انسانوں کو کیسے گمراہی پر لگاؤں اول تو ایمان قبول کرنے نہیں دیگا۔ دوم جو لوگ مومن ہیں ان کے دلوں میں ایمان کی طرف سے شکوک ڈالتا ہے۔

پھر جو لوگ استقامت کے ساتھ ایمان پر رہیں اور شکوک وشبہات سے متاثر نہ ہوں ان کو ایسی ایسی باتیں سجھا دیتا ہے جو ایمان کے خلاف ہوتی ہیں۔ پہلی امتوں کے ساتھ جو اس نے حرکتیں کیں۔ اس امت کے ساتھ اس کا وہی طرز عمل

ہے۔ اہل ایمان کے دلوں میں ایسی چیزیں ڈالتا ہے جو گمراہی کی چیزیں ہیں اور ان چیزوں کے اختیار کرنے سے ایمان جاتا رہتا ہے جتنے ملحد اور زندیق اس امت میں گذرے ہیں اور اب جو موجود ہیں ایمان کا نام لیتے ہوئے بھی کفر اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اور چونکہ یہ لوگ اپنے آپ کو صحیح راہ پر سمجھتے ہیں۔ اسلئے توبہ بھی نہیں کرتے' جو لوگ اپنے امام کے اندر اللہ تعالیٰ کا حلول مانتے ہیں اور جو لوگ قرآن کی تحریف کے قائل ہیں اور جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ، کو خدا بتاتے رہے۔ اور جو لوگ خاتم النبیین ﷺ پر نبوت ختم ہونے کے منکر ہیں اور جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل کو حجت نہیں مانتے اور جو لوگ عقیدۂ بدا کے قائل یہ سب لوگ سیدنا محمد ﷺ کے دین سے بری ہیں۔ اسلام سے خارج ہیں اور آنحضرت ﷺ ان سے بیزار ہیں۔

پھر اگر کوئی شخص ایسی بدعت اعتقادیہ میں مبتلا نہ ہوا جو اسلام سے نکال کر کفر میں داخل کر دے تو شیاطین اسے اعمال بدعت میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اہل بدعت نے طرح طرح کی بدعتیں نکال رکھی ہیں۔ اور ان بدعات کی وجہ سے بہت سے فرقے بنے ہوئے ہیں جو لوگ بدعت کے اعمال میں مبتلا ہیں ان کو بھی توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ کیونکہ اعمال بدعت کے ثواب سمجھ کرتے ہیں اور جس عمل کو نیکی سمجھتے ہیں اس سے توبہ کیوں کرنے لگے۔

بدعت اعتقادی ہو یا عملی اس کے ایجاد کرنے والوں کو اور اس پر عمل کرنے والوں کو اصحاب الاہواء کہا جاتا ہے۔ اَھْوَاء ھَــوٰی کی جمع ہے ہر خواہش نفس کو عربی میں ہوٰی کہتے ہیں جو لوگ بدعتیں نکالتے ہیں وہ قرآن حدیث کی طرف رجوع نہیں کرتے جو اپنی سمجھ میں آتا ہے اور جو اپنا نفس چاہتا ہے اُسے دین میں داخل کر لیتے ہیں۔ انہیں لاکھ سمجھاؤ کہ یہ عمل قرآن و حدیث سے ثابت نہیں لیکن وہ برابر اسی میں لگے رہتے ہیں۔ سنتوں پر چلنے سے ان کے دل خوش نہیں ہوتے۔ بدعتیں ان کے اندر رچ بس جاتی ہیں۔ ان بدعتوں کی وجہ سے بہت سے فرقے وجود میں آجاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت پر ضرور ایسا زمانہ آئے گا جیسا بنی اسرائیل پر آیا تھا (پوری طرح ان کے مطابق عمل کریں گے) جیسا کہ ایک جوتا دوسرے جوتا کے موافق بنایا ہوا ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر بنی اسرائیل میں سے کسی نے اپنی ماں سے علانیہ زنا کیا تھا تو میری امت میں سے بھی ایسے لوگ ہوں جو ایسا کریں گے۔ (پھر فرمایا) کہ بنی اسرائیل کے ۷۲ فرقے ہو گئے تھے۔ اور میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی۔ یہ سب فرقے دوزخ میں ہوں گے۔ سوائے ایک ملت کے! صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ ملت کون سی ہے جو جنت والی ہے؟ آپ نے فرمایا "مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ" (کہ جس ملت اور دین پر میں اور میرے صحابہ ہیں وہ جنت والی ہے) (رواہ الترمذی)

اب سارے فرقے غور کریں کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کس دین پر تھے؟ اور جو لوگ اس طریقہ سے ہٹے ہوئے ہیں وہ اپنا انجام سوچ لیں۔ اور خاص طور پر وہ لوگ غور کریں جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو مسلمان ہی نہیں مانتے۔ اور جو لوگ

ان میں کیڑے ڈالتے ہیں اوران کی بشری کمزوریوں کوتاریخ کی کتابوں سے نکال کر اُچھالتے ہیں (جبکہ تاریخی روایات بے سند ہوتی ہیں)

اِنَّمَا اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (ان کا معاملہ بس اللہ ہی کے حوالہ ہے وہ انہیں جتادے گا جوکام وہ کرتے تھے)

فائدہ: بعض لوگ جنہیں قرآن وحدیث کا علم نہیں۔اوراجتہادواستنباط کی شرعی ضرورت سے ناواقف ہیں وہ لوگ ائمہ اربعہ کے چاروں مذہبوں کو چار فرقے بتاتے ہیں اوراپنی جہالت سے ان مذاہب کے ماننے والوں کوانہیں بہتر (۷۲) فرقوں میں شمار کرتے ہیں جوگمراہ ہیں حالانکہ ایسانہیں ہے۔ائمہ اربعہ کے مقلدین سب ایک ہی فرقہ ہیں اور ایک ہی جماعت ہیں اوراسی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے کے امام کاادب سے نام لیتے ہیں۔اورایک مذہب کے مقلدین دوسرے مذہب کے علماء کورحمۃ اللہ علیہ کی دعا کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ان میں اعتقادیات میں اختلاف نہیں فروعی مسائل میں اختلاف ہے چونکہ یہ اختلاف حضراتِ صحابہ میں بھی تھا اسلئے نجات پانے والی جماعت (جس کے بارے میں ما انا علیہ و اصحابی فرمایااس) سے خارج نہیں ہیں۔کتاب اللہ اورسنت رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے والے اور حضرات صحابہ کرامؓ کے طریق کواپنانے والے عموماً مذاہب اربعہ ہی کے متبعین رہے ہیں اور ہیں۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا

جوشخص نیک کام کرے سواُسے اس جیسے دس حصے ملیں گے اور جوشخص بُرائی کا کام کرے تواسے صرف اس کے برابر ہی سزا ملے گی۔

مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

اور ان لوگوں پر ظلم نہ ہو گا

ایک نیکی پر کم از کم دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے

تفسیر: اس آیت میں نیکیوں کی جزااور برائیوں کی سزا کا قانون بتایا ہے اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہے اُس نے اپنے بندوں پر یہ کرم فرمایا کہ ایک نیکی کرنے پراس جیسی کم ازکم دس نیکیاں کرنے کا ثواب دینے کا وعدہ فرمایا ہے اوراپنی کتاب میں اس کا اعلان عام فرمادیا۔اور جوشخص کوئی گناہ کرلے تواس میں اضافہ نہیں ہے بلکہ ایک گناہ پرایک ہی گناہ کی سزا ملے گی۔

پھر یہ کوئی ضروری نہیں کہ گناہ پرسزا مل ہی جائے۔توبہ واستغفار سے بھی گناہ معاف ہوتے ہیں اور نیکیوں سے بھی معاف ہوتے رہتے ہیں۔اورنیکی کا جودس گنا ثواب بتایا ہے یہ کم سے کم ہے اس سے زیادہ بھی ثواب ملتا ہے۔

سورۂ بقرہ میں (رکوع ۳۶) اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کا ثواب بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان کی ایسی مثال ہے جیسے ایک دانہ ہو اس دانہ سے سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں پھر اخیر میں وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے چند در چند اضافہ فرماتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سات سو پر بھی منحصر نہیں۔ اس سے زیادہ بھی اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے اضافہ فرمادیتا ہے متعدد صحابہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اللہ کی راہ میں خرچہ بھیج دیا اور وہ اپنے گھر ہی میں رہا تو اسے ہر درہم کے بدلہ سات سو درہم کا ثواب ملے گا اور جس نے اپنی جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور اللہ کی رضا کے لیے مال خرچ کیا اس کے لیے ہر درہم کے بدلہ سات لاکھ درہم کا ثواب ہوگا پھر آپ نے آیت کریمہ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ تلاوت فرمائی (رواہ ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے نیکیوں اور برائیوں (کے قانون) کو لکھ دیا ہے سو جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے پھر اسے نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنے پاس سے ایک پوری نیکی لکھ دیتا ہے اور اگر ارادہ کرنے کے بعد اس نیکی کو کر بھی لیا تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے اس جیسی دس نیکیاں سات سو گنا تک (بلکہ) اس سے بھی زیادہ چند در چند کر کے لکھ دیتا ہے اور اگر کوئی شخص کسی برائی کا ارادہ کرتا ہے پھر وہ (اللہ کے ڈر سے اسے چھوڑ دیتا ہے) اور اپنے ارادہ پر عمل نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور اگر برائی کا ارادہ کرنے کے بعد اس پر عمل بھی کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک گناہ لکھ دیتا ہے۔ (رواہ البخاری ص ۹۶۱ و مسلم ج ۱ ص ۷۸)

دوسری روایت میں ہے کہ جب گناہ کا ارادہ کر کے چھوڑ دیتا ہے اور گناہ کو نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّمَا تَرَكَهٗ مِنْ جَرَّآئِيْ یعنی اس کے لئے گناہ چھوڑنے کی وجہ سے اسلئے نیکی لکھی گئی کیونکہ اس نے گناہ میری وجہ سے چھوڑا ہے۔ (رواہ مسلم ج ۱ ص ۷۸)

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ

آپ فرمادیجئے کہ بلاشبہ میرے رب نے مجھے سیدھے راستہ کی ہدایت دی ہے یہ مستحکم دین ہے جو ابراہیم کی ملت ہے

حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ

جو حق کی راہ اختیار کرنے والا تھا اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔ آپ فرمادیجئے کہ بلاشبہ میری نماز اور میری سب عبادتیں اور میرا جینا

وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ

اور میرا مرنا سب اللہ ہی کے لئے ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں ماننے والوں میں سب سے پہلا

الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾

فرماں بردار ہوں

میری سب عبادتیں اور مرنا جینا سب اللہ ہی کے لئے ہے

تفسیر: مشرکین کی تردید فرمانے کے بعد اللہ جل شانہٗ نے نبی اکرم ﷺ کو خطاب فرمایا کہ آپ اپنے بارے میں ان لوگوں کو بتا دیں کہ میرے رب نے مجھے ہدایت دی ہے سیدھا راستہ بتا دیا ہے اور مجھے اسی پر چلا دیا ہے۔ یہ سیدھا راستہ ہے مضبوط دین ہے مستحکم ملت ہے اور اسی ملت پر ابراہیم علیہ السلام بھی تھے وہ تمام دینوں سے کٹ کر توحید ہی کو اختیار کئے ہوئے تھے۔ اور توحید ہی کی دعوت دیتے تھے (اس میں مشرکین پر تعریض ہے کیونکہ وہ بھی ملت ابراہیم کے دعویدار تھے لیکن شرک میں غرق تھے۔ حالانکہ ابراہیم علیہ السلام موحِد تھے مشرک نہیں تھے)

اس کے بعد اُس ہدایت کی تفصیل بیان فرمائی۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین ﷺ کو نوازا ہے اور فرمایا۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ۔ کہ آپ یہ بھی فرما دیجئے کہ بلاشبہ میری نماز اور میری دوسری تمام عبادتیں اور میرا جینا میرا مرنا سب اللہ ہی کے لئے ہے جو رب العالمین ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

اس میں دو باتیں بتائی گئیں۔ اوّل یہ کہ ہر کام اللہ کی رضا کے لئے ہونا چاہئے دوّم یہ کہ مومن کی زندگی بھی قیمتی ہے اور موت بھی قیمتی ہے۔ اللہ ہی کے لئے جئے اور اللہ ہی کے لئے مرے پوری زندگی اللہ کے احکام کی پابندی میں گذارے اور فرائض وواجبات کے علاوہ بھی انہیں کاموں میں لگائے جن سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اور جب مرنے لگے تو ایمان ہی پر مرے اسکی یہ موت قیمتی ہو جائے گی کیونکہ موت ہی اخروی نعمتوں کے درمیان حائل ہے۔ جب مومن بندہ موت کی پُل سے پار ہو جائے اس کے لئے خیر ہی خیر ہے۔ اگر عام مومنانہ زندگی گذارتے ہوئے کسی جہاد شرعی میں شریک ہو گیا اور دشمنان دین کے ہاتھوں شہید ہو گیا تو شہادت کی وجہ سے اس کی موت اور زیادہ قیمتی ہو جائے گی۔

ہر مومن بندہ اپنی موت اور زندگی کو قیمتی سمجھے اور اپنے مقام کو پہچانے۔ اور قیمتی زندگی کو ضائع نہ کرے۔ مومن اپنا سب کچھ جان اور مال اوقاتِ حیات اور اپنی موت اللہ ہی کی رضا کے لئے خرچ کرے کیونکہ (اللہ رب العالمین ہے پروردگار ہے اس کا حق اس سے بہت زیادہ ہے کہ تھوڑی سی زندگی اس کی راہ میں خرچ ہو جائے۔)

وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (اور مجھے اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا فرماں بردار ہوں) یہ اوّلیت اس امت کے اعتبار سے ہے یعنی میں اُمت موجودہ میں جو آخر الامم ہے سب سے پہلا مسلم ہوں اور اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہوں۔

دیگر حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی اپنی اپنی امتوں میں سب سے پہلے مسلم اور فرمانبردار تھے۔ **وھٰذا شان کل نبی بالنسبۃ الٰی اُمتہ** (اور ہر نبی کی اپنی اُمت کی نسبت سے یہی شان ہے) (روح المعانی) اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ میں صرف دعوت دینے والا

ہی نہیں عمل کرنے والا بھی ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کیا تھا سُبْحَانَکَ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ اور وجہ اسکی یہ ہے کہ ہر نبی ایمان لانے کا اور اپنی لائی ہوئی شریعت پر عمل کرنے کا مکلف ہوتا تھا۔ اور امت کی نسبت ایمان اور اعمال میں اسے اولیت حاصل ہوتی تھی قربانی کی دعا میں بھی آیت بالا کے الفاظ اِنَّ صَلٰوتِیْ سے لیکر الْمُسْلِمِیْنَ تک وارد ہوئے ہیں لیکن اس میں اوّلُ المُسلمین نہیں بلکہ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ہے۔ چونکہ امت کو دعا کی تعلیم دینا تھا اور قربانی کے وقت پڑھوانا تھا اس لئے اوّلُ المُسلمین کی بجائے خود بھی وانا من المسلمین پڑھا۔ (کما روی ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰)

قُلْ اَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّھُوَ رَبُّ کُلِّ شَیْءٍ ؕ وَلَا تَکْسِبُ کُلُّ نَفْسٍ اِلَّا
آپ فرمادیجئے! کیا میں اللہ کے علاوہ کوئی رب تلاش کروں حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے' اور جو بھی کوئی شخص کوئی گناہ کرے اس کا وبال
عَلَیْھَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ مَّرْجِعُکُمْ فَیُنَبِّئُکُمْ
اسی پر ہے۔ اور نہ اُٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ' پھر تم سب کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے سو وہ تمہیں وہ
بِمَا کُنْتُمْ فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾
چیزیں جتا دیگا جن میں تم اختلاف کرتے تھے

میں اللہ کے سوا کوئی رب تلاش نہیں کرسکتا

تفسیر: یہاں پھر مشرکین سے خطاب کرنے کا حکم فرمایا اور یہ نہ صرف مشرکین بلکہ وہ تمام لوگ اس کے مخاطب ہیں جو اعتقادی یا عملی طور پر غیر اللہ کو رب بناتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے ہیں جو رب جل شانہٗ کے ساتھ ہونا چاہئے۔ ارشاد فرمایا۔

قُلْ اَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّھُوَ رَبُّ کُلِّ شَیْءٍ (آپ فرمادیجئے کیا میں اللہ کے سوا کوئی دوسرا رب تلاش کروں حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے)

یہ استفہام انکاری ہے اور مطلب یہ ہے کہ میں تو ایسا نہیں کرسکتا اور کر ہی کیسے سکتا ہوں جبکہ اللہ سب کا رب ہے' اپنی بے وقوفی سے تم جن چیزوں کو رب بنائے ہوئے ہو۔ اللہ تعالیٰ ان کا بھی رب ہے۔ اپنی جیسی مخلوق کو بلکہ اپنے سے بھی کمتر چیزوں کو معبود بنانا حماقت اور سفاہت ہے۔ میں تمہاری حماقت کا کیسے ساتھ دے سکتا ہوں؟ پھر فرمایا۔

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى یعنی جو شخص کوئی بھی عقیدہ رکھے گا یا کوئی بھی گناہ کرے گا تو اس کا وبال اسی پر ہوگا۔ کوئی دوسرا کسی کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ جو لوگ دنیا میں کہتے ہیں کہ تم ہمارے ساتھ ہمارے گناہوں میں شریک ہو جاؤ اور ہمارے غیر اسلامی رسم و رواج میں شریک ہو جاؤ اس کا وبال ہم پر ہوگا۔

یہ اس لئے کہہ دیتے ہیں کہ انہیں اللہ کی وعیدوں پر یقین نہیں ہے۔ قیامت کے دن کوئی کسی کا وبال اپنے سر نہیں لے گا۔ اور کوئی جان کسی کی طرف سے کچھ بدلہ نہیں دے گی' پھر آخرت کی حضوری یاد دلائی اور فرمایا۔

ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ پھر تم کو اپنے رب کی طرف لوٹ جانا ہے سو وہ تمہیں جتلا دے گا جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے ہو۔ وہاں ان لوگوں کی نجات ہو جائے گی جو اللہ کے دین پر تھے اور سب پر عیاں ہو جائے گا کہ حق بات کون سی تھی اور کس کی تھی۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ

اور اللہ وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا اور درجات کے اعتبار سے تم میں ایک کو دوسرے پر فوقیت دی تا کہ وہ تمہیں ان چیزوں کے بارے میں آزمائے

فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾

جو تم کو عطا فرمائیں' بے شک آپ کا رب جلد سزا دینے والا ہے۔ اور بلاشبہ وہ ضرور بخشنے والا مہربان ہے

اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا اور ایک کو دوسرے پر فوقیت دی

تفسیر: سورۂ انعام ختم ہو رہی ہے اس میں بار بار دین حق کی دعوت دی' توحید کی طرف بلایا' مشرکین کی بے وقوفی بیان فرمائی' اور ان کے عقائد باطلہ اور شرکیہ رسم و رواج کی تردید فرمائی اور توحید پر دلائل قائم کئے۔ اب آخر میں اللہ تعالیٰ کی بعض نعمتوں کی تذکیر فرمائی اور وہ یہ کہ اللہ نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا پہلی امتیں چلی گئیں ایک دوسرے کے بعد آتی رہیں۔ اب تم ان کے بعد زمین میں آئے ہو۔

زمین میں تمہیں اقتدار سونپ دیا اور سب کو ایک حالت میں نہیں رکھا غنی بھی ہیں فقیر بھی ہیں' قوی بھی ہیں ضعیف بھی ہیں' حاکم بھی ہیں محکوم بھی ہیں یہ اقتدار سپرد کرنا اور فرق مراتب رکھنا اسلیئے ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آزمائے کہ جو کوئی فوقیت کسی کو مال کے اعتبار سے یا منصب و مرتبہ یا کسی بھی حیثیت سے دی ہے وہ اس کو کس کام میں لگاتا ہے انصاف کرتا ہے یا ظلم کرتا ہے' بیکسوں پر رحم کھاتا ہے یا انہیں ستاتا ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرتا ہے یا نہیں۔

یہ سب چھوٹے بڑے طبقات قیامت کے دن حاضر ہوں گے ظالم مظلوم کے درمیان انصاف ہوگا۔ ظالموں کو سزا ملے گی۔ حقوق العباد کی ادائیگی نیکیوں کے ذریعہ ہوگی' جو حقوق اللہ ضائع کئے اللہ جل شانہٗ چاہے ان کی اضاعت پر عذاب دے چاہے معاف فرمادے وہ سریع العقاب ہے' اور بلاشبہ وہ غفور ہے۔

قال القرطبی (ص۱۵۸ ج۷) فی تفسیرہٖ قال اللّٰہ تعالٰی! (وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ) "خَلَائِف" جمع خلیفةٍ' كَكَرائم جمع کریمة' وکل من جاء بعد من مضی فهو خلیفه ای جعلکم خلفا للأمم الماضیة والقرون السالفة. (وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ) فی الخلق والرزق والقوة والبسطة والفضل والعلم. (درجٰتٍ) نصب باسقاط الخافض' ای الی درجات (لِیَبْلُوَكُمْ) نصب بلامِ کَیْ. والابتلاء الاختبار' ای لیظهر منکم ما یکون غایتهٗ الثواب والعقاب' ولم یزل بعلمهٖ غنیًّا' فابتلی الموسر بالغنی وطلب منه الشکر' وابتلی المعسر بالفقر وطلب منه ابصرو یقال: (لِیَبْلُوَكُمْ) ای بعضکم ببعض' ثمہ خوفهم فقال: (اِنَّ رَبَّكَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ) لمن عصاه (وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ) لمن اطاعهٗ. وقال "سَرِیْعُ الْعِقَابِ" مع وصفه سبحانه بالا مهال دفع أن عقاب النّار فی الأخرة' لان کل اٰت قریب فهو سریع علٰی هذا' کم قال تعالٰی! (وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْهُوَ اَقْرَبُ) وقال! "وَیَرَوْنَهٗ بَعِیْدًا وَّنَرٰهُ قَرِیْبًا"

ویکون ایضًا سریع العقاب لمن استحقه فی دار الدنیا فیکون تحذیرًا لمواقع الخطیئة علٰی هذه الجهة واللّٰہ اعلم.

وقال صاحب الروح (وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ) ای یخلف بعضکم بعضا کلما مضی قرن جاء قرن حتی تقوم الساعة ولا یکون ذٰلک إلا من عالم مدبر' والی هذا ذهب الحسن أو جعلکم خلفاء اللّٰہ تعالٰی فی ارضهٖ تتصّرفون فیها. کما قیل. والخطاب علیهما عام' وقیل: الخطاب لهذه الأمّة' وروی ذٰلک عن السدی ای جعلکم خلفاء الأمم السالفة (وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ) فی الفضل والغنی کما روی عن مقاتل (دَرَجَات) کثیرة متفاوتة (لِیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ اٰتٰكُمْ) ای لیعملکم معاملة من یبتلیکم لینظر ماذا تعلملون مما یرضیه وما لا یرضیه (وَاِنَّ رَبَّكَ) تجرید الخطاب لرسول اللّٰہ ﷺ مع اضافة اسم الربّ الیه علیه الصلوٰة والسلام لا براز مزید اللطف بهٖ ﷺ (سَرِیْعُ الْعِقَابِ) ای عقابه سبحانه الاخروی سریع الاتیان لمن لم یراع حقوق ما آتاه لان کل اٰتٍ قریب' او سریع التمام عند ارادته لتعالیه سبحانه عن استعمال المبادیٔ والأٰلاتِ اھ

علامہ قرطبیؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ اس میں خلائف' جمع ہے خلیفہ کی جیسا کہ کَرَائِم جمع ہے کَرِیمَة کی اور ہر وہ جو ایک کے گذر جانے کے بعد آئے وہ خلیفہ ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پچھلی امتوں کا خلیفہ اور سابقہ زمانوں کا پیش رو بنایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ اور تم میں سے بعض کو بعض پر بلند کیا یعنی خلق میں' رزق میں' قوۃ وصلاحیت میں اور علم وفضل میں "دَرَجٰتٍ" حرف جر کے حذف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی إِلٰی درجات "لِیَبْلُوَكُمْ" یہ لام کی وجہ سے منصوب اور ابتلاء کا معنی امتحان ہے یعنی تا کہ تم سے وہ اعمال ظاہر کردے جن کا انجام انعام یا سزا ہے اور اللہ تعالیٰ تو اس طرح آزمائش کرکے علم حاصل کرنے سے غنی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے خوشحال کا امتحان خوشحالی سے لیا اور اس سے شکر کا تقاضا کیا اور تنگدست کا امتحان بے سروسامانی سے کیا اور اس سے صبر مطلوب ہے' اور بعض نے کہا لِیَبْلُوَكُم کا مطلب یہ ہے تمہیں ایک دوسرے کے ذریعہ آزمائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ڈرایا کہ بے شک تیرا رب جلدی سزا دینے والا ہے' نافرمانی کرنے والے کو' اور وہ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ہے اس کیلئے جس نے اس کی اطاعت کی' اور باوجود یکہ حق تعالیٰ کی صفت مہلت دینا بھی ہے اور سزا آخرت میں ہوگی فرمایا جلد سزا دینے والا' اس لئے کہ ہر آنے والی قریب ہوتی ہے اور وہ اس طرح پر جلدی آنے والی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ اور قیامت کا معاملہ تو بس آنکھ جھپکنے کی طرح ہے یا اس سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اور فرمایا یَرَوْنَهٗ بَعِیْدًا وَّنَرٰىهُ قَرِیْبًا۔ کہ وہ اسے دور سمجھتے ہیں حالانکہ ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں۔

اور جو دنیا میں سزا کا مستحق ہے اس کے لئے بھی جلد سزا دینے والا ہے۔ اس لحاظ سے گناہ کے مواقع کے لئے یہ جملہ دھمکی ہے۔

صاحب روح المعانیؒ فرماتے ہیں وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ یعنی تم میں سے بعض بعض کو خلیفہ بناتے ہیں۔ جب ایک دور گذرتا ہے تو دوسرا آجاتا ہے یہاں تک کہ قیامت آجائے گی' اور یہ سب ایک صاحب علم اور صاحب تدبیر کی طرف سے ہی ہو رہا ہے۔ حضرت حسنؒ کی یہی رائے ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے جس میں تصرف کرتے ہو۔ جیسا کہ بعض نے کہا کہ دونوں پر خطاب عام ہے۔ بعض نے کہا خطاب اس امت سے ہے اور یہ حضرت سدیؒ سے مروی ہے یعنی تمہیں گذشتہ امتوں کا خلیفہ بنایا اور بعض کو بعض پر فضیلت وخوشحالی میں بلندی عطا فرمائی ہے جیسا کہ حضرت مقاتلؒ سے مروی ہے "درجات" بہت سارے مختلف درجوں میں "لِیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ اٰتٰكُمْ" "یعنی تمہارے ساتھ آزمائش کا معاملہ کرے کہ دیکھے تم اس کو راضی کرنے والے کام کرتے ہو یا ناراض کرنے والے" وَاِنَّ رَبَّكَ "رب کی اضافت کرکے خالص حضور ﷺ کو خطاب کرنا آپ ﷺ کو مزید الطافات سے نوازنے کی طرف اشارہ ہے "سَرِیْعُ الْعِقَابِ" یعنی اللہ تعالیٰ کی اُخروی گرفت اس کے لئے جلدی آنے والی ہے جس نے اس کی طرف سے ملنے والے احکام کے حقوق ادا نہ کئے۔ کیونکہ ہر آنے والی چیز قریب ہے' یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ جب ارادہ فرماتے ہیں تو وہ بہت جلدی سے تمام ہونے والا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اسباب وآلات کے استعمال کی محتاجی سے پاک ہیں۔

فائدہ: دنیا میں جو اللہ تعالیٰ نے فرق مراتب رکھا ہے اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ جس کسی کے پاس کوئی نعمت ہے وہ اس نعمت پر شکر ادا کرے اور جو اس سے کم حیثیت کے لوگ ہیں ان کو دیکھ کر عبرت حاصل کرے اور بار بار یہ مراقبہ کرے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو مجھے تنگدست بے اختیار اپاہج لُو لا لنگڑا نابینا بنا دیتا۔ اگر اس طرح غور کرے گا تو نہ دوسروں کو حقیر جانے گا اور نہ اللہ کی ناشکری کریگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص ایسے شخص کو دیکھے جو مال اور شکل صورت میں اس سے بڑھ کر ہے تو اس کو بھی دیکھ لے جو اس سے کم ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۴۴۷) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا تم اس کو دیکھو جو تم سے کم ہے اور اسکو نہ دیکھو جو تم سے زیادہ ہے ایسا کرو گے تو تم پر جو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں ان کو حقیر نہ جانو گے۔ (رواہ مسلم ص ۴۰۷ ج ۲) اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ جس شخص میں دو باتیں ہوں گی اللہ تعالیٰ اسے صابر اور شاکر لکھ دے گا۔ دین میں اسے دیکھے جو اس سے بڑھ کر ہے پھر اس کا اقتداء کرے اور دنیا میں اُسے دیکھے جو اس سے کمتر ہو پھر اللہ کی حمد بیان کرے کہ اللہ نے اُسے اس شخص پر فضیلت دی ہے ایسے شخص کو اللہ شاکر اور صابر لکھ دیگا۔ اور جس نے اپنے دین میں ایسے شخص کو دیکھا جو اس سے کم ہے اور دنیا میں اُسے دیکھا جو اس سے بڑھ کر ہے پھر اُسے اس بات پر رنج ہوا کہ دنیا میں مجھے اتنا اتنا نہیں ملا تو اللہ اُسے نہ شاکر لکھے گا اور نہ صابر لکھے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

ولقد تم تفسير سورة الانعام

والحمد الله اولًا واٰخرًا وباطنا وظاهراً

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَانِ وَّسِتُّ اٰيَاتٍ وَّاَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۂ اعراف مکہ میں نازل ہوئی اور ﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾ اس کی ۲۰۶ آیتیں اور ۲۶ رکوع ہیں

الٓمّٓصٓ ﴿۱﴾ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى

الٓمّٓصٓ یہ کتاب ہے جو آپ کی طرف اتاری گئی سو آپ کے سینہ میں کوئی تنگی نہ ہو، تا کہ آپ اس کے ذریعہ ڈرائیں اور

لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا

ایمان والوں کے لئے نصیحت ہے اس چیز کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف اتاری گئی اور اس کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کا اتباع نہ کرو،

مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ﴿۴﴾ فَمَا كَانَ

تم کم نصیحت حاصل کرتے ہو اور کتنی ہی بستیاں تھیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا، سو ان پر ایسے وقت میں ہمارا عذاب آیا جب کہ وہ رات گذار رہے تھے یا ایسی حالت میں عذاب آیا کہ وہ دوپہر کے وقت سوئے ہوئے تھے

دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵﴾

سو جب اُن پر ہمارا عذاب آیا تو ان کی پکار اس کے علاوہ کچھ نہ تھی کہ بلاشبہ ہم ظالم تھے

یہ کتاب مؤمنین کے لئے نصیحت ہے

تفسیر: ان آیات میں اوّلاً تو یہ فرمایا کہ آپ کی طرف یہ کتاب نازل کی گئی ہے تا کہ آپ اس کے ذریعہ لوگوں کو ڈرائیں، ایمان کی دعوت دیں، اور جو لوگ نہ مانیں ان کو بتائیں کہ اس کتاب پر ایمان نہ لانے سے عذاب میں مبتلا ہوں گے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ کہ آپ کے سینہ میں ذرا بھی تنگی نہ ہو۔ مخاطبین آپ کی دعوت کا جو تکذیب سے مقابلہ کریں اسکی آپ ذرا پرواہ نہ کریں آپ اپنا کام کرتے رہیں۔ اس کے بعد لوگوں سے خطاب فرمایا کہ جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اس کا اتباع کرو اور اپنے رب کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کو ولی نہ بناؤ۔ تمہارے سامنے ہدایت کی باتیں آتی ہیں مگر تمہارا حال یہ ہے کہ نصیحت حاصل کرتے ہو۔

پھر فرمایا کہ ہم نے بہت سی بستیوں کو ہلاک کر دیا جن پر ہمارا عذاب رات کے وقت میں آیا۔ اور بعض کے پاس ایسے وقت میں آیا۔ اور بعض کے پاس ایسے وقت عذاب پہنچا جب کہ وہ قیلولہ کر رہے تھے یعنی دوپہر کے وقت سو رہے تھے، جو لوگ ہدایت سے روگردانی کرتے ہیں اور حق کو قبول نہیں کرتے ان پر دنیا میں بھی عذاب آتا ہے اور آخرت میں بھی ماخوذ ہوں گے اور عذاب دائمی میں مبتلا ہوں گے، ان لوگوں پر جب عذاب آیا تو بس یہی کہنے لگے کہ ہم ظالم تھے، عذاب آ جانے کے بعد اپنے ظلم کا اعتراف اور اقرار کرنے سے عذاب واپس نہیں ہوتا لہٰذا باوجود اقرار ظلم کے وہ لوگ ہلاک ہو گئے۔

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ

سو جن لوگوں کی طرف رسول بھیجے گئے ہم ان سے ضرور سوال کریں گے اور ہم پیغمبروں سے ضرور پوچھیں گے سو ہم ان کے روبرو علم کے مطابق

وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

بیان کردیں گے اور ہم غائب نہ تھے اور اس دن وزن واقع ہونے والا ہے۔ سو جن کے وزن بھاری ہوئے ایسے لوگ کامیاب ہوں گے اور جن

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝

کے وزن ہلکے ہوں گے سو یہ وہ لوگ ہونگے جنہوں نے اپنی جانوں کا نقصان کرلیا اس وجہ سے کہ وہ ہماری آیات کے ساتھ ظلم کرتے تھے۔

قیامت کے دن رسولوں سے اور ان کی اُمتوں سے سوال اور اعمال کا وزن

تفسیر : ان آیات میں آخرت کے سوال و جواب اور عقائد و اعمال کے تولے جانے کا پھر اوزان کے ہلکا بھاری ہونے کا اور اس کے مطابق کامیاب اور ناکام ہونے کا ذکر فرمایا۔ قیامت کے دن امتوں سے سوال ہوگا کہ تمہارے پاس رسول آئے تھے تو تم نے ان کو کیا جواب دیا تھا کما فی سورۃ القصص وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝

اور حضرات رُسُلِ عظام و انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی سوال ہوگا کہ کیا آپ حضرات نے ہمارا پیغام پہنچایا اور یہ بھی سوال ہوگا کہ اُمتوں نے اس کا کیا جواب دیا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا (اور متعدد نصیحتیں فرمائیں) اور آخر میں فرمایا کہ میرے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟ حاضرین نے عرض کیا کہ ہم یہ گواہی دیں گے کہ آپ نے (اللہ کا پیغام) پہنچایا اور اپنی ذمہ داری پوری کی اور (امت کی) خیر خواہی کی' آپ نے اپنی انگوٹھے کے پاس والی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھایا اور پھر لوگوں کی طرف جھکایا اور تین بار اللہ تعالیٰ کی دربار میں عرض کیا اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ۔ اے اللہ! تو گواہ ہوجا۔ اے اللہ تو گواہ ہوجا۔ اے اللہ تو گواہ ہوجا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز حضرت نوح علیہ السلام کو لایا جائے گا اور ان سے سوال ہوگا کہ تم نے تبلیغ کی؟ وہ عرض کریں گے کہ اے رب! میں نے واقعۃً تبلیغ کی تھی' ان کی امت سے سوال ہوگا کہ انہوں نے تمہیں احکام پہنچائے تھے؟ وہ کہیں گے نہیں ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا تمہارے دعویٰ کی تصدیق کے گواہ کون ہیں؟ وہ جواب دیں گے کہ حضرت محمد ﷺ اور ان کے امتی ہیں۔ یہاں تک واقعہ نقل کرنے کے بعد آنحضرت محمد ﷺ نے اپنی امت کو خطاب کر کے فرمایا کہ اس کے بعد تم کو

لایا جائے گا اورتم گواہی دو گے کہ بے شک حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی امت کو تبلیغ کی تھی اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا یہ صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۵ کی روایت ہے اور مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امتیں بھی انکاری ہوں گی کہیں گی کہ ہم کو تبلیغ نہیں کی گئی ان کے نبیوں سے سوال ہوگا کہ تم نے تبلیغ کی تھی؟ وہ کہیں گے کہ ہم نے تبلیغ کی تھی ان سے گواہ طلب کئے جائیں گے تو وہ حضرت سیدنا محمد رسول ﷺ اور آپ کی امت کو گواہی میں پیش کر دیں گے۔ چنانچہ یہ حضرات عرض کریں گے کہ ہم پیغمبروں کے دعوے کی تصدیق کرتے ہیں۔ ان سے سوال ہوگا کہ تمہیں اس معاملے کی کیا خبر؟ وہ جواب میں عرض کریں گے کہ ہمارے پاس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور انہوں نے خبر دی کہ تمام پیغمبروں نے اپنی اپنی امتوں کو تبلیغ کی۔ لہٰذا ہم ان کی تصدیق کرتے ہیں۔ (درمنثور ص ۱۴۴ ج ۱)

پھر فرمایا۔ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ سو ہم ان کے روبرو ضرور بیان کر دیں گے علم کے مطابق اور ہم غائب نہ تھے)۔ مفسر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۰۱ اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

یوضع الکتٰب یوم القیامة فیتکلم بما کانوا یعملون

کہ اعمال نامے رکھ دیے جائیں گے وہ تمام اعمال کو ظاہر کر دیں گے پھر وَمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں یعنی

انه تعالیٰ یخبر عبادہ یوم القیامة بما قالوا او بما عملوا من
قلیل و کثیر وجلیل وحقیر' لا نه تعالیٰ شهید علیٰ کل شیٔ الخ

یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کے اقوال اور اعمال سب بتا دے گا چھوٹے اعمال ہوں یا بڑے اعمال ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے۔

اعمال کا وزن' بھاری اوزان والوں کی کامیابی: اللہ رب العزت ہمیشہ سے ساری مخلوق کے اعمال سے واقف ہے اگر قیامت کے میدان میں صرف اپنی معلومات کی بناء پر اعمال کی جزاء وسزا دے تو ان کو اس کا بھی حق ہے' لیکن میدانِ حشر میں ایسا نہ کیا جائے گا بلکہ بندوں کے سامنے اُن کے اعمال نامے پیش کئے جائیں گے وزن ہوگا۔ گواہیاں ہوں گی' اور مجرمین انکاری بھی ہوں گے اور دلیل سے جرم کا اثبات بھی کیا جائیگا تاکہ سزا بھگتنے والے یوں نہ کہہ سکیں کہ ہم کو ظلمًا بلاوجہ عذاب میں ڈالا گیا۔ اسی کو فرمایا وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ اور اس دن وزن کرنا حق ہے سو جن کی تولیں بھاری پڑیں وہی لوگ بامراد ہوں گے' اور جن کی تولیں ہلکی پڑیں سو وہی ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کا نقصان کیا'

اس وجہ سے کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے وزن اعمال کا ذکر یہاں اعراف میں بھی ہے اور سورۂ مومنون رکوع (۲) میں بھی ہے اور سورۃ القارعہ میں بھی ہے وہاں فرمایا ہے فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ سو جس کے وزن بھاری ہوئے وہ خوشی کی زندگی میں ہوگا اور جس کے وزن ہلکے ہوئے تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ یعنی دوزخ ہے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز (اعمال تولنے کی) ترازو رکھ دی جائیگی (اور وہ اس قدر لمبی چوڑی ہوگی کہ) اگر اس میں سارے آسمان و زمین رکھ کر وزن کئے جائیں تو سب اس میں آجائیں۔ اس کو دیکھ کر فرشتے بارگاہِ خداوندی میں عرض کریں گے کہ یہ کس کے لئے تولے گی؟ اللہ جل شانہٗ فرمائیں گے کہ میں اپنی مخلوق میں سے جس کے لئے (حساب کرنے کے واسطے) تول قائم کروں (اس کے لئے یہ تولے گی) یہ سن کر فرشتے عرض کریں گے کہ اے اللہ! آپ پاک ہیں جیسا عبادت کا حق ہے ہم نے ایسی عبادت آپ کی نہیں کی۔ (الترغیب والترہیب ص ۴۲۵ ج ۴ رواہ الحاکم وقال صحیح علیٰ شرط مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت سید عالم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا (قیامت کے روز) ترازو پر ایک فرشتہ مقرر ہوگا (اعمال کو وزن کرنے کے لئے) انسان اس ترازو کے پاس لائے جاتے رہیں گے' جو آئے گا ترازو کے دونوں پلڑوں کے درمیان کھڑا کر دیا جائیگا۔ پس اگر اس کے تول بھاری ہوئے تو وہ فرشتہ ایسی بلند آواز سے پکار کر اعلان کر دیگا جسے ساری مخلوق سُنے گی کہ فلاں ہمیشہ کے لئے سعادت مند ہو گیا' اب اس کے بعد بدنصیب نہ ہو گا۔ اور اگر اس کے تول ہلکے رہے تو وہ فرشتہ ایسی بلند آواز سے پکار کر اعلان کر دے گا جسے ساری مخلوق سُنے گی کہ فلاں ہمیشہ کے لئے نامراد ہو گیا۔ اب کبھی اس کے بعد خوش نصیب نہ ہوگا۔ (الترغیب والترہیب ص ۴۲۵ ۴ از بزار و بیہقی) حضرت شاہ عبدالقادر صاحب "موضح القرآن" میں لکھتے ہیں کہ ہر شخص کے عمل وزن کے موافق لکھے جاتے ہیں ایک ہی کام ہے اگر اخلاص و محبت سے حکم شرعی کے موافق کیا اور برمحل کیا تو اس کا وزن بڑھ گیا اور دکھاوے یا ریس کو کیا یا موافق حکم نہ کیا یا ٹھکانے پر نہ کیا تو وزن گھٹ گیا آخرت میں وہ کاغذ تلیں گے جس کے نیک کام بھاری ہوئے تو برائیوں سے درگذر ہوا اور (جس کے نیک کام) ہلکے ہوئے تو پکڑا گیا۔

بعض علماء نے فرمایا کہ قیامت کے روز اعمال کو جسم دیکر حاضر کیا جائے گا اور یہ جسم تلیں گے اور ان جسموں کے وزنوں کے ہلکا یا بھاری ہونے پر فیصلے ہوں گے۔ کاغذوں کا تُلنا یا اعمال کو جسم دیکر تولا جانا بعید نہیں ہے۔ اور اعمال کو بغیر وزن دیئے یونہی تول دینا بھی قادر مطلق کی قدرت سے باہر نہیں ہے۔

آج جبکہ سائنس کا دور ہے اور ایجادات روز افزوں ترقی پر ہیں اعمال کا تول میں آجانا بالکل سمجھ میں آجاتا ہے۔ یہ عاجز بندے جن کو اللہ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ نے تھوڑی سی سمجھ دی ہے تھرمامیٹر کے ذریعے جسم کی حرارت کی مقدار بتا دیتے ہیں

اور اسی طرح کے بہت سے آلات ہیں جو اجسام کے علاوہ دوسری چیزوں کی مقدار معلوم کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں تو اس وحدہٗ لاشریک کی قدرت سے یہ کیسے باہر مانا جائے کہ عمل تول میں نہ آسکیں۔ شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ اعمال تو حسی وجود نہیں رکھتے اور وجود میں آنے کے ساتھ ہی فنا ہوتے رہتے ہیں پھر آخرت میں کیونکر جمع شدہ ملیں گے؟ اس شبہ کی موجودہ دور میں کوئی حیثیت نہیں رہی کیونکہ اب تو ٹیلی ویژن اور وی سی آر نے بتا دیا کہ حرکات سکنات اور آواز کو ریکارڈ کیا جا سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو الفاظ و کلمات اور حرکات و سکنات کو گرفت میں لا کر اکٹھا کرنے اور ریکارڈ میں لانے کی طاقت دی ہے تو وہ خود اس پر ضرور قادر ہے کہ اپنی مخلوق کے اعمال و افعال کا مکمل ریکارڈ تیار رکھے۔ جس میں سے ایک ذرّہ اور شوشہ بھی غائب نہ ہو۔ اور حسی طور پر قیامت کے روز ان کا وزن سب کے سامنے عیاں اور ظاہر ہو جائے لِیَجْزِیَ اللّٰہُ کُلَّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ ط اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ

صاحب تفسیر مظہری علامہ سیوطیؒ سے نقل فرماتے ہیں کہ اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ مومنین کے اعمال کا صرف وزن ہوگا' یا کافروں کے اعمال بھی تولے جائیں گے؟ ایک جماعت کا کہنا ہے کہ صرف مومنین کے اعمال تولے جائیں گے (کیونکہ) کافروں کی نیکیاں تو اکارت جائیں گی۔ پھر جب نیکی کے پلڑہ میں رکھنے کے لئے کچھ نہ رہا تو ایک پلڑا سے کیا تولا جائے گا اس جماعت نے فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا سے استدلال کیا ہے۔

دوسری جماعت کہتی ہے کہ کفار کے اعمال بھی تولے جائیں گے' لیکن وہ بے وزن نکلیں گے ان کا استدلال آیت وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِیْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ سے ہے اور جن کی تول ہلکی نکلی سو یہ وہ لوگ ہیں جو ہار بیٹھے اپنی جان' یہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے استدلال هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ سے ہے (یہ سورۂ مومنون کی آیت ہے) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ہلکی تول نکلنے والوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے اس سے معلوم ہوا کہ کافروں کے اعمال بھی تولے جائیں گے کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مومن کوئی بھی دوزخ میں ہمیشہ نہ رہے گا۔

اس کے بعد صاحب تفسیر مظہری علامہ قرطبیؒ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ ہر ایک کے اعمال نہیں تولے جائیں گے (بلکہ اس میں تفصیل ہے اور وہ یہ کہ) جو لوگ بغیر حساب جنت میں جائیں گے یا جن کو دوزخ میں بغیر حساب میدانِ حشر قائم ہوتے ہی جانا ہوگا۔ ان دونوں جماعتوں کے اعمال نہ تولے جائیں گے اور ان کے علاوہ باقی مومنین و کفار کے اعمال کا وزن ہوگا۔

صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں کہ علامہ قرطبی کا یہ اشارہ دونوں جماعتوں کے مسلکوں اور دونوں آیتوں (آیت سورۂ کہف اور آیت سورۂ مومنون) کے مطالب کو جمع کر دیتا ہے۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ (بیان القرآن میں) سورۂ

اعراف کے شروع میں ایک تمہید مفید کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ ''پس اس میزان میں ایمان و کفر بھی وزن کیا جائیگا اور اس وزن میں ایک پلہ خالی رہے گا۔ اور ایک پلہ میں اگر وہ مومن ہے تو ایمان اور اگر کافر ہے تو کُفر رکھا جائے گا۔ جب اُس تول سے مومن و کافر متمیز ہو جائیں گے (تو) پھر خاص مومنین کے لئے ایک پلہ میں ان کے حسنات اور دوسرے پلہ میں اُن کے سیئات رکھ کر ان اعمال کا وزن ہوگا اور جیسا کہ دُرّ منثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اگر (مومن کے) حسنات غالب ہوئے تو جنت اور اگر سیئات غالب ہوئے تو دوزخ اور اگر دونوں برابر ہوئے تو اعراف تجویز ہوگی پھر خواہ شفاعت سے قبل سزا خواہ سزا کے بعد مغفرت ہو جائیگی (اور سیئات غالب ہونے والے مومن بندے اور اعراف والے جنت میں داخل ہو جائیں گے)

کفار کی نیکیاں بے وزن ہونگی:

سورۂ کہف کے آخری رکوع میں ارشاد ہے کہ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ۝

آپ فرما دیجئے کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بڑے گھاٹے میں ہیں (یہ) وہ لوگ ہیں جن کی کوشش اکارت گئی دنیاوی زندگی میں اور وہ سمجھتے رہے کہ اچھے کام کر رہے ہیں (یہ) وہی ہیں جو منکر ہوئے اپنے رب کی آیتوں کے اور اس کی ملاقات کے سو اکارت گئے ان کے عمل پس ہم قیامت کے دن ان کے لئے تول قائم نہ کریں گے۔

یعنی سب سے زیادہ ٹوٹے اور خسارہ والے حقیقت میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے برسہا برس دنیا میں گذارے اور محنت و کوشش کر کے نفع کماتے رہے اور دنیا جوڑ کر خوش ہوئے اور یہ یقین کرتے رہے کہ ہم بڑے کامیاب اور بامراد ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ضرور ایسا ہوگا کہ بعض بھاری بھرکم موٹے بدن والے آدمی اس حال میں آئیں گے کہ اللہ کے نزدیک اُن کا وزن مچھر کے پَر کے برابر بھی نہ ہوگا پھر فرمایا کہ تم لوگ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝ کو پڑھ لو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۴ از بخاری و مسلم)

صاحب تفسیر مظہری فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کافروں کے اعمال کا کوئی اعتبار یا قدر و منزلت نہ ہوگی۔ پھر حضور اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی بروایت حضرت ابو ہریرہؓ نقل فرمایا ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

یہود نصاریٰ اور مشرکین و کفار جو دنیا کی زندگی میں اپنے خیال میں نیک کام کرتے ہیں مثلاً پانی پلانے کا انتظام کرتے ہیں اور مجبور کی مدد کر گزرتے ہیں یا اللہ کے ناموں کا ورد رکھتے ہیں الیٰ غیر ذٰلک۔ اس قسم کے کام بھی آخرت میں ان کو نجات نہ دلائیں گے۔

سادھو اور سنیاسی جو بڑی بڑی ریاضتیں کرتے ہیں اور مجاہدہ کر کے نفس کو مارتے ہیں۔ اور یہود و نصاریٰ کے راہب اور پادری جو نیکی کے خیال سے شادی نہیں کرتے اُن کے اس قسم کے تمام افعال بے سود ہیں' آخرت میں کُفر کی وجہ سے کچھ نہ پائیں گے۔ کافر کی نیکیاں مردہ ہیں۔ وہ قیامت کے روز نیکیوں سے خالی ہاتھ ہوں گے۔

پھر صاحب تفسیر مظہری آیت کے ان الفاظ کی دوسری تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یا یہ معنی ہیں کہ ان (کافروں) کے لئے ترازو نصیب ہی نہ کی جائے گی اور تولنے کا معاملہ ان کے ساتھ ہونا ہی نہیں کیونکہ ان کے عمل وہاں اکارت ہو جائیں گے لہٰذا سیدھے دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔

آیت کے الفاظ مذکورہ کے تیسرے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں یا یہ معنی ہیں کہ کفار اپنے جن اعمال کو نیک سمجھتے ہیں قیامت کے ترازو میں ان کا کچھ وزن نہ نکلے گا (کیونکہ وہاں اسی نیک کام کا وزن ہو گا جو ایمان کی دولت سے مشرف ہوتے ہوئے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کیلئے) دنیا میں کیا گیا تھا۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَقَدْ

اور بلاشبہ ہم نے تمہیں زمین میں رہنے کی جگہ دی' اور ہم نے تمہارے لئے اس میں زندگی کا سامان پیدا کیا' تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔ اور بلاشبہ

خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ

ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہاری صورتیں بنائیں۔ پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو سو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے'

يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ

وہ سجدہ کرنے والوں میں نہیں تھا۔ اللہ کا فرمان ہوا کہ تجھے کس چیز نے اس بات سے روکا کہ تو سجدہ کرے جبکہ میں نے تجھے حکم کیا' اس نے کہا کہ میں

نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ

اس سے بہتر ہوں' مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا اور اُسکو پیدا کیا کیچڑ سے' فرمایا پس تو یہاں سے اُتر جا' سو تجھے کوئی حق نہیں کہ اس میں تکبر کرے سو تو نکل جا!

اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾

بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے' وہ کہنے لگا کہ مجھے اس دن تک مہلت دیجئے جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے فرمایا بے شک تو اُن لوگوں میں سے ہے جنہیں مہلت دی گئی'

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ

وہ کہنے لگا سو اس وجہ سے کہ آپ نے مجھے گمراہ کیا میں ضرور ضرور ان لوگوں کے لئے آپ کے سیدھے راستہ پر بیٹھوں گا' پھر ضرور آؤں گا اُن کے پاس ان کے سامنے سے

وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا

اور ان کے پیچھے سے اور ان کی داہنی جانب سے اور ان کی بائیں جانب سے' اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گذار نہ پائیں گے فرمایا تو یہاں سے نکل جا ذلیل اور خوار ہو کر'

مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾

اس میں شک نہیں کہ جو شخص ان میں سے تیری راہ پر چلے گا تو میں ضرور تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا

بنی آدمؑ پر اللہ تعالیٰ کے انعامات اور شیطان کی ملعونیت کا تذکرہ

تفسیر: یہ متعدد آیات ہیں پہلی آیت میں (جو بعد میں آنیوالی آیات کی تمہید ہے) فرمایا کہ ہم نے تمہیں زمین میں جگہ دی اور نہ صرف جگہ دی بلکہ تمہارے لئے معیشت کا سامان بھی پیدا کیا کھانے پینے کی چیزیں پیدا فرمائیں۔ پہننے اور اوڑھنے بچھانے کے لئے کپڑے پیدا کئے۔ زمین کو نرم پیدا کیا اس کو کھودو بنیادیں ڈالو عمارتیں بناؤ درخت لگاؤ' کھیتیاں بوؤ جانوروں کو چارہ کھلاؤ اور خود بھی کھاؤ۔ طرح طرح کا سامان تمہارے لئے پیدا کر دیا۔ ان سب نعمتوں کو استعمال کرو اور خالق کائنات جل شانہٗ کا شکر ادا کرو' لیکن تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔

اس تمہید کے بعد جس میں یہ بتا دیا کہ پیدا کرنے والے کا شکر کرنا لازم ہے مزید دو نعمتوں کا تذکرہ فرمایا کہ ہم نے تمہیں (تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو) پیدا کیا پھر تمہاری صورت بنائی (اوّلاً) مٹی کا وہ مادہ جمع کیا جس سے حضرت آدمؑ کو پیدا فرمانا تھا۔ پھر اس مادہ سے انکی صورت بنائی جو آدم کی صورت بنی وہی صورت ان کی ذریت کی بھی ہوگئی۔

یہی وہ صورت ہے جس کے بارے میں سورۃ التین میں فرمایا "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ" اور حدیث میں فرمایا "اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ" پھر اس صورت میں روح پھونک دی۔ گیا تو وہ ایک مجسمہ کی شکل تھی پھر جیسے ہی اس میں روح پھونک دی وہ جیتی جاگتی دیکھتی بھالتی عقل اور سمجھ رکھنے والی ایک جاندار چیز بن گئی اس جاندار کو چیزوں کے نام سکھا دیئے پھر فرشتوں پر پیش کیا کہ تم ان چیزوں کے نام بتاؤ وہ نہ بتا سکے۔ اس طرح آدم علیہ السلام کی علمی فضیلت ظاہر ہوگئی۔

ابلیس کا آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کرنا اور اللہ رب العزت پر اعتراض: پھر فرشتوں سے فرمایا ان کو سجدہ کرو (جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گذر چکا) سب فرشتوں نے سجدہ کر لیا (یہ سجدہ تعظیمی تھا سجدۂ عبادت نہیں تھا) وہیں ابلیس بھی تھا۔ یہ تھا تو جنات میں سے لیکن زیادہ عبادت کرنے کی وجہ سے وہیں فرشتوں کے ساتھ آسمان میں رہتا تھا۔ اسکو بھی حکم دیا تھا کہ آدم کو سجدہ کر' اس نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ حکم عدولی کی بلکہ باری تعالیٰ شانہٗ نے جب سوال فرمایا کہ میں نے تجھے ان کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو تو نے سجدہ کیوں نہ کیا؟ اس پر وہ کٹ حجتی کرنے لگا اور اللہ تعالیٰ کے حکم ہی کو غلط بتا دیا وہ کہنے لگا کہ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ (کہ میں اس سے بہتر ہوں) جو بہتر ہے اسے حکم دینا کہ اپنے سے کم تر کو سجدہ کرے یہ تو حکمت کے خلاف ہے۔ پھر بہتر ہونے کی یہ دلیل بیان کی کہ مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے پیدا

کیا اور آگ مٹی سے بہتر ہے لہٰذا میں اس سے افضل ہوں اس نے غلط دلیل دی کیونکہ آگ کی طبیعت میں فساد ہے اور اس کا زیادہ تر کام یہی ہے اور مٹی کی طبیعت میں تعمیر ہے اس میں آبادکاری کی طبیعت ہے تواضع ہے اس کے اندر غذائیں ہیں مَعادِن ہیں اشجار ہیں اور بہت سی خوبی کی صفات ہیں۔

ابلیس کا نکالا جانا: ابلیس کو اس کی اَنا (مَیں) لے ڈوبی۔ اگر وہ واقعۃً آدم علیہ السلام سے افضل ہوتا تب بھی احکم الحاکمین کا حکم بجالانا ضروری تھا۔ لیکن اللہ کے حکم کو غلط قرار دیا اور حجت بازی پر اُتر آیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا (تو یہاں سے اُتر جا تیرے لئے یہ درست نہیں تھا کہ تو اس میں تکبر کرے) فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ (تو نکل جا بیشک تو ذلیلوں میں سے ہے) مِنْهَا اور فِيهَا کی ضمیر کس طرف راجع ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی (ج۸ص۹۰) لکھتے ہیں۔ کہ ضمیر جنت کی طرف راجع ہے اور ابلیس پہلے سے وہاں رہتا تھا پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد دنیا کا ایک باغیچہ ہے جو عدن میں تھا حضرت آدم علیہ السلام وہیں پیدا کئے گئے تھے (ابلیس کو وہیں سجدہ کرنے کا حکم ہوا) اس نے سجدہ نہ کیا اور تکبر کیا تو وہاں سے نکل جانے کا حکم فرمادیا۔

پھر لکھتے ہیں کہ بعض حضرات نے سماء یعنی آسمان کی طرف ضمیر راجع کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ ایک جماعت کا قول ہے لیکن اس پر یہ اشکال کیا ہے کہ ابلیس کے مردود اور ملعون ہونے کے بعد حضرت آدمؑ اور ان کی بیوی کو جنت عالیہ میں ٹھہرایا گیا اور اس کے بعد ابلیس نے وسوسہ ڈالا اور ان کو بہکایا۔ اگر وہ اس سے پہلے ہی آسمان سے اُتار دیا گیا تھا تو پھر اُس نے کیسے وسوسہ ڈالا۔ اور یہ اشکال اس صورت میں بھی ہوتا ہے جبکہ سجدہ کا واقعہ عدن والے باغ میں مانا جائے' سجدہ کا انکار کرنے کے بعد عدن والے باغ سے نکال دینے کے بعد اس نے کیسے وسوسہ ڈالا؟ سیدھی اور صاف بات جو سمجھ میں آتی ہے وہ یہی ہے کہ ابلیس عالم بالا میں یعنی اوپر ہی رہتا تھا اور سجدہ کا حکم جو ہوا وہ بھی وہیں عالم بالا ہی میں ہوا تھا۔ جب ابلیس نے سجدہ نہ کیا تو ابلیس وہاں سے نکال دیا گیا اور آدم و حوا علیہما السلام کو جنت میں ٹھہرنے کا حکم دیا گیا۔ ابلیس عالم بالا سے نکالا تو گیا لیکن ابھی زمین پر نہیں آیا تھا کہ اس نے دونوں میاں بیوی کے دل میں وسوسہ ڈالا اور ان کو بہکا کر شجرہ ممنوعہ کھلانے پر آمادہ کر دیا وسوسہ کس طرح ڈالا اس کا کوئی جواب یقینی طور پر نہیں دیا جاسکتا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جنت کے دروازے پر کھڑے ہو کر دور سے آواز دیدی تھی۔ اس بارے میں اور بھی اقوال ذکر کئے گئے ہیں۔ صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے بہرحال ابلیس ذلت کے ساتھ نکالا گیا ملعون ہوا۔ اللہ کی رحمت سے دور ہوا۔ اس پر پھٹکار پڑی' دھتکارا گیا۔

ابلیس کا زندہ رہنے کیلئے مہلت طلب کرنا: چونکہ اسے یہ پہلے سے معلوم تھا کہ یہ نئی مخلوق زمین میں آباد کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہے اور انہیں خلافت ارضی سونپی جائیگی اور اسے جو ملعونیت کا داغ لگا وہ بھی نئی مخلوق کی وجہ سے لگا

اسلئے اس نے اول تو اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ مجھے مہلت دی جائے یعنی میری عمر اتنی لمبی کر دی جائے کہ جس دن لوگ قبروں سے اٹھیں گے اس وقت تک جیتا رہوں اللہ تعالیٰ نے یوں تو نہیں فرمایا کہ قبروں سے اُٹھنے کے دن تک تجھے مہلت ہے البتہ یوں فرمایا فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ٥ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ٥ کہ تجھے وقت معلوم کے دن تک مہلت دی گئی۔ (سورۂ حجر اور صٓ میں یہی الفاظ ہیں)

ابلیس کا قسم کھانا کہ بنی آدم کو گمراہ کرتا رہوں گا: جب اللہ تعالیٰ شانہٗ نے لمبی عمر دینے کا وعدہ فرما لیا تو ابلیس نے اپنے کینہ اور دشمنی کا اظہار کیا۔ بنی آدم سے اپنی ملعونیت کا بدلہ لینے کا اعلان کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ میں آپ کی عزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں میں ان سب کو ضرور ضرور گمراہ کروں گا۔ (یہ الفاظ سورۂ صٓ میں ہیں) اور یہاں سورۂ اعراف میں اس کا قول ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے۔ فَبِمَا اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَکَ الْمُسْتَقِیْمَ کہ اس سبب سے کہ آپ نے مجھے گمراہ کیا میں آپ کے سیدھے راستے پر بیٹھوں گا اور انکی راہ ماروں گا اس نے مزید کہا ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَکْثَرَهُمْ شٰکِرِیْنَ (ان کے پاس ضرور آؤں گا ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کی داہنی جانب سے اور ان کی بائیں جانب سے اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گذار نہ پائیں گے) ابلیس نے بنی آدم کو بہکانے کے لئے چار جہات کا ذکر کیا کیونکہ ان چار جہات سے کوئی کسی کے پاس آ سکتا ہے۔ مطلب اس کا یہ تھا کہ بقدر امکان جہاں تک ہو سکے گا میں انکو بہکانے کی کوشش کروں گا۔

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ جہت فوق (اوپر کی جانب) سے رحمت مانع ہوتی ہے اسلئے ادھر سے شیطان کے آنے کا راستہ نہیں اور نیچے کی جانب سے بھی نہیں آ سکتا اس لئے ان دونوں جہتوں کو چھوڑ دیا یہ ابلیس کی دوسری ڈھٹائی ہے کہ گمراہی کی نسبت اب بھی اس نے اپنی طرف نہیں کی بلکہ اس نے یوں کہا کہ اے اللہ! آپ نے مجھے گمراہ کیا میں ان کی راہ ماروں گا۔

سورۂ نحل میں ہے کہ اس نے انسانوں کو بہکانے کے لئے قسم کھاتے ہوئے یوں کہا لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ اور سورۂ بنی اسرائیل میں کہا اَهٰذَا الَّذِیْ کَرَّمْتَ عَلَیَّ (کیا یہ ہے جسے آپ نے میرے مقابلہ میں عزت دیدی) لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَاَحْتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَهٗ اِلَّا قَلِیْلًا (اگر آپ نے مجھے قیامت کے دن تک مہلت دیدی تو بجز قدر قلیل کے میں اسکی ساری ذرّیت کو اپنے قابو میں کر لونگا۔)

ابلیس تو اپنی قسم کو نہیں بھولا اپنی ضد اور ہٹ پر قائم ہے۔ بنی آدم کو بہکانے ورغلانے اور گمراہ کرنے میں اس نے اور اس کی ذرّیت نے کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھی بنی آدم کو کفر پر شرک پر اللہ کی نافرمانی پر آمادہ کرتا ہی رہتا ہے۔ گمراہ زیادہ ہیں اہل ہدایت کم ہیں۔ صالحین مخلصین بہت کم ہیں اس نے پہلے ہی اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ کہہ کر مخلصین کا استثناء کر دیا تھا اور جو اُس نے وَلَا تَجِدُ اَکْثَرَهُمْ شَاکِرِیْنَ کہا تھا اس کے قول کو بنی آدم نے اس کا اتباع کر کے سچ کر دکھایا۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو یہاں سے نکل جا ذلیل وخوار ہو کر (یہ حکم دوسری بار ہے اس سے پہلے بھی یہ حکم ہو چکا تھا۔ لیکن وہ سجدہ نہ کرنے اور تکبر کرنے کی بنیاد پر تھا۔ اور یہ دوبارہ اس کی اس بات پر ہے کہ اس نے بنی آدم کو ورغلانے کی قسم کھائی) اللہ جل شانہٗ نے یہ بھی فرمایا۔

ابلیس اور اس کا اتباع کرنے والوں کے لئے دوزخ کے داخلہ کا اعلان:

لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ (بنی آدم میں جو تیرا اتباع کریں گے تم سب سے میں دوزخ کو بھر دوں گا) ابلیس نے قسم کھا کر اپنی بات بتادی کہ میں ان سب کا ناس ماروں گا راہِ حق سے ہٹاؤں گا۔ اور اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اعلان فرمادیا کہ تجھے اور تیرے ماننے والوں سب کو دوزخ میں ڈال دوں گا۔ ابلیس کی بات اور احکم الحاکمین جل شانہٗ کا اعلان لوگوں کے سامنے ہے لیکن پھر بھی شیطان ہی کا اتباع کرتے ہیں لا جعلنا الله منهم۔

وَيٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ

اور اے آدم رہ تو اور تیری عورت جنت میں پھر کھاؤ جہاں سے چاہو اور پاس نہ جاؤ اس درخت کے

فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ

پھر ہو جاؤ گے گنہگار پھر بہکایا ان کو شیطان نے تا کہ اُن دونوں کے جسم کا وہ حصہ ظاہر کردے جو ایک دوسرے سے پوشیدہ تھا یعنی وہ حصہ جو

سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا

ڈھانک کر رکھنے کا تھا۔ اور کہنے لگا کہ اس درخت سے تمہارے رب نے تمہیں اسی لئے روکا ہے کہ تم دونوں اسے کھا کر فرشتے بن جاؤ گے یا ہمیشہ اسی میں

مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَاۤ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ فَلَمَّا ذَاقَا

رہنے والے ہو جاؤ گے۔ اور اس نے ان کے سامنے قسم کھائی کہ بلاشبہ میں تمہاری خیر خواہی کرنے والوں میں سے ہوں۔ سو فریب دیکر ان دونوں کو نیچے لے آیا۔ سو جب ان دونوں نے

الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا

اس درخت کو چکھ لیا تو ان کی شرمگاہیں ظاہر ہو گئیں اور دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے اور ان دونوں کو ان کے

رَبُّهُمَاۤ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾

رب نے پکارا کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہ کیا تھا۔ اور کیا میں نے تم سے یہ نہ کہا تھا کہ بلاشبہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے، وہ دونوں

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ

کہنے لگے کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ فرمائیں گے اور ہم پر رحم نہ کریں گے تو ضرور ہم تباہ کاروں میں سے ہو جائیں گے

اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ

فرمایا تم اُتر جاؤ تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہیں اور تمہارے لئے زمین میں رہنے کی جگہ ہے اور نفع حاصل کرنا ہے ایک وقت تک، فرمایا

فِیۡهَا تَحۡیَوۡنَ وَفِیۡهَا تَمُوۡتُوۡنَ وَمِنۡهَا تُخۡرَجُوۡنَ ﴿۲۵﴾

تم اسی میں جیو گے اور اسی میں مرو گے اور اسی سے نکالے جاؤ گے ۔

حضرت آدم اوران کی بیوی کا جنت میں رہنا اور شیطان کے ورغلانے سے شجرۂ ممنوعہ کو کھانا پھر وہاں سے دُنیا میں اُتارا جانا

تفسیر: شیطان تو مردود اور ذلیل ہو کر نکالا گیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ تم اپنی بیوی کے ساتھ جنت میں رہو اور خوب بلا روک ٹوک اس میں سے کھاؤ بس اتنی پابندی ہے کہ فلاں درخت کے پاس نہ جانا اس میں نہی کو مؤکد فرمایا کہ کھانا تو کیا اس کے پاس بھی نہ جانا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان دونوں سے پہلے فرمایا تھا کہ یٰۤاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوۡجِكَ فَلَا يُخۡرِجَنَّكُمَا مِنَ الۡجَنَّةِ فَتَشۡقٰى شیطان اس فکر میں تھا کہ خود تو جنت سے نکلا ہی ہے ان کو بھی وہاں سے نکلوائے چنانچہ وہ تاک میں لگا رہا اور ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ دیکھو تمہیں اس درخت کے کھانے سے جو منع فرمایا ہے اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ اس درخت میں سے جو شخص کھالے گا وہ فرشتہ بن جائیگا اور اسے یہاں ہمیشہ رہنے کی دولت مل جائے گی۔ اور اس نے قسم کھائی کہ میں تمہاری خیر خواہی کی بات کر رہا ہوں جھوٹی قسم کھائی اور فرشتہ بن جانے کی اور ہمیشہ رہنے کی بات ان کے سامنے رکھی وہ اس کی باتوں میں آ گئے اور فریب خوردہ ہو کر اس درخت میں سے کھا بیٹھے ابھی ٹھیک طرح سے کھانے بھی نہ پائے تھے اس درخت کو چکھا ہی تھا کہ ان کے جسم سے کپڑے گر گئے اور ایک دوسرے کی شرمگاہیں ظاہر ہو گئیں اپنی شرم کی جگہوں کو ڈھکنے کے لئے جنت کے پتے لے کر اپنے جسموں پر جوڑنے لگے (جس سے اسی وقت ظاہر ہو گیا کہ یہاں ہمیشہ رہنا تو کجا اس درخت کو کھا کر یہاں کے کپڑے تک جسم پر نہیں رہ سکتے)

حضرت آدم وحواء کا گناہ پر نادم ہونا اور توبہ کرنا: اللہ جل شانہٗ نے دونوں کو پکارا کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہ کیا تھا اور کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا بلا شبہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے' دونوں حضرات سچے مومن تھے بغیر کسی حیل و حجت کے اپنا قصور مان لیا اور گناہ کا اقرار کر لیا۔ اور مغفرت طلب کی اور رحمت کی درخواست پیش کر دی اور کہا۔ رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا وَاِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَتَرۡحَمۡنَا لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ (اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر آپ نے ہماری بخشش نہ فرمائی اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم تباہ کاروں میں سے ہو جائیں گے) اللہ جل شانہٗ نے انکی توبہ قبول فرمائی' جیسا کہ سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے۔

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيۡهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ۝ حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام کی

خطا تو معاف ہوگئی لیکن چونکہ انسان کی تخلیق اسی لئے تھی کہ اسے زمین کی خلافت سونپی جائے گی اور زمین پر اُسے آنا ہی تھا اسلئے اللہ تعالیٰ نے جنت سے اُتار کر دنیا میں بھیج دیا قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ۔ تم یہاں سے اُتر جاؤ تم میں بعض بعض کے دشمن ہوں گے۔ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ اور تمہارے لئے زمین میں ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک وقت تک نفع حاصل کرنا ہے چنانچہ زمین میں آ گئے اور بود و باش شروع ہوگئی۔

ہر شخص آتا ہے اور مدت مقررہ تک رہتا ہے اور کچھ نفع حاصل کرتا ہے پھر مر جاتا ہے اور زمین کے اندر چلا جاتا ہے۔ پھر جب قیامت کا دن ہوگا تو اسی زمین سے نکل کھڑے ہوں گے اور حساب و کتاب کے لئے جمع ہوں گے اسی کو فرمایا۔ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کے قصہ اور ابلیس کی شرارت اور شقاوت کے واقعات کے متعلق بہت سی چیزیں سورہ بقرہ کی تفسیر میں گذر چکی ہیں اور وہاں فوائد ضروریہ متعلقہ واقعہ حضرت آدم علیہ السلام لکھ دیئے گئے ہیں (انوار البیان ج۱ ص۵۴ تا ۶۸) من شاء فلیراجع

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۗ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ

اے آدم کی اولاد! بے شک ہم نے تمہارے لئے لباس اُتارا جو تمہاری شرم کی جگہوں کو چھپاتا ہے اور وہ سبب زینت ہے اور تقویٰ کا لباس یہ بہتر ہے

ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ

یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں اے آدم کی اولاد! تمہیں شیطان ہرگز فتنہ میں نہ ڈال دے جیسا کہ اُس نے تمہارے ماں باپ کو

مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۗ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ

جنت سے ایسی حالت میں نکالا کہ وہ ان کا لباس اتر وا رہا تھا۔ تاکہ دکھا دے ان دونوں کو ان کی شرمگاہیں۔ بیشک وہ اور اس کی قوم تمہیں ایسے طور دیکھتے ہیں

لَا تَرَوْنَهُمْ ۗ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾

کہ تم انہیں نہیں دیکھتے۔ بے شک ہم نے بنا دیا شیطانوں کو اُن لوگوں کا دوست جو ایمان نہیں لاتے

لباس اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اس سے پردہ پوشی بھی ہے اور زینت بھی

تفسیر: گذشتہ رکوع میں شیطان کی انسان دشمنی کا ذکر ہے اس نے بہت جم کر یہ اعلان کیا تھا کہ میں اولادِ آدم کو بہکاؤں گا اور ورغلاؤں گا اور ان میں سے بہت تھوڑے ہی بندے خدائے پاک کے شکر گذار ہوں گے اور اس کا بھی ذکر ہے کہ اس نے حضرت آدم و حواء علیہما السلام کو جنت سے نکلوا دیا۔ اب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے خطاب ہو رہا ہے

جس میں انعامات خداوندیہ کا بھی ذکر ہے اور اولادِ آدم کو تنبیہ بھی ہے کہ شیطان کی طرف سے چوکنے رہیں۔

اوّل تو اولادِ آدم کو اللہ جل شانہٗ نے اپنی ایک بہت بڑی نعمت یاد دلائی اور وہ نعمت لباس ہے، اس کو لفظ اَنْزَلْنَا سے تعبیر فرمایا، لباس کا مادہ روئی وغیرہ محض اللہ کا عطیہ ہے جیسے بحکم خداوندی آسمان سے بارش اترتی ہے ایسے ہی لباس کا مادہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے پیدا ہوتا ہے اگر وہ پیدا نہ فرمائے تو بندے کچھ نہیں کر سکتے۔ پھر لباس کے دو فائدے بتائے اوّل یہ کہ وہ شرم کی جگہوں کو ڈھانکتا ہے اور دوسرا فائدہ یہ بتایا کہ لباس سے انسان کی زینت حاصل ہوتی ہے اور اس کے ذریعے انسان حسین اور جمیل بن جاتا ہے۔

سورۂ نحل میں لباس کا فائدہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَأْسَكُمْ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایسے کُرتے بنائے جو گرمی سے تمہاری حفاظت کرتے ہیں اور ایسے کرتے بنائے جو تمہاری لڑائی میں تمہاری حفاظت کرتے ہیں۔ (علماء نے فرمایا ہے کہ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ جو فرمایا یہ بر سبیل کفایت ہے یعنی گرمی کا ذکر فرما دیا چونکہ سردی اس کی مقابل ہے اس لیئے ایک کے ذکر کرنے سے دوسرے کا تذکرہ بھی ہو گیا۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ سردی سے بچنے کا ذکر سورۂ نحل کے شروع میں فرما دیا ہے وَهُوَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۞ اسی لئے دوسری جگہ ذکر نہیں فرمایا۔ بہر حال لباس اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اس سے ستر بھی چھپتا ہے سردی گرمی سے بھی حفاظت ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ انسان حسین و جمیل بھی نظر آتا ہے۔ یہ لباس پہلے تو روئی اور اُون تک ہی منحصر تھا لیکن اب تو بہت سی چیزوں سے بنایا جاتا ہے۔ یہ سب اشیاء و اجناس اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتیں ہیں جن سے لباس بھی بنایا جاتا ہے اور دوسرے کاموں میں بھی آتی ہیں۔ جسم چھپانے والے لباس کی نعمت کا ذکر فرمانے کے بعد ایک عظیم لباس کی طرف توجہ دلائی اور ارشاد فرمایا وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ اور تقویٰ کا لباس یہ بہتر چیز ہے۔ تقویٰ گناہوں سے بچنے کا نام ہے جو شخص گناہوں سے بچے اور اعمالِ صالحہ فرائض و واجبات کی بجا آوری کرے منکرات سے بچے۔ وہ شخص تقویٰ والا ہے انسان میں جتنے عیوب ہیں ان سے تقویٰ بچاتا ہے فواحش و منکرات سے دُور رکھتا ہے بے حیائی سے باز رکھتا ہے۔ جس میں تقویٰ ہوگا وہ ستر ڈھانکنے کی بھی کوشش کریگا اور جس میں تقویٰ نہیں وہ زینت کے لیے لباس پہنے گا لیکن سترِ عورت کا اس میں کوئی جذبہ نہ ہوگا اسی لیے دیکھا جاتا ہے کہ جن قوموں میں ایمان نہیں ان میں تقویٰ بھی نہیں تقویٰ نہیں تو ستر پوشی کا بھی اہتمام نہیں۔

حیاء انسان کا فطری تقاضا ہے: چونکہ تقویٰ ہی ستر پوشی کرواتا ہے اسلئے تقویٰ کے لباس کی اہمیت بیان فرما دی پہلے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ ستر ڈھانکنا انسانیت کا فطری تقاضا ہے اسلیے تو حضرت آدم اور حوا علیہما السلام نے جب شجرہ ممنوعہ کھالیا اور ان کے جسم سے کپڑے گر گئے تو فوراً جنت کے پتے جوڑ کر ستر ڈھانکنے لگے حالانکہ دونوں آپس میں میاں

بیوی تھے شیطان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ انسانوں کو فواحش و منکرات میں مبتلا کرے اور ننگا پہناوا پہننے کی ترغیب دے اس نے ننگوں کے کلب کھلوا ہی دیے اور ایسے لباس رواج پا گئے جس میں عُریانی ہے اور جن اعضاء کو چھپانا چاہیے تھا ان کا اُبھار ہے۔ اگر کسی کی کسی ہوئی پتلون نہ ہو تو اس بات سے شرماتا ہے کہ اپنی سوسائٹی میں جاؤں گا تو لوگ یہ سوچیں گے کہ دیکھو یہ کیسا دقیانوسی ہے اس کا دھڑ ابھی ظاہر نہیں ہو رہا ہے۔ عورتوں کا عریاں لباس، چُست لباس اور باریک لباس اسی بے حیائی کا نتیجہ ہے جسے شیطان اور اس کے اہل کا رواج دینے پر کمر باندھے ہوئے ہیں۔

باریک لباس جس سے جسم نظر آئے اُس کا پہننا نہ پہننا برابر ہے جو مرد، عورت ایسا لباس پہنے وہ شرعاً ننگوں میں شمار ہے اور خاص کر عورتوں کے لئے اس بارے میں وعیدِ شدید وارد ہوئی ہے۔

ان عورتوں کے لئے وعید جو کپڑا پہنے ہوئے بھی ننگی ہوں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دوزخیوں کی دو جماعتیں ہیں جنہیں میں نے نہیں دیکھا (کیونکہ وہ میرے بعد ظاہر ہونگے) اول تو وہ لوگ جن کے پاس بیلوں کی دُموں کی طرح کوڑے ہوں گے اُن سے لوگوں کو مارا کریں گے۔ اور دوسری جماعت ایسی عورتوں کی ہوگی جو کپڑے پہنے ہوئے بھی ننگی ہونگی، مردوں کو مائل کرنے والی اور خود اُن کی طرف مائل ہونے والی ہونگی۔ ان کے سر خوب بڑے بڑے اونٹوں کے کوہانوں کی طرح ہوں گے جو جھکے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ عورتیں نہ جنت میں داخل ہوں گی اور نہ اسکی خوشبو سونگھیں گی۔ (رواہ مسلم ص ۲۰۵)

اس حدیث میں ایسی عورتوں کے بارے میں پیش گوئی فرمائی جو کپڑے پہنے ہوئے ہونگی پھر بھی ننگی ہوں گی یعنی ایسے باریک کپڑے پہنے ہوئے ہونگی جس سے کپڑے پہننے کا فائدہ نہ ہو۔ اور ایسا چست کپڑا جو بدن کی ساخت پر کس جائے یہ بھی ایک طرح سے ننگا پن ہے۔

عُریاں لباس کی مذمت: نیز بدن پر کپڑا ہوتے ہوئے ننگے ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ بدن پر صرف تھوڑا سا کپڑا ہو اور بدن کا بیشتر حصہ خصوصاً وہ اعضاء کھلے رہیں جن کو باحیاء عورتیں چھپاتی ہیں۔ بہت سی عورتیں یورپ اور امریکہ کی بے دین لیڈیوں کی تقلید میں ایسے لباس میں باہر آ جاتی ہیں جو عُریانی والا لباس ہوتا ہے۔ گھٹنوں تک فراک جس میں آستین بھی نہیں پنڈلیاں ننگی سر پر ڈوپٹہ نہیں اور فراک کا ایسا کاٹ کہ نصف کمر اور نصف سینہ کھلا ہوا ہوتا ہے یہ سب عُریانی ہے۔

قرآن مجید میں تو لباس کی صفت بتاتے ہوئے یوں فرمایا لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا یعنی ایسا لباس جو شرم کی جگہوں کو ڈھانک دے اور زینت ہو۔ اب تو ننگا ہونے کو زینت سمجھا جاتا ہے اور ننگے پہناوے کو ترجیح دی جاتی ہے۔

قرآن پر ایمان لانے والے مرد اور عورتیں غور کریں کہ قرآن کیا بتاتا ہے اور ہم کیا کر رہے ہیں۔

اسلام میں ستر کے ڈھانکنے کی اس قدر تاکید فرمائی ہے کہ تنہائی میں بھی ننگا رہنے کی اجازت نہیں سُنن ترمذی میں

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ننگے ہونے سے بچو کیونکہ تمہارے ساتھ ایسے افراد ہیں جو تم سے جدا نہیں ہوتے (یعنی فرشتے) لہٰذا تم ان سے شرم کرو ان کا اکرام کرو۔ البتہ بیت الخلاء میں جانے کے وقت اور جب انسان اپنی بیوی کے پاس جائے اس وقت (بقدر ضرورت) برہنہ ہونے کی اجازت ہے۔ سُنن ترمذی میں یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تو اپنی شرم کی جگہ کی حفاظت کر۔ اِلّا یہ کہ اپنی بیوی یا مملوکہ (یعنی حلال باندی) سے استمتاع کے لئے استعمال کرے۔ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر کوئی شخص تنہائی میں ہو تو شرم کی جگہ کھولنے میں کیا حرج ہے اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے۔ کہ اس سے شرم کی جائے۔

مرد کا مرد سے اور عورت کا عورت سے کتنا پردہ ہے اور عورت کا اپنے محرموں سے کتنا پردہ ہے۔ اور مرد کا اپنی محرم عورتوں سے کتنا پردہ ہے۔ یہ سب تفصیلات کتب فقہ میں مذکورہ ہیں۔ اور عورت کا نامحرموں سے پردہ ہے وہ تو سب کو معلوم ہی ہے۔

پھر فرمایا ذٰلِکَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ لَعَلَّھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ کہ یہ لباس کا پیدا فرمانا اللہ کی نشانیوں میں سے ہے جن سے اللہ تعالیٰ کے فضل عظیم اور کرم عمیم کا پتہ چلتا ہے لوگ اگر اس میں غور کریں تو اللہ کی نعمتوں کو پہنچان سکتے ہیں اور نصیحت حاصل کر سکتے ہیں اس کے بعد بنی آدم کو متنبہ فرمایا کہ شیطان کے بہکانے میں نہ آ جانا ارشاد ہے۔

بنی آدم کو تنبیہ کہ شیطان فتنہ میں نہ ڈال دے: یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ (اے بنی آدم! ہرگز شیطان تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دے) کَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْکُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ (جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکالا) یعنی ان سے ایسا کام کروا دیا جو اُن کے جنت سے نکالے جانے کا سبب بن گیا۔ یَنْزِعُ عَنْھُمَا لِبَاسَھُمَا لِیُرِیَھُمَا سَوْاٰتِھِمَا (وہ اتروا رہا تھا ان کا لباس تاکہ انہیں دکھا دے ان کی شرم کی جگہیں) اس میں بنی آدم (اولاد آدم) کو نصیحت فرمائی ہے کہ وہ ہوشیار رہیں شیطان کے بہکاوے میں نہ آئیں۔

شیاطین کی حرکتیں: پھر فرمایا اِنَّهٗ یَرٰىکُمْ هُوَ وَقَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ بے شک وہ اور اس کی جماعت تمہیں ایسے طور سے دیکھتی ہے کہ تم انہیں نہیں دیکھتے۔ شیاطین عموماً انسانوں کو نظر نہیں آتے وسوسے ڈالتے ہیں اور طرح طرح کی حرکتیں کرتے ہیں جو دشمن نظر نہ آئے اس سے بچاؤ مشکل ہوتا ہے اس لئے تنبیہ فرمائی کہ تم انہیں نہیں دیکھتے وہ تمہیں دیکھتے ہیں لہٰذا ان سے ہوشیار رہو۔

قال صاحب الروح ج۸ص۱۰۵ لان العدو اذا اتی من حیث لا یُریٰ کان اشد واخوف (صاحب روح المعانیؒ فرماتے ہیں: اس لئے کہ دشمن جب اَن دیکھے میں آئے تو زیادہ شدید اور زیادہ خوفناک ہوتا ہے) شیطان وسوسے ڈالتا ہے اور گناہ کراتا ہے اور کفر و شرک پر ڈالتا ہے اور اس کے علاوہ بھی اسکی بہت سی حرکتیں ہیں جن کا ذکر احادیث شریفہ میں آتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اولاد آدم میں جو بچہ بھی پیدا

ہوتا ہے تولد کے وقت شیطان اسے چھوتا ہے اور وہ شیطان کے ہاتھ لگانے سے چیخ اٹھتا ہے سوائے مریم اور اس کے بیٹے عیسیٰ علیہما السلام کے کہ وہ دونوں اس سے محفوظ رہے (رواہ البخاری ص ۴۸۸ ج ۱)

حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قضاءِ حاجت کی جگہیں (شیاطین کے) حاضر ہونے کی جگہیں ہیں۔ اسلئے جب تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت کے لئے جائے تو (اللہ تعالیٰ سے ان کلمات کے ساتھ) یوں دعا مانگے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ (میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں شیاطین سے ان کے مردوں سے اور عورتوں سے) (رواہ ابوداؤد ج ۱ ص ۲)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی انسان بیت الخلاء میں داخل ہو تو اس کی شرمگاہ اور شیاطین کی آنکھوں کے درمیان پردہ یہ ہے کہ (داخل ہونے سے پہلے) بِسْمِ اللّٰہِ کہہ لے۔
(رواہ الترمذی وقال ہٰذا حدیث غریب واسنادہٗ لیس بقوی)

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وضوء کا ایک شیطان ہے جسے ولہان کہا جاتا ہے اسلئے تم پانی کے (متعلق) وسوسہ ڈالنے والے سے بچو (سنن ابن ماجہ ص ۳۴)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے جب کوئی شخص سونے لگتا ہے تو شیطان اس کی گدّی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے اور ہر گرہ لگاتے ہوئے لوری دیتا ہے کہ ابھی رات لمبی ہے سوجا۔ پس اگر وہ بیدار ہوا اور بیدار ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا تو ایک گرہ کھل جاتی ہے اس کے بعد اگر اس نے وضو کیا تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے اس کے بعد جب نماز پڑھ لیتا ہے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ خوش طبیعت ہشاش بشاش ہو جاتا ہے ورنہ وہ اس حال میں صبح کرتا ہے کہ اس کی طبیعت گندی ہوتی ہے اور اس پر سستی چھائی ہوتی ہے۔ (رواہ البخاری ج ۱ ص ۱۵۳)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے سامنے ایک آدمی کا ذکر ہوا کہ وہ صبح تک سوتا رہا اور نماز کے لئے نہ اٹھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ شخص ایسا ہے جس کے کانوں میں شیطان نے پیشاب کر دیا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۶۳)

شیطان کس پر قابو پاتا ہے: پھر فرمایا اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ (بے شک ہم نے شیاطین کو ان لوگوں کا دوست بنا دیا جو ایمان نہیں لاتے) اگر ایمان بالکل نہیں تو دوستی پکی ہے اور اگر ایمان ہے لیکن ساتھ ساتھ عصیان بھی ہے تو اسی حد تک شیطان کی دوستی بھی ہے رہے کامل مومن تو اُن سے شیطان کی دوستی نہیں ہے ان پر شیطان کا داؤ نہیں چلتا۔

سورۂ نحل میں فرمایا اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ٥ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَی الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ٥ (یقیناً ان لوگوں پر اس کا قابو نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ

کرتے ہیں۔ اس کا قابو بس انہیں پر چلتا ہے جو اس سے دوستی کرتے ہیں اور ان لوگوں پر جو اللہ تعالیٰ کیساتھ شرک کرتے ہیں۔

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ

اور جب کوئی کام فحش کر لیتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اس پر پایا ہے اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے آپ فرما دیجئے! کہ بے شک اللہ

بِالْفَحْشَاۗءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۣ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ

فحش کاموں کا حکم نہیں دیتا کیا تم اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاتے ہو جنہیں تم نہیں جانتے۔ آپ فرما دیجئے کہ میرے رب نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے۔ اور یہ

عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڛ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۝ فَرِيْقًا

کہ تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھو۔ اور اس طور پر اللہ کی عبادت کرو کہ اس عبادت کو اللہ ہی کے لئے خالص کرنے والے ہو۔ جیسا اس نے تمہیں شروع میں پیدا فرمایا اسی طرح تم دوبارہ لوٹو گے ایک جماعت

هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ

کو ہدایت دی اور ایک جماعت ایسی ہے جس پر گمراہی مقرر ہو چکی ہے۔ بلا شبہ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو

اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝

دوست بنایا اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ بے شک وہ راہ راست پر ہیں

جاہلوں کی جہالت جو فحش کام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں ان کا حکم دیا ہے

تفسیر: شیطان کی تعلیم و تلبیس کی وجہ سے زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کا یہ حال تھا جو اوپر بیان فرمایا اور جو لوگ نبی اکرم ﷺ کے پیرو نہیں ہیں ان کا اب بھی یہی حال ہے کہ فواحش کے مرتکب ہوتے ہیں اور بے حیائی کے کام کرتے ہیں، جب انہیں سمجھایا جاتا ہے کہ یہ کام برا ہے تو وہ اپنی بدعملی اور بے حیائی کے جواز کے لیے یوں کہہ دیتے ہیں کہ اجی! ہمارے باپ دادے ایسا ہی کرتے آئے ہیں کیا ہمارے باپ دادوں کو اچھے برے کی تمیز نہ تھی (اس کا جواب سورۂ مائدہ میں دیدیا گیا اور وہ یہ کہ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ کیا اپنے باپ دادوں کی اقتداء کریں گے اگرچہ وہ کچھ بھی علم نہ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں) اور ایسے منچلے بھی ہیں جو فحش کام کرتے ہیں اور یوں کہہ دیتے ہیں کہ وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا کہ اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے یہ کتنی بڑی ڈھٹائی ہے کہ برے کام کریں اور اللہ کے ذمہ لگا دیں کہ اس نے ان کا حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ (بے شک اللہ تعالیٰ برے کام کا حکم نہیں دیتا) اَتَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (کیا

تم اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاتے ہو جن کا تمہیں علم نہیں) بلاسند اٹکل پچو باتیں کرتے ہو۔

پھر فرمایا قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ وَ اَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (آپ فرما دیجئے کہ میرے رب نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے اور یہ کہ تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رُخ سیدھا رکھو) اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جنہوں نے اپنی جہالت سے یوں کہا کہ اللہ نے ہمیں فحش کاموں کا حکم دیا پہلے تو سلبی طور پر ان کی تردید فرمائی کہ اللہ فحش کاموں کا حکم نہیں دیتا' پھر ایجابی طور پر ان کی تردید کی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کا حکم دیا ہے ان کو تو نہیں کرتے اور جن کاموں سے منع فرمایا ہے ان کو کرتے ہو اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب بھی کرتے ہو۔ یہ سراپا گمراہی ہے۔ اب تم سُن لو کہ اللہ تعالیٰ نے کن چیزوں کا حکم دیا ہے اوّل تو یوں فرمایا اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ کہ میرے رب نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے ہر معاملہ میں انصاف کو سامنے رکھو۔ اسی میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرو کیونکہ یہ بہت بڑی بے انصافی ہے کہ خالق و مالک قادر و رازق کے ساتھ کسی کو عبادت میں شریک کر دیا جائے۔

انصاف میں سب احکام شرعیہ یعنی اللہ کے حقوق کی ادائیگی اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی دونوں باتیں داخل ہو گئیں لفظ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ہر طرح کے اخلاص کو شامل ہے غیر اللہ کی عبادت اخلاص فی العبادۃ کے خلاف ہے اور عبادت میں ریاکاری کرنا اخلاص فی رضا اللہ کے خلاف ہے غیر اللہ کی عبادت شرک جلی اور ریاکاری شرک خفی ہے۔

پھر فرمایا وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ کہ تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رُخ سیدھا رکھو یعنی صرف معبود برحق ہی کی عبادت کرو۔ اسکی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو۔ مزید فرمایا وَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ یعنی اللہ کی اس طور پر عبادت کرو کہ عبادت کو اللہ ہی کے لیے خالص کرنے والے ہو اس میں بھی مضمون سابق مذکور ہے اور توحید فی العبادت کی تاکید ہے۔

پھر فرمایا كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۔ یعنی اس نے جس طرح تمہیں ابتداءً پیدا فرمایا تھا۔ اسی طرح تم دوبارہ لوٹ جاؤ گے۔ اس سے مشرکین کا یہ وسوسہ دور فرما دیا کہ اس دنیا میں رہیں گے اور مر جائیں گے آباؤ اجداد کے طریقے پر رہے تو کیا حرج ہے؟ انہیں بتا دیا کہ یہاں ہمیشہ رہنا نہیں ہے مرو گے پھر جیو گے اور کفر و شرک پر عذاب ہوگا۔

پھر فرمایا فَرِیْقًا هَدٰی وَفَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۔ کہ اللہ نے ایک جماعت کو ہدایت دی اور ایک جماعت ایسی ہے جس پر گمراہی مقرر ہو چکی ہے۔

پھر فرمایا اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ (بلاشبہ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیاطین کو دوست بنا لیا اور یہ گمان کر رہے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں) اوّل تو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لائے پھر شیاطین کو دوست بنایا جن کا کام ہی گمراہ کرنے کا ہے پھر اپنے بارے میں یہ خیال کہ ہم ہدایت پر ہیں یہ سب گمراہی در گمراہی ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ

اے اولادِ آدم! تم مسجد کی حاضری کے وقت اپنی آرائش لے لیا کرو اور کھاؤ اور پیو اور حد سے آگے مت بڑھو بے شک اللہ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِيَ

آپ فرما دیجئے! اللہ نے اپنے بندوں کے لئے جو زینت نکالی ہے اور جو کھانے پینے کی چیزیں پیدا فرمائی ہیں انہیں کس نے حرام قرار دیا آپ فرما دیجئے

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

کہ یہ چیزیں دنیاوی زندگی میں اہل ایمان کے لئے ہیں۔ قیامت کے دن ان کے لئے خالص ہوں گی۔ ہم اسی طرح ان لوگوں کے لئے آیات بیان کرتے ہیں

يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾

جو جانتے ہیں

بے حیائی کی مذمّت' اور طواف و نماز کے وقت سترِ عورت کا خصوصی حکم

تفسیر: مشرکین عرب طرح طرح کے شرکیہ عقائد و افعال اور بے شرمی کے اعمال میں مبتلا تھے اُن کی یہ بے شرمی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ کعبہ شریف کا طواف ننگے ہو کر کرتے تھے مرد بھی ننگے اور عورتیں بھی ننگی۔ البتہ عورتیں یہ کرتی تھیں کہ اپنی شرم کی جگہ پر چھوٹا سا چیتھڑا لپیٹ لیتی تھیں اور طواف کرتے یوں کہتی ہوئی جاتی تھیں۔ **الیوم یبدو بعضه او كله وما بد امنه لا احله**

ان کی اس حرکت سے منع کرنے کے لئے آیت کریمہ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ اور اس کے بعد والی آیت قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ نازل ہوئی۔ (رواہ مسلم عن ابن عباس)

علامہ ابوبکر جصاص نے احکام القرآن ص ۱۲ ج ۳ میں لکھا ہے کہ یہ لوگ اپنے اس خیال خام میں مبتلا تھے کہ جن کپڑوں میں گناہ کئے ہیں اُن میں طواف کرنا صحیح نہیں اور بعض حضرات نے بتایا کہ یہ لوگ تفاؤلاً ایسا کرتے تھے کہ جیسے ہم کپڑوں سے ننگے ہو گئے اسی طرح سے ہمارے اوپر کوئی گناہ بھی باقی نہیں رہا۔ (شیطان اپنے لوگوں کو کیسی پٹی پڑھاتا ہے)

اسباب النزول للواحدی ص ۲۲۲ میں ابوسلمہ بن عبدالرحمن سے نقل کیا ہے کہ اہل عرب نے اپنے دین میں یہ بات نکال رکھی تھی کہ منیٰ سے واپس ہو کر جب طواف کرتے تھے تو دونوں کپڑے اُتار کر رکھ دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے آیت شریفہ یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ سے لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ تک آیت نازل فرمائی۔

لفظ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ کا عموم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ طواف کے لئے مسجد میں جائیں (جو صرف مسجد حرام میں ہوتا ہے) یا نماز کے لئے جائیں (خواہ کسی بھی مسجد میں پڑھیں) تو لباس پہن کر جائیں۔ ستر عورت جس کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں اس کا اہتمام کرنا تو فرض ہی ہے (خواہ گھر میں نماز پڑھے) لیکن ستر عورت سے زیادہ جو لباس زینت کے لئے پہنا جاتا ہے اس کا بھی اہتمام کرنا چاہئے۔

لباس زینت کا حکم: میلے کچیلے بدبودار کپڑے پہن کر نماز پڑھنے لگے تو یہ نماز کی شان کے خلاف ہے اسلئے فقہاء نے لکھا ہے کہ جو کپڑے پہن کر بازار میں اور احباب واصحاب میں جانے سے دل منقبض ہوتا ہو اور نفس اپنی بے آبروئی محسوس کرتا ہو ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ ستر عورت بھی ہو اور نظافت بھی ہو مرغوب لباس ہو (جو خلاف شرع نہ ہو) ایسے لباس میں نماز پڑھیں۔ لفظ زِیْنَتَکُمْ میں ان سب امور کی طرف اشارہ ہے۔

فضول خرچی کی ممانعت: پھر فرمایا وَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ (اور کھاؤ اور پیو اور حد سے آگے نہ بڑھو۔ بے شک اللہ تعالیٰ حد سے آگے بڑھ جانے والوں کو پسند نہیں فرماتا) حد سے آگے بڑھنے میں فضول خرچی، خلاف شرع لباس پہننا، حرام چیزیں کھانا اور استعمال کرنا سب داخل ہے چونکہ مشرکین طواف کرتے وقت ننگے ہو کر طواف کرتے تھے اور اس وقت کپڑے پہننے کو گناہ سمجھتے تھے نیز انہوں نے اور بھی بہت سی چیزیں اپنے اوپر حرام کر رکھی تھیں جن کی کچھ تفصیل سورۂ انعام میں گذر چکی ہے اسلئے ان کی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ جو زینت اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا فرمائی (جس میں لباس بھی شامل ہے) اور اس کے علاوہ کھانے پینے کی پاکیزہ چیزیں پیدا فرمائیں ان کو کس نے حرام قرار دیا؟

اللہ تعالیٰ نے ان کو حلال قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کو تحلیل وتحریم کا اختیار ہے تم نے اپنی طرف سے تحریم کر کے اللہ کے قانون میں جو دخل دیا ہے یہ گمراہی کا کام ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اہل ایمان کے لئے ہیں: پھر فرمایا قُلْ هِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا خَالِصَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ آپ فرما دیجئے کہ یہ طیبات اور پاکیزہ چیزیں جو اللہ پاک نے پیدا فرمائی ہیں دنیاوی زندگی میں اصالۃً مومنین کے لئے ہیں گو کافر بھی ان کو استعمال کر لیتے ہیں اور قیامت کے دن خالص مومنین کے لئے ہوں گی۔ آخرت میں کافروں کے لئے اُنکا ذرا سا حصہ بھی نہیں ہے دنیا میں بھی نعمتوں کے حقدار اہل ایمان ہی ہیں ان کے طفیل میں کافر بھی استعمال کر لیتے ہیں۔

قال صاحب الروح ای هی لهم بالاصالة لمزید کرامتهم علی الله تعالیٰ والکفرة وان شارکوهم فیها فبالتبع فلا اشکال فی الاختصاص المستفاد من اللام وانتصاب

(خالصة) على الحال من الضمير المستتر فى الجار و المجرور و العامل فيه متعلقه وقرأ نافع بالرفع على انه خبر بعد خبر اوهو الخبر وللذين متعلق به قدم لتاكيد الخلوص و الاختصاص . (صاحب روح المعانیؒ فرماتے ہیں: یعنی ان کے لئے نعمتیں ہیں اصل کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے مرتبہ کی وجہ سے اور کافر اگرچہ نعمتوں میں ان کے شریک ہیں مگر مومنوں کے تابع ہو کر لہٰذا لام سے مومنین کی جو خصوصیت معلوم ہوتی ہے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے اور خَالِصَۃً جار مجرور میں پوشیدہ ضمیر سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کا عامل اس کا متعلق ہے امام نافعؒ نے خالصۃً کو مرفوع پڑھا ہے اس بناء پر کہ یہ دوسری خبر ہے یا یہ کہ خَالِصَۃٌ خبر ہے)

اور بعض حضرات نے آیت کا یہ معنی بتلایا ہے کہ دنیا میں جو نعمتیں ہیں اہل ایمان ان سے منتفع ہوتے ہیں لیکن ان میں کدورتیں ملی ہوئی ہیں دُکھ تکلیف اور رنج و غم بھی ساتھ لگا ہوا ہے آخرت میں ان کو جو نعمتیں ملیں گی وہ خالص نعمتیں ہوں گی ان میں کسی قسم کی کدورت نہ ہوگی۔

قال صاحب معالم التنزيل ج۲ص۱۵۷ فيه حذف تقديره هي للذين امنوا وللمشركين في الحيوة الدنيا فان اهل الشرك يشاركون المومنين في طيّبٰت الدنيا وهي في الأخرة خالصة للمؤمنين لاحظ للمشركين فيها وقيل هي خالصة يوم القيامة من التنغيض والغم للمؤمنين فانها لهم في الدنيا مع التنغيض والغم. (صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں۔ اس عبارت میں حذف ہے تقدیر اس طرح ہے هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وللمشركين فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کہ یہ نعمتیں دنیا کی زندگی میں مومنوں کے لئے بھی ہیں اور کافروں کے لئے بھی۔ کیونکہ دنیا میں تو مشرک بھی مومنوں کے ساتھ ان پاکیزہ نعمتوں میں شریک ہیں۔ اور وهي في الآخرة خالصة للمومنين اور وہ آخرت میں خالص مُومنین کیلئے مشرکین کا ان میں وہاں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور بعض نے کہا قیامت کے دن مومنین کے لئے یہ نعمتیں دکھ اور رنج سے خالی ہوں گی کیونکہ دنیا میں تو یہ نعمتیں دکھ اور رنج کے ساتھ ملتی ہیں)

درحقیقت کافر اس لائق نہیں ہے کہ کوئی بھی نعمت اُسے دی جائے اور کسی بھی نعمت سے منتفع ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا بے حیثیت ہے اسلئے کافروں کو بھی دیدیتا ہے۔ حضرت سہلؓ بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر دنیا اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی کوئی حیثیت رکھتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتا۔

(رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ کما فی المشکوٰۃ ص۴۴۱)

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ

آپ فرما دیجئے کہ میرے رب نے فحش کاموں کو جو ظاہر ہوں اور جو چھپے ہوئے ہوں۔ اور گناہ کو اور ظلم کو جو ناحق ہوتا ہے حرام قرار دیا ہے

وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور اس بات کو حرام قرار دیا کہ اللہ کے ساتھ شرک کریں جس کی کوئی دلیل اللہ نے نازل نہیں فرمائی اور یہ بھی حرام قرار دیا کہ تم اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ جنہیں تم نہیں جانتے

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ

اور ہر اُمت کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ سو جب انکی اجل آ گئی تو اس سے ذرا دیر بھی پیچھے نہ ہٹیں گے اور مقدم بھی نہ ہونگے' اے اولادِ آدم!

اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

اگر تمہارے پاس میرے رسول آئیں جو تمہارے سامنے میری آیات بیان کریں سو جس نے تقویٰ اختیار کیا اور اصلاح کی سو اُن پر کوئی خوف نہیں

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ

اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا وہ لوگ دوزخ والے ہیں اور وہ

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾

اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے

اللہ تعالیٰ نے فحش کاموں اور ظاہری باطنی گناہوں کو حرام قرار دیا ہے

تفسیر: اوپر ارشاد فرمایا کہ اللہ فحش کاموں کا حکم نہیں دیتا پھر فرمایا کہ میرے رب نے انصاف کا حکم فرمایا ہے اس نے فواحش سے بچنے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

یہاں بطور تاکید پھر اس مضمون کا اعادہ فرمایا جس میں قدرے تفصیل بھی آ رہی ہے ارشاد فرمایا ہے قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ آپ فرما دیجئے کہ میرے رب نے فحش چیزوں کو حرام قرار دیا ہے تمام فحش باتیں اور فحش کام حرام ہیں خواہ ظاہری طور ہوں خواہ پوشیدہ طور پر۔ ننگے ہو کر طواف کرنا' لوگوں کے سامنے ستر کھول کر آ جانا' عورتوں کو بے پردہ پھرانا' علانیہ طور پر فحش کام کرنا سب اسی مَا ظَهَرَ میں داخل ہے اور وَمَا بَطَنَ (خفیہ طور) میں وہ سب فحش کام اور فحش کلام داخل ہیں جو در پردہ پوشیدہ طور پر کئے جاتے ہیں۔ زنا اور اس کے دواعی جو چھپ کر ہوتے ہیں ان سب کے حرام ہونے کی تصریح ان لفظوں میں ہو گئی۔ (میاں بیوی والے تعلقات چونکہ حلال ہیں اسلئے فحش ممنوع میں داخل نہیں ہیں)

پھر فرمایا وَالْاِثْمَ اور اللہ نے گناہ کو بھی حرام قرار دیا اس میں ہر گناہ کی ممانعت آ گئی وَالْبَغْیَ بِغَيْرِ الْحَقِّ اور اللہ نے ظلم و زیادتی کرنے کو حرام قرار دیا جو ناحق ہی ہوتا ہے۔

پھر فرمایا وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا۔ اور اللہ نے یہ بھی حرام قرر دیا کہ تم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک کرو۔ جو لوگ شرک کرتے تھے وہ اپنے باپ دادوں کی تقلید کو حجت بناتے تھے اور بعض جہالت کے مارے یوں بھی کہہ دیتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ جن کی عبادت کرتے ہیں یہ ہمیں اللہ کے نزدیک پہنچا دینگے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں فرمایا مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا کہ یہ تمہارا شرک کرنا وہ چیز ہے جس کی کوئی دلیل اللہ نے نازل نہیں فرمائی تمہارے پاس کوئی دلیل اور حجت اور سند نہیں۔ نیز فرمایا وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ اور اللہ نے یہ بھی حرام کیا کہ تم اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ جو تم نہیں جانتے۔ چونکہ اپنے بُرے کاموں کے بارے میں یوں بھی کہہ دیتے تھے کہ اللہ نے ہمیں ان کا حکم دیا اسلئے تنبیہ فرمائی کہ تم اپنی جہالت سے جو باتیں اللہ تعالیٰ کیطرف منسوب کرتے ہو یہ بھی اللہ نے حرام قرار دیا۔

ہر اُمت کے لئے ایک اجل مقرر ہے: پھر فرمایا وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ (کہ ہر امت کے لئے ایک اجل مقرر ہے) سب ایک مُدّت مقررہ تک کھاتے پیتے رہیں گے اور جس امت پر عذاب آتا ہے اس کا بھی وقت مقرر ہے۔

قال فی معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۸۵ مدة اکل وشرب وقال ابن عباس وعطاء والحسن یعنی وقتا لنزول العذاب بھم فاذا جاء اجلھم وانقطع اکلھم لا یستاخرون ساعة ولا یستقدمون ای لا یتقدمون (معالم التنزیل میں ہے یعنی ان کے کھانے پینے کی مدت مقرر ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت حسنؒ فرماتے ہیں ان پر عذاب کے نازل ہونے کا وقت مراد ہے پس جب ان کا مقررہ وقت آئے گا اور ان کا رزق ختم ہو جائے گا تو نہ ایک گھڑی مؤخر ہوں گے نہ مقدم)

جب ان کی اَجل آ پہنچے گی تو ذرا بھی دیر موخر نہ ہونگے اور مقدم ہونے کا تو موقع رہا ہی نہیں صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی جب لوگوں نے عذاب کا سوال کیا یعنی یوں کہا کہ اگر آپ اللہ کے سچے رسول ہیں تو اللہ ہم پر عذاب کیوں نہیں بھیجتا اور ہلاک کیوں نہیں کر دیتا۔

بنی آدم کو خطاب کہ رسولوں کا اتباع کرنا: اس کے بعد پھر بنی آدم سے خطاب فرمایا اور مومنین اور کافرین کے انجام سے باخبر فرمایا' ارشاد ہے یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ اے آدم کی اولاد! اگر تمہارے پاس میرے رسول آئیں جو تمہارے سامنے میری آیات بیان کریں یعنی میرے فرائض اور احکام بتائیں (کما فسرہ ابن عباس) تو جن لوگوں کے پاس میرے رسول آئے اور انہوں نے ان کی بات مانی اور شرک اور کفر سے بچے اور اپنے اعمال کو درست کیا تو (آخرت) میں ایسے لوگوں پر کوئی خوف نہ ہوگا اور رنجیدہ بھی نہ ہوں گے۔

کافروں' متکبروں کے لئے عذاب: وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْھَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے اعراض کیا اور ان کے قبول کرنے میں اپنی ہتک سمجھی اور اپنے کو بڑا سمجھا تو یہ لوگ دوزخ والے ہیں اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْھَآ جو فرمایا اس میں اُن کافروں کی شرارت نفس کا بیان ہے جو اللہ پر ایمان لانے اور اس کے رسولوں کی تصدیق کرنے اور اس کے احکام ماننے میں اپنی ذلت محسوس کرتے ہیں اور نہ ماننے میں اپنی بڑائی سمجھتے ہیں۔

سورۂ والصافات میں فرمایا اِنَّھُمْ کَانُوْٓا اِذَا قِیْلَ لَھُمْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یَسْتَکْبِرُوْنَ ۝ (بلاشبہ ان کا یہ حال تھا کہ جب ان کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی دعوت دی جاتی تھی تو تکبر کرتے تھے) اور سورۂ قیامہ میں فرمایا فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی ۝ وَلٰکِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی ۝ ثُمَّ ذَھَبَ اِلٰٓی اَھْلِہٖ یَتَمَطّٰی ۝ سو نہ اس نے تصدیق کی نہ نماز پڑھی لیکن جھٹلایا اور منہ پھیر کر چل دیا پھر اکڑتا ہوا اپنے گھر والوں کی طرف چلا گیا۔ بڑا بننے والوں کا تکبر نے ناس کھویا اور اُن کے متبعین کو بھی لے ڈوبا۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ ؕ اُولٰٓئِکَ یَنَالُھُمْ نَصِیْبُھُمْ مِّنَ الْکِتٰبِ ؕ

سو اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کا لکھا ہوا حصہ مل جائے گا۔

حَتّٰٓی اِذَا جَآءَتْھُمْ رُسُلُنَا یَتَوَفَّوْنَھُمْ ۙ قَالُوْٓا اَیْنَ مَا کُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا

یہاں تک جب ان کے پاس ہمارے فرستادہ ان کی جان قبض کرنے کے لئے آئیں گے تو وہ کہیں گے کہ وہ کہاں ہیں جنہیں تم اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے جواب میں کہیں گے کہ وہ سب

عَنَّا وَشَهِدُوا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝ قَالَ ادْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ

ہم سے غائب ہو گئے اور اس وقت یہ لوگ اپنے بارے میں اقرار کر لیں گے کہ ہم کافر تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ دوزخ میں ان جماعتوں کے ساتھ داخل ہو

مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِی النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا

جاؤ جو جنات میں سے اور انسانوں میں سے تم سے پہلے ہو گذریں۔ جب ایک جماعت داخل ہوگی تو اپنی جیسی دوسری جماعت پر لعنت کرے گی۔ یہاں تک کہ جب سب دوزخ

جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ

میں جمع ہو جائیں گے تو پچھلے لوگ پہلے لوگوں کے بارے میں کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ان لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا لہٰذا انہیں خوب زیادہ بڑھتا چڑھتا دوزخ کا عذاب دیجئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا

لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ

کہ سب ہی کا دوگنا ہے لیکن تم جانتے نہیں ہو، اور جو پہلے لوگ تھے وہ پچھلے لوگوں سے کہیں گے کہ پھر تم کو ہم پر کوئی فضیلت نہیں۔

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝

سو چکھ لو عذاب اپنے اعمال کے بدلہ میں

موت کے وقت کافروں کی بدحالی اور دوزخ میں ایک دوسرے پر لعنت کرنا

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا اسکی آیات کی تکذیب کرے۔ طرز تو سوال کا ہے لیکن بتانا یہ ہے کہ ایسی لوگ ظلم میں سب ظالموں سے بڑھ کر ہیں۔

پھر یہ فرمایا کہ جو ان کا رزق مقدر ہے اور جو ان کی عمر مقرر ہے وہ تو اس دنیا میں ان کو مل جائیگی۔ ہاں موت کے وقت اور موت کے بعد ان کا بُرا حال ہوگا اور بُرا انجام ہوگا۔ موت کے وقت جو فرشتے ان کی جانیں قبض کرنے لگیں گے ان سے سوال کریں گے کہ اللہ کو چھوڑ کر جن کو تم اپنی حاجتوں کے لئے پکارتے تھے اور ان کی عبادت کیا کرتے تھے وہ کہاں ہیں؟ اس موقع پر مذکورہ سوال کا باعث یہ ہوسکتا ہے کہ اب تم دنیا سے جا رہے ہو موت آ رہی ہے اللہ کو چھوڑ کر جن کو پکارا کرتے تھے اس وقت تم انہیں کیوں نہیں پکارتے اگر وہ مدد کر سکتے ہیں تو تمہیں موت سے بچالیں۔ یہ سوال سرزنش کے لئے ہوگا۔ تاکہ موت کے وقت انہیں اپنے شرک اور کفر کی قباحت اور شناعت معلوم ہو جائے۔ وہ بے بسی کے عالم میں جواب دیں گے کہ جن لوگوں کو ہم پکارا کرتے تھے۔ وہ سب غائب ہو گئے۔ اور ساتھ ہی وہ اقرار کریں گے۔ کہ واقعی ہم کافر تھے۔ اس طرح کا سوال قیامت کے دن بھی ہوگا۔ جیسا کہ سورۂ انعام (رکوع ۳) میں گذر چکا ہے برزخ کے عذاب میں مبتلا رہ کر

جب قیامت کے دن اٹھیں گے، اور سوال جواب وحساب وکتاب کے بعد کافروں کے بارے میں دوزخ میں جانے کا فیصلہ ہوگا تو جماعتیں بن بن کر دوزخ میں جاتے رہیں گے کچھ جماعتیں پہلے داخل ہوں گی اور کچھ بعد میں، جو لوگ بعد میں داخل ہوں گے ان سے اللہ کا فرمان ہوگا کہ تم سے پہلے جنات میں سے اور انسانوں میں سے جو جماعتیں دوزخ میں جا چکی ہیں تم بھی دوزخ کے عذاب میں ان کے ساتھی ہو جاؤ۔

اسی کو فرمایا قَالَ ادْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِکُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِی النَّارِ ط پھر فرمایا کُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا کہ جب ایک جماعت دوزخ میں جائے گی تو اپنی جیسی دوسری جماعت پر لعنت کرے گی۔ دُنیا میں جو آپس میں ایک دوسرے سے تعلق تھا۔ اور باہمی تعاون تھا وہ سب ختم ہو جائیگا۔ اور ہر بعد والی جماعت اپنی جیسی پہلی جماعت پر لعنت کریگی اور وہاں بُغض کی شان پیدا ہوگی۔

اور بعد میں داخل ہونے والے اپنے سے پہلے داخل ہونے والوں کے بارے میں کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ان لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا لہٰذا انہیں بڑھتا چڑھتا دوزخ کا عذاب دیجئے۔

یہ تفسیر اس صورت میں ہے کہ اُخْرٰىهُمْ سے اتباع مراد لیے جائیں اور اُوْلٰىهُمْ سے ان کے سردار مراد لیے جائیں اور ساتھ ہی یہ بھی مانا جائے کہ سرداران قوم دوزخ میں اپنی قوم سے پہلے جائیں گے۔ جیسا کہ معالم التنزیل اور تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے اور بعض حضرات نے اُخْرٰىهُمْ سے نیچے درجے کے لوگ اور اُوْلٰىهُمْ سے سردارانِ قوم مراد لیے ہیں۔ اور اس میں دخولِ نار کی اوّلیت اور اخرویت کو ملحوظ نہیں رکھا۔ یہ قول روح المعانی میں لکھا ہے۔

دنیا میں تو اپنے بڑوں کی بات مانتے تھے اور ان کے کہنے پر چلتے تھے اللہ کی طرف سے جو ہدایت پہنچانے والے ہدایت کی طرف بلاتے تھے تو اُلٹا ان کو بُرا کہتے تھے اور اپنے بڑوں ہی کی باتوں پر چلتے تھے اور انہیں سے چپکے رہتے تھے اور جب آخرت میں عذاب دیکھیں گے تو گمراہ کرنے والوں پر لعنت کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ ان کو ہمارے عذاب سے بڑھ کر خوب زیادہ ہونا چاہئیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا لِکُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ہر ایک کے لئے خوب زیادہ عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے۔ یعنی تم میں سے ہر ایک کو جس قدر عذاب ہے وہ اتنا زیادہ ہے کہ اسے کہا ہی نہیں جا سکتا۔ پھر یہ عذاب ایک حالت پر نہیں رہیگا۔ بلکہ اس میں اضافہ ہوتا جائے گا جیسا کہ سورۂ نحل میں فرمایا۔

اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا کَانُوْا یُفْسِدُوْنَ ٥ (جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا ہم ان کو عذاب پر عذاب بڑھا دیں گے بسبب اس کے کہ وہ فساد کرتے تھے)

فسر صاحب الجلالین الضعف بمعنی المضعف قال الشیخ الجمل فی حاشیته اشار به الیٰ ان

المراد بالضعف هنا تضعيف الشيءِ وزيادته الٰى مَا ينتهي لا الضعف بمعنى مثل الشئی مرة واحدة (صاحب جلالین نے ضِعف کی تفسیر مُضعف سے کی ہے شیخ جمل نے اس کے حاشیہ میں فرمایا ہے اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہاں ضِعف سے مراد کسی چیز کو بے انتہاء بڑھانا ہے صرف کسی چیز کا دوگنا مراد نہیں ہے)

اس میں یہ بات بھی آ گئی کہ جب دونوں ہی فریق کا عذاب بہت زیادہ ہے تو دوسروں کا عذاب دیکھ کر کیا تسلی ہو سکتی ہے جب خود بھی سخت عذاب میں مبتلا ہیں۔ پھر فرمایا وَقَالَتْ اُولٰهُمْ لِاُخْرٰهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ کہ پہلے لوگ بعد والوں سے کہیں گے کہ جب سب کی سزا کا یہ حال ہے تو پھر تم کو ہم پر کوئی فوقیت نہ ہوئی نہ عذاب کی تخفیف ہمارے لئے ہے نہ تمہارے لئے۔ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ (سو تم اپنے اعمال کے بدلہ عذاب چکھ لو)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ

بے شک جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا اُن کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ

الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ۝۴۰ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ

جنت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو جائے۔ اور ہم ایسے ہی مجرموں کو سزا دیتے ہیں۔ ان کے لئے دوزخ کا

مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۱

بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر سے اوڑھنے کا سامان ہوگا اور ہم اسی طرح ظالموں کو بدلہ دیتے ہیں

مکذبین و متکبرین جنت میں نہ جا سکیں گے
اُن کا اوڑھنا، بچھونا آگ کا ہوگا

تفسیر: پہلی آیت میں مکذبین یعنی آیات کے جھٹلانے والوں اور متکبرین یعنی آیات الٰہیہ کے ماننے سے تکبر کرنے والوں کے مردود ہونے کی ایک حالت بتائی اور وہ یہ کہ ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے۔

حدیث شریف میں مومن اور کافر کی موت کا تذکرہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ جب حضرت ملک الموت علیہ السلام مومن کی روح کو قبض کرتے ہیں تو وہ ایسی آسانی سے نکل آتی ہے جیسے (پانی کا) بہتا ہوا قطرہ مشکیزہ سے باہر آ جاتا ہے جب وہ اس روح کو لے لیتے ہیں تو ان کے پاس جو دوسرے فرشتے جنتی کفن اور جنتی خوشبو لئے ہوئے بیٹھے ہوتے ہیں پل بھر بھی ان کے ہاتھ میں اس کی روح کو نہیں چھوڑتے پھر وہ اسے جنتی کفن اور جنت کی خوشبو میں رکھ کر آسمان کی طرف لے کر چل دیتے ہیں جب اس روح کو لے کر آسمان کی طرف چڑھنے لگتے ہیں تو فرشتوں کی جس جماعت پر ان کا گذر ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ کون پاکیزہ روح ہے؟ وہ اس کا اچھے سے اچھا نام لے کر جواب دیتے ہیں جس سے وہ دنیا میں بلایا

جاتا تھا کہ یہ فلاں کا بیٹا ہے۔

اسی طرح پہلے آسمان تک پہنچتے ہیں اور آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں۔ چنانچہ دروازہ کھول دیا جاتا ہے (اور وہ اس روح کو لے کراوپر چلے جاتے ہیں) حتیٰ کہ ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں۔ ہر آسمان کے مقربین دوسرے آسمان تک رخصت کرتے ہیں (جب ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے کی کتاب علیّین میں لکھ دو۔ اور اسے زمین پر واپس لے جاؤ کیونکہ میں نے ان کو زمین ہی سے پیدا کیا اور اسی میں اسکو لوٹا دوں گا۔ اور اسی سے اسکو دوبارہ نکالوں گا۔

چنانچہ اس کی روح اس کے جسم میں واپس کردی جاتی ہے (اس کے بعد قبر میں جو سوال و جواب ہوگا اور صحیح جواب کے بعد قبر میں جو اس کا اکرام ہوگا اس کا تذکرہ فرمایا) پھر کافر کی موت کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ بلاشبہ جب کافر بندہ دنیا سے جانے اور آخرت کا رُخ کرنے کو ہوتا ہے تو سیاہ چہروں والے فرشتے آسمان سے اس کے پاس آتے ہیں جن کے ساتھ ٹاٹ ہوتے ہیں۔ اور اس کے پاس اتنی دور تک بیٹھ جاتے ہیں جہاں تک اس کی نظر پہنچتی ہے پھر ملک الموت تشریف لاتے ہیں حتیٰ کہ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ اے خبیث جان! اللہ کی ناراضگی کی طرف نکل۔ ملک الموت کا یہ فرمان سن کر روح اس کی جسم میں اِدھر اُدھر بھاگی پھرتی ہے۔ لہٰذا ملک الموت اس کی روح کو جسم سے اس طرح نکالتے ہیں جیسے بوٹیاں بھوننے کی سیخ بھیگے ہوئے اون سے صاف کی جاتی ہے (یعنی کافر کی روح کو جسم سے زبردستی اس طرح نکالتے ہیں جیسے بھیگا ہوا اُون کانٹے دار سیخ پر لپٹا ہوا ہو اور اسکو زور سے کھینچا جائے) پھر اسکی روح کو ملک الموت (اپنے ہاتھ میں) لے لیتے ہیں اور ان کے ہاتھ میں لیتے ہی دوسرے فرشتے پل جھپکنے کے برابر بھی ان کے پاس نہیں چھوڑتے۔ اور ان سے فوراً لے کر اس کو ٹاٹوں میں لپیٹ دیتے ہیں (جو ان کے پاس ہوتے ہیں) اور ٹاٹوں میں ایسی بدبو آتی ہے جیسے کبھی کسی بدترین سڑی ہوئی مردہ نعش سے روئے زمین پر بدبو پھوٹی ہو وہ فرشتے اسے لیکر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں۔ اور فرشتوں کی جس جماعت پر بھی پہنچتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ کون خبیث روح ہے؟ وہ اس کا بُرے سے بُرا وہ نام لے کر کہتے ہیں جس سے وہ دنیا میں بلایا جاتا تھا کہ فلاں کا بیٹا فلاں ہے۔ حتیٰ کہ وہ اسے لیکر قریب والے آسمان تک پہنچتے ہیں اور دروازہ کھلوانا چاہتے ہیں مگر اس کے لئے دروازہ نہیں کھولا جاتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ (ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور نہ وہ کبھی جنت میں داخل ہوں گے جب تک اونٹ سوئی کے ناکہ میں نہ چلا جائے)

اس حدیث سے لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ کا مطلب واضح ہوگیا کہ کفار کی ارواح کو آسمان کی طرف فرشتے لے جاتے ہیں تو ان کے لئے دروازے نہیں کھولے جاتے اور ان کو وہیں سے پھینک دیا جاتا ہے۔

(مفصل حدیث مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴۲ و ۱۴۳ پر مذکور ہے۔ ۱۲ منہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسکی تفسیر میں یہ بھی منقول ہے کہ کافروں کے اعمال اوپر نہیں اٹھائے جاتے اور نہ ان کی دعا اوپر اٹھائی جاتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۱۳ ج ۱)

یہ فرمایا وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِىْ سَمِّ الْخِيَاطِ (اور یہ لوگ جنت میں داخل نہ ہوں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل نہ ہو جائے)

یہ تعلیق بالمحال کے طور پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو سکتا ہے اور نہ یہ لوگ جنت میں داخل ہو سکتے ہیں۔ حضرت علامہ بیضاوی لکھتے ہیں۔ ذلک مما لا یکون و کذا مایتوقف علیه

مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ (اوران کے ڈھانپنے والی چیزیں بھی دوزخ سے ہوں گی) یعنی ان کا اوڑھنا بچھونا سب آگ ہی آگ ہوگا۔

پھر فرمایا وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ (اور اس طرح ہم ظالموں کو بدلہ دیتے ہیں) ظالموں سے کافر مراد ہیں کیونکہ کفر سب سے بڑا ظلم ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ہم کسی جان کو مکلف نہیں بناتے مگر اس کی طاقت کے موافق' یہ لوگ جنت والے ہیں وہ

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِىْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ

اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جو کچھ اُن کے سینوں میں کدورت ہو گی ہم اُسے نکال دیں گے۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ هَدٰٮنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِىَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰٮنَا اللّٰهُ لَقَدْ

اور وہ کہیں گے کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہمیں یہاں پہنچا دیا اور ہم راہ پانے والے نہ تھے اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا بلاشبہ ہمارے پاس

جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَنُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے اور ان کو آواز دی جائے گی کہ یہ جنت ہے جو تمہیں دی گئی اُن اعمال کا بدلہ جو تم کیا کرتے تھے

اہل ایمان کو جنت کی خوشخبری اور جنت میں داخل ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا

تفسیر: ان آیات میں اہل ایمان کی جزا کا ذکر فرمایا جو اعمال صالحہ میں مشغول رہتے ہیں۔ اور ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ جنت والے ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ درمیان میں بطور جملہ معترضہ فرمایا کہ ہم کسی شخص کو ایسا حکم نہیں دیتے جو

اس کی قوت وطاقت سے باہر ہو جس شخص کو جو حکم دیا گیا وہ اسکو کر سکتا ہے۔

یہ مضمون پہلے بھی لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے۔ اہل جنت جن نعمتوں میں ہوں گے۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ انکا ذکر ہے۔

یہاں ایک خاص نعمت کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ دنیا میں اُن کے دِلوں میں جو تھوڑا بہت کینہ تھا اور جو کچھ کدورت تھی ان کے سینوں سے اسے باہر نکال دیا جائیگا۔ جنت کا ماحول بُغض، کینہ کپٹ لڑائی بھڑائی کو برداشت کرنے والا نہیں۔ جنت میں جانے والے سب میل محبت سے آمنے سامنے مسہریوں پر ہوں گے (کما قال تعالیٰ عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ)

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۶۰) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں جو پہلی جماعت داخل ہو گی ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گے۔ پھر جو لوگ اُن کے بعد داخل ہوں گے ان کے چہرے ایسے روشن ہوں گے جیسے کوئی بہت روشن ستارہ ہو۔ ان سب کے دل ایک شخص کے دل کی طرح ہوں گے نہ ان کے درمیان کوئی اختلاف ہو گا اور نہ آپس میں کچھ بغض ہو گا (یہ جو فرمایا کہ ان کے دل ایک ہی شخص کے دل پر ہوں گے اسی کا مطلب یہ ہے کہ انکے قلوب میں ایسی یگانگت ہو گی کہ گویا سب شخص واحد ہیں۔ ان کے درمیان باہمی کسی طرح کی کوئی رنجش نہ پائی جائیگی)

حضرت ابو سعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب مومنین دوزخ سے چھوٹ جائیں گے (یعنی پل صراط سے پار ہو جائیں گے) تو ان کو جنت دوزخ کے درمیان ایک پل پر روک دیا جائیگا اور آپس میں ایک دوسرے پر دنیا میں جو کوئی ظلم اور زیادتی ہو گئی تھی اس کا بدلہ دلا دیا جائے گا (تاکہ جنت میں رنجش اور کدورت کے ساتھ داخل نہ ہوں) یہاں تک کہ جب (حقوق کی ادائیگی سے) صاف ستھرے ہو جائیں گے تو انہیں جنت میں داخلہ کی اجازت ہو جائے گی (یہ بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا) قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے یہ لوگ اپنے جنت والے گھر کو اس سے زیادہ پہچاننے والے ہوں گے جو ان کا گھر دنیا میں تھا۔ (رواہ البخاری ص ۹۶۷)

اہل جنت کی نعمتوں کا اجمالی تذکرہ فرمانے کے بعد ان کے تشکر کا تذکرہ فرمایا کہ جنت میں جنتی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے یوں کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ (سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہم کو یہاں تک پہنچا دیا اور ہم راہ پانے والے نہ تھے اگر اللہ ہم کو ہدایت نہ دیتا)

دنیا میں جو اللہ تعالیٰ نے ایمان اور اعمال صالحہ کی ہدایت دی یہ اس کا فضل ہے۔ اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو کسی کو بھی ہدایت نہ ملتی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس دنیاوی ہدایت کو دُخول جنت کا ذریعہ بنا دیا۔ اللہ کے ذمہ کسی کا کچھ واجب نہیں ہے۔

ایمان اور اعمال صالحہ پر جو اس کی دنیاوی واخروی عطائیں اور بخششیں ہیں یہ سب اُس کا فضل ہے۔ اہل جنت اسی فضل کا مذاکرہ کریں گے اور یوں کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں یہاں نہ پہنچاتا تو ہم یہاں نہیں پہنچ سکتے تھے اور ساتھ ہی یہ بھی

کہیں گے لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (بلاشبہ ہمارے رب کے پیغمبر حق لے کر ہمارے پاس آئے) ہم نے دُنیا میں ان کی تصدیق کی اور اب ان کی باتوں کا سچ ہونا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

پھر فرمایا وَنُوْدُوْا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ٥ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ندا دی جائے گی کہ یہ جنت تم کو ان اعمال کے بدلہ دی گئی جو تم دنیا میں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اعمال کی قدر دانی فرمائی اور تم کو جنت میں داخل فرمایا۔ فَلَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ۔

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ

اور جنت والے دوزخ والوں کو پکاریں گے کہ ہمارے رب نے جو ہم سے وعدہ فرمایا تھا وہ ہم نے حق پایا سو کیا تم نے بھی اسے حق پایا

مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۚ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾

جو تمہارے رب نے تم سے وعدہ فرمایا تھا وہ کہیں گے کہ ہاں! پھر ایک اعلان کرنے والا ان کے درمیان اعلان کریگا کہ اللہ کی لعنت ہو ظالموں پر

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

جو اللہ کی راہ سے روکتے تھے اور اس میں کجی تلاش کرتے تھے اور وہ لوگ آخرت کے منکر تھے

اہل جنت کا اہل دوزخ کو پکارنا اور دوزخیوں پر لعنت ہونیکا اعلان ہونا

تفسیر: اہل جنت دوزخیوں کو آواز دیں گے اور ان کو خطاب کرتے ہوئے یوں پکاریں گے کہ ہمارے رب نے ہم سے ایمان اور اعمال صالحہ پر جو عنایات اور مہربانی اور بخششوں کا وعدہ فرمایا تھا دنیا میں ہم نے بغیر دیکھے اس سب کی تصدیق کر دی تھی۔ آج ہم نے یہاں ان سب وعدوں کے مطابق انعامات پالئے جو وعدے ہم سے فرمائیں گئے تھے ان سب کو آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اب تم کہو کہ کُفر پر جو تمہارے رب نے تم کو اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ وعیدوں سے آگاہ فرمایا تھا کیا وہ وعیدیں سچی نکلیں اور اللہ تعالیٰ نے جو کفر کی سزا سے دنیا ہی میں باخبر فرما دیا تھا ان خبروں کو تم نے صحیح پایا؟

اس پر وہ لوگ جواب دیں گے "نَعَمْ" کہ ہاں! ہم نے ان سب باتوں کو صحیح پایا۔ واقعی کتابوں اور رسولوں کے واسطہ سے جو اللہ تعالیٰ نے عذاب کی خبریں دی تھیں وہ سب ٹھیک نکلیں۔ جب وہ لوگ اس کا اقرار کرلیں گے کہ ہمیں جو کچھ بتایا گیا تھا وہ سب سچ تھا ہم نے نہ مانا اور اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اس پر ایک پکارنے والا دونوں فریق کے درمیان کھڑے ہو کر یوں پکارے گا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ظالموں پر جو اللہ کی راہ سے یعنی دین حق سے روکتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے

بھیجا تھا نہ خود قبول کرتے تھے۔ نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے تھے اور اسی پر بس نہیں کرتے تھے بلکہ بزعم خود اس میں کجی تلاش کرتے تھے یعنی ایسی باتیں ڈھونڈتے تھے جن کے ذریعہ دین حق میں عیب نکالیں اور اعتراض کریں۔

یہ لوگ نہ دین حق کو مانتے تھے نہ یوم آخرت پر ایمان رکھتے تھے ان کی ان حرکتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمیشہ کے لئے ملعون ہو گئے اُن پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور پھٹکار پڑ گئی اور دوزخ کے دائمی عذاب میں گرفتار ہو گئے۔

یہ جو فرمایا کہ "وَیَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا" کہ اللہ کے دین میں کجی تلاش کرتے ہیں یہ انکی انتہائی ضد اور عناد کی ایک صورت بیان فرمائی۔ مشرکین مکہ ایسا ہی کرتے تھے دین اسلام پر طرح طرح کے اعتراض اٹھاتے تھے۔ مدینہ منورہ میں یہودیوں سے واسطہ پڑا وہ لوگ یہ جانتے ہوئے بھی کہ سیدنا محمد رسول ﷺ واقعی اللہ کے رسول ہیں آپ کی نبوت و رسالت کا اقرار نہیں کرتے تھے اور ایسی ایسی باتیں نکالتے تھے جو حقیقت میں قابل اعتراض نہ تھیں لیکن انہیں بطور اعتراض عوام کے سامنے لاتے تھے تاکہ وہ اسلام قبول نہ کریں۔

آج تک یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار اس کام میں لگے ہوئے ہیں کہ اسلام میں عیب نکالیں حتیٰ کہ وہ مشرک جو گائے کا پیشاب پیتے ہیں وہ بھی اپنے آپ کو پوتر اور مسلمانوں کو ناپاک سمجھتے ہیں۔ انہیں مسلمانوں کی پاکیزہ شریعت پاکیزہ زندگی پر اعتراض ہے اور اپنے پیشاب پینے سے ذرا بھی نفرت نہیں جن قوموں میں غسل جنابت نہیں وہ بھی اپنے آپ کو مسلمان سے اچھا سمجھتی ہیں۔ اور جن قوموں میں زنا کاری عام ہے اور نکاح کرنا عیب ہے انہیں اسلام پر یہ اعتراض ہے کہ اس میں تعّدد ازواج کی اجازت ہے یہ کیسی اُلٹی سمجھ ہے کہ دوستیاں تو جتنی چاہے رکھ لے لیکن ایک سے زیادہ بیویاں جو اللہ کی شریعت میں حلال ہے اس پر اعتراض ہے۔

یہود و نصاریٰ نے آجکل مستشرقین تیار کر رکھے ہیں یہ لوگ بظاہر اسلام علوم میں اپنا اشتغال رکھتے ہیں اور نادان مسلمان خوش ہیں کہ کافر ہمارا دین پڑھ رہے ہیں وہ لوگ قرآن و حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ خود کافر ہیں بلکہ اہل اسلام جو اُن کے یہاں اسلامیات کی ڈگری لینے جاتے ہیں ان کو اسلامی عقائد میں مُذبذب کر کے مُرتد بنا دیتے ہیں ان سادہ لوح طلباء کو یہ پتہ بھی نہیں ہوتا کہ ہم دین اسلام سے خارج ہو گئے۔ مُستشرقین ان کو اسلام اور داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وسلم پر اعتراضات سُجھاتے اور سمجھاتے ہیں ان لوگوں کے پاس چونکہ علم نہیں ہوتا' علماء اسلام کی کتابوں اور صحبتوں سے محروم ہوتے ہیں اسلئے جواب دینے سے قاصر ہوتے ہیں اور خود بھی اسلام کے بارے میں بدعقیدہ ہو جاتے ہیں۔ مستشرقین ایسے ایسے اعتراضات سجھاتے ہیں جن کے منہ توڑ جوابات دیئے جا چکے ہیں اور علمائے اسلام ان کو مناظروں میں شکست دیکر بارہا ذلیل کر چکے ہیں یہ لوگ اپنے دین کو باطل جانتے ہوئے اسی پر جمے ہوتے ہیں اِنۡ هُمۡ اِلَّا كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ سَبِيۡلًا .

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ ۚ وَنَادَوْا أَصْحَابَ

اور دونوں کے درمیان پردہ ہوگا اور اعراف پر بہت سے لوگ ہوں گے جو ہر ایک کو اس کی نشانی سے پہچانتے ہوں گے اور وہ جنت والوں

الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۚ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ﴿٤٦﴾ وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ

کو پکار کر کہیں گے کہ تم پر سلام ہو۔ یہ لوگ جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے اور اُمید کر رہے ہوں گے اور جب ان کی نظریں

تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٤٧﴾ وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ

دوزخ والوں کی طرف پھیر دی جائیں گی تو کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہمیں ظالم قوم کے ساتھ شامل نہ فرمائیے۔ اور اعراف والے

رِجَالًا يَعْرِفُونَهُمْ بِسِيمَاهُمْ قَالُوا مَا أَغْنَىٰ عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿٤٨﴾ أَهَٰؤُلَاءِ

بہت سے آدمیوں کو پکاریں گے جنہیں وہ ان کی نشانی سے پہچانتے ہوں گے کہ تمہارے کام نہ آئی تمہاری جماعت اور نہ تمہارا تکبر کرنا۔ کیا وہ وہی لوگ ہیں

الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللَّهُ بِرَحْمَةٍ ۚ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿٤٩﴾

جن کے بارے میں تم نے قسم کھا کر کہا تھا کہ اللہ ان پر رحمت نہیں فرمائیگا انکو یوں حکم ہو گیا کہ داخل ہو جاؤ جنت میں، تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم رنجیدہ ہو گے

اصحاب اعراف کا اہل جنت کو سلام پیش کرنا اور اہل دوزخ کی سرزنش کرنا

تفسیر: اہل جنت اور اہل دوزخ دو جماعتیں ہوں گی اور ہر جماعت اپنے اپنے مقام اور مستقر پر ہوگی۔ ان دونوں کے درمیان پردہ حائل ہوگا۔ یہ پردہ ایک دیوار کی صورت میں ہوگا جس کو "وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ" سے تعبیر فرمایا۔ اس پردہ کے باوجود آپس میں ایک دوسرے کو خطاب کرنے کا موقع دیا جائیگا جس کا ذکر اوپر وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ میں ہوا۔ اور عنقریب ہی دوسری آیت میں دوزخیوں کا جنتیوں سے خطاب کرنے کا اور اُن سے پانی طلب کرنے کا ذکر آرہا ہے۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اہل جنت اور اہل دوزخ کے درمیان کچھ جھروکے ہوں گے جن سے ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے اور بات کر سکیں گے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ پردہ ایسا ہوگا جو جنت کا اثر اہل دوزخ کی طرف اور دوزخ کا اثر اہل جنت کی طرف نہیں پہنچنے دیگا۔ البتہ آپس میں ایک دوسرے کی آواز پہنچے گی۔

پھر اس بات کا جواب دیتے ہوئے کہ دیوار درمیان میں حائل ہوتے ہوئے آواز کیسے پہنچے گی تحریر فرماتے ہیں کہ "امور الأخرة لا تُقَاسُ بِامور الدنيا

(یعنی آخرت کی چیزیں دنیاوی چیزوں پر قیاس نہیں کی جاتیں) یہ تو صاحب روح المعانی نے درست فرمایا لیکن اب تو دنیا میں بھی لاسلکی نظام نے یہ ثابت کر دیا کہ آواز پہنچے اور باتیں کرنے کے لئے درمیان میں کسی چیز کا حائل ہونا اور ایک دوسرے سے بعید ہونا مانع نہیں۔

ایک شخص ایشیاء میں بیٹھے ہوئے بے تکلف امریکہ کے کسی بھی فرد سے بات کر سکتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اعراف پر بہت سے لوگ ہوں گے جو ہر ایک کو یعنی اہل جنت و اہل نار کو ان کی نشانیوں سے پہچانتے ہوں گے۔ لفظ اَعْرَاف عُرف کی جمع ہے ہر چیز کی بلند حصے کو عرف کہا جاتا ہے۔

آیت بالا میں جس اعراف کا ذکر ہے اس سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ جنت اور دوزخ کے درمیان جو دیوار ہوگی جسے حجاب سے تعبیر فرمایا ہے وہ اعراف ہوگی۔ آیت بالا میں اسکی تصریح ہے کہ اعراف میں بہت سے لوگ ہوں گے جو اہل جنت کو پہچانتے ہوں گے اور اہل دوزخ کو بھی۔ اور یہ پہچاننا ہر ایک کی علامتوں سے ہوگا۔ میدانِ حشر میں بھی اہل جنت اہل دوزخ سے ممتاز ہوں گے۔

اہل جنت کے چہرے سفید و روشن ہوں گے اور اہل دوزخ کے چہرے سیاہ ہونگے اور ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی اور جنت و دوزخ کے داخلہ کے بعد ہر فریق کی صورتوں کا ممتاز ہونا تو ظاہر ہی ہے اعراف والے اہل جنت کو اور اہل دوزخ کو ان کی نشانیوں سے پہچان لیں گے خود تو ابھی جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے البتہ اس کے امیدوار ہو رہے ہوں گے۔ کہ انہیں بھی جنت میں داخلہ نصیب ہو جائیگا۔

اسی طمع اور آرزو کے حال میں وہ جنت والوں سے خطاب کریں گے کہ سَلَامٌ عَلَیْکُمْ (تم پر سلام ہو) ان کا یہ کہنا بطور تحیہ یا بطور اخبار کے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں تکلیفوں سے بچا دیا اور آئندہ بھی تکلیفوں سے محفوظ رہو گے۔

یہ اصحاب اعراف کون ہوں گے؟ اس کے بارے میں حضرات مفسرین نے حضرات سلف سے متعدد اقوال نقل کئے ہیں مشہور ترین قول یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو نیکیوں کی وجہ سے پُل صراط سے گذر کر دوزخ سے تو بچ گئے لیکن ان کی نیکیاں اس قدر نہ تھیں کہ جنت میں داخلہ کا ذریعہ بن جائیں ان کو اعراف پر لوگوں کے درمیان فیصلہ ہونے تک چھوڑ دیا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنی رحمت و فضل سے انکو جنت میں داخل فرما دیں گے۔

اعراف والے حضرات اہل جنت سے بھی خطاب کریں گے (جس کا ذکر ابھی ہوا) اور اہل دوزخ سے بھی خطاب کریں گے، جب اہل دوزخ پر نظریں پڑیں گی تو ان کی بدحالی دیکھ کر اللہ پاک سے عرض کریں گے کہ اے اللہ! ہمیں ظالموں سے شمار نہ فرمانا یعنی دوزخ میں داخل نہ فرما۔ نیز یہ حضرات دوزخیوں میں ان لوگوں کو بھی دیکھیں گے جنہیں ان کی نشانیوں سے پہچانتے ہوں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جو اہل کفر کے سردار تھے جنہیں اپنی جماعت پر گھمنڈ تھا اور تکبر کرتے تھے نہ دین حق

قبول کرتے تھے اور نہ اپنے ماننے والوں کو قبول کرنے دیتے تھے۔ اور اہل ایمان کو حقارت کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ اور نہ صرف یہ کہ ان کو اپنے طور پر حقیر جانتے تھے بلکہ یوں کہتے تھے کہ ان لوگوں کو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل ہو ہی نہیں سکتی۔

اصحاب اعراف ان متکبروں سے کہیں گے کہ تمہاری جماعت نے تمہیں کچھ فائدہ نہ دیا جن کے تم چودھری بنے ہوئے تھے، اور جو کچھ تم تکبر کرتے تھے اس نے بھی تمہیں کچھ فائدہ نہ پہنچایا یہ لوگ (یعنی اہل ایمان) کیا وہی نہیں ہیں؟ جن کے بارے میں تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ اللہ ان کو اپنی رحمت میں شامل نہ فرمائے گا۔ دیکھو! وہ کیسے کامیاب ہوئے انکو جنت میں داخلہ دیدیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحمت فرمائی اور فرمایا۔

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ (جنت میں داخل ہو جاؤ) لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝ (نہ تم پر اب کچھ خوف ہے نہ آئندہ تم کبھی رنجیدہ ہو گے) وہ تو اپنے ایمان کی وجہ سے کامیاب ہو گئے اور تمہارا تکبر تمہیں کھا گیا تم کفر پر اڑے رہے لہٰذا تمہیں دوزخ میں داخل ہونا پڑا۔

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ

اور دوزخ والے جنت والوں کو آوزیں دیں گے کہ ہمارے اوپر کچھ پانی بہا دو یا ان نعمتوں میں سے جو اللہ نے تمہیں دی ہیں،

قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ

وہ جواب میں کہیں گے کہ بلا شبہ اللہ نے ان دونوں کو کافروں پر حرام کر دیا ہے، جنہوں نے اپنے دین کو لہو ولعب بنایا اور انہیں

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝

دنیا والی زندگی نے دھوکہ دیا، سو آج ہم انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں گے جیسا کہ وہ آج کے دن کی ملاقات کو بھول گئے اور جیسا کہ وہ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے،

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ هَلْ

اور ان میں شک نہیں کہ ہم نے انہیں ایسی کتاب دی ہے جسے علم کے مطابق کھول کر بیان کر دیا جو ہدایت ہے اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔

يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ

یہ لوگ بس اس انتظار میں ہیں کہ اس کا انجام اُن کے سامنے آجائے۔ جس دن اس کا انجام سامنے آئے گا تو وہ لوگ کہیں گے جو اس کو پہلے بھول گئے تھے کہ ہمارے

رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ

رب کے پیغمبر حق لے کر آئے سو کیا ہمارے لئے سفارش کرنے والے ہیں جو ہمارے لئے سفارش کریں یا ہم واپس لوٹا دیئے جائیں سو ہم اس عمل کے علاوہ عمل کریں

كُنَّا نَعْمَلُ ۭ قَدْ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

جو کیا کرتے تھے، ان لوگوں نے اپنی جانوں کو تباہی میں ڈالا اور جو کچھ افتراء پردازی کیا کرتے تھے وہ سب بیکار چلی گئی

دوزخیوں کا اہل جنت سے پانی طلب کرنا اور دنیا میں واپس آنے کی آرزو کرنا

تفسیر: اہل جنت اور اہل اعراف جو دوزخیوں سے خطاب کریں گے گذشتہ آیات میں اس کا تذکرہ فرمایا۔ اس آیت میں اہل دوزخ کے خطاب کا ذکر ہے وہ اہلِ جنت سے اپنے عذاب کی تخفیف کے لیے سوال کریں گے اور اُن سے اپنے لیے کچھ مانگیں گے، وہ کہیں گے کہ ہمارے اوپر کچھ پانی بہادو۔ یا دوسری چیزیں جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی ہیں ان میں سے کچھ ہماری طرف بھی بھیج دو۔ اہل جنت جواب دیں گے کہ جنت کا پانی اور جنت کی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے کافروں پر حرام کردی ہیں۔ ہم تمہارا سوال کیسے پورا کر سکتے ہیں۔

کافروں نے اپنے دین کو (جو اللہ نے اُن کے لیے بھیجا تھا) لہو ولعب کھیل تماشا بنا دیا تھا اسکو قبول نہیں کرتے تھے اور اُلٹا اس کا مذاق بناتے تھے۔ دنیاوی زندگی نے ان کو دھوکے میں ڈالا اسی کے لیے عمل کرتے رہے اور سب کچھ اسی کو سمجھتے رہے آخرت کیلئے فکرمند نہ ہوئے اور جس دین کے ذریعے آخرت میں نجات ہوتی اسے قبول کرنے سے دُور رہے۔

فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ آج ہم بھی انہیں بھلا دیں گے یعنی ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں گے جو ایسے لوگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے جنکی طرف رحمت کے ساتھ بالکل توجہ نہ کی جائے اور جنہیں ان کے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے چونکہ انہوں نے آج کے دن یعنی یومِ قیامت کو بھلا دیا تھا اور ہماری آیات کا انکار کرتے تھے اسلئے ان پر بالکل رحم نہ کیا جائے گا اور ان کی کوئی درخواست قبول نہ کی جائیگی اور ان کو دوزخ ہی میں ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا جائیگا۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (اور ہم نے انہیں کتاب پہنچادی ہے یعنی قرآن مجید جس کو ہم نے اپنے علم کامل سے خوب واضح طور پر بیان کردیا۔ (سب ہی کے لیے ہے۔ لیکن) ہدایت ورحمت انہیں لوگوں کے لیے ہے جو اس کو سنکر ایمان لے آتے ہیں)

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ (الآیۃ) قرآن مجید میں مومن بندوں کا ثواب بتایا ہے ان کو بشارتیں دی ہیں اور اہلِ کفر کو عذاب سے ڈرایا ہے اور یومِ قیامت میں جو ان کو عذاب ہوگا اسکی وعیدیں سنائی ہیں۔ مومنین کے حق میں قرآن مجید کے بتائے ہوئے اعمالِ خیر کا نتیجہ ہوگا کہ وہ قیامت کے دن نجات پائیں گے اور جنت میں جائیں گے اور کافروں کو جو قرآن مجید نے وعیدیں سنائی ہیں وہ ان وعیدوں کے مطابق اپنا انجام دیکھ لیں گے۔

اسی عاقبت اور انجام کو لفظ تَـاْوِيْـل سے تعبیر فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے اور دعوتِ حق کو قبول نہیں کرتے ان کی حالت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو بس یہی انتظار ہے کہ قرآن نے کافروں کے بارے میں جو وعیدیں بتائی ہیں یعنی عذاب کی خبریں دی ہیں ان کے مطابق ان پر عذاب آجائے۔ جب عذاب میں مبتلا ہوں گے تو وہ لوگ جو قرآن کی دعوت کو بھولے ہوئے تھے اور ایمان سے منحرف تھے یوں کہیں گے کہ واقعی ہمارے رب کے پیغمبر ہمارے پاس حق لے کر آئے تھے دنیا میں ہم نے حق قبول نہیں کیا جس کی وجہ سے یہاں عذاب میں مبتلا ہوئے۔ اب عذاب سے نکلنے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ ہماری کوئی سفارش کر دے جس کی سفارش قبول ہو جائے اور ہم عذاب سے بچ جائیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ ہم دنیا میں واپس بھیج دیئے جائیں اور اب وہاں جا کر ان کاموں کے علاوہ دوسرے کام کریں جو گذشتہ زندگی میں کیا کرتے تھے۔ یعنی کفر اور شرک کے عقائد اور اعمال سے پرہیز کریں۔ اور ایمان و ایمانیات میں مشغول ہوں۔

قَدْ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ (انہوں نے اپنی جانوں کو تباہ کر ڈالا) وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ اور جو جھوٹی باتیں جھوٹے وعدے لئے پھرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے لئے شریک تجویز کرتے تھے اور ان شرکاء کو بارگاہِ خداوندی میں شُفَعَاء یعنی سفارشی سمجھتے تھے۔ یہ سب غائب ہو جائیگا اور اس کا باطل ہونا ظاہر ہو گیا۔

سورۂ فاطر میں ہے کہ جب دوزخ میں یہ درخواست کریں گے کہ اے رب! ہمیں دوزخ سے نکال دیجئے اب ہم ان اعمال کے علاوہ دوسرے اعمال کریں گے جو اس سے پہلے کیا کرتے تھے۔ تو اس کے جواب میں ارشاد ہوگا اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ؕ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ (کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ جو نصیحت حاصل کرنا چاہتا وہ نصیحت حاصل کر لیتا اور تمہارے پاس ڈرانے والے بھی آئے لہٰذا تم چکھ لو سو ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں) چونکہ موت کے بعد برزخ سے اور میدانِ حشر سے دنیا میں واپس آنے کا قانون نہیں ہے اس لئے واپس نہیں ہو سکتے اور کافروں کو ابدالآباد تک عذاب چکھنا ہی ہوگا۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۫

بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا۔ پھر عرش پر استواء فرمایا

يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ

ڈھانپ دیتا ہے رات سے دن کو رات اسے طلب کر لیتی ہے جلدی سے اور پیدا فرمایا چاند کو اور سورج کو اور ستاروں کو اس حال میں کہ اس کے حکم سے وہ مسخر ہیں خبردار!

الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾

پیدا فرمانا اور حکم دینا اللہ ہی کے لئے خاص ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے

آسمان وزمین کی پیدائش، شمس وقمر اور ستاروں کی تسخیر کا تذکرہ

تفسیر : یہاں سے پھر توحید کا بیان شروع ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے جو بندوں کے سامنے بڑی بڑی مخلوقات ہیں ان کی تخلیق اور تسخیر کا تذکرہ فرمایا۔ یہ چیزیں توحید کی نشانیاں ہیں۔ اول تو یہ فرمایا کہ تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دن میں پیدا فرمایا۔

اللہ جل شانہٗ آنِ واحد میں ساری کائنات کو پیدا فرمانے پر قادر ہے پھر آسمان وزمین کو چھ دن میں کیوں پیدا فرمایا؟ ہمیں اسکی حکمت معلوم ہونا ضروری نہیں ہے۔

حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ اپنی مخلوق کو تعلیم دینے کے لیے دفعتہً پیدا فرمانے کی بجائے چھ دن میں فرمایا تاکہ وہ سمجھ لیں کہ جب قادر مطلق نے چھ دن میں آسمان وزمین پیدا فرمائے حالانکہ وہ آنِ واحد میں دفعتہً پیدا فرما سکتا ہے تو مخلوق کے اپنے کام میں ضرور تدریج اور ترتیب کی ضرورت ہوگی۔

قال صاحب الروح وقال غیر واحد ان فی خلقھا مدرجًا مع قدرتہٖ سبحانہ علٰی ابداعھا دفعۃ دلیل علی الاختیار واعتبار لِنُظّار (ج۸ ص۱۳۳) وفیہ ایضًا ان التعجیل فی الخلق ابلغ فی القدرۃ والتثبت ابلغ فی الحکمۃ فاراد اللہ تعالٰی اظھار حکمتہ فی خلق الاشیاء بالتثبت کما اظھر قدرتہ فی خلق الاشیاء بکُن (ج۸ ص۱۳۴)

وفی معالم التنزیل (ج۲ ص۱۶۴) قال سعید بن جبیر کان اللہ عزوجل قادرًا علی خلق السموٰت والارض فی لمحۃ ولحظۃ فخلقھن فی ستّۃ ایّام تعلیما لخلقہ التثبت وَالتأنی فی الامور وقد جاء فی الحدیث: التأنی من الرحمٰن والعجلۃ من الشیطان.

(صاحب روح المعانی فرماتے ہیں: کئی حضرات نے کہا ہے اللہ کو ایک ہی دفعہ میں زمین وآسمان کو پیدا کرنے کی قدرت ہونے کے باوجود اس کا تدبیر سے پیدا کرنے میں کسی کام کو غور سے کرنے کی دلیل اور عقل والوں کے لئے عبرت ہے اور یہ بات بھی ہے کہ پیدائش میں جلدی وہ کمالِ قدرت کی دلیل ہے اور تدبیر سے پیدا کرنا کمالِ حکمت کی دلیل ہے تو تدبیر سے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کا مقصود اپنی حکمت کا اظہار ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کُن کے ذریعہ چیزوں کو پیدا کر کے اپنی قدرت ظاہر فرمائی۔ اور تفسیر معالم التنزیل میں ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کو ایک لمحہ اور ایک لحظہ میں پیدا کرنے پر قادر تھا۔ لیکن انہیں چھ دنوں میں پیدا کر کے اپنی مخلوق کو تدبیر کی تعلیم دی ہے اور معاملات میں غور وفکر کی تعلیم دی ہے اور حدیث پاک میں بھی آیا ہے کہ غور وتدبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جلدی شیطان کی طرف سے)

سورۂ فرقان (ع۵) اور سورۂ حٰمٓ سجدہ (ع۱) اور سورۂ قٓ (ع۳) میں سَمٰوٰتِ اور ارض کے ساتھ وَمَا بَیْنَھُمَا بھی فرمایا کہ آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو چھ دن میں پیدا فرمایا اس کی تفصیل سورۂ حٰمٓ سجدہ (ع۲) میں بیان فرمائی ہے وہاں ان شاء اللہ تعالیٰ اس بارے میں تفصیل سے لکھا جائیگا۔

یہاں یہ جو سوال پیدا ہوتا ہے کہ دن تو سورج کی حرکت سے وجود میں آتا ہے اُس وقت نہ آسمان تھے نہ زمین تھی نہ سورج تھا تو چھ دن کا وجود کیسے ہُوا؟ اس کے بارے میں مفسرین فرماتے ہیں کہ سِتَّۃِ اَیَّامٍ سے مقدار ستۃ ایام مراد ہے یعنی

چھ دن کی مقدار میں تخلیق فرمائی۔

ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ پھر عرش پر استواء فرمایا۔ اِستواء قائم ہونے کو اور عرش تختِ شاہی کو کہا جاتا ہے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جو اپنے بارے میں ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ فرمایا اور اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی فرمایا اس کو سمجھنے کے لئے بعض لوگوں نے مختلف تاویلیں کی ہیں۔ اس کے بارے میں حضرات سلفِ صالحین صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جو بات منقول ہے وہ یہ ہے کہ انسانی عقل اللہ جل شانہٗ کی ذات و صفات کو پوری طرح سمجھنے اور احاطہ کرنے سے عاجز ہے لہٰذا جو کچھ فرمایا ہے اس پر سب ایمان لائیں اور سمجھنے کے لئے کھوج کرید میں نہ پڑیں۔

یہی مسلک بے غبار اور صاف و صحیح ہے۔ حضرت امام مالکؒ سے کسی نے اسْتَواء عِلَی العرش کا معنی پوچھا تو ان کو پسینہ آ گیا اور تھوڑی دیر سر جھکانے کے بعد فرمایا کہ استواء کا مطلب تو معلوم ہے اور اس کی کیفیت سمجھ سے باہر ہے اور ایمان اس پر لانا واجب ہے۔ اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

پھر سائل سے فرمایا کہ میرے خیال میں تو گمراہ شخص ہے اس کے بعد اُسے اپنی مجلس سے نکلوادیا۔ (معالم التنزیل ج۲ ص ۱۶۵)

اس بارے میں سوال کرنے کو بدعت اسلئے فرمایا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے بھی آیات متشابہات تھیں لیکن انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ان کے بارے میں کیفیت اور حقیقت سمجھنے کے لئے کوئی سوال نہیں کیا۔ اور آنحضرت ﷺ نے بھی ان امور کو واضح نہیں فرمایا۔ جس طرح وہ حضرات آیات متشابہات پر اجمالاً ایمان لے آئے اسی طرح بعد والوں کے لئے بھی اسی میں خیر ہے کہ بغیر سمجھے ہوئے ایمان لے آئیں۔

سورۂ آل عمران کے پہلے رکوع میں گذر چکا ہے کہ جن کے دلوں میں زَیْغ یعنی کجی ہے وہ فتنہ تلاش کرنے کے لئے متشابہات کے پیچھے لگتے ہیں۔ اور ان کا مطلب معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚ (الآیۃ)

پھر فرمایا یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ (اللہ تعالیٰ ڈھانپ دیتا ہے رات کو دن پر) یعنی شب کی تاریکی سے دن کی روشنی کو چھپا دیتا ہے۔ اسکو سورۂ زُمر میں یوں فرمایا یُکَوِّرُ الَّیْلَ عَلَی النَّهَارِ وَیُکَوِّرُ النَّهَارَ عَلَی الَّیْلِ ۚ (وہ رات کو دن پر لپیٹ دیتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹ دیتا ہے) اور یہ سب کے سامنے ہے اللہ کے سوا کسی کو قدرت نہیں کہ رات اور دن کے نظام کو بدل دے نیز فرمایا یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا (یعنی کہ رات جلدی جلدی چل کر دن کو طلب کر لیتی ہے) دن آناً فاناً گذرتا ہوا معلوم ہوتا ہے یہاں تک کہ رات آ جاتی ہے اور دن غائب ہو جاتا ہے۔

پھر فرمایا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ ۚ (یعنی اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند اور تمام ستاروں کو پیدا فرمایا اس حالت پر کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں اور اس کی مشیت و ارادہ کے مطابق چل رہے ہیں۔ ہزاروں سال

گذر گئے جو اُن کی رفتاریں مقرر فرما دیں اور جو کام ان کے ذمہ لگائے ہیں ان میں لگے ہوئے ہیں صرف خداوند قدوس کے حکم سے چلتے ہیں کسی آلہ یا انجن کے بغیر محض امر الٰہی ہی کی وجہ سے رواں اور دواں ہیں)

آسمان و زمین و شمس و قمر اور ستاروں کی تخلیق بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط (خبردار اللہ ہی کے لئے ہے پیدا فرمانا اور حکم دینا)

قال صاحب الروح (ج۸ص۱۳۸) وفسر بعضهم الامرهنا بالا رادة ايضًا وفسر اٰخرون الامر بما هو مقابل النهى والخلق بالمخلوق اى له تعالىٰ المخلوقون لانهٔ خلقهم وله أن يامرهم بما اداد اھ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یہاں بعض نے تو اَمر کی تفسیر ارادہ سے بھی کی ہے اور دوسرے بعض نے نہی کے مقابلہ میں جو امر ہوتا ہے وہ مراد لیا ہے اور خلق کو مخلوق کے معنی میں لیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اسی کی مخلوقات ہے کہ اسی نے انہیں پیدا کیا ہے اور اسی کو اپنے ارادہ کے مطابق انہیں حکم کرنے کا اختیار ہے) خالق ہونا اور حاکم ہونا اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے اس کے علاوہ کوئی نہ ادنیٰ چیز کو پیدا کر سکتا ہے اور نہ تکوینی اور تشریعی طور پر اس کے علاوہ کسی کو حکم دینے کا اختیار ہے

آخر میں فرمایا تَبٰرَکَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ o (بابرکت ہے اللہ جو تمام جہانوں کا رب ہے)

صاحب معالم التنزیل ج۲ص۱۶۵ نے اولاً تو تبارک کا معنی تعالیٰ الله وتعظم لکھا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ برتر ہے باعظمت ہے) اور ایک قول یوں بھی لکھا کہ تَبٰرَکَ بمعنی تقدس ہے۔ پھر محققین کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

معنى هذه الصفة ثبت و دَامَ بما لم يزل ولا يزال

(یعنی اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنی ذات اور صفات کے ساتھ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا) تمام اقوال کو سامنے رکھ کر لفظ تَبٰرَکَ کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ برتر ہے باعظمت ہے ہر عیب سے پاک ہے وہ اپنی صفات عالیہ سے ہمیشہ سے متصف ہے اور ہمیشہ متصف رہے گا۔ اس کی ذات و صفات کو کبھی بھی زوال نہیں۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۗ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ

تم اپنے رب کو پکارو عاجزی کے ساتھ اور چپکے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کو ناپسند فرماتا ہے جو حد سے آگے بڑھنے والے ہیں اور فساد نہ کرو زمین میں

اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۗ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

اس کی اصلاح کے بعد اور پکارو اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور اُمید رکھتے ہوئے۔ بے شک اللہ کی رحمت اچھے کام کرنیوالوں سے قریب ہے

دعا کرنے کے آداب

تفسیر: اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور حاکمیت بیان فرمانے کے بعد حکم فرمایا کہ اسی کی طرف متوجہ رہو اسی کو پکارو اسی سے مانگو اسی سے اپنی حاجتوں کا سوال کرو۔ ساتھ ہی دُعا کا ادب بھی بتا دیا اور وہ یہ کہ تضرع یعنی عاجزی کے ساتھ دعا کیا کرو دعا میں اپنی عاجزی اختیار کرو اور دل سے مانو کہ واقعی ہم عاجز ہیں نیز یہ بھی بتایا کہ چپکے چپکے دعا کرو۔ بعض مواقع میں زور

سے دعا کرنا بھی ثابت ہے جیسا کہ استسقاء اور قنوتِ نازلہ وغیرہ میں زور سے دعا کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن عام حالت میں چپکے چپکے ہی دعا کرنا چاہئے۔

سورۂ مریم میں حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اِذْنَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِیًّا (جبکہ زکریا نے اپنے رب کو پکارا پوشیدہ طریقہ پر) بات یہ ہے کہ خفیہ دعا کرنے میں حضوری قلب کا موقع زیادہ ہوتا ہے۔ اگر زور سے دعا کی جائے تو اُونچی آواز کرنے کی طرف بھی دھیان رہتا ہے اور اس میں توجہ بٹ جاتی ہے۔ بعض صحابہؓ نے عرض کیا تھا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! کیا ہمارا رب قریب ہے اگر ایسا ہے تو ہم اس سے مُناجات کریں یعنی خفیہ طریقہ پر مانگیں۔ یا وہ دور ہے جسے ہم زور سے پکاریں اس پر آیت کریمہ وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ (الآیۃ) نازل ہوئی (دُرِّ منثور ج۱ ص ۱۹۴)

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”انا عند ظن عبدی بی و انا معه اذا ذکرنی (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۶) (میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں وہ میرے بارے میں جو گمان کرلے اور میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرے)

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انا مع عبدی اذا ذکرنی و تحرکت بی شفتاه (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۹) (میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرے اور جب اس کے ہونٹ میری یاد میں حرکت کرتے ہوں)

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ تمہارا رب تم سے اس سے بھی زیادہ قریب ہے جتنی تمہاری سواری والی اونٹنی کی گردن تم سے قریب ہے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۱ از بخاری و مسلم)

پس جب اللہ جل شانہٗ بندوں سے اس قدر قریب ہے تو دعا میں چیخنے اور پکارنے کی ضرورت نہیں آہستہ دعا کریں اور دل لگا کر مانگیں۔

پھر ارشاد فرمایا اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (بے شک وہ حد سے بڑھ جانے والوں کو پسند نہیں فرماتا) اس میں عمومی طور پر تمام اعمال میں اعتداء اور اسراف اور حد سے آگے بڑھ جانے کی ممانعت فرمادی۔ یہ اعتداء حد سے بڑھ جانا دعا میں بھی ہوتا ہے۔

حضرات مفسرین نے بطور مثال کے لکھا ہے کہ دعا میں ایک اعتداء یہ ہے کہ (مثلاً) اپنے لئے یہ سوال کرے کہ مجھے جنت میں حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی منازل عطا کی جائیں۔ اگر گناہ کرنے یا قطع رحمی کی دعا کی جائے تو یہ بھی اعتداء کی ایک صورت ہے سُنن ابوداؤد ج۱ ص ۱۳ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو یوں دعا کرتے ہوئے سنا اللّٰھُمَّ انی اسئلک القصر الابیض عن یمین الجنة (اے اللہ! میں آپ سے جنت کی

دائیں جانب سفید محل کا سوال کرتا ہوں) یہ سُن کر حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے بیٹا! تو اللہ سے جنت کا سوال کر اور دوزخ سے پناہ مانگ (اپنی طرف سے سفید محل تجویز نہ کر) میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ عنقریب اس امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو طہور (وضو غسل وغیرہ میں) اور دعاء میں اعتداء یعنی زیادتی کریں گے۔

زندگی کے دوسرے شعبوں میں جو حدود شرعیہ سے آگے بڑھ جاتے ہیں اس کی ممانعت بھی آیت کریمہ کے عموم الفاظ میں داخل ہے۔ نیکی تو بہت بڑی چیز ہے لیکن شرعاً اس کی بھی حدود مقرر ہیں کوئی شخص راتوں رات نماز پڑھے اپنی بیوی اور مہمانوں کی خبر نہ لے یا رات دن ذکر و تلاوت میں لگا رہے اور بیوی بچوں کی معاش کے لئے فکر مند نہ ہو اور ان کے لئے اتنی روزی نہ کمائے جس سے واجبات ادا ہوں یہ بھی اعتداء اور زیادتی ہے۔

پھر فرمایا وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا (اور زمین کی اصلاح کے بعد زمین میں فساد نہ کرو) اس سے زمین کی ظاہری اصلاح اور باطنی اصلاح دونوں مراد ہو سکتی ہے۔ کھیتی اُگا دی اور اس میں طرح طرح کے فوائد رکھ دیئے اس کو خراب نہ کرو۔ اللہ کی پیدا فرمودہ چیزوں کو نہ اُجاڑ دو۔ اور ان سے انتفاع کی جو جائز صورتیں ہیں ان میں رخنہ پیدا نہ کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو ان سے منتفع ہونے دو۔ اور باطنی اصلاح کے مُراد لی جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو بھیجا کتابیں نازل فرمائیں دلائل سے حق کو واضح فرمایا اعمال صالحہ کا حکم دیا۔ اور بُرے کاموں سے منع فرمایا کثیر تعداد میں انسانوں نے ایمان قبول کیا اب اس سُدھار کو خراب نہ کرو ہدایت کی راہ اختیار کرو اسی پر خود رہو اور دوسری کو اسی پر رہنے دو مذکورہ بالا آیات سے چند آداب معلوم ہوئے۔

اوّل یہ کہ دعا میں زیادتی نہ کرو۔ دوم یہ کہ خفیہ طریقہ پر دعا کرو۔ اور سوم یہ کہ ڈرتے ہوئے دعا مانگو کہ ممکن ہے قبول نہ ہو۔ چہارم خوب للچاتے اور امید کرتے ہوئے دعا مانگو اور پانچواں ادب وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا سے معلوم ہوا۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ فساد فی الارض جو تمام معاصی پر صادق آتا ہے اس سے بھی پرہیز کرو۔ کیونکہ فساد فی الارض بھی دعاؤں کی قبولیت کے روکنے کا ذریعہ ہے۔

صحیح مسلم ج ا ص ۳۲۶ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا جس کا سفر لمبا ہو بال بکھرے ہوئے ہوں۔ غبار سے اٹا ہوا ہو وہ آسمان کی طرف ہاتھ پھیلا کر یَا رَبِّ یَا رَبِّ کہتا ہے اور حال ہے کہ اس کا کھانا حرام ہو پینا حرام ہو اور لباس حرام ہو اور اسے حرام سے غذا دی گئی ہو۔ ان چیزوں کے ہوتے ہوئے اس کی دعا کہاں قبول ہوگی۔

پھر فرمایا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ٥ (بلاشبہ اللہ کی رحمت اچھے کام کرنے والوں سے قریب ہے) اس میں مطلقاً ہر اچھے کام کی فضیلت بتا دی جتنے بھی اچھے کام ہیں وہ سب اللہ کی رحمت شامل حال ہونے کا ذریعہ ہیں۔

اسی عموم میں دعا کا احسان بھی ہے۔ دُعا کے جو آداب بتائے ہوئے ہیں ان آداب کی رعایت کرتے ہوئے اگر دعا کی جائے تو

اللہ کی رحمت نازل ہوگی اور دعا کی قبولیت کا ذریعہ بن جائیں گے۔

وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ حَتّٰى إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ

اور اللہ وہ ہے جو اپنی رحمت سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری دینے والی بنا کر بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ بھاری بادل کو اٹھا لیتی ہیں تو ہم اس کو

لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَأَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۚ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ

مردہ زمین کے لئے روانہ کرتے ہیں پھر ہم اس کے ذریعہ پانی نازل کرتے ہیں۔ پھر ہم اس کے ذریعہ نکالتے ہیں ہر طرح کے پھلوں سے۔ اسی طرح ہم زندہ کریں گے مردوں کو تاکہ تم

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِإِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا ۚ كَذٰلِكَ

نصیحت حاصل کرو۔ اور جو اچھی زمین ہے اُس کا سبزہ نکلتا ہے اس کے رب کے حکم سے اور جو زمین خراب ہے اس کا سبزہ نہیں نکلتا مگر ناقص، ہم اس طرح

نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾

اُن لوگوں کے لئے طرح طرح سے آیات بیان کرتے ہیں جو شکر گذار ہوتے ہیں

بارش اور اس کے ذریعہ پیداوار اللہ کی بڑی نعمتیں ہیں

تفسیر: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت یعنی بارش اور اس کے فوائد کا تذکرہ فرمایا ہے اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہواؤں کو بھیجتا ہے جو اسکی رحمت یعنی بارش سے پہلے خوش خبری دینے والی ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ ہوائیں بھاری بھاری بادلوں کو اٹھا لیتی ہیں۔ جن میں پانی بھرا ہوا ہوتا ہے جو زمین بے آب و گیاہ ہوتی ہے اور سبزی کے اعتبار سے مردہ ہو چکی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کو ایسی زمین کی طرف بھیج دیتا ہے وہاں بارش برستی ہے جس سے پانی جمع ہو جاتا ہے سبزہ نکل آتا ہے، کھیتوں اور باغوں میں جان پڑ جاتی ہے جس سے پھل میوے غلے پیدا ہوتے ہیں پھر اُن سے انسان اور جانور غذا پاتے ہیں اور منتفع ہوتے ہیں۔

بارش بنجر زمین پر بھی ہوتی ہے اور پہاڑوں پر بھی برستی ہے لیکن ایسی زمین کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ فرمایا جس میں پانی برسنے کے بعد کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں، اور سبزیوں ترکاریوں کی پیداوار ہوتی ہے کیونکہ یہ انسان اور اس کے پالتو جانوروں کی معاش کا سبب ہے اور مومن، کافر سب ہی اس سے منتفع ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے سب کو اپنا انعام یاد دلایا۔

زمین سے پھلوں کے نکالنے کا انعام ذکر فرمانے کے بعد كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى فرمایا ''کہ ہم اسی طرح مردوں کو نکالیں گے'' مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم نے مردہ زمین کو زندہ کیا اور اس سے درخت اور پھل پھول نکالے اسی طرح قیامت کے دن مردوں کو زندہ کر کے زمین سے نکالیں گے۔

سورۂ حٰمٓ سجدہ میں فرمایا وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ط اِنَّ الَّذِیْٓ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اے مخاطب! تو زمین کو دیکھتا ہے کہ وہ دبی ہوئی ہے پھر جب ہم اُتارتے ہیں اس پر پانی تو وہ لہلہانے لگتی ہے اور بڑھنے لگتی ہے بلاشبہ جس نے اس کو زندہ فرمایا وہ مُردوں کو زندہ کر دیگا بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے)

قیامت کے دن جب پہلا صُور پھونکا جائیگا اور لوگ بے ہوش ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ بارش بھیج دیگا وہ شبنم کی طرح ہو گی اس سے لوگوں کے جسم اُگ جائیں گے پھر دوبارہ پھونکا جائیگا تو وہ سب کھڑے ہوئے دیکھتے ہوں گے (مشکوٰۃ شریف ص ۴۸۱ از مسلم)

آیت کے ختم پر لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ فرمایا جس میں نصیحت اور عبرت حاصل کرنے کی طرف متوجہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ ہوائیں بھیجتا ہے جو بارش آنے کی خوش خبری دیتی ہے پھر یہ ہوائیں پانی سے بھرے ہوئے بھاری بادلوں کو مردہ زمین کی طرف لے جاتی ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہاں بارش برستی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مشیت نہ ہو تو پانی سے بھرے ہوئے بادل گذرتے ہوئے چلے جاتے ہیں اور ضرورت کی جگہ ایک قطرہ بھی نہ برسے جب پانی برس جاتا ہے تو وہاں زمین زندہ ہو جاتی ہے۔ سبزیاں کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں۔ پھل اور میوے پیدا ہو جاتے ہیں انسان پر لازم ہے کہ اس سب کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرے اور اس ذات پاک کی طرف متوجہ ہو جس کے حکم سے یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ ساتھ ہی منکرین بعث کو بھی سمجھنے کی دعوت دی کہ وہ زمین سے مردوں کے نکلنے کو مستبعد سمجھتے ہیں وہ نظروں کے سامنے دیکھ لیں کہ زمین بارہا مردہ ہوتی رہتی ہے اور زندہ ہوتی رہتی ہے۔ پھر فرمایا۔

وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا (اور اچھی زمین کا سبزہ نکلتا ہے اس کے رب کے حکم سے اور جو خراب زمین ہے اس میں سے نہیں نکلتا مگر ناقص) نَكِدًا اس چیز کو کہتے ہیں جو بے فائدہ بھی ہو اور مقدار میں بھی کم ہو۔ بارش تو جگہ جگہ ہوتی ہے اچھی زمین پر بھی برستی ہے اور بنجر شور زمین پر بھی اس کا فیضان ہوتا ہے لیکن اچھی زمین بارش کی وجہ سے باغ و بہار بن جاتی ہے اور خراب زمین میں جو کوئی چیز پیدا ہو جاتی ہے بے فائدہ ہوتی ہے اور تھوڑی بھی ہوتی ہے (بے فائدہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ غذا کے کام نہیں آتی)

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس میں مومن اور کافر کی مثال بیان فرمائی ہے مومن کا دل طیب ہے پاکیزہ ہے اس کے سامنے جو اللہ کی ہدایتیں آتی ہیں اور جو قرآن کی آیات سنتا ہے وہ اس کے دل پر اثر کر جاتی ہے اور ان سے منتفع ہوتا ہے

اور اس کے دل میں خوبیوں اور خوشیوں کی لہریں دوڑ جاتی ہیں۔

اور کافر کے پاس جب ہدایت پہنچتی ہے اور قرآن کی آیات سنتا ہے تو قبول نہیں کرتا اس کا دل خبیث ہے۔ ہدایت سے منتفع نہیں ہوتا ذرا بہت ہدایت کا خیال آتا ہے تو اسکو آگے نہیں بڑھنے دیتا۔

کَذٰلِکَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّشْکُرُوْنَ (یعنی ہم طرح طرح سے آیات بیان کرتے ہیں یہ ان لوگوں کے لئے دلائل ہیں جو شکر گزار ہیں ارقدر شناس ہیں) بیان تو سب کے لئے ہوتا ہے لیکن نفع وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جنہیں اپنے خالق کی نعمتوں کی قدر دانی ہے۔ ان کے قلوب پاکیزہ ہیں خیر کو قبول کرتے ہیں۔ اور ظاہری باطنی نعمتوں کے لئے شکر گزار ہوتے ہیں۔

قال صاحب الروح (ج ۸ص ۱۴۸) لِقَوْمٍ یَّشْکُرُوْنَ نعم اللہ تعالٰی ومنھا تصریف الاٰیات وشکر ذالک بالتفکر فیھا والاعتبار بھا وخص الشاکرین لانھم المنتفعون بذلک، وقال الطیبی ذکر لقوم یشکرون بعد لعلکم تذکرون من باب الترقی لان من تذکر الآء اللہ تعالٰی عرف حق النعمة فشکرا ھ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہم ان کے لئے اپنی نشانیاں بیان کرتے ہیں جو اللہ تعالٰی کی نعمتوں کا شکر کرتے ہیں اور نعمتوں کا شکر ان میں غور وفکر اور سبق آموزی سے کرتے ہیں اور شکر کرنے والوں کو اس لئے خاص کیا ہے کیونکہ نفع اٹھانے والے وہی ہیں۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں تذکرون کے بعد یشکرون فرمانا ترقی کے باب سے ہے کیونکہ جو اللہ تعالٰی کی نعمتوں کو یاد کرے گا تو وہی نعمت کا حق پہچان کر اس کا شکر بھی ادا کرے گا)

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ

بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ تمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ بے شک میں تم پر ایک

عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ یٰقَوْمِ

بڑے دن کے عذاب کا خوف کرتا ہوں۔ ان کی قوم کے بڑے لوگوں نے کہا کہ بلاشبہ ہم تجھے کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھ رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے میری قوم!

لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَ

میرے ساتھ کوئی گمراہی نہیں ہے لیکن میں سارے جہانوں کے رب کی طرف سے رسول ہوں۔ میں تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہارے خیر خواہی کرتا ہوں اور

اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ

اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ کیا تم کو اس بات سے تعجب ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم ہی میں سے ایک شخص کے پاس نصیحت کی باتیں آ گئیں تا کہ وہ تمہیں ڈرائے

وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ فِی الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ

اور تا کہ تم ڈر جاؤ اور تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ سو ان لوگوں نے نوح کو جھٹلایا۔ سو ہم نے اسے اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دے دی اور ہم نے ان لوگوں کو غرق کر دیا

كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِیْنَ ﴿۶۴﴾

جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ بلاشبہ وہ لوگ اندھے تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ فرمانا اور قوم کا سرکش ہو کر ہلاک ہونا

تفسیر: امت حاضرہ کی یاددہانی اور عبرت دلانے کے لئے قرآن مجید میں جگہ جگہ انبیاء سابقین علیہم السلام کے اور ان کی امتوں کے واقعات ذکر فرمائے ہیں کہیں ایک ہی نبی کا تذکرہ فرمایا اور کہیں متعدد انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ فرمایا۔ کہیں تذکرے مختصر ہیں کہیں مفصل ہیں۔

یہاں سورۂ اعراف میں حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت شعیب علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تبلیغ و تذکیر اور ان کی امتوں کے انکار و تکذیب پھر اس پر ان کی سزا و تعذیب کا تذکرہ فرمایا ہے، اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے دشمن فرعون کا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کا تذکرہ فرمایا۔

سورۂ ھود میں بھی اسی ترتیب سے ان حضرات کے واقعات ذکر فرمایا ہے پھر اسی ترتیب سے سورۂ شعراء میں ان کا تذکرہ فرمایا ہے چونکہ عبرت دلانا مقصود ہے اسلئے یہ تکرار نہایت ہی مفید ہے منکرین کی یہ نادانی ہے کہ ان واقعات سے عبرت لینے کی بجائے یوں سوال کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں تکرار کیوں ہے جسے شفقت ہوتی ہے بار بار تنبیہ و تذکیر کرتا ہے۔

اللہ جل شانہٗ ارحم الراحمین ہے اس نے اپنے غافل بندوں کی بار بار تذکیر فرمائی تو اس پر اعتراض کرنا جہالت و حماقت نہیں ہے تو کیا ہے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی تذکیر و تبلیغ کا تذکرہ فرمایا کہ انہوں نے اپنی قوم سے خطاب کر کے فرمایا کہ اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ صرف اللہ ہی معبود ہے اس کے سوا واقعی اور حقیقی معبود کوئی نہیں۔ ان لوگوں نے بت بنا رکھے تھے جن میں سے بعض کے نام سورۂ نوح میں مذکورہ ہیں۔ جب حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں توحید کی دعوت دی تو آپس میں کہنے لگے **لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا** (کہ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑو اور مت چھوڑو وَدّ کو اور سُواع کو اور یَغُوث کو اور یعوق کو اور نسر کو) حضرت نوح علیہ السلام ان کے اندر ساڑھے نوسو سال رہے (جیسا کہ سورۂ عنکبوت کے دوسرے رکوع میں بیان فرمایا ہے) اور ان لوگوں کی تفہیم و تذکیر میں کوئی کسر اُٹھا کر نہ رکھی۔ وہ لوگ بہت بُری طرح پیش آتے تھے طرح طرح کے طنز کرتے تھے اور اُن کے سردار اور چودھری ان باتوں میں پیش پیش تھے۔ کبھی کہتے تھے کہ تم تو ہمارے جیسے آدمی ہو اور جو تمہارے ساتھ لگے ہیں وہ تو ہماری نظر میں گھٹیا قسم کے لوگ ہیں (سورۂ ہودؑ)

کبھی آپس میں یوں کہتے تھے کہ یہ ہمارے جیسا آدمی ہے یہ تم پر سرداری کرنا چاہتا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ تمہارے

مقابلہ میں بڑا بن کر رہے (جیسا کہ سورۂ مومنون میں ہے یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْکُمْ) نیز حضرت نوح علیہ السلام دعوت دیتے تھے تو یہ لوگ کپڑے اوڑھ کر لیتے تھے اور کانوں میں انگلیاں دے لیتے تھے (جیسے کہ سورۂ نوح میں مذکور ہے) اور نہ صرف یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام سے دُور بھاگتے تھے بلکہ اُلٹا انہیں گمراہ بتاتے تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اُن سے فرمایا کہ میں گمراہ نہیں ہوں میں ربُّ العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔ میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور مجھے ان باتوں کا پتہ ہے جن کا تمہیں پتہ نہیں تمہیں اس بات سے تعجب ہورہا ہے کہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ایک نصیحت آگئی اور اس کا واسطہ تم میں کا ایک شخص بن گیا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ جس شخص کے واسطہ سے تمہارے پاس یہ نصیحت آئی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ تمہیں پروردگار کے عذاب سے ڈرائے جو تکذیب کرنے والوں اور نافرمانوں کے لئے مقرر ہے۔ تم ڈرو اور کفر سے بچو اس میں تمہارے بھلائی ہے رب العالمین جل مجدہ تم پر رحم فرمائے گا۔ ان لوگوں نے جو عذاب آنے کی بات سنی تو اُس کے ماننے کی بجائے یوں ہی ایک دھمکی سمجھی اور کہنے لگے کہ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ (جس عذاب کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو وہ عذاب لے آؤ اگر تم سچے ہو) ان کی تکذیب ضد اور عناد کے باعث پانی کا زبردست طوفان آیا' حضرت نوح علیہ السلام اور اُن کے ساتھی جو اہل ایمان تھے اور تعداد میں تھوڑے تھے اور کشتی میں سوار ہو گئے تھے وہ نجات پا گئے اور سب کافر غرق کر دیئے گئے۔

ان لوگوں نے ہدایت کو نہ مانا۔ نصیحت پر کان نہ دھرا۔ گمراہی کو ہی اختیار کیا اندھے بنے رہے۔ عقل و فہم کو بالائے طاق رکھ کر ضد اور عناد پر تلے رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی بربادی کا مفصل قصہ ان شاء اللہ العزیز سورۂ ھود (ع ۴) میں آئے گا۔

فائدہ: تفسیر دُرِ منثور ج ۱ ص ۲۱۲ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان دس قرنیں تھیں (ہر قرن سو سال کی ہوتی ہے) اور یہ قرونِ سابقہ سب ملت اسلام پر تھیں بعد میں اختلاف ہوا۔ اور کفر و شرک کی راہیں لوگوں نے اختیار کر لیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اُمت پہلی امت ہے جس نے کفر اختیار کیا اور بُت پرستی شروع کی۔

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۗ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ۗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾

اور قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو۔ تمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کیا تم ڈرتے نہیں۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۶۶﴾

ان کی قوم کے سردار جنہوں نے کفر اختیار کیا جواب میں کہنے لگے کہ بلاشبہ ہم تجھے بے وقوفی میں دیکھ رہے ہیں۔ اور بلاشبہ ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ تو جھوٹوں میں سے ہے۔

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ

ہود نے کہا اے میری قوم! مجھ میں بے وقوفی نہیں ہے لیکن میں بھیجا ہوا ہوں پروردگار عالم کا پہنچاتا ہوں تم کو پیغام اپنے رب کے

وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿۶۸﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ

اور میں تمہارا خیر خواہ ہوں امانت دار ہوں کیا تمہیں اس بات سے تعجب ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی تم ہی میں سے ایک شخص کے واسطہ سے تاکہ وہ تمہیں ڈرائے

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً

اور یاد کرو جبکہ اُس نے تمہیں قوم نوح کے بعد خلیفہ بنا دیا۔ اور جسمانی طور پر تمہارے ڈیل ڈول میں پھیلاؤ زیادہ کر دیا

فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ

لہٰذا تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ وہ کہنے لگے کیا تو ہمارے پاس اسلئے آیا ہے کہ ہم تنہا اللہ کی عبادت کریں اور

مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ

ہمارے باپ دادا جس کی عبادت کرتے تھے اُسے چھوڑ دیں۔ سو ہمارے پاس وہ چیز لے آ جس کی تو ہمیں دھمکی دیتا ہے اگر تو سچوں میں سے ہے۔ ہود نے کہا

عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ

تم پر تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور غصہ نازل ہو چکا۔ کیا تم مجھ سے جھگڑتے ہو ان ناموں کے بارے میں جو نام تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے خود سے تجویز کر لئے ہیں۔

مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۷۱﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ

اللہ نے ان کے بارے میں کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی سو تم انتظار کرو بلاشبہ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ پھر ہم نے ہود کو اور اُن لوگوں کو

مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۲﴾

جو اس کے ساتھ تھے اپنی رحمت سے نجات دیدی اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور وہ لوگ ایمان والے نہ تھے

حضرت ہود علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ کرنا اور قوم کا ہلاک ہونا

تفسیر: ان آیات میں قوم عاد اور ان کے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام کا تذکرہ ہے قوم عاد بڑی قوت وطاقت والی تھی۔ یہ لوگ بڑے قد آور تھے ان کا ڈیل ڈول بھی بڑا تھا۔ ان کے بارے میں سورۂ فجر میں فرمایا الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴿۵﴾ (ان جیسی قوم شہریوں میں پیدا نہیں کی گئی) عاد ایک شخص تھا جو حضرت نوح علیہ السلام کی پانچویں پشت میں سے تھا۔ اسی کے نام پر اس کی نسل قوم عاد کے نام سے مشہور ہوگئی۔ حضرت ہود علیہ السلام جو اسی نسل میں سے تھے وہ ان کی طرف مبعوث ہوئے قوم عاد کو اپنی قوت بازو اور طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ جب ہود علیہ السلام نے اُن کو توحید کی دعوت دی

اور عذاب سے ڈرایا تو وہ اپنی قوت اور طاقت جتلانے لگے اور کہنے لگے کہ مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ط (کہ ہم سے طاقت کے اعتبار سے زیادہ سخت کون ہے) ان کو خالق کائنات جلّ مجدہٗ کی طاقت پر نظر نہ تھی اسی لئے ایسے بے ہودہ الفاظ کہہ گئے ان کے جواب میں فرمایا۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللهَ الَّذِىْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً (کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ جس ذات نے انہیں پیدا فرمایا وہ ان سے زیادہ طاقتور ہے) (سورۂ حٰمٓ سجدہ ع ۲) ان لوگوں کو حضرت ہود علیہ السلام نے سمجھایا کہ تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ اللہ نے تمہیں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد اس دنیا میں بسا دیا۔ اور تمہیں بہت سی نعمتوں سے مالا مال فرمادیا اس نے تمہیں چوپائے دیئے بیٹے عطا فرمائے باغات دیئے چشمے دیئے۔ (اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ) تم کفر سے باز آؤ ورنہ تم پر بڑا عذاب آجائے گا۔

حضرت ہود علیہ السلام نے انکو یہ بھی سمجھایا کہ تم نے جو معبود تجویز کر رکھے ہیں اور ان کے نام تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں یہ سب تمہاری اپنی تراشیدہ باتیں ہیں تم ان کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے ہو' خود ہی معبود تجویز کرتے ہو۔ خود ہی ان کے نام رکھتے ہو اور خود ہی ان کی طرف تصرفات کی نسبت کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ خالق و مالک اللہ ہے۔ وہی دین اور عقیدہ قابل قبول ہے جو اُس کی طرف سے اس کے رسولوں نے بتایا ہو۔ چونکہ ان لوگوں کو حضرت ہود علیہ السلام کی باتوں پر اعتماد نہ تھا اور اُن کو سچّا نہیں سمجھتے تھے اس لئے کہا کہ تم بے وقوف ہو اور یہ بھی کہا کہ ہمارے خیال میں ہمارے معبودوں نے تم پر کچھ کر دیا ہے اسی لیے ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو (اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ط) اور کہنے لگے کہ تمہارے وعظ سے ہم پر کوئی اثر ہونے والا نہیں (سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ) جب انہوں نے تکذیب کی اور یوں بھی کہا کہ عذاب لاکر دکھاؤ۔ تو حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ بس اب تو تم پر اللہ کا عذاب اور غصہ نازل ہو ہی چکا۔ یعنی اس کے آنے میں دیر نہیں ہے تم بھی انتظار کرو میں بھی انتظار کرتا ہوں پھر جب اللہ کا عذاب آیا تو حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھ (جنہوں نے ایمان قبول کیا تھا) سب کو اللہ تعالیٰ نے عذاب سے محفوظ رکھا۔ اور باقی پوری قوم کو ہلاک اور تباہ و برباد کر دیا۔

قوم عاد پر جو عذاب آیا تھا سورہ حٰمٓ سجدہ' سورۂ احقاف' سورۂ ذاریات' سورۂ حاقّہ اور سورۂ قمر میں اس کا ذکر ہے۔

سورہ حٰمٓ سجدہ میں فرمایا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْىِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ اور سورۂ قمر میں فرمایا اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ۝ تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ

اور سورۂ حاقّہ میں فرمایا وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ

حُسُوۡمًا فَتَرَى الۡقَوۡمَ فِيۡهَا صَرۡعٰى كَاَنَّهُمۡ اَعۡجَازُ نَخۡلٍ خَاوِيَةٍ ۚ فَهَلۡ تَرٰى لَهُمۡ مِّنۡۢ بَاقِيَةٍ (اور لیکن عاد سو وہ ہلاک کئے گئے ٹھنڈی تیز ہوا کے ذریعہ اللہ نے ان پر اس ہوا کو سات دن اور آٹھ رات لگاتار مسخر فرمادیا۔ اے مخاطب! تو دیکھے قوم کو کہ اس ہوا میں پچھاڑے ہوئے پڑے ہیں گویا کہ وہ کھوکھلے تنے ہیں کھجور کے، کیا تو اُن میں دیکھتا ہے کہ کوئی باقی رہا)

سورۂ ذاریات میں فرمایا وَفِيۡ عَادٍ اِذۡ اَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمُ الرِّيۡحَ الۡعَقِيۡمَ ۚ مَا تَذَرُ مِنۡ شَىۡءٍ اَتَتۡ عَلَيۡهِ اِلَّا جَعَلَتۡهُ كَالرَّمِيۡمِ ؕ (اور قوم عاد میں عبرت ہے جبکہ ہم نے بھیجی ان پر ایسی ہوا جو بانجھ تھی یعنی خیر سے بالکل خالی تھی وہ جس چیز پر پہنچتی تھی اسے ایسا بنا کر رکھ دیتی تھی جیسے چُورا ہو)

سورۂ احقاف میں ہے کہ جب ان لوگوں پر عذاب آنا شروع ہُوا تو انہوں نے دیکھا کہ ان کی وادیوں کی طرف بادل آرہا ہے (وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے) اور کہنے لگے کہ یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسے گا (برسنے والا بادل کہاں تھا) بلکہ وہ تو عذاب ہے جس کی جلدی مچا رہے تھے۔ وہ تو ہَوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے وہ اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر رہی ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ اس حال میں ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ بھی نظر نہ آتا تھا ہم اسی طرح مجرمین کو سزا دیتے ہیں۔ (یہ سورۂ احقاف کی آیات کا ترجمہ ہے ۱۲)

عناصر اربعہ آگ، خاک، آب و ہوا سب اللہ کے مامور ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کام کرتے ہیں اور اس کی مخلوق کے لئے نفع یا ضرر کا ذریعہ بن جاتے ہیں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نُصِرۡتُ بِالصَّبَا وَ اُهۡلِكَتۡ عَادٌ بِالدَّبُوۡرِ (کہ صبا کے ذریعہ میری مدد کی گئی اور قوم عاد دبور کے ذریعے ہلاک کی گئی) (رواہ البخاری ص ۱۴۱ ج ۱) صَبَا وہ ہوا ہے جو مشرق سے مغرب کو چلتی ہے اور دَبُور وہ ہوا ہے جو مغرب سے مشرق کو چلتی ہے۔

غزوۂ احزاب کے موقعہ پر جب مختلف قبائل اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے مدینہ پر چڑھ آئے تھے اس وقت اللہ تعالیٰ نے سخت ہوا بھیجی جس نے دشمن کے خیمے اُکھاڑ دیئے اور ان کے چولہے اُلٹ دیئے اور انہیں بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

حدیث بالا میں اسی کا تذکرہ ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب آسمان میں کوئی بادل دیکھتے تھے تو آپ کا رنگ بدل جاتا تھا اور آپ کبھی اندر جاتے اور کبھی باہر آتے جب بارش ہو جاتی تو آپ کی یہ کیفیت جاتی رہتی تھی۔ میں نے اس بات کو پہچان لیا اور اس بارے میں آپ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اے عائشہ! میں ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو جیسا قوم عاد نے بادل کو دیکھ کر کہا جو اُن کی وادیوں کی طرف آرہا تھا کہ یہ بادل بارش برسانے والا ہے (لیکن بارش برسانیوالا بادل نہ تھا) بلکہ ہوا کی صورت میں عذاب تھا جو اُن پر نازل ہوا (رواہ مسلم ج ۱ ص ۲۹۴، ۲۹۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہوا اللہ تعالیٰ کی رحمت کی چیز ہے وہ رحمت لاتی ہے اور عذاب بھی لاتی ہے لہٰذا تم اسے بُرا نہ کہو۔ اللہ سے اس کی خیر کا سوال کرو اور اس کے شر سے پناہ مانگو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۳۰ از ابی داؤد و ابن ماجہ)

وَاِلٰى ثَمُوۡدَ اَخَاهُمۡ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَـكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ قَدۡ جَآءَتۡكُمۡ

اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ صالح نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ تمہارے لئے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔

بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا

تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس دلیل آ چکی ہے،یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لئے نشانی ہے سو تم اُسے اللہ کی زمین میں چھوڑ دے دکھو کھاتی پھرا کرے۔ اور اسکو

بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ

بُرائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگاؤ ورنہ تمہیں دردناک عذاب پکڑ لے گا' اور یاد کرو جب اللہ نے تمہیں عاد کے بعد زمین میں رہنے کا ٹھکانہ دے دیا۔

فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ

تم اس زمین کے نرم حصہ میں محلات بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو۔ سو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ

اور زمین میں فساد مت کرو۔ ان کی قوم کے جو متکبر سردار تھے انہوں نے

اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ

ضعیفوں سے کہا جو اُن میں سے ایمان لائے تھے کیا تم اس بات کا یقین کرتے ہو کہ صالح اس کے رب کی طرف سے بھیجا ہوا ہے۔ انہوں نے جواب دیا بیشک جو کچھ

اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا

اُن کو دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ متکبر سرداروں نے کہا کہ اس میں شک نہیں کہ تم جس پر ایمان لائے ہو ہم اس کے منکر ہیں۔ سو انہوں نے اونٹنی کو

النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾

کاٹ ڈالا اور اپنے رب کا حکم ماننے سے سرکشی کی اور کہنے لگے کہ اے صالح! اگر تم پیغمبروں میں سے ہو تو جس چیز کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو وہ لے آؤ۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ

سو اُن کو پکڑ لیا زلزلہ نے۔ سو وہ اُوندھے منہ ہو کر اپنے گھروں میں پڑے رہ گئے۔ پھر صالح نے اُن سے منہ موڑا۔ اور فرمایا کہ اے میری قوم! بلاشبہ

اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾

میں نے تم کو اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا۔ اور تمہارے خیر خواہی کی۔ لیکن تم خیر خواہی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

حضرت صالح علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ کرنا اور سرکشی اختیار کر کے قوم کا ہلاک ہونا

تفسیر: حضرت صالح علیہ السلام جس قوم کی طرف وہ مبعوث ہوئے وہ قوم ثمود تھی۔ عاد اور ثمود دونوں ایک ہی دادا کی اولاد ہیں۔ یہ دونوں دو شخصوں کے نام تھے۔ بنو عاد قوم عاد کے نام سے اور بنو ثمود قوم ثمود کے نام سے معروف و موسوم

ہوئے۔قوم ثمود عرب کے شمال مغرب میں رہتے تھے ان کے مرکزی شہر کا نام حجر تھا۔جس کو سورۂ حجر کے چھٹے رکوع میں بیان فرمایا ہے۔قوم عاد کی بربادی کے بعد یہ لوگ زمین میں بسے اور پھلے پھولے۔یہ لوگ بھی قوت اور طاقت والے تھے زمین پر بڑے بڑے مکانات بناتے تھے اور پہاڑوں کو تراش کر اپنے لئے گھر بنا لیتے تھے جس کو تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ط میں بیان فرمایا ہے۔ان لوگوں کے تراشے ہوئے پہاڑ اور پہاڑوں کے اندر بنائے ہوئے گھر آج تک موجود ہیں۔جو مدائن صالح کے نام سے معروف ومشہور ہیں اور شہر العلاء سے چند میل کے فاصلہ پر ہیں۔

حضرت ہود علیہ السلام نے (جو انہی کی قوم میں سے تھے) ان کو تبلیغ کی اور توحید کی دعوت دی۔اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائیں اور فرمایا يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو۔اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے) قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کو بے تکے جواب دیئے' سورۂ قمر میں ہے کہ وہ یوں کہنے لگے اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗۤ اِنَّاۤ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ءَ اُلْقِیَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا ط بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ط (کیا ایسے ایک شخص کا ہم اتباع کرلیں جو ہمیں میں سے ہے اگر ہم ایسا کرلیں تو کھلی گمراہی میں اور دیوانگی میں پڑ جائیں گے کیا ہم سب کے درمیان سے اس پر نصیحت نازل کی گئی؟ ایسا نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ وہ جھوٹا ہے شیخی بگھارتا ہے)

سورۂ ہود میں فرمایا کہ جب حضرت صالح علیہ السلام نے قوم ثمود کو توحید کی دعوت دی تو وہ کہنے لگے يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَاۤ (اے صالح اس سے پہلے تم ہمارے اندر بڑے ہونہار تھے) تم سے بڑی اُمیدیں وابستہ تھیں۔ اَتَنْهٰىنَاۤ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ (کیا تو ہم کو اس سے منع کرتا ہے کہ پرستش کریں جن کی پرستش کرتے رہے ہمارے باپ دادے اور ہم کو اس میں شبہ ہے جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے یہ شبہ تردد میں ڈالنے والا ہے)

حضرت صالح علیہ السلام پر جو لوگ ایمان لے آئے تھے وہ زیادہ تر دُنیاوی اعتبار سے کمزور تھے۔(عام طور پر یوں ہی ہوتا رہا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت پر اوّلاً وہی لوگ لبیک کہتے ہیں جو دنیاوی اعتبار سے نیچے کے طبقہ کے لوگ ہوتے ہیں) ان کی قوم میں جو بڑے لوگ تھے یعنی دنیاوی اعتبار سے بڑے سمجھے جاتے تھے اُنہوں نے غریب مسلمانوں سے کہا کیا تمہیں یقین ہے کہ صالح اپنے رب کی طرف سے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں انہوں نے جواب میں کہا۔

اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ (کہ بلاشبہ ہم تو اس پر ایمان لائے جو وہ لیکر بھیجے گئے) متکبرین نے کہا کہ ہم تو اس کو نہیں مانتے اور جس پر تم ایمان لے آئے ہم اس کے منکر ہیں یہ تکبر اور دنیا کی چودھراہٹ اور بڑائی ہمیشہ بڑا بننے والوں کا ناس کھو دیتی ہے۔اور حق کو قبول کرنے سے باز رکھتی ہے۔

قوم ثمود کے لوگ بھی بڑے ضدی تھے کہنے لگے کہ ہم تو جب جانیں جب تم پہاڑ میں سے اونٹنی نکال کر دکھاؤ۔اگر پہاڑ میں سے اونٹنی نکل آئی تو ہم مان لیں گے کہ تم اللہ کے نبی ہو۔ان کو ہر چند سمجھایا کہ دیکھو اپنے منہ سے مانگا ہوا معجزہ فیصلہ کُن ہوتا ہے اگر اونٹنی تمہارے مطالبہ پر پہاڑ سے نکل آئی اور پھر بھی ایمان نہ لائے تو سمجھ لو کہ پھر جلدی ہی عذاب آجائے گا۔

وہ لوگ اپنی ضد پر اڑے رہے اور یہی مطالبہ کرتے رہے کہ اونٹنی پہاڑ سے نکال کر دکھاؤ۔ اگر اونٹنی پہاڑ سے نکل آئی تو ہم ایمان لے آئیں گے حضرت صالح علیہ السلام نے دو رکعت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اسی وقت ایک پہاڑی پھٹ گئی اور اُس کے اندر سے اونٹنی نکل آئی۔

یہ ماجرا دیکھ کر جندع بن عمرو (جو ثمود کا سردار تھا) اور اس کے ساتھ تھوڑے سے اور لوگ مسلمان ہو گئے۔ قوم کے جو بڑے لوگ تھے انہوں نے بھی ایمان لانے کا ارادہ کیا لیکن اُن کے بتوں کے جو پجاری تھے انہوں نے ایمان نہ لانے دیا۔ اب تو منہ مانگا معجزہ سامنے آ گیا یہ معجزہ کیا تھا نَاقَةُ اللّٰهِ یعنی اللہ کی اُونٹنی تھی اُسے ''ناقۃ اللہ'' فرمایا جیسے کعبۃ اللہ کو ''بیت اللہ'' کہا جاتا ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ مالک حقیقی سبھی کا اللہ تعالیٰ ہے اور بعض چیزوں کے مجازی مالک بھی ہیں اور اس اونٹنی کا کوئی مالک مجازی نہ تھا اسلئے ناقۃ اللہ فرمایا۔ اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اسکو ناقۃ اللہ اسلئے فرمایا کہ وہ قوم صالحؑ پر اللہ کی حجت تھی۔ مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اونٹنی جب پہاڑ سے نکلی اس کے ساتھ ہی اس کا بچہ بھی نمودار ہوا تھا جب اونٹنی کو قتل کر دیا گیا (جس کا ذکر آگے آتا ہے) تو اس بچہ نے تین بار آواز نکالی پھر ایک اُونچے پہاڑ پر چڑھ گیا۔ چونکہ یہ اونٹنی دیگر اونٹنیوں جیسی نہ تھی اسلئے اس کا کھانا اور پینا بھی دوسری اونٹنیوں سے مختلف تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ (اسے چھوڑے رکھو تا کہ اللہ کی زمین سے کھاتی پیتی رہے) وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (اور اُسے بُرے خیال سے مت چھوؤ ورنہ تمہیں دردناک عذاب پکڑے گا) نیز انہوں نے ان سے یہ بھی فرمایا لَهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (اس لئے پانی پینے کا حصہ مقرر ہے اور تمہارے لئے ایک مقررہ دن کا پینا ہے) یہ اونٹنی جنگلوں میں چلتی پھرتی تھی ایک دن چھوڑ کر پانی پیتی تھی جب یہ پانی پینے لگتی تھی تو کنویں میں سر لٹکا کر سارا پانی پی جاتی تھی۔

ان لوگوں کو یہ بات کُھلی اور چونکہ اس اونٹنی کی وجہ سے ان کے مویشی خوف زدہ ہو کر دور دور بھاگ جاتے تھے۔ اس وجہ سے ان لوگوں کو اونٹنی کا وجود ناگوار ہوا ان میں دو عورتیں زیادہ مالدار تھیں جن کے بہت مویشی تھے انہوں نے قوم میں سے دو آدمیوں کو اونٹنی کے قتل کر دینے پر آمادہ کیا۔ یہ دونوں آدمی جن میں ایک کا نام مصدع اور دوسرے کا نام قدار تھا چھپ کر بیٹھ گئے جب اونٹنی ادھر سے گذری تو مصدع نے اس کی پنڈلی میں تیر مارا پھر قرار نے اسکو ذبح کر دیا بستی کے لوگ نکلے اور اُس کا گوشت تقسیم کر لیا جب وہ ایسی حرکت کرنے کو نکلے تھے تو حضرت صالح علیہ السلام نے انکو متنبہ کر دیا تھا کہ ایسا نہ کرو۔

سورۂ والشمس میں فرمایا اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۝ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا (جب اُٹھ کھڑا ہوا اُن کا سب سے بڑا بد بخت سو اُن سے اللہ کے رسول نے کہا کہ خبردار اللہ کی اونٹنی! اور اُس کے پانی پینے کے بارے میں اپنی جانوں کو بچا کر رکھو) ان لوگوں نے بات نہ مانی اور بالآخر اونٹنی کو مار ہی ڈالا' جب انہوں نے ایسا کیا تو حضرت صالح علیہ السلام نے اُن سے فرمایا تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ (کہ تم لوگ اپنے گھروں میں

تین دن فائدہ اٹھالو۔ یہ وعدہ ہے جو جھوٹا ہونے والا نہیں) جب حضرت صالح علیہ السلام نے اُن سے فرمایا تین دن کے بعد عذاب آ جائیگا تو اُن کا مذاق بنانے لگے۔

وہ کہتے تھے کہ یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ (کہ اے صالح وہ عذاب لے آؤ جس کا تم وعدہ کرتے ہو اگر تم پیغمبروں میں سے ہو) وہ لوگ حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کے درپے بھی ہوئے جس کا ذکر سورۂ نمل میں فرمایا ہے۔ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَیِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ (الآیۃ)

عذاب تو آنا ہی تھا پہلے دن ان کے چہرے پیلے ہوگئے دوسرے دن سُرخ ہوگئے تیسرے دن سیاہ ہوگئے۔ اور چوتھے دن ان پر عذاب آ گیا۔ (از تفسیر ابن کثیر ص ۲۲۷ تا ص ۲۲۹ ج ۲۔ البدایہ والنہایہ ص ۱۳۴ تا ص ۱۳۷ جلد نمبر ۱)

سورۂ اعراف میں فرمایا فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ (اُن کو پکڑ لیا سخت زلزلہ نے لہٰذا وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے)

اور سورۂ ھود میں فرمایا وَاَخَذَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ (اور پکڑ لیا ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا چیخ نے' سو وہ لوگ اپنے گھروں میں اُوندھے پڑے ہوئے رہ گئے جیسے ان میں کبھی رہے ہی نہ تھے۔ خبردار ثمود نے اپنے رب کی ناشکری کی' خبردار دوری ہے ثمود کے لئے)۔

دونوں آیتوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ قوم ثمود پر دونوں طرح کا عذاب آیا زلزلہ بھی آیا اور چیخ بھی حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ زلزلہ نیچے سے آیا اور چیخ کی آواز انہوں نے اُوپر سے سنی اور بعض حضرات نے یوں کہا ہے کہ زلزلہ سے جب زمین پھٹتی ہے تو اس سے آواز ہے اور یہ آواز بھیانک ہوتی ہے جس کی وجہ سے سننے والوں کے دل لرز جاتے ہیں اور ہوش کھو بیٹھتے ہیں اسلئے زلزلہ کو صَیْحَةٌ (یعنی چیخ) سے تعبیر کیا۔

سورۂ حٰمٓ سجدہ میں بھی قوم ثمود کی سرکشی اور بربادی کا ذکر ہے۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَیْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰی عَلَی الْهُدٰی فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝ (اور جو ثمود تھے ہم نے اُن کو راستہ بتلایا سو انہوں نے ہدایت کے مقابلہ گمراہی کو پسند کیا پس ان کو عذاب نے پکڑ لیا جو سراپا ذلت تھا)

اس آیت میں ثمود کے عذاب کو صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ سے تعبیر فرمایا۔ لفظ صاعقہ ایسی سخت آواز کے لئے بولا جاتا ہے جو اوپر سے سُنائی دے۔

امام راغب مفردات میں لکھتے ہیں کہ اس سے کبھی آگ پیدا ہوتی ہے۔ کبھی یہ عذاب بن کر آتی ہے اور کبھی موت کا سبب بن جاتی ہے' اسلئے اس کو تینوں معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے اھ چونکہ قوم ثمود کی ہلاکت رجفہ یعنی زلزلہ اور چیخ کے ذریعہ ہوئی تھی اسلئے سورہ حٰمٓ سجدہ میں جو لفظ صاعقہ وارد ہوا ہے بعض حضرات نے اسے مطلق عذاب کے معنی

میں لیا ہے لیکن اس میں بھی کوئی تعارض نہیں ہے کہ رجفہ، صیحہ، صاعقہ (اوپر سے سنائی دینے والی سخت آواز) تینوں طرح کا عذاب آیا ہو۔ حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ ج۲ ص ۱۳۶ میں لکھا ہے کہ قوم ثمود پوری قوم عذاب میں ہلاک ہو گئی۔ البتہ ان میں ایک عورت تھی جس کا نام کلبہ تھا وہ حضرت صالح علیہ السلام سے بہت زیادہ عداوت رکھتی تھی اس نے جب عذاب دیکھا تو وہاں سے تیزی سے دوڑی اور عرب کے ایک قبیلہ کو جا کر خبر دی اور ان لوگوں سے پانی طلب کیا پھر پانی پی کر مرگئی۔ پھر ص ۱۸۷ پر بحوالہ مصنف عبدالرزاق ابورغال کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ ابو غال کی قبر پر گذرے اور فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ یہ کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں! آپ نے فرمایا یہ ابورغال کی قبر ہے یہ شخص قوم ثمود میں تھا جب ان لوگوں پر عذاب آیا تو یہ شخص حرم مکہ میں تھا حرم میں ہونے کی وجہ سے اس پر عذاب نہ آیا جب حرم سے باہر آیا تو یہ بھی اسی عذاب میں مبتلا ہو کر مرگیا جو اس کی قوم پر آیا تھا اور اسے یہاں دفن کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ سونے کی ایک ٹہنی بھی دفن کی گئی۔ حضرات صحابہؓ سواریوں سے اُترے اور جلدی سے آگے بڑھے قبر کھودی اور اُس میں سے سونے کی ٹہنی نکل آئی۔ یہ واقعہ طائف کو جاتے ہوئے پیش آیا تھا۔ یہ قصہ حضرت امام ابوداؤد نے بھی اپنی سنن میں نقل کیا ہے۔ (راجع آخر حدیث من کتاب الخراج)

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ الآیۃ (سو صالح (علیہ السلام) نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور وہاں سے منہ موڑ کر چلے گئے اور فرمایا کہ اے میری قوم! بلاشبہ میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچایا اور تمہاری خیر خواہی کی لیکن تم خیر خواہی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے) یہ خطاب حضرت صالح علیہ السلام نے کب فرمایا؟ بعض مفسرین نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ جب قوم پر عذاب آنے کے آثار دیکھ لئے اور محسوس فرمالیا کہ عذاب آنے ہی کو ہے تو حضرت صالح علیہ السلام ان کو چھوڑ کر روانہ ہو گئے اور ان سے یہ آخری خطاب فرمایا جو حسرت بھرے انداز میں ہے۔

اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ جب ان کی قوم ہلاک اور برباد کی گئی تو ان سے یہ خطاب فرمایا۔ یہ خطاب ایسا ہی ہے جیسا بدر میں مقتول ہونے والے کافروں سے حضور اکرم ﷺ نے خطاب فرمایا تھا جن کی نعشیں ایک کنویں میں پڑی ہوئی تھیں، یہ فرما کر حضرت صالح علیہ السلام اہل ایمان کو لے کر فلسطین کی طرف چلے گئے اور وہیں قیام پذیر ہوئے، چونکہ قوم ثمود کی بستیوں پر عذاب آچکا تھا اسلئے یہاں رہنا گوارا نہ فرمایا۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ جب تبوک تشریف لے جا رہے تھے تو اس وادی سے گذرے اس وقت آپ چہرۂ انور پر کپڑا ڈالے ہوئے تھے۔ آپ تیزی سے گذرے اور اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ یہاں سے تم روتے ہوئے گذرو ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی وہ عذاب پہنچ جائے جو اُن لوگوں کو پہنچا تھا۔ نیز آپ نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ عذاب کی جگہ پر کوئی نہ جائے اور نہ وہاں کے کنویں کا پانی استعمال کرے۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! ہم نے تو یہاں کے کنوؤں کے پانی کو استعمال کیا ہے اور اس پانی سے آٹا گوندھا ہے آپ نے فرمایا کہ پانی گرادو اور جو آٹا گوندھا ہے اُسے اونٹوں کو کھلا دو۔ (صحیح البخاری ص ۴۷۸ و ص ۶۳۷ ج ۱ و ص ۷ جلد نمبر ۲)

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمْ

اور ہم نے لوط کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم بے حیائی کا کام کرتے ہو جسے تم سے پہلے جہانوں میں سے کسی نے بھی نہیں کیا، بے شک تم

لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ

عورتوں کو چھوڑ کر شہوت رانی کے لئے مردوں کے پاس آتے ہو بلکہ تم لوگ حد سے گذر جانے والے ہو' اور اُن کی قوم کا جواب

قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ

اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا کہ وہ کہنے لگے کہ ان لوگوں کو اپنی بستی سے نکال دو۔ بے شک یہ ایسے لوگ ہیں جو پاکباز بنتے ہیں' سو ہم نے نجات دی لوط کو

وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

اور اُس کے گھر والوں کے سوائے اس کی بیوی کے کہ وہ رہ جانے والوں میں سے تھی اور ہم نے ان پر ایک بڑی بارش برسا دی۔ سو دیکھ! کیسا

عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾

انجام ہے مجرمین کا

حضرت لوط علیہ السلام کا اپنی قوم کو احکام پہنچانا اور قوم کا اپنے افعال سے باز نہ آنا اور انجام کے طور پر ہلاک ہونا

تفسیر: ان آیات میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بدکرداری کا اور تھوڑا سا اس سوال و جواب کا ذکر ہے جو حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان ہوا نیز جو اُن پر عذاب آیا اس کا بھی ذکر ہے۔ مفصل قصہ سورہ ہود اور سوۂ حجر اور سوۂ شعراء اور سوۂ عنکبوت میں مذکورہ ہے اور تھوڑا تھوڑا دیگر مواقع میں بھی ہے۔

یہ لوگ ایمان بھی نہ لائے اور جن بُرے کاموں میں مبتلا تھے ان سے حضرت لوط علیہ السلام نے روکا تو الٹے الٹے جواب دیتے رہے۔ یہاں سورۂ اعراف میں ان کی صرف ایک بدکرداری کا تذکرہ فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ مرد' مردوں سے اپنی شہوت پوری کرتے تھے۔ سیدنا حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ یہ بے حیائی کا ایسا کام ہے جسے تم سے پہلے جہانوں میں سے کسی نے بھی نہیں کیا۔ اسی بدکرداری اور بدفعلی کی تم نے بنیاد ڈالی ہے۔ یہ خالق و مالک کی شریعت کے خلاف ہے اور فطرت انسانی کے بھی۔ ان کی دوسری بدکرداری یہ تھی کہ راہزنی کرتے تھے جسے سورۂ عنکبوت میں وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ سے تعبیر فرمایا ہے۔

سورہ شعراء میں فرمایا اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ (کیا تم سارے جہانوں میں سے مردوں کے پاس آتے ہو اور وہ جو اللہ نے تمہارے لئے پیدا کیا یعنی تمہاری بیویاں ان کو چھوڑتے ہو۔ بلکہ تم حد سے گذر جانے والے لوگ ہو) سیدنا حضرت لوط علیہ السلام نے ان لوگوں کو سمجھایا بُرے کام سے روکا لیکن انہوں نے ایک نہ مانی اور بے ہودہ جواب دینے لگے۔ کہنے لگے کہ اجی! ان لوگوں کو بستی سے نکالو۔ یہ لوگ پاکباز بنتے ہیں۔ مطلب

یہ تھا کہ یہ لوگ خود پاکباز بنتے ہیں اور ہمیں گندا بتاتے ہیں گندوں میں پاکوں کا کیا کام؟ یہ بات انہوں نے ازراہ تمسخر کہی تھی۔

سورۂ شعراء میں ہے لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ (ان لوگوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو جواب دیتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اے لوط! اگر تو باز نہ آیا تو ضرور اُن لوگوں میں سے ہو جائیگا جنہیں نکال دیا جاتا ہے) قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ (حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا میں تمہارے اعمال سے بغض رکھنے والا ہوں) وہ لوگ اپنی بے ہودگی اور بے حیائی پر اڑے رہے اور کمال بے ہودگی اور ڈھٹائی کے ساتھ انہوں نے کہا کہ اگر تو سچا ہے تو اللہ کا عذاب لے آ جیسا کہ سورۂ عنکبوت میں فرمایا۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ آخر اُن پر عذاب آ گیا اور اُنہیں منہ مانگی مراد مل گئی۔ سورۂ انعام میں فرمایا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۔ اور سورۂ شعراء اور سورۂ نمل میں بھی ایسا ہی فرمایا یعنی ہم نے ان پر بڑی بارش برسادی اور سورۂ عنکبوت میں فرمایا۔

اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰۤى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ (کہ ہم اس بستی والوں پر آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں اس سبب سے کہ وہ بدکاری کرتے تھے) یہ کیا عذاب تھا اور کیسی بارش تھی اس کے بارے میں سورۂ ہود میں فرمایا ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ (سو جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے زمین کے اُوپر والے حصے کو نیچے والا حصہ کر دیا اور ہم نے اس زمین پر کنکر کے پتھروں کی بارش برسادی جو لگاتار گر رہے تھے جو آپ کے رب کے پاس سے نشان لگے ہوئے تھے)

سورۂ حجر میں بھی یہ مضمون ہے وہاں فرمایا ہے

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ۝ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ (سو پکڑ لیا اُن کو چیخ نے سورج نکلتے نکلتے سو کر دیا ہم نے اُس کے اوپر والے حصہ کو نیچے والا حصہ اور برسا دیئے ہم نے اُن پر کنکر کے پتھر)

اِن سب آیات کو ملانے سے معلوم ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر تینوں طرح کا عذاب آیا چیخ نے بھی پکڑا ان کی سرزمین کا تختہ بھی اُلٹ دیا گیا اور اُن پر پتھر بھی برسا دیئے گئے ان بستیوں کو سورۂ براءت (ع ۹) میں اَلْمُؤْتَفِكٰت سے تعبیر کیا ہے یعنی اُلٹی ہوئی بستیاں سورۂ ہود اور سورۂ ذاریات اور سورۂ عنکبوت میں ہے کہ جب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے کے لئے فرشتے آئے تو پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے ان کی مہمانی کا انتظام کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا آپ حضرات کیوں بھیجے گئے۔ سورۂ ذاریات میں ہے۔

قَالُوْۤا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ۝ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (انہوں نے جواب میں کہا کہ بلاشبہ ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم اُن پر مٹی کے پتھر برسائیں جن پر نشان لگے ہوئے ہیں تیرے

رب کے پاس حد سے تجاوز کرنے والوں کے لئے' سو نکال دیا ہم نے جو اُن میں ایمان والے تھے پس ہم نے اُس میں ایک گھر کے سوا کوئی گھر مسلمانوں کا نہیں پایا)۔

حضرت لوط علیہ السلام نے بہت محنت کی' حق کی طرف بلایا اور ایمان لانے کی دعوت دی لیکن قوم میں سے کوئی شخص بھی مُسلمان نہ ہوا اور اپنی بیہودہ حرکتوں میں لگے رہے البتہ ان کے گھر کے لوگ مسلمان ہو گئے لیکن ان کی بیوی مسلمان نہ ہوئی تھی۔ مسلمان ہونے والی اُن کی لڑکیاں تھیں اسی کو فرمایا کہ ایک گھر کے سوا کسی کو مسلمان نہ پایا۔ ان کی بیوی بھی چونکہ مسلمان نہ ہوئی تھی اسلئے وہ بھی ہلاک ہونے والوں میں شامل کرلی گئی۔

اسی کو فرمایا فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ (سو ہم نے نجات دی لوط کو اور اس کے گھر کے لوگوں کو سوائے اسکی بیوی کے۔ یہ باقی رہ جانے والوں میں سے تھی) یعنی جو اہل ایمان بستیوں سے نکال دیئے گئے تھے تاکہ عذاب میں مبتلا نہ ہوں ان کے علاوہ جو لوگ تھے وہ انہی میں رہ گئی۔

سورۂ ہود میں ہے کہ فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ۚ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ۚ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۚ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ (سو تم رات کے ایک حصہ میں نکل جاؤ اور تم میں سے کوئی بھی مُڑ کر نہ دیکھے سوائے تمہاری بیوی کے' بے شک اُسے عذاب پہنچنے والا ہے جو اُن لوگوں کو پہنچے گا۔ ان کی ہلاکت کے لئے صبح کا وقت مقرر ہے کیا صبح قریب نہیں ہے)

مفسرین لکھتے ہیں یا تو ان کی بیوی اُن کے گھر والوں کے ساتھ نکلی ہی نہ تھی یا ساتھ تو نکلی لیکن پیچھے مُڑ کر دیکھ کر اپنی قوم کی ہلاکت پر افسوس ظاہر کرنے لگی۔ ایک پتھر آیا اور اُسے وہیں قتل کر دیا۔ سورۂ ہود اور سورہ حجر میں حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ فرمایا اور سورۂ ذاریات میں حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ فرمایا۔

دونوں جگہ کی تصریح سے معلوم ہوا کہ جو پتھر اُن لوگوں پر برسائے گئے وہ یہ عام پتھر یعنی پہاڑوں کے ٹکڑوں میں سے نہ تھے بلکہ ایسے پتھر تھے جو مٹی سے پکا کر بنائے گئے ہوں جس کا ترجمہ کنکر سے کیا گیا اور مُسَوَّمَةً بھی فرمایا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہر پتھر پر نشان لگا ہوا تھا کہ یہ فلاں شخص پر ہی گرے گا۔ اور سورۂ ہود میں جو مَنْضُوْدٍ ہے اس کے معنی ہے کہ لگا تار پتھر برسائے گئے مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان بستیوں کا تختہ اُلٹ دیا۔ اس خطّہ کو اوپر اٹھا کر لے گئے اور وہاں سے الٹا کر کے زمین کی طرف پھینک دیا۔

حضرت لوط علیہ السلام جن بستیوں کی طرف مبعوث ہوئے وہ چار بستیاں تھیں جن کے نام مؤرخین و مفسرین نے سدوم' اموراء' عاموراء اور صبویر بتائے ہیں۔ ان میں سب سے بڑی بستی سدوم تھی۔ حضرت لوط علیہ السلام اسی میں رہتے تھے۔ یہ بستیاں نہر اُردن کے قریب تھیں۔ ان بستیوں کا تختہ الٹ دیا گیا اور ان کی جگہ بحر میت جاری کر دیا گیا جو آج بھی موجود ہے پانی کہیں دوسری جگہ سے نہیں آتا ہے صرف ان بستیوں کی حدود میں رہتا ہے۔ یہ پانی بدبودار ہے جس سے کسی قسم کا

انتفاع انسانوں کو یا جانوروں کو یا کھیتیوں کو نہیں ہوتا۔

سورۂ صافات میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا ہے وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ٥ وَبِالَّيْلِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ٥ (اور تم ان پر صبح کے وقت اور رات کے وقت گذرتے ہو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے) اہل عرب تجارت کے لئے شام جایا کرتے تھے راستے میں یہ بستیاں پڑتی تھیں جن کا تختہ الٹ دیا گیا تھا کبھی صبح کے وقت اور کبھی رات کے وقت وہاں سے گذر ہوتا تھا ان لوگوں کو یاد دلایا کہ دیکھو کافروں، بدکاروں کا کیا انجام ہوا۔ تم وہاں سے گذرتے ہو اور نظروں سے دیکھتے ہو پھر کیوں عبرت حاصل نہیں کرتے۔

فائدہ: قرآن مجید کی تصریح سے معلوم ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم جس فاحشہ کام یعنی مردوں کے ساتھ شہوت رانی کا عمل کرنے میں لگی ہوئی تھی یہ عمل اُن سے پہلے کسی قوم نے نہیں کیا۔ یہ عمل عقلاً وشرعاً وفطرۃً نہایت ہی شنیع اور قبیح ہے اور کبائر میں سے ہے۔ اس کی سزا کیا ہے؟ اس کے بارے میں حضرات صاحبین امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ یہ بھی ایک طرح کا زنا ہے اس کی سزا بھی وہی ہے جو زنا کی سزا ہے۔ یعنی بعض صورتوں میں سو کوڑے مارنا۔ اور بعض صورتوں میں سنگسار کر دینا (یعنی پتھر مار مار کر ہلاک کر دینا) ان دونوں سزاؤں کی تفصیلات کتب فقہ کی کتاب الحدود میں لکھی ہیں حضرت امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ اور ان کا ایک قول یہ ہے کہ فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دیا جائے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ دونوں کو سنگسار کر دیا جائے۔

حضرت امام مالکؒ کا بھی یہی ایک قول ہے اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کی کوئی ایسی سزا مقرر نہیں کہ ہمیشہ اسی کو اختیار کیا جائے بلکہ امیر المومنین اسکو مناسب جانے تو دونوں کو قتل کر دے۔ اور مناسب جانے تو سخت سزا دیکر جیل میں ڈالدے۔ یہاں تک کہ ان دونوں کی موت ہو جائے یا توبہ کر لیں۔ اور اگر اس عمل کو دوبارہ کر لیں تو قتل کر دیا جائے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کو خط لکھا کہ یہاں ایک ایسا آدمی ہے جس سے لوگ اسی طرح شہوت پوری کرتے ہیں جس طرح عورت سے شہوت پوری کی جاتی ہے اس بارے مین حکم شرعی بتایا جائے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرات صحابہ کو جمع فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ ایسا گناہ ہے جسے صرف ایک ہی امت نے کیا ہے ان کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے معاملہ کیا وہ آپ سب کو معلوم ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اس کو آگ میں جلا دیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ اس فعل بد کی کیا سزا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ آبادی میں جو سب سے اونچی عمارت ہو وہاں سے اوندھے منہ کر کے پھینک دیا جائے پھر پیچھے سے پتھر مارے جائیں۔ یہ تفصیل فتح القدیر اور بحر الرائق میں لکھی ہے۔

مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۱۳ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فاعل اور مفعول کو جلا دیا تھا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں پر دیوار گروا کر ہلاک کر دیا تھا۔

وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ

اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے

جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَ الْمِیْزَانَ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ

تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل آ گئی ہے۔ سو ناپ اور تول پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر مت دو

وَ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۸۵﴾ وَ

اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد مت کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مومن ہو اور

لَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ

مت بیٹھ جاؤ ہر راستہ میں کہ تم لوگوں کو دھمکیاں دیتے ہو۔ اور لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکتے ہو جو اس پر ایمان لائے۔

وَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ كُنْتُمْ قَلِیْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَ انْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

اور اس میں کجی تلاش کرتے ہو۔ اور یاد کرو جبکہ تم تھوڑے سے تھے سو اللہ نے تم کو زیادہ کر دیا۔ اور دیکھو فساد کرنے والوں کو کیا انجام ہوا۔

الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۸۶﴾ وَ اِنْ كَانَ طَآىِٕفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِیْۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَ طَآىِٕفَةٌ لَّمْ یُؤْمِنُوْا

اور اگر تم میں سے ایک جماعت اس حکم پر ایمان لائی جسے دیکر میں بھیجا گیا ہوں اور ایک جماعت ایمان نہ لائی

فَاصْبِرُوْا حَتّٰی یَحْكُمَ اللّٰهُ بَیْنَنَا ۚ وَ هُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۸۷﴾

تو صبر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ فرمادے اور وہ سب حاکموں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا اپنی اُمت کو تبلیغ فرمانا اور نافرمانی کی وجہ سے ان لوگوں کا ہلاک ہونا

تفسیر: جو امتیں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت قبول نہ کرنے اور ضد و عناد پر کمر باندھنے کی وجہ سے ہلاک ہوئیں ان میں سیدنا حضرت شعیب علیہ السّلام کی اُمت بھی تھی۔ ان لوگوں میں کُفر و عناد تو تھا ہی کیل اور وزن میں کمی کرنا بھی ان میں رواج پذیر تھا بیچتے تھے تو کیل میں یعنی ناپ کر دینے میں اور وزن میں کمی کر دیتے تھے۔ اور راستوں میں بیٹھ جاتے تھے اور اللہ کی راہ سے روکتے بھی تھے یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت قبول کرنے اور ایمان لانے سے منع کرتے تھے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو توحید کی دعوت دی اور فرمایا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں، تمہارے رب سے تمہارے پاس دلیل آچکی ہے لہٰذا تم ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ اور لوگوں کو ان کی

چیزیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں فساد نہ کرو اس کے بعد کہ اس کی اصلاح کردی گئی ہے۔ اور راستوں میں مت بیٹھو جہاں تم لوگوں کو دھمکیاں دیتے ہو۔ اور جو اللہ پر ایمان لے آئے اسے اللہ کی راہ سے روکتے ہو۔

یہ لوگ راستوں پر بیٹھ جاتے تھے اور جو لوگ بستی میں آنے والے ہوتے انکو ڈراتے اور دھمکاتے تھے اور کہتے تھے کہ دیکھو شعیب کی بات مانو گے تو ہم تمہیں مار ڈالیں گے اور ساتھ ہی حضرت شعیب علیہ السلام کے بتائے ہوئے دین میں کجی تلاش کرتے تھے اور سوچ سوچ کر اعتراض نکالتے تھے۔ جس کو وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا سے تعبیر فرمایا۔ ''کجی تلاش کرنے'' کا مطلب سورۂ اعراف کے پانچویں رکوع میں بیان ہو چکا ہے حضرت شعیب علیہ السلام نے اللہ کی نعمت یاد دلائی اور فرمایا۔ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ (اور یاد کرو جب تم تھوڑے سے تھے اس کے بعد اللہ نے تمہیں کثرت دیدی نیز فرمایا) وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ (اور دیکھ لو فساد کرنیوالوں کا کیا انجام ہوا)

چونکہ اس سے پہلے دیگر امتیں ہلاک ہو چکی تھی اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا۔ اس لئے حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں توجہ دلائی کہ گذشتہ ہلاک شدہ امتوں سے عبرت لے لو۔

سورۂ ھود میں ہے وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۝ (اے میری قوم! مجھ سے ضد کرنا تمہارے لئے اس کا باعث نہ ہو جائے کہ تم پر بھی اسی طرح کی مصیبتیں آپڑیں۔ جیسے قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح پر پڑی تھیں۔ اور قوم لوط تم سے دور نہیں ہے)

یہ لوگ برابر ضد اور عناد پر اڑے رہے اور حضرت شعیب علیہ السلام کو بے ہودہ اور بے تکے جواب دیتے رہے جن کا تذکرہ آئندہ آیات میں ہے انہوں نے یوں بھی کہا کہ ہم تمہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ اِلَّا یہ کہ تم ہمارے دین میں واپس آ جاؤ۔ جس کا ذکر ابھی ایک آیت کے بعد آ رہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ان لوگوں کو جب یہ بتایا گیا کفر پر جمے رہو گے تو اللہ کی طرف سے عذاب آ جائے گا۔ اس پر انہوں نے یہ اعتراض کیا کہ ایک جماعت ایمان لے آئی ہے اور ہم لوگ ایمان نہیں لے آئے جو ایمان نہیں لائے ان پر تو کوئی عذاب نہیں آیا۔ اور وہ سب عیش و آرام میں ہیں۔ لہٰذا یہ عذاب کی باتیں بے اصل معلوم ہوتی ہیں۔

اس کے جواب میں حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ عذاب کا فوراً اور جلدی آنا ضروری نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے جب چاہتا ہے عذاب بھیجتا ہے تم ذرا ٹھہرو صبر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ فرما دے۔ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے چنانچہ کافروں پر عذاب آیا اور ان کو زلزلہ کے ذریعہ ہلاک کر دیا گیا۔ جیسا کہ اس رکوع کے آخر میں آ رہا ہے اور اہل ایمان کو بچا دیا گیا جیسا کہ سورۂ ھود میں مذکور ہے۔

الحمد للہ

الحمد للہ ثم الحمد للہ انوار البیان کی جلد سوم ختم ہوئی